تاریخ پنجاب

دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی ایم اے

# فہرست مضامین

[illegible]


| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| دیباچہ | |
| تعریف . . . . . . | ۱ |
| ضرورت . . . . . . | ۱ |
| ہماری موجودہ حالت سے پہلے گذری ہوئی حالتوں کا نتیجہ ہے . . | ۲ |
| تاریخ کا فائدہ . . . . . . | ۴ |
| تاریخ میں اتفاق . . . . . | ۶ |
| تاریخ کی فلاسفی . . . . . | ۷ |
| انسان کی مجموعی زندگی . . . . | ۱۰ |
| تاریخ میں اخلاق . . . . . | ۱۱ |
| ہندوؤں میں سنگٹھن کی عدم موجودگی . . | ۱۳ |
| سوسائٹی یا سماج ایک زندہ آرگنزم ہے . . | ۱۵ |
| انسانی تہذیب کی مختلف حالتیں . | ۱۷ |
| تہذیب کے دو طریقے . . . | |
| جنگی اور غیر جنگی تعاون . . . | ۱۹ |
| مختلف قوموں کی پیدائش . . . | ۲۱ |
| انسان کی مجموعی تعریف . . . | ۲۸ |
| قوم کی اصلی تاریخ کیا ہے . . . | ۳۱ |
| کیا پرانے ہندوؤں کو تاریخ کا خیال نہ تھا . . | ۳۴ |
| پنجاب کی تاریخ . . . . . . | ۳۶ |
| پنجاب ہندوؤں کا اصلی گھر ہے . | ۳۷ |
| پنجاب آریہ نسل کا وطن ہے . | ۳۷ |
| ملک کی تاریخ میں پنجاب کا حصہ | ۳۸ |
| پنجاب کے لوگوں کا چلتر . . . | ۳۹ |
| جغرافیہ کی بابت زمین کی عمر . . | ۴۱ |
| انسانی تہذیب . . | [illegible] |
| آب و ہوا کا اثر . . . . | |
| موجودہ پنجاب کا [illegible] | |

ب


| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| رقبہ اور آبادی ۱۸۲۲ء | ۴۳ | دکن اور دیسی لوگ . . . | ۶۹ |
| پنجاب کے دریا . . . | ۴۳ | اُن کا پھیلاؤ . . . | ۷۰ |
| سندھ . . . . | ۴۴ | اسیریا اور بیبلونیا . . . | ۷۱ |
| اصلی باشندے . . . | ۴۵ | مصر کی تہذیب . . . | ۷۳ |
| آریہ نسل . . . . | ۴۷ | وید میں انسانی تقسیم . . | ۷۵ |
| آریہ نسل کی دوسری شاخیں . | ۴۹ | براہمنوں کے فرائض اور حقوق | ۷۶ |
| تاریخ پنجاب . . . | ۵۱ | وید سوشل آرگنزیشن، یعنی سبھا . | ۷۸ |
| ویدک دھرم . . . . | | | |
| تاریخ کا منبع . . . | | وید میں پالٹکس . . | ۸۰ |
| وید پر مغربی عالم . . . | ۵۳ | ویدک لٹریچر . . . | ۸۳ |
| ہندوؤں میں وید کا درجہ . . | ۵۶ | اُپنشد . . . | [illegible] |
| پنجاب آریوں کا وطن . . . | ۵۸ | پرائیویٹ زندگی . . . | [illegible] |
| سرسوتی . . . . | ۶۲ | مہابھارت کا زمانہ | |
| سپت سندھو کی زمین . . | ۶۳ | نیا زمانہ . . . | |
| قبیلوں کے نام . . . | ۶۴ | مہابھارت . . . | [illegible] |
| پیداوار . . . . | ۶۴ | اُس زمانہ کا ہندوستان کا جغرافیہ | [illegible] |
| جانور . . . . | ۶۵ | | |
| نباتات اور معدنیات . . | ۶۶ | پولیٹیکل حالت . | |
| درس . . . . | ۶۶ | راجہ کے منتری . | |
| دیوآسر سنگرام . . . | ۶۸ | جوڈیشل . . | |

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| محکمہ مال | ۱۰۵ | گورماں اور مہرکل | ۱۶۹ |
| راج نیتی اور جنگ | ۱۰۹ | ہرش وردھن | ۱۷۰ |
| سماجک حالت | ۱۱۰ | بودھ مذہب کا پوزیشن | ۱۷۳ |
| عورت کی پوزیشن | ۱۱۲ | گوروں کے فرائض | ۱۷۹ |
| مذہب اور لٹریچر | ۱۱۵ | بودھ پنڈت چین میں | ۱۸۲ |
| بھگوت گیتا | ۱۱۹ | کمارجیو | ۱۸۶ |
| صنعت و حرفت | ۱۲۰ | گن ورمن | ۱۸۸ |
| شکل و شباہت اور لباس | ۱۲۲ | جن گپت | ۱۹۱ |
| خوراک اور عام اطوار | ۱۲۵ | اموگھ وجر | ۱۹۳ |
| بودھ کال | | ہیون سانگ | ۱۹۵ |
| تاریخ کی تقسیم | ۱۳۰ | کشمیر | ۱۹۶ |
| پنجاب میں بیرونی حملے | ۱۳۲ | ہیون سانگ کا ہندوستان | ۱۹۷ |
| مہاتما بدھ کی پیدائش | ۱۳۴ | ات سنگ | ۲۰۵ |
| ملک کی حالت | ۱۳۷ | اسلام کا دور جدوجہد کا نتیجہ | ۲۰۷ |
| ... پنجاب پر حملہ | ۱۴۰ | البیرونی کا نقشہ | ۲۱۰ |
| ...ت | ۱۵۰ | اسلام کی پیدائش و ترقی | ۲۱۷ |
| ...ی حکومت | ۱۵۸ | محمود کے حملے | ۲۲۴ |
| | ۱۶۵ | غزنی و لاہور | ۲۲۹ |
| | ۱۶۶ | لاہور ... | ۲۳۲ |
| | ۱۶۷ | خلجی حکومت | ۲۳۶ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| تغلق حکومت | ۲۳۸ |
| گکھڑوں کا لیڈر | ۲۴۱ |
| مغل حکومت | ۲۴۴ |
| شیر خان | ۲۴۶ |
| اکبر | ۲۴۹ |
| نورجہان | ۲۵۷ |
| شاہ جہان | ۲۵۹ |
| اورنگ زیب | ۲۶۱ |
| پچھلے بادشاہ | ۲۶۵ |
| بہادر شاہ لاہور میں | ۲۶۶ |
| نادر شاہ | ۲۶۹ |
| ہندو بیداری پچھلا ایک ہزار سال | ۲۷۲ |
| برعکس عمل | ۲۷۷ |
| گورو نانک کی تحریک | ۲۸۰ |
| مذہبی آزادی | ۲۸۳ |
| نانک | ۲۸۵ |
| تین پہلے جانشین | ۲۸۷ |
| مذہبی جماعت پولیٹیکل شکل میں | ۲۹۵ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| پولیٹیکل جماعت جنگی شکل میں | ۳۰۵ |
| خالصہ | ۳۱۲ |
| اعلان جنگ | ۳۱۵ |
| بیر بیراگی | ۳۲۵ |
| ستِ خالصہ کی پشیمانی | ۳۳۶ |
| خالصہ کی جدوجہد | ۳۴۰ |
| میر منوں | ۳۴۷ |
| جسا سنگھ | ۳۵۱ |
| راگھوبا | ۳۵۲ |
| سکھ لاہور میں | ۳۵۷ |
| مثلوں کی قائمی | ۳۶۲ |
| بھنگی مثل | ۳۶۵ |
| گنڈا سنگھ | ۳۶۷ |
| گوجر سنگھ | ۳۶۷ |
| رام گڑھیا مثل | ۳۷۱ |
| کنہیا مثل | ۳۷۳ |
| نکی مثل | ۳۷۳ |
| اہلو والیہ | ۳۷۴ |
| ڈالی والیہ مثل | ۳۷۷ |

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| نشان والا مثل | ۳۷۷ | ستلج پار کی سکھ ریاستیں اور انگریز | ۴۱۱ |
| فیصل پوڑیا مثل | ۳۷۸ | | |
| کروڑا سنگھ مثل | ۳۷۸ | کابل اور پشاور | ۴۱۷ |
| شہید (نہنگ) مثل | ۳۷۹ | سعید احمد | ۴۲۱ |
| پھلکیاں مثل | ۳۷۹ | کابل کی حکومت | ۴۲۳ |
| جیند | ۳۸۱ | انگریز اور کابل | ۴۲۹ |
| نابھ | ۳۸۱ | مہاراج کی ملاقاتیں | ۴۳۲ |
| سکرچکیا مثل | ۳۸۲ | کنور نونہال سنگھ کی شادی | ۴۳۸ |
| مہاراجہ رنجیت سنگھ پنجاب کی پولیٹیکل حالت | ۳۹۰ | روپیہ اور آمدنی | ۴۴۲ |
| | | ڈوگرہ کنبہ | ۴۴۹ |
| حسد اور سازش | ۳۹۱ | مصر دیوان چند | ۴۵۱ |
| راجہ سنسار چند | ۳۹۳ | سردار ہری سنگھ | ۴۵۲ |
| قصور کی فتح | ۳۹۶ | فقیر بھائی | ۴۵۳ |
| گوجرات اور وزیر آباد | ۳۹۷ | پنڈت گنگا رام - دینا ناتھ اور دوسرے افسر | ۴۵۴ |
| بٹالہ | ۳۹۷ | بدیسی افسر | ۴۵۵ |
| نکئی اور فیضو پوریا مثل | ۳۹۸ | بیماری اور موت | ۴۵۵ |
| جھنگ | ۳۹۹ | کیرکٹر | ۴۵۹ |
| ملتان کی فتح | ۳۹۹ | اندھیر نگری | ۴۶۵ |
| ڈیرہ جات اور ہزارہ | ۴۰۳ | نونہال سنگھ | ۴۶۶ |
| کشمیر | ۴۰۵ | رانی چند کور | ۴۶۷ |

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| شیر سنگھ | ۴۷۱ | ملتان کی بغاوت | ۵۱۹ |
| سندھیانوالے سردار | ۴۷۲ | مہارانی جنداں کی جلاوطنی | ۵۲۳ |
| راجہ ہیرا سنگھ | ۴۷۵ | اٹاری کے سردار | ۵۲۷ |
| دلیپ سنگھ | ۴۷۹ | انگریزوں اور سکھوں کا دوسرا جنگ | ۵۳۶ |
| پشورا سنگھ اور کشمیرا سنگھ | ۴۸۰ | نیا زمانہ | |
| | | آزادی کا خاتمہ | ۵۴۹ |
| چیت سنگھ | ۴۸۱ | ۱۸۵۷ء | ۵۵۱ |
| کبیر سنگھ باوا | ۴۸۲ | نامدھاری تحریک | ۵۵۶ |
| جلا پنڈت | ۴۸۲ | آریہ سماج | ۵۶۲ |
| انگریزی راج پنجاب میں انگریزوں کی آمد و ترقی | ۴۸۶ | انڈین نیشنل کانگریس | ۵۶۹ |
| | | سودیشی اور سوراج | ۵۷۱ |
| مرہٹوں کا عروج | ۴۹۰ | ستیہ گرہ اور عدم تعاون | ۵۷۵ |
| انگریز اور سکھ ایمپائر | ۴۹۵ | خلافت گوردوارہ سدھار اور ہندو سنگٹھن | ۵۷۹ |
| انگریزوں سے جنگ | ۴۹۹ | | |
| پنجاب کا نیا انتظام | ۵۰۷ | | |

# دیباچہ

**تعریف** منش سماج کی پیدائش۔ ترقی اور تنزل کا حال اس کی تاریخ کہلاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی ایک تاریخی تذکرہ میں یہ سب حال ایک جگہ پائے جائیں اُن میں سے کسی ایک کا بیان بھی تاریخ کہلا سکتا ہے۔

**ضرورت** ہمیں اپنے موجودہ حالات کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے تاریخ کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ انسانی سوسائٹی کا جو نقشہ ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں اسے تشریح کے ساتھ واضح کرنا تاریخ کا سب سے بڑا کام ہے۔ تاریخ ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر اور کیسے واقع ہوا۔ مثال کے طور پر ہم پنجاب میں یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں پر ہندو آباد ہیں۔ مسلمان بھی ہیں۔ سکھ بھی ہیں۔ ہندو مسلمان اور سکھوں کی ریاستیں بھی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ سارا پنجاب انگریزی قوم کی تحت میں ہے۔ ہم تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم کر سکیں گے کہ ہمارے اوپر حکومت کرنیوالی انگریزی قوم کہاں سے کسطرح اور کیوں آئی؟ اور کسطرح سے اُنھوں نے پنجاب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ سکھ لوگ کس طرح سے پیدا ہوئے۔ ان کی موجودہ ریاستیں کیسے بن گئیں؟ سکھوں کے اندر مذہبی اور پولیٹکل جوش کیوں اتنے زور سے پایا جاتا ہے؟

مسلمان لوگ کہاں سے آئے؟ انکا اس ملک سے کیا تعلق رہا؟

انکار رہا اس ملک کی طرف کیوں خاص طور پرلینے کا ہے؟ ان کے مذہبی اختلاف اور مذہبی جوش کی تہ میں کونسا خیال کام کرتا ہے؟ پنجاب میں مسلمانوں کی اتنی زیادہ تعداد کیسے آگئی؟ ہندو کون ہیں؟ انکا اس ملک سے کیا تعلق ہے؟ مسلمانوں کو وہ ابھی تک غیریت کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہیں؟ ان سب اور ایسے ہی اور سوالوں کا جواب ہمیں تاریخ کے مطالعہ سے ملتا ہے۔

تک رہا یا ایک

**ہماری موجودہ حالت پہلے گذری ہوئی حالتوں کا نتیجہ ہے**

ہی وقت میں پیدا نہیں ہوگئی بلکہ یہ ان ہزاروں تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جن میں سے ہمارے بزرگوں یعنی آباؤ اجداد کو گذرنا پڑا ہے۔ یہ تبدیلیاں بھی خود بخود یا اچانک پیدا نہیں ہوئیں بلکہ سب کی سب ایک متواتر کام کرنیوالے علت و معلول کے سلسلہ کا نتیجہ ہیں یہ سلسلہ تمام قدرت میں اور قدرت کے ذریعہ تمام انسانوں کے اندر لا محدود زمانے سے کام کرتا چلا آتا ہے۔ آنیوالا زمانہ ان سب حالات سے بنایا جا رہا ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ پچھلے حالات کی وجہ سے بنا ہے۔ یہ قانون جتنی قدر تم خیال کر سکتے ہیں پیچھے تک کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک ہندو کی موجودہ زندگی میں کتنا بڑا حصہ رامائن یا مہابھارت کی تعلیم سے موثر ہوتا ہے؟ رامائن اور مہابھارت کے واقعات ہزاروں سال ہوئے اس دیش میں واقع ہوئے لیکن ایک ہندو کی روزانہ زندگی اور جذبات میں ایسا پایا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ ابھی واقع ہو رہے ہیں وید اُن سے بھی ہزاروں

سال پہلے لکھے گئے۔ لیکن اس وقت بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ویدوں کی تعلیم دینے والے رشی ہمارے کانوں میں اسی میٹھے سور سے گانا کرتے ہیں جیسا کہ ہزاروں سال ہوئے ہمارے بزرگوں کے کانوں میں کیا کرتے تھے۔ ایک ہندو بچہ ہندو سماج میں پیدا ہو کر اپنی ابتدائی زندگی میں ہی اس ساری ترقی سے بہرہ ور ہو جاتا ہے جو کہ ہندو قوم نے ہزاروں سال میں کی ہے۔

علم تاریخ ہماری زندگی کو لا انتہا طور پر لمبا کر دیتا ہے کہا جاتا ہے کہ پچھلی صدی کی سائنس کی ترقی کا بڑا کرشمہ یہ ہے کہ سائنس نے اس زمین پر سے اور اس زمین اور دوسرے اجرام فلکیہ کے درمیانی فاصلے کو کاٹ دیا ہے۔ سٹیم اور بجلی کی امداد سے لی ہوئی ایجادوں نے اس زمین پر دور دراز کے رہنے والی قوموں کو ایک دوسرے کے اتنا نزدیک کر دیا ہے کہ ہمیں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے منٹ منٹ خبر پہنچتی رہتی ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں کیا ہو رہا ہے۔ جو فاصلہ ہم پہلے سالوں میں طے کرتے تھے اسے اب دنوں میں طے کر کے ہم دوسرے لوگوں سے میل جول اور تجارت پیدا کر سکتے ہیں۔ دور دیکھنے والے اوزاروں کی مدد سے دوسرے ستاروں اور سیاروں کی بابت ہمارا علم بھی بڑھ رہا ہے۔

جس طرح سائنس فاصلہ کو کاٹ کر کم کر دیتی ہے اسی طرح تاریخ ہمارے لئے وقت کو کاٹ کر بہت چھوٹا کر دیتی ہے۔ ہم فرانس کے انقلاب پر ایک کتاب پڑھتے ہوئے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم انقلاب عظیم کے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہماری زندگی خود بخود ہی بڑھ

سو سال کے قریب ہی ہو جاتی ہے۔ جب ہم رامائن یا مہابھارت کے
حالات کو سنتے یا پڑھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اسی زمانے
کے بھارت ورش میں رہتے ہوئے اس زمانہ کی سماجک حالت کو
اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس سے ہماری چند سالوں کی زندگی چند
ہزار سال لمبی ہو جاتی ہے۔

اگر پچھلے زمانے کے واقعات کا کوئی علم موجود نہ ہو تو ہمارا ماضی اور مستقبل
بالکل کورا ہو جاتا ہے اور ہم اپنے آپ کو خلا کے ایک بڑے سمندر میں ایک
ذرہ کی مانند لٹکتا ہوا سمجھ سکتے ہیں جس کا کوئی آگا پیچھا نہیں ہے۔

## تاریخ کا فائدہ

تاریخ کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ ہم اس کے
مطالعہ کے ذریعے پچھلے سارے انسانی تجربے
کا علم حاصل کر کے اس سے دانائی اور سبق سیکھ سکتے ہیں اور یہ دانائی
ذہن کے اندر جتنی زیادہ بڑھتی جاتی ہے اتنے ہی زیادہ ہم ترقی یافتہ
ذہین سمجھے جاتے ہیں۔ اسی دانائی کے ذریعہ ہم ان قوانین کا پتہ لگاتے ہیں
جو کہ ہماری شخصی اور مجموعی ترتیبوں کے اندر کام کرتے ہیں۔ شخصی زندگی کو
قائم رکھنے اور نرباہ کرنے کے لیے جو قانون انسان دریافت کرتے رہے ہیں
وہی ہمارا دھرم شاستر یعنی مذہبی اور نیتک قوانین سمجھے جاتے ہیں۔ مجموعی زندگی
کو بھی نرباہ کرنے والے قوانین کو راج نیتی شاستر کہا جاتا ہے۔ اخلاقی
قوانین کا توڑنا ہماری شخصی زندگی کے لئے مہلک ہوتا ہے۔ اسی طرح مجموعی زندگی
کے قوانین کا توڑنا ہماری قومی اور ترقی کے لئے تباہ کن ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا دیکھا گیا
ہے کہ کئی قوموں میں اپنی مجموعی طاقت کا گھمنڈ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ انسان کی ذاتی خوبیوں کو
بالکل نظر انداز کرنے لگ جاتی ہیں کچھ عرصہ تک ان ذاتی کمزوریوں کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا لیکن وقت آتا

ہے۔ جب اسے کسی ایسی قوم سے ٹکر یا واسطہ پڑتا ہے جسمیں مجموعی خوبیوں کے ساتھ ساتھ افرادی خوبیاں بھی زور سے پائی جاتی ہیں تو وہ قوم ٹکر کھا کے ہی چور چور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایسی اور مثالیں ہمارے سامنے ہیں جہاں کہ ایک قوم کے افراد کی ساری توجہ ان کی ذاتی خوبیوں میں لگ جاتی ہے اور ان کی مجموعی زندگی اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ جب انہیں محض مجموعی طاقت رکھنے والی ایک قوم سے مقابلہ پڑتا ہے تب اسکی تمام افرادی خوبیاں اُسے بچانے سے قاصر ہوتی ہیں۔

دنیا میں بہتیری ایسی قومیں ہوئیں جنہوں نے ترقی کی۔ اس ترقی سے انکا گھمنڈ بڑھا اور انہوں نے دوسروں پر غلبہ حاصل کیا۔ اس غلبہ کی بدولت انہیں بے حد دولت حاصل ہوئی اس مال و دولت کی ترقی کا نتیجہ انکو آرام اور آسائش کی محبت پیدا ہوئی اس محبت سے ان میں وہ غفلت اور کاہلی آئی جس نے انکو کمزور کر کے تباہ کر دیا۔

ترقی کے اندر گھمنڈ کا بیج ہوتا ہے گھمنڈ میں دوسروں پر غلبے کا بیج ہے آرام پسندی اور آرام پسندی میں تباہی کا۔ دوسری قوموں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جن میں ترقی کا رخ دوسری طرف چلا گیا وہاں ہم نہ قومی گھمنڈ دیکھتے ہیں نہ دوسروں پر غلبہ کی خواہش اور جنکی ترقیاں انہیں اس دنیاوی گھمنڈ اور غلبے پر لات مارنا سکھاتی ہے اور جن کا کیرکٹر ایسا بن جاتا ہے اس سے افرادی خوبیاں اور تنہائی اور ضبط نفس کی مثالیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن مجموعی زندگی کمزور ہو جاتی ہے اور انہیں یہ بات بھول جاتی ہے کہ یہ دنیا جد و جہد کا مقام ہے۔ اس قدرتی قانون سے غافل ہو کر بھی وہ ایک دوسری طرح کی کاہلی اور سستی کا شکار ہو جاتے ہیں جو انکی

تباہی کا باعث ہو جاتی ہے۔ بات عجیب ہے لیکن درست ہے کہ ایک طرف گھمنڈ کی موجودگی اور دوسری طرف گھمنڈ کی عدم موجودگی دونوں ہی قوم کی تباہی کا بیج پایا جاتا ہے۔

## تاریخ میں اتفاق

انسان کی شخصی زندگی میں ہمیں کئی مثالیں دکھائی دیتی ہیں کہ ایک آدمی سے ذرا سی غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ اس کی ساری آئندہ زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ ایک آدمی ٹریم کار پر سفر کرتے ہوئے ذرا سا پھسل جاتا ہے اس کے جسم کا ایک حصہ کٹ جاتا ہے وہ باقی تمام زندگی کے لئے ناکارہ بن جاتا ہے اسی طرح کے کئی حادثات ہم قوموں کی زندگیوں میں بھی دیکھتے ہیں۔ بڑے بڑے انقلابوں یا جنگوں کے دوران میں ہمیں کئی بار یہ کہنے کا موقعہ ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آئندہ کی تاریخ بالکل بدل جاتی۔

یہ ایک بڑا بھاری سوال ہے کہ قوموں کی تاریخوں میں اتفاق کا کیا حصہ ہے اور چھوٹے چھوٹے حادثات کا تاریخ پر کیا اثر پڑتا ہے اس سوال کا جواب دو مختلف طریقوں سے دیا جا سکتا ہے ایک تو بالکل منطقی طریقے پر۔ وہ اسطرح کہ اگرچہ شخصی زندگی کی طرح قومی واقعات میں بھی حادثات ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کا دائمی اثر صرف اسی حالت میں ہوتا ہے جبکہ اس شخص یا قوم کے اندر ان کے پیدا کرنیوالی کمزوری بھی پائی جاتی ہو۔

جو شخص ٹریم سے پھسل کر اپنے آپکو ہمیشہ کے لئے لنگڑا کر لیتا ہے اسکی عادت میں ایک قسم کی بے پروائی پائی جاتی ہے جو کہ ایسے نازک موقعہ پر اسے غافل بنا دیتی ہے اور جو بے پرواہی اگر اسوقت اپنا اثر پیدا نہ کر

تو کسی اور موقعہ پر ویسا ہی اثر پیدا کر دیتی۔ شخصی زندگی کی طرح قومی حالت
میں بھی قوم میں بعض ایسے نقص آ جاتے ہیں جو اسے غلطیوں کا شکار بنا دیتے
ہیں اور جس سے اس کے دشمنوں کو از حد فائدہ پہونچتا ہے۔ مثلاً ایک
جنگی افسر میدان میں کمزوری دکھاتا ہے یا اپنی قوم کے ساتھ بیوفائی
کر کے دشمن کے ساتھ مل جاتا ہے تو یہ محض اتفاق کی بات نہیں ہے۔
اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قوم میں قومی وفاداری کا مادہ اتنا کمزور
ہو چکا ہے کہ وہ اپنے لئے رہنما چننے میں اچھے بُرے کی پہچان نہیں
کر سکتی۔ یا اس قومی کمزوری کی وجہ سے اس کے رہنما بھی کمزوری کا
آسان شکار بن جاتے ہیں۔

اس کے جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض نازک موقعوں پر قدرت
کی طرف سے حادثات واقع ہو جاتے ہیں جنکا اثر تاریخ پر دائمی پڑتا ہے
اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ تاریخی واقعات کی رفتار میں کوئی
پوشیدہ طاقت کام کرتی ہے جسے ہم اتفاق یا ہونی (بھاوی) کہہ سکتے
ہیں۔ اسی پوشیدہ طاقت کو ہی بعض فلاسفروں نے خدائی طاقت نام
دیا۔ انکا کہنا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خاص قوانین کے ماتحت
خدائی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال میں اسی طاقت
کا ہاتھ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نظر میں یہ دنیا ایک بڑا بھاری
ناٹک ہے جس کے سٹیج پر مختلف ایکٹروں کی طرح قومیں آتی ہیں اور اپنا
کھیل کر کے پردے کے پیچھے چلی جاتی ہیں۔ اس سارے ناٹک کی تہ میں
خدائی تدبیر کام کرتی ہے۔

**تاریخ کی فلاسفی** قوموں کی تاریخ کا بہت سا حصہ جنگوں یا لڑائیوں کے

بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جنگ زیادہ تر ایک قوم کے اپنی ہمسایہ قوم کے خلاف ہوتے ہیں۔ اندرونی طور پر دیکھنے سے ہر ملک میں آبادی کے کئی مختلف طبقے ہوتے ہیں اور ان طبقوں کی ایک دوسرے کے ساتھ جدوجہد چلتی رہتی ہے۔ ان کے علاوہ خاص مذاہب کے عروج نے مختلف ممالک اور اقوام پر اپنا خاص خاص اثر ڈالا ہے اور مذہبی اختلافات کی بنا پر بھی اقوام میں بہت سی گڑبڑ مچتی رہتی ہے۔ بہتیرے بادشاہ۔ بادشاہی خاندان بھی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے ذاتی یا خاندانی مفاد کو مدنظر رکھکر اپنی اور دوسری قوموں کے مستقبل کو بدلنے کی کوشش کی ہے تاریخ کی فلاسفی اس امر کے دیکھنے میں پائی جاتی ہے کہ وہ کون سے بڑے خیال ہیں جنہوں نے ان تاریخی طاقتوں کو چلانے کا کام کیا ہے۔ اور جو کہ ظاہرا انسانی جنگ و جدل اور انقلابات کی تہ میں کام کرتے ہیں۔

فرانس کے بڑے انقلاب کو لیکر دیکھیں اس نے عوام کے جذبات کو کیونکر بھڑکایا؟ اور کس طرح اس کی بدولت پیرس اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں لوگوں کا کشت و خون ہوا۔ بعد میں اس کی وجہ سے یورپی اقوام میں کتنے بڑے جنگ و جدل ہوئے ان سب واقعات اور قصے کہانیوں سے کتابوں کے صفحے کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن تاریخ کے ایک محقق کی نظر میں ان واقعات کی کوئی بڑی حقیقت نہیں وہ ان کی تہ میں اس طاقت کو جاننے کی کوشش کرتا ہے جو یہ سب نظارے ہماری نظروں کے سامنے لاتی ہے ان سب تاریخی نظاروں کو پیدا کرنے والا عام طور پر ایک خیال ہوتا ہے جو کہ انسانوں کے دلوں پر اپنا اثر ڈالکر ان کے کاموں کو ایک سانچے کی شکل میں ڈال دیتا ہے

اس خیال کو ماننا اور اس کے بواعث اور نتائج کو اچھی طرح سمجھنا بھی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ کیا ہم یہ بات اچھی طرح سے نہیں جانتے کہ فرانس کے انقلاب کی تہ میں ایک خیال کام کرتا تھا جس کی بنیاد فرانس کے فلاسفروں نے ایک مدت پہلے سے ہی فرانس کی سرزمین میں ڈالدی تھی اس خیال کو ایک انقلابی شکل دینے والا روسو نامی ایک مشہور فلاسفر ہوا ہے۔ روسو نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھکر انسانی سوسائٹی کی نابرابری کے برخلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ جب اس نے یہ کہا کہ انسان اپنی قدرتی حیوانی حالت میں موجودہ تمام ترقی یافتہ حالات کی نسبت سکھ اور آرام والی حالت میں تھا۔ کیونکہ موجودہ تمام ترقی انسان کی نابرابری پر مبنی تھی۔ روسو کے اس خیال کو سنکر فرانس کے امیر لوگ اس پر ہنستے تھے لیکن اس خیال کی گہرائی کو سمجھنے والے ایک فلاسفر نے کہا۔ وقت آئیگا کہ ان لوگوں کے بیٹوں پوتوں کا چمڑا جو اس کتاب سے دل لگی کرتے ہیں اس کی جلدیں باندھنے کے کام آئیگا۔ یہ پیشینگوئی بڑی زبردست لیکن سچی ثابت ہوئی۔ اس خیال نے طاقت پکڑ کر فرانس میں ایک ساخت انقلاب پیدا کر دیا۔ اس انقلاب کی بدولت سینکڑوں اور ہزاروں امیر عورتوں اور مردوں کے صرف اس قصور کی سزا میں سر قلم کر دیئے گئے کہ ان کا جنم امیروں کے گھر میں ہوا تھا۔

یوروپ کے پچھلے جنگ عظیم میں یوروپی ممالک کے اندر سمندر کی تہ میں زمین پر اور آسمان پر تباہی کی جو تصویر نظر آتی ہے کیسی خوفناک ہے! یہ ساری تصویر ایک بڑے درخت کے تنے کی شاخوں اور پتوں کی مانند ہے۔ اس تصویر کا اصلی کارن اس بڑے درخت کے بیج

کی طرح ایک نہایت باریک سا خیال ہے جس نے ایک انسان کے دلمیں جگہ کر لی تھی۔

جرمنی کے بادشاہ قیصر یا اس کی قوم میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ دنیا میں جرمنی دماغ اور کلچر کا غلبہ ہونا چاہیئے اور اس خواہش نے یوروپ میں ایک جنگ عظیم برپا کر دی۔ جرمنی میں یہ خواہش کیوں پیدا ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ پچھلے تین سو سال کے اندر یورپی قوموں کے درمیان دنیا میں اپنی طاقت اور تجارت کو پھیلانے کا بڑا جذبہ کام کر رہا تھا۔ اور جب یوروپ کی دوسری قومیں انگلینڈ، فرانس وغیرہ اس جذبے کو پورا کرنے کے لئے آپسمیں لڑ رہے تھے جرمنی ایک گہری نیند میں سو رہا تھا۔ جب جرمنی کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کے سوتے ہی دنیا ساری لُٹ گئی اور اب اسکا بھی یہ کام ہے کہ اس لوٹ سے اپنا حصّہ حاصل کرے۔ یوروپ کی قومیں کچھ صدیوں سے دنیا کی پیچھے رہی ہوئی قوموں کو ہضم کر جانے کے درپے تھیں اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے انکا باہمی جنگ ایسا ہی ایک نظارہ ہے جیسا کہ ہڈی کو چھیننے کے لئے کتے آپسمیں لڑا کرتے ہیں

## انسان کی مجموعی زندگی

انسان کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان دو پاؤں پر چلنے والا حیوان ہے۔ دوسری یہ ہے کہ انسان باتیں کرنے والا حیوان ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ انسان ایک سماجک حیوان ہے۔ آخری تعریف کے یہ معنی ہیں کہ انسان اسوقت اسکا درجہ حاصل کرتا ہے جبکہ بہت سے ملکر وہ ایک سبھا یا سوسائٹی کی حالت میں رہنا شروع کر دیتے ہیں

افرادی حالت میں انسان اکیلا حیوان سے بڑھ کر کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کسی انسان کو جنگل میں تن تنہا چھوڑ دو یا اکیلا ایک کوٹھری میں بند کر دو اسکے ساتھ ملنے جلنے والا کوئی اور نہ ہو تو ایسے رہ سہنے آپکو ایک حیوان سے بدتر پاتا ہے۔ جو کچھ کہ ہم ہیں۔ اپنی سوسائٹی کی پیدائش ہیں۔ ہماری زندگی خاص قسم کی خوشیوں۔ وچاروں۔ غموں اور جذبات کا مجموعہ ہے اور یہ سب ہمارے اندر ہماری سوسائٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔ سوسائٹی شخصوں سے اوپر اور علیحدہ ایک آزاد ہستی ہے۔ اس سماج جب جیون کے آغاز سے ہی منش جیسا بناتا ہے۔ اس سے وہ سبھا میں شامل ہوتا ہے۔ اسی وقت ہی اس کی سبھتا کی بنیاد پڑ لی ہے۔ اس سبھا یا سوسائٹی کو قائم رکھنا ہر ایک انسان کا فرض ہے۔ ایک ودوان کا یہ مقولہ ہے کہ اپنی سوسائٹی کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں اپنی شخصیت کو قربان کر دینا چاہیے اور اگر ہم اپنی ذات کو اپنی سوسائٹی سے برتر سمجھتے ہوں تو ہمیں چاہیے کہ ہم سوسائٹی کو ترک کرکے اکیلے جنگل میں جا کر رہنا شروع کر دیں۔

## تاریخ میں اخلاق

انسان نے نیکی اور بدی کو جانچنے کے لیے چند اصول مقرر کر دیے ہیں۔ ان اصولوں کو مختلف مذاہب کے ہادیوں نے اپنا سہارا دیکر اپنے مذہب کا حصہ بنا لیا ہر جگہ انسانی سوسائٹی مذہبی خیال سے یا اخلاقی خیال سے ان اصولوں کو درست سمجھتی ہے اور ان کی تعلیم دینا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ مثلاً سچ بولنے کو انسان نے سب سے اونچا درجہ دیا ہے اور ہم کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ دنیا میں سدا سچ کی فتح ہوئی ہے اور سچ کے

بولنے میں ہر قسم کا خطرہ اُٹھانے پر تیار رہنا چاہیے۔ دوسرا بڑا اصول وہ سنہری قاعدہ ہے جس میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہم دوسرے انسانوں سے ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ کریں یعنی ہم کسی کی جان کو تکلیف نہ دیں اور نہ کسی کے مال کو ناجائز طور پر لینے کی کوشش کریں۔ اس قسم کے اخلاقی اصولوں میں تعلیم پاتے ہوئے ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہم انہی اصولوں کے عمل کو تاریخ میں بھی دیکھیں۔ لیکن تاریخ کا مطالعہ اسبارے میں ہمارے لئے بڑا مایوس کن ہے۔ تاریخ میں ہمیں نہ سچ کی فتح نظر آتی ہے نہ محبت کی۔ بلکہ جہاں کہیں مادی طاقت زیادہ ہوتی ہے وہ میدان میں بازی لے جاتی ہے۔

ہندوؤں کی تاریخ میں ہمیں یہ دیکھنے کا کافی موقعہ ملیگا کہ جن لوگوں نے صدیوں تک پنجاب پر حملے کر کے لوٹ مچا دی خواہ وہ شاک تھے یا افغان یا غضن سب کے سب اخلاقی خوبیوں کے لحاظ سے ہندوؤں سے بدرجہا نیچے تھے۔ ان حملہ آوروں کے اندر نہ رحم کا خیال تھا نہ انسانی محبت کا نہ دوسرے کی جان و مال کی عزت تھی نہ کوئی اخلاقی پاکیزگی پائی جاتی تھی۔ ہندوؤں میں یہ سب باتیں موجود تھیں لیکن ان کی موجودگی ہندوؤں کو تکلیف سے بچانے میں مددگار نہ ہو سکی۔ تاریخ کو غور سے پڑھنے والا یہ دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اور چلا اٹھتا ہے کہ کیا دنیا میں کوئی ایشور ہے جو کہ اچھے اور برے کرموں کا بدلہ دیتا ہے۔ اگر کوئی ایشور ہے تو کیا وجہ ہے کہ ظالم لوگ دنیا میں پھلتے اور پھولتے ہیں اور نیک اور انصاف پسند ہمیشہ مصیبت اور عذاب میں رہتے ہیں؟ تاریخ میں

بے رحمی اور بے انصافی کو دیکھکر بہتیرے لوگ ایشور اور اخلاق سے
ہی منکر ہو بیٹھے ہیں۔ ہماری سمجھ میں تھوڑا سا پھیر ہے جو ہم اس بات کو
سمجھنے کے ناقابل ہیں اصل بات یہ ہے کہ سب اخلاقی خوبیاں بڑی اعلیٰ
ہیں لیکن ان کے لئے امن کی حالت ہونا لازمی ہے۔ جہاں کہیں امن
کی بجائے کشمکش کا وقت آجاتا ہے اور اس دنیا میں کشمکش کا وقت ہمیشہ
رہیگا تو ان سب اخلاقی خوبیوں کی بجائے ایک خوبی زیادہ کارآمد اور
اعلیٰ ہو جاتی ہے اور وہ باہمی سنگھٹن ہے۔ جن لوگوں میں زیادہ سنگھٹن
ہوتا ہے خواہ ان میں اخلاقی خوبیاں نہ بھی ہوں وہ ہمیشہ ان لوگوں پر
فتح پا لیتے ہیں جن میں سنگھٹن نہیں ہوتا خواہ ان میں باقی کی سب خوبیاں
موجود ہوں۔ اگر سنگھٹن موجود ہو تو دوسری اخلاقی خوبیاں سوسائٹی کو زیادہ
مضبوط بناتی ہیں۔ لیکن اس جدوجہد کی دنیا میں اخلاقی خوبیوں اور سنگھٹن
کو ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھکر تولا جائے تو سنگھٹن کا پلڑا ہمیشہ زیادہ
بھاری ہی ہوتا ہے۔ انگلینڈ کے مشہور فلاسفر ہربرٹ سپنسر نے اس مضمون
پر بحث کرتے ہوئے ایک نتیجہ نکالا ہے اور اسی میں اس کی فلاسفی
کا مدار ہے "جو قومیں یا قبیلے زیادہ سوشل ہونگے وہ ہمیشہ کم سوشل
قوموں اور قبیلوں پر راج کریں گے"۔

## ہندوؤں میں سنگھٹن کی عدم موجودگی

خواہ ہندوؤں کی فلاسفی کی وجہ سے تھا۔ خواہ
بدھ مذہب اور جین مذہب کی تعلیم کی وجہ سے۔ ہم ہندوؤں میں یہ دیکھتے
ہیں کہ ان کے اندر انسانی محبت اور ہمدردی کا جذبہ اتنا بڑھ گیا تھا
کہ انہیں کسی غیر سے نفرت نہ رہی تھی اور نہ انہیں باہمی سنگھٹن کی ضرورت

محسوس ہوئی۔ اس سنگھٹن کا نہ ہونا ہی ہندوؤں کے لئے اس کمزوری کا باعث تھا جس نے انکو دنیا میں رسوا کردیا۔ بیشک مسیح کی تعلیم میں یہ پایا جاتا ہے کہ تم اپنے دشمن سے محبت کرو۔ لیکن مسیح کے چیلوں نے کبھی اسپر عمل نہیں کیا۔ مہاتما بدھ نے نہ صرف اس اصول کی تعلیم دی بلکہ ہندوستان کو یہ فخر ہے کہ مہاتما بدھ نے دنیا میں اس اصول کو عملی صورت دینے کی کوشش کی۔ بدھ کی تعلیم کا سار یہ تھا "دشمن پر محبت سے فتح حاصل کرو۔ جنگ کے اوزاروں کو پرے پھینکدو" یہ بڑا تجربہ کیا گیا اور اس میں ناکامی ہوئی۔ لیکن اس نے ہندوؤں کی سنگھٹن کی طاقت کو بھی غائب کردیا۔

اب اگر سنگھٹن ہو تو کس بنا پر؟ ہندوؤں کے مقابلے پر جتنی قومیں کام کرتی ہیں ان میں مذہب کے ذریعے بڑا مضبوط سنگھٹن کیا گیا ہے کیا ہندوؤں کو بھی کسی ایسے مذہب کا سہارا لیکر سنگھٹت ہونا چاہئے مذہب کے ذریعے جتنے سنگھٹن ہوئے ہیں ان میں بڑی برائی یہ ہے کہ وہ دنیا میں سے آزادی ضمیر اور بردباری کی سپرٹ کو تباہ کر دیتے ہیں۔ انکا سنگھٹن باقی ان تمام لوگوں کے برخلاف ہے جوکہ ان کے مذہبی خیالات میں ان کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے موجودہ حالت میں اگر ہندوؤں کو کسی سنگھٹن کی ضرورت ہے تو اس کی غرض ان کا اپنی ہستی کو بچانا اور دنیا میں اس ضمیر کی آزادی کو قائم رکھنا ہونی چاہئے۔ اگر کوئی اعلی اصول ہے جوکہ دنیا کو ایک قدم آگے لے جا سکتا ہے اور جس کی اسوقت اشد ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ ان مذہبی سنگھٹنوں کو توڑکر ضمیر کی آزادی کے جھنڈے کے نیچے ایک سنگھٹن

کیا جائے۔ اس سنگٹھن کا منشا یہ ہوگا کہ دنیا کو اس ضمیر کی غلامی سے جو
کہ ان مذاہب نے ڈال رکھی ہے آزاد کرے۔ صرف ہندو ایک قوم
ہے جس نے آتما کی آزادی کو سب سے اونچا درجہ دیا ہے۔ کسی قسم کا
مذہبی خیال رکھنے والا ہندوؤں میں عزت کا مستحق مانا گیا ہے۔ اسلئے
صرف ہندو ہی ہیں جو کہ پھر دنیا میں اس آزادی کو قائم کریں گے۔ ہندو
تہذیب کا مدعا تمام خیالات۔ انرجی اور کام کو جسم۔ دماغ اور آتما کی ترقی
میں لگانا۔ پریم اور بردباری کو قائم کرنا۔ خودی کو مشترکہ بھلائی کے ماتحت
کرنا اور دوسروں کے بھلے کیلئے ذاتی اغراض کو قربان کرنا۔ آتما کو پرماتما میں جذب کرنا اور اس
سچائی کو محسوس کرنا ہے کہ سب برہمانڈ کے اندر ایک آتما کام کر رہی ہے اور ہم سب اسکے ہی حصے ہیں۔

## سوسائٹی یا سماج ایک زندہ ارگنزم ہے

دنیا میں دو طرح کی اشیا ہیں ایک جاندار
اور دوسری غیر جاندار۔ ان دونوں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ جاندار
بیرونی حالات کے اثر سے بدلتی رہتی ہیں اور غیر جاندار میں باہر کے اثر
سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ ایک پتھر کے اوپر سے آندھی اور طوفان
گذر جاتے ہیں لیکن وہ ویسے کا ویسا بنا رہتا ہے۔ دوسری طرف
ایک پودے پر سورج کی روشنی نہ آنے دو اسے زمین سے خوراک
نہ لینے دو۔ وہ مرجھانا شروع کر دیتا ہے۔ اور کچھ دیر کے اندر مر جاتا
ہے۔ انفرادی حالت میں انسان ایک چیتن طاقت ہے۔ ہمارا سوال
ہے کہ مجموعی حالت میں بھی انسان کہاں تک ایک چیتن طاقت
کہلا سکتے ہیں؟

اکیلا انسان جنگل میں رہتا ہوا حیوانی حالت میں ہوتا ہے جب

مرد اور عورت ملکر اکٹھے رہتے ہیں اور بچے بھی پیدا کرتے ہیں تو ان کی حالت ایک کنبے کی ہو جاتی ہے۔ انسانوں کے اس مجمع میں اسی درجے تک مجموعی جہتی طاقت بھی پیدا ہو جاتی ہے انکو سکھ اور دکھ دینے والی طاقتیں ایک سی ہوتی ہیں۔ ان سب کا نفع نقصان ایک ہی بات میں ہوتا ہے۔ ان سب کی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہو جاتی ہے۔ جب کئی ایک کنبے ملکر اکٹھے رہتے ہیں تو وہ ایک قبیلہ (ٹرائب) کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسوقت اس کے اندر قبیلے کی مجموعی جہتی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان سب کا نفع و نقصان ایک ہی بات میں ہوتا ہے۔ دشمنوں سے اپنی حفاظت کرنے۔ اور دوسروں کے ساتھ لڑائی کرنے یا صلح رکھنے میں ان کی ذمہ داری ایک سی ہوتی ہے۔ اس سوسائٹی کے مختلف حصے ایک جاندار کے مختلف حصوں کی طرح کام کرتے ہیں جب بہت سے قبیلے ملنے پر ان کے حقوق اور ذمہ داریاں ایک ہو جاتی ہیں تو سماجک ترقی میں ان کا درجہ ایک قوم کا ہو جاتا ہے۔ اور ان کے اندر ایک قومی جہتیا پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ بعض چھوٹے درجہ کے حیوانوں مثلاً چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں فطرتاً ہی اس قسم کا سماجک سنگھٹن پایا جاتا ہے لیکن انکا سنگھٹن ابتدائی حالت سے آگے ترقی نہیں کر سکتا۔

انسانی سوسائٹی یا سماج ایک ہستی ہونے سے افراد پر اپنا اثر مشترکہ طور پر ڈالتی ہے۔ سوسائٹی اچھی ہونے سے ان کے اندر رہنے والے افراد ایک سانچے میں ڈھلکر اچھے بنتے ہیں۔ سوسائٹی میں برے خیالات

برا آچار۔ یا برا علم ادب موجود ہونے سے اس کے افراد انہی کے سانچے میں
ڈھلتے ہیں۔ اگر سوسائٹی آزاد ہے تو اس کے افراد آزادی کی آب و ہوا
میں پلکر نڈر ہوتے ہیں۔ جب وہ سوسائٹی دوسرے کے ماتحت ہوکر غلام
بنجاتی ہے تو اس کے سب افراد غلامی کی آب و ہوا میں پل کر غلامی کی
برائیاں اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی غریب ہوگی تو اس کے
برے اثر سب افراد پر اپنا عمل کریں گے۔ اگر دولتمند ہوگی تو اس کے
سب افراد اس سے اچھی طرح متاثر ہونگے۔ قحط یا وبا کا اثر بھی ساری
سوسائٹی پر پڑتا ہے۔ سوسائٹی میں رہنے والے افراد اسکا ایک ایسا
حصہ بنجاتے ہیں کہ ان کی ذات سوسائٹی میں جذب ہو جاتی ہے اور وہ
اکیلے نہ زندہ رہ سکتے ہیں نہ ترقی کر سکتے ہیں۔

## انسانی تہذیب کی مختلف حالتیں

یہ ضروری نہیں کہ سارے انسان سبھیہ (مہذب) وستھا میں ہی رہتے ہوں۔ زمین کے مختلف حصوں میں اس زمانے میں بھی
ایسے انسان موجود ہیں جو ابھی تک جنگلوں میں حیوانی حالت میں رہتے
ہیں ان کی کوئی سوسائٹی نہیں۔ ابھی تک انہوں نے افرادی حالت سے آگے
کنبہ کے درجے تک بھی ترقی نہیں کی ان کی ابھی تک کوئی زبان نہیں بنی
وہ بولتے ضرور ہیں لیکن ان کی بولی جنگلی جانوروں کی طرح چند آوازوں
تک محدود ہے ان آوازوں کے ذریعے وہ خاص حالات میں اکٹھے
ہو جاتے ہیں۔ لیکن انکا اکٹھا ہونا ایسا ہی ہے جیسے کئی دوسرے
حیوانوں کا ہے۔ انکا سب سے بڑا جذبہ ایک ہی ہے بھوک ا سے
دور کرنیکا طریقہ بھی سیدھا سادھا ہے۔ اگر درخت سے کچھ ملا تو وہ کھانا

اگر وہ نہ ملا تو جانور مار کر اس پر گذارہ کر لیا۔ اس کے لئے اسے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے جن کو وہ پہلے پہل پتھروں سے اور بعد میں لوہے کی مدد سے بناتا ہے۔ ان ہتھیاروں کا استعمال ہی اس کی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔
اس جنگلی حالت سے ترقی کر کے انسان کنبے کی حالت میں آتا ہے وہ اپنی زبان میں بھی ترقی کرنا شروع کرتا ہے وہ بھیڑ بکری جیسے جانوروں کو پالنا شروع کر دیتا ہے۔ انہی سے وہ ضرورت کے مطابق اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے ترقی کا اس سے اگلا درجہ جبکہ انسان حیوانوں کے ساتھ ساتھ خاص قسم کی نباتات کو پیدا کرنا شروع کرتا ہے۔ کھیتی کا درجہ ہے۔ کھیتی کرنے سے پہلے انسان کی زمین کے ساتھ محبت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے رکھے ہوئے جانوروں پر انحصار رکھتا ہے۔ اور انہی کو ساتھ لئے جہاں ان کی خوراک کے لئے سرسبز زمین دکھائی دیتی ہے وہاں اتنی دیر تک ڈیرہ جمائے رکھتا ہے۔ جبتک کہ وہ سبزی ختم نہیں ہو جاتی۔ جب انسان ترقی کی اگلی منزل یعنی کھیتی کرنے پر قدم رکھتا ہے تو اسے ایسی زمین کی تلاش ہوتی ہے جو اس کے لئے زیادہ کارآمد ہو۔ اس زمین پر آباد ہو جانے سے قدرتی طور پر اس کے ساتھ انسان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہیں پر وہ اپنے رہنے کا مستقل انتظام کرتا ہے اور اسے ہی وہ اپنی زمین سمجھنے لگ جاتا ہے۔ آسانی سے کھیتی انہی مقامات پر ہو سکتی ہے جہاں پانی کثرت سے ملسکتا ہے اس لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جتنی بھی پرانی تہذیبیں پیدا ہوئیں ان کی ابتدا ان مقامات پر ہوئی ہے جو دریاؤں کے کناروں پر واقع تھے۔ ہمارے دیش کی تہذیب کا آغاز دریائے سندھ اور اس کے پانچ یا چھ دریاؤں کے کناروں پر ہوا دوسرے الفاظ میں پنجاب ہی آریہ تہذیب کا سب سے پہلا اور پرانا گھر ہے۔ کچھ عرصہ

بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ تہذیب پنجاب سے چلکر گنگا کی وادی میں جا قائم ہوئی اور وہاں اسے اتنا عروج ہوا کہ وہ مقام بھی اس تہذیب کا وطن سمجھا جانے لگا۔ اسی طرح مصر کی تہذیب دریائے نیل کے کنارے شروع ہوئی یہی دنیا کی دجلہ اور فرات کے کناروں پر۔ اسی لئے تاریخ داں اس ابتدائی زمانہ کو دریائی تہذیب کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا جبکہ جہازرانی کا ہنر دریافت ہوا اور اس ہنر کی مدد سے ان اقوام نے ترقی کے میدان میں قدم رکھا جو کہ چھوٹے چھوٹے سمندروں کے کناروں پر آباد تھیں۔ ان لوگوں نے کھیتی سے آگے بڑھ کر تجارت کے میدان میں قدم رکھا اور ایک جگہہ کی تہذیب کو دوسری جگہہ لیجانے میں بڑا کام کیا۔ تہذیب کی اس حالت کو بحیروں کی تہذیب کہا جاتا ہے۔ پرانے فی نی شی ان اہل یونان اور اہل اطالیہ اس تہذیب کے نمائندے ہیں۔ موجودہ تہذیب سمندری تہذیب کہلاتی ہے۔ اسکا آغاز اسوقت ہوا جبکہ بڑے بڑے سمندروں کے دریافت ہوجانے پر یورپی اقوام نے نئی اور پرانی دنیا کے نئے سمندری راستے دریافت کئے اور سمندری جہازرانی کے ذریعے دنیا کی تجارت ہونی شروع ہوئی

## تہذیب کے دو طریقے جنگی اور غیر جنگی تعاون

ترقی کرتی ہوئی سوسائٹی جب قبیلہ کی حالت میں آجاتی ہے تو اسوقت اس میں باہمی تعاون دو مختلف طریقوں پر شروع ہوتا ہے۔ ایک حالت میں قبیلے کو اپنے ہمسایہ قبیلے کے ساتھ لڑائی کرنی پڑتی ہے اور اسے ہر وقت لڑائی کرنے پر طیار رہنا پڑتا ہے۔ جنگ کی حالت کے لئے ایک خاص لیڈر کا ہونا ضروری

جنگی قبیلہ کی کامیابی اسی بات پر انحصار رکھتی ہے کہ وہ سب اپنے لیڈر کی پوری اطاعت کریں۔ ان سب کی ذاتی اور مشترکہ دونوں طرح کی بھلائی اس کا حکم ماننے میں ہی پائی جاتی ہے۔ لیڈر کے طاقتور ہونے سے ہی اسکو اپنے دشمنوں کے ساتھ کامیابی سے مقابلہ کرنے کی اُمید ہوتی ہے سوسائٹی کی اس حالت کو جنگی تعاون کی حالت کہتے ہیں۔ جنگ میں فتح پانے پر قبیلے کی طاقت اور خوشحالی بڑھتی ہے۔ قبیلے کی خوشحالی ہونے سے اُسکے افراد بھی زیادہ طاقتور اور خوشحال ہوتے ہیں۔ یہ قبیلہ لوٹ مار پر گذارہ کرنے والی ایک فوج کی مانند ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کے افراد کا باہمی تعلق بہت گہرا اور مضبوط ہوتا ہے۔ یہی قبیلے ترقی کرتے کرتے قوم بنجاتی ہے۔ یورپی قوموں کی قومیت اسی اصول پر مبنی ہے۔ اور تا حال بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یورپی اقوام جرمن انگلینڈ فرانس وغیرہ ایکدوسرے کے ساتھ جنگ کی تیاری میں مشغول رہتے ہیں۔

ساماجک ترقی کا دوسرا اصول غیر جنگی تعاون ہے۔ اس اصول کے مطابق افراد کا مدعا قبیلے یا سماج کی بہتری کے بجائے اپنی ذاتی ترقی اور آرام ہوتا ہے۔ ہر ایک ممبر اپنے ذاتی فائدے کو سامنے رکھکر کام کرتا ہے اور ان سب ممبروں کا مجموعی فائدہ سوسائٹی کی بہتری بنجاتا ہے۔ ایک آدمی کپڑا بنتا ہے۔ دوسرا کھیتی کرتا ہے۔ تیسرا مکان بناتا ہے۔ چوتھا جوتا بناتا ہے یا مکان۔ اگرچہ ان کے یہ خاص کام اپنے لئے آرام حاصل کرنے کی غرض سے ہوتے ہیں لیکن وہ جس سوسائٹی میں رہتے ہیں اسے بھی ضروری طور پر فائدہ پہنچاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں درنوں کی اور بعد ازاں ذاتوں کی تقسیم اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کی گئی ہے۔ مدن ہوتھا

کو قائم کرنے والے رشیوں کے سامنے اصلی غرض سوسائٹی کی خدمت اور بہتری
ہی تھی۔ ورن کا طریقہ سوسائٹی کو ایک جاندار جسم کی مانند فرض کر لیتا ہے۔ اور
اور اس میں ہر ایک شخص کو ان فرائض کی ذمہ داری لینے کے لیے آزادی
دیتا ہے۔ جس کے پورا کرنے کی خاص قابلیت وہ رکھتا ہو۔ برہمن اپنے دماغ
کو اعلیٰ بنا کر اسے اپنی سوسائٹی کے ارپن کر دیتا تھا۔ اس دماغی ترقی کی
سب سے بڑی کسوٹی یا شرط یہ تھی کہ وہ شخص آتما اور جسم کو کمزور کرنے والی
تمام خواہشات سے اوپر ہو جائے۔ برہمن ایک طرح سے سوسائٹی کی
چوٹی سمجھا جاتا تھا۔ جو سوسائٹی کی حفاظت کے لیے سب کی آندھی اور
طوفان اپنے اوپر سہار لیتا تھا۔ اور جس کی زندگی ایک قسم کا آدرش ہوا کرتی
تھی۔ یہ لوگ اپنے جسم میں بل پیدا کر کے اپنی زندگی کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے
اپنی سوسائٹی کی حفاظت کے لیے ہر وقت موت کا سامنا کرنے کے لیے
تیار رہتے تھے کھشتری کہلاتے تھے۔ ان سے نیچے وہ لوگ ہوتے
تھے جو عام دنیاداروں کی طرح دھن کمایا کرتے تھے اور اسکا بڑا حصہ
سوسائٹی کی خدمت میں خرچ کیا کرتے تھے۔ جو لوگ اپنے اندر یہ قابلیت
بھی نہ پیدا کر سکتے تھے وہ سوسائٹی کی معمولی خدمت کرتے ہوئے اس کے
سیوک کہلاتے تھے۔ سوسائٹی کا یہ نمونہ اگرچہ اعلےٰ درجہ کا ہے۔ لیکن
اس میں قومی محبت کا جذبہ اتنا نہیں پایا جاتا تھا جتنا کہ جنگلی نمونہ کی سوسائٹی
میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ اس میں غیروں سے جنگ نہیں کرنا پڑتا۔ اس لئے
نہ اس میں دوسروں سے نفرت ہوتی ہے۔ اور نہ باہم اتنی محبت ہوتی
ہے کہ قومیت کا جذبہ مضبوط ہو سکے۔

**مختلف قوموں کی پیدائش** ۔ سائنسدان ہمیں بتاتے ہیں کہ اس جگت

کی موجودہ صورت ظاہر ہونے سے پہلے مادہ پرمانوں کے ایک لاانتہا اور وسیع
سمندر کی شکل میں تھا۔ اب سمندر کے اندر حرکت پیدا ہوئی یہ حرکت دو
شکلوں میں ظاہر ہوئی۔ ایک ملانے والی ( Cohesion ) اور دوسری
علیحدہ کرنے والی ( Repulsion ) وہی حرکت جہاں پرمانوں کو
آپسمیں ملاتی تھی دوسری پرمانوں کو ایکدوسرے سے علیحدہ بھی کرتی
تھی۔ اس عالمگیر حرکت کے عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پرمانوں کے اکٹھے
اور جدا جدا ہونے سے دنیا میں بے انتہا اجرام فلکیہ بن گئے ان میں سے
ایک ہماری یہ زمین بھی ہے۔ انسانوں کی ابتدائی حالت بھی پرمانوں
کے اس سمندر کی طرح تھی جس کے اندر اس قسم کی حرکت نے کام کرنا
شروع کیا اور اس سے بے انتہا مختلف قومیں بن گئیں۔ ان قوموں کی بنیاد
میں باہمی کشش اور دوسروں سے مغائرت کا خیال کام کرتا ہے قوم کو
ایک بنانے والی کئی طاقتیں ہیں۔ جن میں سے بڑی بڑی نسل کا ایک
ہونا۔ زبان کا ایک ہونا۔ ملک کا ایک ہونا۔ گورنمنٹ کا ایک ہونا اور مذہب
کا ایک ہونا ہیں۔ قوم کے بننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب اجزا
موجود پائے جائیں۔ برخلاف اس کے اگر ان میں سے ایک بھی غیر معمولی
کشش رکھتا ہے تو وہ قومیت پیدا کر سکتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں کے لئے
صرف مذہبی اعتقاد ہے جو انہیں ایک بناتا ہے۔ اس مذہبی اعتقاد کے
سامنے ملک زبان یا نسل کی کوئی حقیقت نہیں۔ انگریزی قوم اگرچہ زمین
کے مختلف کونوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ مگر ایک زبان کے رشتے نے
انکو قومیت میں باندھ رکھا ہے۔ پرانی آسٹرینا ایمپائر کے اندر ایک
مضبوط گورنمنٹ نے مختلف نسل اور زبان کے لوگوں کو صدیوں تک ایک

قوم بنائے رکھا۔ سوئٹزرلینڈ کے اندر زبانوں کا اختلاف ہے۔ اسی طرح امریکہ کی یونائیٹڈ سٹیٹس میں نسلوں کا اختلاف ہے۔ لیکن اپنی زمین کی محبت نے اس کے اندر رہنے والوں میں مضبوط قومی جذبہ پیدا کیا ہے۔ نسل خون کی لہر کو جاری رکھتی ہے۔ ایک خون سے ہونا ایک باہمی کشش پیدا کرتا ہے اور ہر وقت ہمارے دلوں میں ان بزرگوں کی یاد کو تازہ رکھتا ہے جن کی اولاد سے ہم ہیں۔ ان کی بہادری کی کتھا کہانیاں ان کے کارنامے یا ان کی تکلیفات ہم سب کے دلوں میں ایک ہی قسم کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ ہم شری رامچندر اور سیتا کی مصیبت کی کہانی پڑھ کر ابھی تک آنسو بہاتے ہیں۔ ان کے تپ اور بل کے کارناموں کو سنکر ہمارے خون میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ کونسا ہندو بچہ ہے جس نے پرتاپ کی دکھوں کی کہانی پڑھ کر ایک بار آنسو نہ بہائے ہوں کونسا ہندو بچہ ہے جسکا سر پرتھوی راج کا نام لیکر فخر سے اونچا نہ ہو جاتا ہو اور جے چند کے نام پر شرم کے مارے نیچے نہ جھک جاتا ہو۔ پنجاب کے بیراگی بہادر اور مہاراشٹر کے سیوا جی کی کہانیاں ہمارے اندر ایک ہی قسم کے جذبات پیدا کرتی ہیں یہی جذبات قومیت کے اجزا ہیں۔

زبان وہ سرسوتی دیوی ہے جو کہ قوم کے اندر قومیت کی روح پھونک سکتی ہے۔ زبان ایسا ایک خزانہ ہے جس میں ایک قوم کے عالموں اور رشیوں کے وچار اور خیالات بند کئے ہوئے پائے جاتے ہیں زبان میں قوم کا سارا علم ادب یا ساہتیہ پایا جاتا ہے۔ جو کہ اس قوم کی تہذیب کی ایک سچی تاریخ ہوتی ہے۔ اپنشدوں کو پڑھ کر ہمارے سامنے فوراً ان رشیوں کی تصویر آجاتی ہے جو کہ جنگلوں میں کٹیاؤں میں بیٹھے ہوئے

ہستی کے گہرے رازوں پر ایک دوسرے سے سوال و جواب کیا کرتے تھے
ہم کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے ان بزرگوں کی خواہشات کیا تھیں
ان کی آتماؤں میں کون سے وچار کام کرتے تھے۔ ان کے سامنے زندگی
کا آدرش کیا تھا۔ اس سے بھی پہلے کے زمانے میں جائیں تو ہمارے
سامنے ویدک زمانہ آجاتا ہے جبکہ رشی دریاؤں کے کناروں پر بیٹھے
ہوئے وید منتر پڑھتے اور ان کے ساتھ ساتھ مختلف یگیوں کو کیا کرتے
تھے۔ وہ وید منتر اب بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہمیں یہ بتلاتے ہیں
کہ ہمارے ویدک زمانے کے رشیوں کے سامنے کیا بڑا آدرش تھا
ویدک رشی اس برہمانڈ کو پرماتما کی طرف سے ایک بڑا یگیہ سمجھتے تھے
اور وہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ ان کے جسم ان کے دماغ ان کی
بدھی ان کے سب انوبھو اور ان کی ساری عمر غرضیکہ جو کچھ ان کے پاس
ہے اس یگیہ کے سمپورن کرنے میں ارپن ہو۔ اپنشدوں کے زمانے کے بعد
ہمیں درشنوں کے رچنے والے وہ اچاریہ دکھائی دیتے ہیں جو کہ اپنے
شِشوں کے جھنڈوں کو ساتھ لئے ہوئے جگہ جگہ ملک میں پھرتے تھے
اور اپنی اپنی فلاسفی کا پرچار کرتے تھے۔ اس کے بعد ہم مہابھارت اور گیتا
کے زمانے میں آجاتے ہیں۔ جبکہ گیتا کی ایک چھوٹی سی نظم میں ہمیں
اپنی قوم کی ساری ترقی اور تہذیب اسطرح بند نظر آتی ہے گویا کہ کوزے
میں ایک سمندر کو بند کر دیا ہے۔ جبتک دنیا میں گیتا موجود ہے ہندو
تہذیب اور قومیت مٹائی نہیں جا سکتی۔

محض اتنا ہی نہیں۔ زبان قوم کی ایک وہ تصویر ہے جس پر ان ساری
تبدیلیوں کا عکس برابر پڑتا جاتا ہے جن میں سے اس قوم کو گذرنا پڑتا ہے

اگر ہمارے پاس قوم کی تاریخ موجود نہ ہو تو ہم زبان میں مختلف الفاظ کی
تاریخ سے ہی ان واقعات کا کافی پتہ لگا سکتے ہیں جو قوم کے ساتھ واقع
ہوئے ہیں۔ بعض الفاظ کی شکل سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ہم نے
دوسری قوموں کے ساتھ تجارت کے تعلقات پیدا کر کے لئے ہیں دوسرے
الفاظ ہیں جو کہ دوسروں کے ساتھ جنگ کے ذریعے ہماری زبان میں
داخل ہوئے ہیں اور کئی ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو کہ ہماری زبان میں ایسے
جوڑوں کے نشان ہیں جیسا کہ جسم پر تلوار کے زخموں کے نشان باقی رہ جاتے
ہیں آریہ نسل کی تاریخ کا کچھ علم نہ تھا۔ حال ہی میں جب یورپی قوموں کو
سنسکرت زبان کا علم ہوا تو انہوں نے علم زبان (فائلالوجی) کی بنیاد
ڈالی۔ اور اس علم زبان کے ذریعے انسان کی ابتدائی تاریخ میں وہ
بڑی دریافت ہوئی ہے جس کا پتہ لگنا دوسری طرح سے بالکل ناممکن تھا
اس کے ذریعے مختلف زبانوں کے اندر الفاظ کی مشابہت اور مقابلے
سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ موجودہ یورپ کی تمام اقوام آریہ نسل
کی شاخیں ہیں اور کسی زمانہ میں اسی ایک جگہ رہا کرتی تھیں جہاں پر کہ
ایرانیوں اور ہندوؤں کے بزرگ بود و باش رکھتے تھے۔

زمین کے اندر ایک کشش پائی جاتی ہے جو کہ ہم عام طور پر محسوس نہیں
کرتے لیکن جب ہمیں اپنے ملک سے باہر رہنے کا اتفاق ہو تو معلوم ہوتا ہے
کہ کشش وطن کی طاقت کیا ہے۔ اسوقت ہمیں یوسف کا کہنا بالکل سچ معلوم
ہوتا ہے کہ " مصر کی سلطنت میں تخت پر بیٹھنے کی نسبت کنعان میں گدا
ہونا خوش تر ہے " ملک سے جلا وطن ہوئے اشخاص کے دلوں میں ایک
خواہش بڑے زور سے کام کرتی ہے کہ اگر زندگی میں نہیں تو مرنے کے

بعد ان کے جسم کی راکھ اسی زمین کی مٹی میں شامل ہو ہندوؤں نے ان مقامات کو قوم کے لئے تیرتھوں کا درجہ دیدیا۔ جہاں پر ان کے قومی ہیروں کی زندگیاں گذریں۔ کسی مقام کے تیرتھ ہونے کے لئے صرف اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس زمین کے ذرّے کرشن کے پاؤں سے چھوتے رہے ہیں۔ ہم اس زمین کی بابت کیا کہیں جس کی مٹی میں رانی پدمنی اور اس کی ہزاروں سہیلیوں کی راکھ ملی ہوئی پائی جاتی ہے جنھوں نے اپنے ملک کی عزت قائم رکھنے کے لئے چتا پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے وہ شعلے بلند کئے جنہوں نے ان کے جسموں کو جلا کر خاک کر دیا اور ہمارے دلمیں ابھی تک آگ پیدا کر سکتے ہیں۔

گورنمنٹ اس زرہ بکتر کا نام ہے جو کہ قوم کے جسم کو سب خطروں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ قوم کا جسم اسوقت تک ہی زندہ رہ سکتا ہے جبتک اس کی حفاظت کرنے والی اپنی گورنمنٹ موجود ہو۔ ہندو دھرم شاستر کے مطابق کھشتری کا بڑا فرض گورنمنٹ کو قائم رکھنا ہے۔ کھشتریوں کے کمزور ہو جانے سے گورنمنٹ کمزور ہو جاتی ہے اور کسی قوم میں کھشتریوں کا نہ رہنا اس کی موت کا باعث بنجاتا ہے۔ پرانے زمانے میں راجا لوگ ہی گورنمنٹ کے بڑے قائمقام سمجھے جاتے تھے اور ان راجاؤں کے کارنامے ہی قوم کی تاریخ مانی جاتی تھی۔ اس زمانے میں گورنمنٹ کا دائرہ کسی ایک شخص یا کسی جماعت کے ہاتھ سے نکال کر اتنا وسیع کر دیا گیا ہے کہ گورنمنٹ کا کام سب لوگوں کے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ جو تاریخ پرانے زمانے میں صرف راجاؤں کی ہوا کرتی تھی اب لوگوں کی زندگی کے متعلق بنائی جانے لگی ہے۔ گورنمنٹ نہ صرف قوم کو اندرونی اور بیرونی

بیماری سے روکتی ہے بلکہ گورنمنٹ کا اچھا یا برا ہونا قوم کے چرتر کو اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ جس طرح سے اگر ایک سکول کی گورنمنٹ ایسے استادوں کے ہاتھ میں ہو جو مطلق العنان اختیار رکھتے ہوں ان کے پاس پڑھنے والے طالب علم ہمیشہ ان سے ڈرتے رہتے ہیں ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ اور سزا کے ڈر سے جھوٹ بولنے اور دوسری کمزوریوں کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور اچھے استادوں کے ہونے پر طالب علم زیادہ آزاد ہوتے ہیں اور ان کے چرتر میں وہ خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو کہ آزادی کی آب و ہوا میں رہنے سے ہوتی ہیں اسی طرح جہاں کہیں گورنمنٹ مطلق العنان ہوتی ہے وہاں لوگوں کا چرتر بزدلانہ اور خوشامدانہ بنجاتا ہے اور ایک آزاد گورنمنٹ کے نیچے لوگ راستباز ایماندار اور نڈر ہوتے ہیں۔

مذہب ایک سب سے آخری طاقت ہے جو کہ نزدیک کے زمانے میں ہی لوگوں کو اکٹھا کر کے خاص حالات سے پیدا کی گئی ہے۔ مذہب کے معنی دھرم سے بالکل مختلف ہیں۔ دھرم انسان کے لئے اس کے مختلف فرائض کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ مذہب اس کے برخلاف ایک دو یا زیادہ عقائد پر یقین رکھنے کا نام ہے۔ ان عقائد کے ماننے والے سب ایک مذہب کے پیرو کہلاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ دھرم کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کا مطلب لوگوں کی زندگیوں کو اونچا کرنا تھا۔ مہاتما بدھ کے چیلوں نے مذہب کا بیج دنیا میں قائم کیا جبکہ انہوں نے جگہ جگہ لوگوں کو بدھ کے نام پر دھرم کی تعلیم دینی شروع کی ان کے پرچار کا ذریعہ لوگوں کی خدمت اور لوگوں سے محبت تھی۔ اس کے بعد حضرت مسیح کے پیروؤں نے بدھ کے چیلوں کی نقل کی اور مسیح کے نام پر دنیا کو ایک مذہب میں

لانے کی کوشش کی۔ محبت کے ساتھ ساتھ انہوں نے تلوار کو بھی مذہب پھیلانے کا ایک ذریعہ بنالیا۔ تیسرا بڑا مذہب اسلام ہوا ہے جس کے بانی حضرت محمدؐ نے یہ قرار دیا کہ اگر مذہب ایک اچھی چیز ہے تو اس کا پھیلانا بھی ایک اچھا کام ہے۔ اس حالت میں اگر اس اچھے کام کرنے کے لئے تلوار کو ایک بڑا ذریعہ بنا لیا جائے تو کیا ہرج ہے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ مذہب نے عیسائیوں اور مسلمانوں میں بڑا مضبوط سنگھٹن پیدا کیا ہے لیکن ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس مذہب نے انسانوں کے مختلف چند خیالوں کی بنا پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے قوموں میں اتنے فساد اور جھگڑے برپا کئے ہیں کہ مذہب کی طاقت بنی نوع انسان کے لئے ایک لعنت ثابت ہوئی ہے اسوقت دنیا میں ہندوؤں کی صرف ایک قوم ہے جو کہ مذہب کے اثر سے آزاد اور پاک ہے۔ ہندوؤں میں مذہبی فرقے ضرور موجود ہیں لیکن عام ہندو کسی ایک مذہبی خیال کے معتقد نہیں ہیں۔ ہندو محض ایک قومی نام ہے۔ بدھ مذہب کی تعلیم نے قومیت کے جذبے کو نہایت کمزور کر دیا اور جو کچھ تھوڑا بہت پولیٹکل سنگھٹن ہندوؤں میں موجود تھا اسے بھی توڑ ڈالا۔ جسوقت ہندوؤں کو غیر اقوام سے مقابلہ پڑا ان میں نہ تو کوئی مذہبی سنگھٹن موجود تھا اور گورنمنٹ کے ایک نہ ہونے سے نہ کوئی ایک پولیٹیکل طاقت تھی۔

## انسان کی مجموعی تعریف

اگرچہ بنی نوع انسان مختلف قوموں میں بٹ گئی ہے لیکن یہ سب قومیں انسانی سوسائٹی کے حصے ہیں اور ایکدوسرے کے ساتھ ایسے ملے ہیں کہ الگ نہیں کئے جا سکتے۔ کارلائل کا مقولہ ہے کہ اگر میں ایک پتھر اٹھا کر دوسری

جگہ پھینکتا ہوں تو اس سے کرۂ زمین کا مرکز ثقل بدل جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی
ایسا چھوٹا واقع نہیں ہوتا جس کا تھوڑا بہت اثر دور دراز قوموں پر بھی نہ جا پڑتا ہو
اگر ہم دنیا کی تاریخ اور اس کے موٹے موٹے واقعات پر ایک سرسری نظر
بھی ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کوئی واقع اکیلا بذات خود پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ
وہ تمام پچھلے واقعات کے ساتھ علت اور معلول کے سلسلے میں بندھا ہوتا
ہے۔ کئی مختلف واقعات ملکر علت بنجاتے ہیں جس سے ایک نیا نتیجہ پیدا
ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں اس قسم کے بے انتہا نتائج پیدا ہوتے رہتے ہیں
اور علتیں بنتی رہتی ہیں۔ ہم ایک موٹا سا سوال کرتے ہیں کہ ہندوستان
کس طرح سے ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ایک چھوٹے سے ملک کے
نیچے آگیا۔ اور اسکو کھوج کرکے پیچھے جائیں۔ پہلا جواب یہ ہے
کہ جب انگریز یہاں تجارت کرنے کے لئے آئے اسوقت ہندوستان کی
پولیٹیکل حالت ایسی گری ہوئی تھی کہ کوئی ایک سمجھدار یا طاقتور شخص
جو کچھ لوگوں کو اپنے ماتحت اکٹھا کر سکتا تھا بڑی آسانی سے راج کی طاقت
کو حاصل کر سکتا تھا۔ انگریز تاجروں نے اس بات کو دیکھ لیا۔ انہوں نے
بھی دوسرے لوگوں کی طرح راج کی طاقت حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں
مارنے شروع کئے۔ وہ کیوں کامیاب ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزی
قوم کی پچھلی ساری تاریخ کا مطالعہ ہر ایک انگریز کے اندر ایسے اوصاف
پیدا کر دیتا تھا جن سے کسی قسم کی پولیٹیکل جدوجہد میں ان کی کامیابی کا موقع
زیادہ ہو جاتا تھا۔ دوسرا سوال انگریز تجارت کے لئے اتنی دور کیوں آئے
اس لئے کہ اہل سپین کے ساتھ ان کی دشمنی تھی۔ اہل سپین نے نئی اور
پرانی دنیا کو دریافت کرکے ساری تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی سپین

کے جہاز روپے سے مالا مال ہو کر سمندر پر پھرتے تھے بلکہ ایلزبیتھ کے وقت میں کچھ انگریز لٹیروں نے مشرق سے آتے ہوئے سپین کے ایک جہاز کو لوٹا اور اس کی دولت کو دیکھ کر انگلینڈ کے لوگوں میں یہ خواہش ہوئی کہ وہ بھی ہندوستان کی طرف تجارت کا رخ کریں۔ اگلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اہل سپین نے کیونکر سمندری راستے دریافت کئے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ سپین اور پرتگال ۸۰۰ سال تک مسلمانوں کی حکومت کے نیچے رہے۔ پندرہویں صدی کے درمیان ہی سپین کی عیسائی ریاستوں نے اسلام کی حکومت کا سپین میں خاتمہ کر دیا۔ لیکن ان کے دلوں میں مسلمانوں کے بر خلاف نفرت کا جذبہ ایسا زوردار تھا کہ وہ جہاز بنا کر افریقہ کے مغربی کنارے پر ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جاتے ہوئے افریقہ کے جنوب میں جا پہونچے اور ایک جہازران مشرق کی طرف مڑ کر اپنا جہاز ہندوستان کے کنارے تک لے آیا۔ اگلا سوال یہ ہے کہ اسلام کی حکومت سپین میں کیسے قائم ہوئی؟ اسکا جواب ہمیں اسلام کے آغاز اور حضرت محمدؐ کی تعلیم کی طرف لے آتا ہے۔ ا حضرتؐ نے اسلام کی بنیاد کیسے ڈالی؟ انہوں نے عرب سے باہر جہاز پر سفر کرتے ہوئے یہودی مذہب کی تعلیم کو اپنے اندر جذب کر لیا اور اس کی بنیاد پر عرب میں اسلام کی پولیٹیکل طاقت قائم کی۔ یہودی مذہب کی تعلیم کن ذریعوں کا نتیجہ تھی؟ یہ سوال ہے جو کہ ہمیں قدیم زمانے کی تاریخ میں لیجاتا ہے یہودیوں نے ایران سے کیا سیکھا؟۔ انہوں نے چیلڈیا یا مصر سے کیا سیکھا؟ اور چیلڈیا اور مصر نے ہندوستان سے کیا سیکھا۔ اس طرح کا ایک گہرا سلسلہ ہے جو کہ بنی نوع انسان کے تاریخی واقعات کو ایکدوسرے کیساتھ

ایک سلسلے میں باندھ دیتا ہے

## قوم کی اصلی تاریخ کیا ہے؟

قومیت کو بنانیوالے مختلف عنصروں کا ہم نے تھوڑا سا ذکر کیا ہے اسکے ساتھ ساتھ اور اتنا اور کرنا ضروری ہے کہ جسطرح انسان کے جسم کے پیچھے ایک چھپی ہوئی زندگی کی طاقت ہے جسے روح یا آتما کہا جاتا ہے اسیطرح قوم کے جسم کے پیچھے ایک چھپی ہوئی زندہ طاقت ہوتی ہے جو اس قوم کی روح یا جان کہلاتی ہے یہ روح اس قوم کی تہذیب یا سبھیتا ہے۔ ہر ایک قوم اس دنیا میں اپنا ایک خاص مشن رکھتی ہے۔ اس مشن کو قائم رکھنا اور دنیا میں پھیلانا اس کی زندگی کا بڑا مدعا ہوتا ہے اور یہ قومی مشن اس تہذیب میں پایا جاتا ہے جو کہ یہ قوم اپنے لئے اور دنیا کے لئے پیدا کرتی ہے۔ یہ تہذیب کیا ہے اسکا بتانا ایسا ہی مشکل ہے جیسے یہ بتانا مشکل ہے کہ آتما کیا ہے۔ باوجود اس کے ہم موٹے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ تہذیب ایک قوم کی خواہشات اور تیغوں۔ بھاؤوں اور وچاروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ قوم کی موت کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تہذیب یعنی سبھیتا کا خاتمہ ہوگیا۔ جن قوموں کی قومیت کمزور ہو جاتی ہے وہ اپنی سبھیتا کی حفاظت کرنے کے ناقابل ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں بہتیری پرانی قومیں ہوئی ہیں جنہوں نے ترقی کی۔ اپنی تہذیب کی روشنی کو دوسرے ممالک میں پھیلایا۔ وقت آیا کہ ان کا تنزل شروع ہوا اور وہ ایسی گر گئیں کہ ان کی تہذیب کا نام باقی نہ رہا۔ پرانے تیس لونیا کے اسوقت صرف کھنڈرات ہی باقی ہیں۔ مصر کی پرانی تہذیب کا نشان اسوقت صرف اس کے میناروں میں باقی ہے

پرانے ایران کے بادشاہوں اور ہیروں کے نام اسلام نے اپنے اندر جذب کر کے اپنی تہذیب کا حصہ بنا لئے ہیں نہ پرانا روم دنیا میں باقی ہے نہ پرانا مصر دُنیا میں باقی ہے نہ پرانا یونان ان کی تہذیب نے یوروپ کو روشن کر دیا۔ لیکن اپنے ملک میں انکا چراغ بجھ گیا۔

سب پرانی اقوام میں سے ہندوؤں کی ایک پرانی قوم ہے جو کہ باوجود ہزاروں سال کے حملوں کی آندھی اور طوفان کے اپنی تہذیب کو ابھی تک بچائے ہوئے ہے۔ ہماری سچی تاریخ وہ ہوگی جو اس تہذیب کو اپنا آدرش رکھکر اس کے نقطہ خیال سے لکھی جائے گی وہ تاریخ اس لہر کی رفتار کو قلمبند کرے گی جو لہر ہماری قوم کے تمام واقعات کے اندر آتما کی مانند بہتی ہوئی چلی آتی ہے۔ اس تاریخ کا کام یہ ہوگا کہ قومی آتما کی حفاظت کرے اور جو قومی کمزوریاں یا بیماریاں اسے گرا رہی ہیں ان کو دور کرے اسوقت جو تاریخی کتابیں ہمارے درمیان موجود ہیں ان سب میں ایک بڑا عیب پایا جاتا ہے کہ وہ ہمارے قومی نقطہ خیال کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہیں۔ ان کتابوں کا مسالہ زیادہ تر انگریز مصنفوں کا لکھا ہوا ہے جنہوں نے بہت سے حالات تو اپنے نقطہ خیال سے لکھے ہیں اور باقی کے حالات مسلمان مورخوں کی کتابوں سے اخذ کئے ہیں امر واقع یہ ہے کہ نہ تو انگریز مورخ اور نہ مسلمان مورخ ہندوستان کی تاریخ کا اصلی نقطہ خیال سمجھ سکتے تھے۔ انگریز مورخوں نے ہندوستان کی بابت جو لکھا ہے وہ واقعی ہندوستان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں انگلستان کی طاقت کا پھیلاؤ اور استحکام کا بیان ہے۔ اس کو پڑھ کر انگریز بچوں کے دلوں میں فخر اور گھمنڈ کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے

لیکن اس ملک کے رہنے والوں کے دلوں میں سوائے عام واقفیت کے
کوئی اچھا بھاؤ نہیں پیدا ہوتا۔

اسی طرح مسلمان مورخوں نے غزنوی یا غوری کی تفصیل لکھی
لیکن یہ سب حملے ہماری قوم کی تاریخ کے ساتھ ایسا ہی تعلق رکھتے
ہیں جیسا کہ ہمارے جسم پر ہمارے دشمنوں کے زخموں کے نشان موجود
ہوں ان کا اثر جسم پر ضرور ہوتا ہے لیکن محض ان کا بیان ہماری قومی
زندگی کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ کسی قوم کو اس کی اپنی تاریخ
سے محروم کر دینا اور اسکو غیر ملکی خیال کی لکھی ہوئی تاریخ سکھا دینا
مداری کی نظر بندی کی طرح اسے بھرم جال میں ڈال دینا ہے
تاکہ وہ یہ ماننے لگ جائیں کہ ان کی نہ کوئی قوم تھی نہ سمجھتا اور وہ
ہمیشہ سے فٹ بال کی طرح دوسروں کے ٹھڈوں کا شکار بنی چلی آئی ہے

نقطہ خیال ہی ہے جو کہ ہمارے لئے ایک چیز کو اچھا یا برا بنا دیتا ہے
اگر ایک بھیڑئے سے بھیڑ کے متعلق دریافت کیا جائے تو اسکا قدرتی
بیان یہ ہوگا کہ بھیڑ بڑا اچھا جانور ہے کیونکہ اسکا گوشت ایک اچھی خوراک
ہے۔ جسے کھانے میں مزا آتا ہے اور اسے کھا کر کچھ اور کھانے کی ضرورت
نہیں رہتی۔ لیکن بھیڑ سے پوچھو وہ کیا کہے گی؟ بھیڑ کہتی ہے۔ بھیڑیا
بڑا ظالم جانور ہے۔ میں اپنے گھر میں بیٹھی ہوں کسی کو دکھ نہیں دیتی
کسیکا کچھ بگاڑتی نہیں۔ گھاس پھونس کھا کر گذارہ کر لیتی ہوں لیکن
دنیا میں ایسے ظالم موجود ہیں جو کہ غریبوں اور بے گناہوں کو زندہ
نہیں رہنے دیتے بھیڑئے کے لئے جو بات اچھی ہے بھیڑ کے لئے
وہ موت ہے دونوں کے مختلف نقطہ نگاہ ایک ہی فعل کو اچھا یا برا

بنادیتا ہے۔ تاریخ لکھنے میں نقطہ نگاہ کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے
ایک نقطہ نگاہ سے لکھی ہوئی تاریخ ہمارے لئے قومی زندگی پیدا
کرسکتی ہے۔ دوسرے نقطہ نگاہ سے لکھی ہوئی تاریخ ہماری
قومی موت کا باعث بنجائے گی۔

## کیا پرانے ہندوؤں کو تاریخ کا خیال نہ تھا

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ پرانے
زمانے کی کوئی تاریخی کتابیں نہیں ملتیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
پرانے آریوں کو تاریخ کا شوق نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ موجودہ طریقے
پر لکھی ہوئی پرانے زمانے کی کوئی تاریخ ہو ہی نہیں سکتی۔ پرانے
ہندوستان کی سوسائٹی ایک بڑے فراخ خود مختاری کے اصول
پر قائم ہوئی تھی۔ جس میں ہر ایک شہر اور گاؤں دوسروں سے آزاد تھا
اور اپنے انتظام میں بالکل خود مختار تھا۔ پرانے زمانے کے یونان کے
شہر بھی اپنی حکومت اور انتظام میں پورے آزاد تھے روم بھی ایک
آزاد شہر تھا۔ پرانے یونان کی بھی کوئی ایک تاریخ نہیں ملسکتی اور جو
کچھ حالات ہمیں ملتے ہیں وہ صرف یونان کے مختلف شہروں کے لڑائی
جھگڑوں کے ہیں۔ مہابھارت کے زمانے میں ہمیں ملک کی پولیٹیکل
حالت کا ایک خاص نقشہ دکھائی دیتا ہے۔ کوروں جیسے بڑے اور
قدیم خاندان کی راجدھانی ایک شہر ہستناپور تک ہی محدود تھی جبوقت
پانڈو دروپدی کے سویمبر کو جیت کر ہستناپور کو واپس آئے۔ تو کرشن کی
وساطت سے ان کی اور کوروں کی صلح ہوئی۔ پانڈوؤں کو تھوڑی
دور فاصلے پر ایک زمین دی گئی جہاں انہوں نے اندرپرستھ نگر بسا کر

اپنی آزاد راجدھانی قائم کر لی۔ پانڈوں نے جب راج سوئیگیہ کیا تو بھیم
ارجن وغیرہ بھائی سب اطراف میں گئے۔ راجاؤں کو فتح کیا اور اُن کے
نذرانے لیکر واپس چلے آئے۔ اسی موقع پر بھیم ارجن اور کرشن تینوں بغیر
کسی فوج کے مگدھ پہونچے اور کشتی میں جراسندھ کو قتل کر کے واپس چلے
آئے۔ اگرچہ ہندو سوسائٹی ساماجک وچاروں اور رسوم کے لحاظ سے ایک ہی
سمجھی جاتی تھی لیکن پولیٹیکل لحاظ سے اتنی ہی ریاستیں تھیں جتنے شہر اور گاؤں
تھے۔ ان سب کو ملا کر ملک کی ایک پولیٹیکل تاریخ نہیں بنائی جا سکتی تھی
اپنی پرانی کتابوں میں ہمیں صرف ان بڑے خاندانوں یا بڑے راجاؤں
کے ذکر ملتے ہیں جو کہ دوسرے خاندانوں سے بڑھے ہوئے تھے ملک کی
پولیٹیکل ایکتائی صرف ایک ہی نشانی تھی اور وہ یہ کہ سب راجاؤں میں
مہاراج ادھیراج کا درجہ سب سے اونچا سمجھا جاتا تھا اور یہ درجہ جو کوئی راجا
طاقت میں باقیوں پر سبقت لیجاتا اسے دیدیا جاتا تھا۔ راجاؤں کے اندر جو
کوئی بڑا راجا ہوتا تھا اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اس درجہ کو حاصل کرے
چندرگپت غالباً پہلا راجا جس نے سارے دیش میں ایک گورنمنٹ قائم
کرنے کی کوشش کی اور وہ اس کوشش میں کامیاب ہوا۔ لیکن اشوک کے
مر جانے پر ملک پھر پرانی حالت میں چلا گیا۔ مسلمان حملوں کے وقت میں
ہندو راجا خاص خاص بڑے شہروں میں راج کرتے تھے اور انکی حفاظت کرنا
ہی وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ باقی علاقے کے ساتھ انکا کوئی پولیٹیکل تعلق
نہ تھا۔ اس لئے حملہ آور اپنی فوج لئے ہوئے سیدھے راجدھانی پر آ پہونچتے
تھے۔ راستے میں کوئی ان کی مخالفت نہ کرتا تھا۔ ان حملوں کے وقت میں بھی
اجمیر کا راجا، قنوج کا راجا یا متھرا کا راجا۔ ایسے ایسے نام کہے جاتے ہیں۔ ملک

میں ایک مضبوط راجا کا نہ ہونا ہندوؤں کی سب سے بڑی کمزوری تھی جو انکے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ جب شہاب الدین دہلی فتح کرنے کے بعد قطب الدین کو وہاں کا راجا بناکر چھوڑ گیا تو اسوقت مسلمانوں کا راج دہلی شہر کی حدود تک ہی محدود تھا۔ عام لوگ صرف اسی بات کو مانتے تھے کہ دہلی کا راجا ہی ہندوستان کا راجا ہوتا ہے۔ تغلق خاندان کے وقت میں ابن بطوطہ نامی سیاح افریقہ سے دہلی آیا اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ دہلی شہر سے کچھ فاصلے پر کوئی شخص بادشاہ کا نام تک نہ جانتا تھا۔ سب گاؤں اور قصبے اپنا انتظام آپ کر لیتے تھے ملک کو ایک پولیٹیکل آرگنیزیشن کے نیچے لاکر ایک راجہ قائم کرنیوالا بادشاہ اکبر ہوا۔ راجپوت راجا اپنے آپکو ہندوؤں کے محافظ سمجھتے تھے۔ انہوں نے اکبر کی مخالفت کی ان سب کا سرتاج پرتاپ تھا جس نے اکبر کے آئین کے نیچے آنا پسند نہ کیا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر ہزاروں مصیبتیں سہتا ہوا اس کے مقابلے پر ڈٹا رہا۔ ہندو نقطہ خیال سے ہندوستان کی تاریخ کا مرکز رانا پرتاپ تھا لیکن چونکہ مسلمان بہت مدت سے ملک میں رہنے لگ گئے تھے ملک کے پولیٹیکل نقطہ خیال سے تاریخ ایک بڑا قدم آگے بڑھ جاتی ہے اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ کس طرح ایک بالکل ان پڑھ مذہبی تعصب سے اونچا ہوکر ہندوؤں کے دلوں سے مسلمانوں کے برخلاف صدیوں کی نفرت کو دور کرکے اتنے بڑے کام کی بنیاد ڈال سکتا ہے۔

**پنجاب کی تاریخ**

غالباً یہ سوال کیا جائیگا کہ پنجاب کی تاریخ لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلادینا کافی ہوگا:۔

**۱۔ پنجاب ہندوؤں کا اصلی گھر ہے**

پنجاب ہندوؤں کا اصلی وطن ہے۔ ہندو نام کا آغاز پنجاب میں ہوا۔ پنجاب کے پانچ دریاؤں کے ساتھ سندھ اور سرستی دو اور دریا ملا کر اس زمین کا نام ویدک زمانے میں سپت سندھو تھا۔ یہ سپت سندھو لفظ نہ صرف آریوں کے رگ وید میں آتا ہے بلکہ پارسیوں کی پرانی مقدس کتاب ژند اوستا میں بھی آتا ہے۔ فارسی زبان میں س، ہ سے بدل کر سپت سندھو، ہپت ہندو ہو گیا ہے۔ اس ہپت ہندو سے ہی ہمارا نام ہندو یا اندو اور ہمارے ملک کا نام ہندوستان یا انڈیا ہوا۔ اسی نام سے ہم اور ہمارا ملک ابھی تک مشہور چلا آتا ہے۔

**۲۔ پنجاب آریہ نسل کا وطن ہے۔**

آریہ نسل کے آغاز کے متعلق کئی مختلف اصول پیش کئے جا چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ وہ ابتدائی مقام کہاں پر تھا۔ سوامی دیانند نے ایک مت یہ پیش کیا ہے کہ انسانی سرشٹی کی پیدائش تبت میں ہوئی کیونکہ یہ ملک پرتھوی میں سب سے زیادہ اونچائی پر واقع ہے۔ یورپی مورخوں کی یہ رائے ہے کہ آریہ نسل کی اصلی جائے پیدائش وسط ایشیا [illegible] سے شمالی یورپ بتاتے ہیں۔ لوک مانیہ بال گنگادھر تلک نے اپنے ویدک مطالعہ کے سہارے پر یہ نیا مت پیش کیا ہے کہ بزرگ آریہ لوگ شمالی قطب کے پاس منجمد میں رہا کرتے تھے اور وہاں سے بڑھتے ہوئے ہندوستان اور ایران میں آئے اور یورپ کی ممالک میں پھیلے۔ حال ہی میں بابو اناش چندر داس نے رگویدک انڈیا کتاب لکھی ہے جس میں اس نے تلک مہاشے کے مت کو غلط ثابت کیا ہے۔ اور رگ وید کے منتروں کے حوالے سے اس امر کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی ہے

کہ آریہ نسل کی اصل جائے پیدائش پنجاب ہے۔ بابو موصوف نے لکھا ہے کہ رگ وید میں ایسے منتر پائے جاتے ہیں جو جیوالوجیکل انقلاب کے زمانے سے پہلے کے ہیں۔ اور جو گربھ ودیا (جیوالوجی) کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ پنجاب اور دکن کے بیچ میں ایک سمندر حائل تھا جیوالوجیکل انقلاب ہونے سے اس سمندر کے غائب ہو جانے پر راجپوتانے کا صحرا پیدا ہو گیا جس سے پنجاب اور دکن ایک ملک بن گئے۔ اس انقلاب کو ہوئے ہزاروں سال کا عرصہ ہوا ہے۔ وید منتروں میں اُس سمندر کا ذکر ہے اس لئے وہ ان ہزاروں سالوں سے بڑا لمبا زمانہ پہلے لکھے گئے ہونگے قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ آریہ لوگ ابتدا میں اس سپت سندھو کے رہنے والے تھے۔

شمال میں کشمیر اور جنوب میں قندھار کا علاقہ بھی سپت سندھو میں شامل تھا۔ جنوب میں راجپوتانہ کا سمندر اور مشرق میں مشرقی سمندر تھا جو کہ وادی گنگا کے اوپر پھیلا ہوا تھا۔ شمال کی طرف قندھار اور کابلستان سے ہو کر آریہ نسل کی شاخیں مغرب کو باسفورس کے اوپر سے پانیٔی اس کے راستے سے ہو کر گئیں (پانیٔی اس سنسکرت لفظ پنتھ ہے جسکا ارتھ راستہ ہے)

**۲۴۔ ملک کی تاریخ میں پنجاب کا حصہ**

ہندوستان کی مشترکہ تاریخ میں دکن اور بنگال کا بہت بڑا حصہ نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو اتنا ہی کہ سب سے پہلے مدراس اور بنگال انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے نیچے آئے اور انہوں نے مغربی اثرات میں سب سے پہلے آکر باقی ملک کی قومیت کی گراوٹ کی سڑک پر راہنمائی کی۔ راجپوتانہ اور مہاراشٹر نے اپنے اپنے خاص زمانے میں ہماری موجودہ تاریخ بن جانے

بڑا حصہ لیا ہے۔ لیکن پنجاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکا حصہ ملک کی تاریخ میں شروع زمانہ سے لے کر موجودہ زمانے تک لگاتار ایک سا چلا آتا ہے اس سلئے پنجاب کی تاریخ میں سارے ملک کی تاریخ کا سار پایا جاتا ہے باہر سے جتنے حملہ آور آئے سب سے پہلے پنجاب میں ہی آئے اور یہاں ہی ان کے مستقبل کا فیصلہ ہوا دریائے سرسوتی کے پاس ہونے سے کوروکشیتر پنجاب کا ایک قدیمی حصہ ہے۔ اگر ہم کوروکھشیتر کے ساتھ دہلی کو بھی پنجاب کے ساتھ شامل کرلیں تو بلاشبہ پنجاب سارے ملک کی تاریخ کا مرکز بن جاتا

**۴۔ پنجاب کے لوگوں کا چرتر**

ہندوستان کے تمام حصوں میں سے پنجابیوں کا چرتر (کیریکٹر) خاص طرح کا ہے۔ ان کے اندر کام کرنے کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ پنجاب کی ہندو آبادی میں زیادہ تر براہمن اور کھتری ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کے اندر باہمی فرق بہت ہی کم ہے۔ پنجاب کے کھتریوں میں عجیب خاصیت ہے کہ موقعہ کے مطابق براہمنوں کے، کھشتریوں کے یا ویشوں کے فرائض کو پوری طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔ جسوقت ضرورت تھی ان میں سے مذہبی اصلاح کرنے والے گورو پیدا ہوئے جن کی زندگی میں براہمنوں کے سارے اعلیٰ اوصاف پائے جاتے تھے۔ اور ہم چاہے ساری دنیا کی تاریخ چھان ڈالیں ہمیں کہیں ایسے دس مہاپرش نظر نہیں آتے جیسے کہ دس گورو ایک دوسرے کے بعد گدی پر جانشین ہوتے رہے ہیں۔ پنجاب میں وہ سچا کشتری لچھمن سنگھ پیدا ہوا۔ جسے بیراگی بہادر کہا جاتا ہے۔ ان کھشتریوں میں سے دیوان محکم چند اور اس کی اولاد جیسے مدبر پیدا ہوئے۔ جنہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں بڑا بھاری حصہ لیا۔

موجودہ وقت پر نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوگا کہ اگرچہ سوامی دیانند
گجرات کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے اور اُنہوں نے نہایت ہی تھوڑا وقت
پنجاب میں صرف کیا۔ لیکن پنجاب کے لوگوں کے جوہر کی وجہ سے ہی اُن کے
کام کو سب سے بڑھ کر کامیابی ہوئی۔ اسی طرح پولیٹیکل تحریک کے لیڈر
بھی زیادہ دوسری جگہ ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے خیالات کا اثر سب سے
بڑھ کر پنجاب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ پنجاب کے لوگ خالی خیال میں
نہیں رہتے وہ خیال کو فوراً فعل کی شکل میں لانا چاہتے ہیں۔ ان کے
خیالات اور فعلوں میں بہت زیادہ فاصلہ نہیں پایا جاتا۔ سرکار انگریزی
اس امر کو اچھی طرح سے سمجھتی ہے اور اسی وجہ سے وہ پنجاب کو زیادہ
دبانے کی کوشش کرتی ہے ان سب حالات کو سامنے رکھکر اس نتیجے
پر پہونچنا بڑا آسان ہے کہ ملک کی آئندہ تاریخ بنانے میں بھی پنجاب کا
بہت بڑا حصہ ہوگا۔

# جغرافئے کی بابت

**زمین کی عمر**

پنڈتوں نے آریہ جیوتش شاستر کے حساب کے مطابق اِس دُنیا کو بنے ہوئے
اِس وقت ایک عرب ۹۷ کروڑ سال سے اوپر کا عرصہ گزر چکا ہے
حال میں مختلف علوم کی جو ترقی ہوئی ہے اس کے ذریعے سے سائنسدان
لوگ بھی اس رائے پر آ پہونچے ہیں کہ اس دُنیا کو بنے ہوئے ۔ اکروڑ
سے زیادہ ایک ارب ۲۰ کروڑ سال تک کا عرصہ گذر چکا ہے۔ زمین کی
زندگی میں سب سے پہلا وہ زمانہ تھا جب کہ اس کرہ پر کوئی جاندار شے
موجود نہ تھی۔ دوسرا زمانہ وہ آیا جبکہ نہایت ہی سادہ بناوٹ رکھنے
والے جاندار یہاں ظاہر ہوئے۔ اس سے اگلے زمانے میں سمندر کے
اندر مچھلیاں اور خشکی جنگلات کی شکل میں ظاہر ہوئی اگلا زمانہ زمین کے
اوپر رینگنے والے جانوروں کا تھا۔ سب سے آخیر وہ زمانہ آتا ہے جبکہ
گھاس اور دوسری نباتات اور دودھ پلانے والے جانور زمین پر نمودار
ہوئے۔ انسان کی پیدائش بھی اس زمانے میں ہوئی۔

**انسانی تہذیب**

سائنسدان لوگ انسانی تہذیب کو تین بڑے زمانوں
میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے زمانے کو پرانے پتھر کا زمانہ
کہا جاتا ہے۔ اسے مسیح سے ۶ لاکھ پہلے تک گنا گیا ہے۔ اس زمانے
میں اس زمین پر کئی بڑے بڑے برف کے طوفان آئے۔ زمین کو موجودہ
شکل میں آنے کو کوئی پچاس ہزار برس کا عرصہ مانا گیا ہے۔ اس زمانے میں

جہاں کہیں انسان تھے وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے موٹے
پتھر کے اوزار استعمال کیا کرتے تھے۔ دوسرا زمانہ وہ آیا جس میں بجائے
موٹے پتھر کے پتھر کے نفیس اوزار استعمال کئے جانے لگے۔ اسے نئے
پتھر کا زمانہ کہتے ہیں تیسرا زمانہ وہ آیا جبکہ انسان کو معدنیات کا علم ہوا
اور اسنے لوہے کو اپنے اوزاروں کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ اس
زمانے کو لوہے کا زمانہ کہتے ہیں۔

سائنسدانوں کا یہ خیال ہے کہ جنوبی ہندوستان کے انسان ابتدائی
زمانے سے یہاں پر پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ غیر آریہ نسل سے تھے
تناولی کے ضلع میں ایسی قبریں ملی ہیں جہاں پر کہ وہ لوگ لاش ایک
مرتبان میں بند کر کے زمین میں گاڑا کرتے تھے۔ شمالی ہند میں پہلے
پانی ہی پانی تھا۔ جب پانی کی جگہ خشکی نمودار ہوئی تو بھی شمال اور جنوب
کے درمیان بہت کم تعلقات تھے۔

**آب و ہوا کا اثر**

زمین اور آب و ہوا کا اثر وہاں کے لوگوں کے
کیرکٹر (چرتر) پر اور ان کی سوشل اور پولیٹیکل
زندگی بنانے میں بڑا بھاری ہوتا ہے۔ سخت دل اور مضبوط جسم والے
افغان اپنی پہاڑی زمین کا ویسا ہی نتیجہ ہیں جیسا کہ نرم دل ہندو اپنی
میدانی زمین اور گرم آب و ہوا کا ہے۔ افریقہ کی آب و ہوا حبشی کے خط و خال
اور رنگ کو اسی طریقے سے پیدا کرتی ہے جسطرح کہ جاپان کی آب و ہوا
منگولین چہرا اور خط و خال بناتی ہے۔ آب و ہوا کے اثر کے لئے یہ ضروری
ہے کہ انسان کی نسلیں مدت مدید تک اس آب و ہوا کے اثر میں رہیں
اسوقت اگرچہ امریکن۔ کنیڈین یا اسٹریلین۔ انگریزوں سے پوری مشابہت

رکھتے ہیں۔ لیکن اب و ہوا کا اثر اب بھی ظاہر ہو رہا ہے اور زمانہ آئے گا جبکہ یہ لوگ اپنی نسل سے بالکل مختلف بن جائیں گے۔

**موجودہ پنجاب کا حدود اربعہ**

شمال میں ہمالہ پہاڑ جو اسے تبت اور چین سے جُدا کرتا ہے۔ مشرق میں دریائے جمنا جنوب میں سندھ اور دریائے ستلج۔ مغرب میں کوہ سلیمان جو اسے افغانستان اور بلوچستان سے جدا کرتا ہے۔

ہمالہ میں کشمیر۔ چینبہ۔ منڈی۔ سکیت۔ ناہن وغیرہ ریاستیں اور شملہ۔ کلو۔ ڈلہوزی وغیرہ پہاڑیاں۔ مغرب میں ہزارہ کی خوبصورت وادی ہے۔ جنوب میں حصار اور دلّی کا علاقہ ہے جو غدر کے بعد اس میں شامل کیا گیا ہے۔ پنجاب کا شمال دنیا کا باغیچہ ہے۔ جنوب میں ریتلے صحرا اور جنگل ہیں۔ شمال کی آب و ہوا نہایت سرد ہے اور میدان میں گرمیوں میں نہایت گرم اور سردیوں میں نہایت سرد ہوتی ہے۔

**رقبہ اور آبادی**

پنجاب کا رقبہ ۱ لاکھ ۴۴ ہزار ۴ سو ۳۶ میل مربع ہے آبادی دو کروڑ سے اوپر ہے ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق پنجاب کشمیر اور راجپوتانہ کی آبادی بالکل آرین ہے۔ صوبہ جات متحدہ اور بہار میں آرین اور دراوڑ ملی ہوئی ہیں بنگال اور اوڑیسہ میں تھوڑا سا حصہ آرین اور باقی منگول اور دراوڑ ملا ہوا ہے بمبئی۔ گجرات۔ مہاراشٹرہ کُرگ تک شک اور دراوڑ ملی ہوئی ہے۔ مدراس حیدرآباد۔ ممالک متوسط۔ چھوٹا ناگپور لنکا تک دراوڑ نسل ہے۔

**پنجاب کے دریا**

پنجاب کو پانچ دریاؤں کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے ان میں سے ہر دو دریاؤں کے بیچ کے علاقے کو

دوابہ کہا جاتا ہے۔ ان پانچوں کے علاوہ چھٹا دریا سندھ ہے جو کہ نہایت قدیم زمانہ سے جنگی اور ملکی وجوہات کے باعث اس کی حد سمجھا جاتا ہے تمام حملہ آور اور سیاح اسے ہندوستان کا پھاٹک سمجھتے رہے ہیں۔

**سندھ**

پہلے پہل آریہ لوگ پنجاب اور سندھ میں رہتے تھے۔ وید میں سندھی نام بہت دفعہ آتا ہے گنگا کا نہیں۔ سندھ کو دھن دینے والا۔ کھیتوں کو سرسبز کرنے والا بتایا ہے۔ سنسکرت = سندھو۔ یونانی = سنتھس۔ رومن = سنڈس۔ چینی سنٹو۔ فارسی = سندھ۔ پلینی (Pliny) نے اسے انڈس لکھا ہے۔ کشمیر اور کاشغر کے درمیان کیلاش میں کانگڑی سے نکل کر سوات اور اٹک کے پاس سے بہتا ہے۔ الیگزینڈر برنیر (Barnier) نے اس کا راستہ اس طرح بیان کیا ہے۔

ہمالیہ کی پہاڑی دیواروں کے درمیان تبت میں پیدا ہو کر ۱۴۰ میل شمال مغرب کو جاتا ہے۔ یہاں پر اسے "شنا کا باب" کہتے ہیں۔ یہاں اس میں مغرب سے غار دریا ملتا ہے۔ تھوڑی دور چل کر کشمیر کی وادی میں داخل ہوتا ہے۔ اور شمال مغرب کی طرف جاتے ہوئے لداخ کے صدر مقام لیہ کے پاس سے گذرتا ہے۔ لداخ سے بہت سے نالے ندیاں اس میں آملتے ہیں سکاردو کے پاس ایک تنگ راستے کے نیچے سے گذرتا ہے اور جنوب کی طرف جاتے ہوئے گلگت کا ایک بڑا دریا اپنے ساتھ شامل کرتا ہے ۱۲۰ میل تک ہندوکش کے پہاڑوں میں تنگ دروں اور گہری تنگ وادیوں میں سے ہو کر دربند پہونچتا ہے۔ اس کے بعد جج کی وادی میں داخل ہونے پر یہ کشتی چلانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ۴۰ میل بعد اس میں کابل دریا مغرب سے آملتا ہے جو کہ کابل کے وسیع احاطے کو مفید۔

سنہ رکش۔ چترال سے ہوتا ہوا آتا ہے۔

اس کے بعد سلسلہ کوہ سلیمان کے اندر داخل ہوتا ہے اور کئی مقامات پر قابل گذر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں سے گذر بڑا خطرناک ہے۔ اٹک پر کشتیوں کے ذریعے عبور کیا جا سکتا ہے۔ ۱۱ میل نیچے کالا باغ اور وہاں سے ۲۵۰ میل کے نیچے مٹھن کوٹ کے پاس سے گذرتا ہے جس کے دو تین میل کے فاصلے پر پنج ند (چناب) اس میں آملتا ہے۔ ۴۹۰ میل اور طے کرتے بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے اس کے ایک کنارے کیطرف سندھ سے بنوں تک سڑک جاتی ہے اور دوسرے کنارے ملتان سے راولپنڈی تک۔

پنج ند یعنی چناب کے پانچوں دریاؤں کو اکٹھا کر کے آملاتا ہے۔ جس میں سے دریا جہلم کشمیر وادی میں سے بہتا ہوا جہلم پنڈ دادنخاں کے پاس سے گذرتا ہوا اگھیانے سے ۱۰ میل نیچے تری مو کے مقام پر چناب سے جا ملتا ہے دونوں ۲۶ میل اکٹھے چلکر فاضل شاہ کے پاس راوی کو اپنے اندر لے لیتے ہیں یہاں پر انکا نام چناب ہو جاتا ہے۔ ملتان سے ۵۰ کوس جنوب کو اوچ کے مقام پر ستلج اس میں آملتا ہے جو بیاس کے پانی کو فیروز پور کے پاس سے اپنے ساتھ لے آتا ہے۔

**اصلی باشندے** مغربی عالموں کا خیال ہے کہ جن لوگوں کو ویدمیں اُسر، راکھشس، دسیو یا داس کہا ہے وہ اصل میں اس ملک کے باشندے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر تاتاری نسل سے تھے آریوں کے آنے سے پہلے یہ لوگ پنجاب کے حصوں میں کبھی آباد تھے جانوروں پر گذارا کرتے تھے۔ جانوروں کی کھالیں پہنا کرتے تھے اور اپنے مختلف

دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ان کے خط وخال زبان کے الفاظ اور مذہبی رسوم تاتاری لوگوں سے ملتی تھیں۔ یہ لوگ پتھر کی اور معدنیات کی تہذیب کے زمانوں سے گذر چکے تھے۔ پہلے پہل پتھر کے اوزار بنایا کرتے تھے۔ بعد میں پیتل اور لوہے کے بنانے لگے۔ دراوڑ زبان بھی تورانی زبان سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہ لوگ پنجاب سے داخل ہوکر بعد میں جنوب میں جاکر آباد ہوئے۔ ہمالہ کے دامن میں رہنے والے تبتی برمن اور بنگال کے کول لوگ شمال مشرقی راستے سے ہندوستان میں آئے۔ یہ لوگ مُردوں کو دفنایا کرتے تھے۔ مُردوں کے ساتھ یہ لوگ ہتھیار بھی گاڑا کرتے تھے پولینڈ اور تاتار کے اندر قبروں میں یہ اوزار پائے گئے ہیں۔ شاکیوں کی رسموں کے مطابق بیوہ اپنے چھوٹے بھائی سے شادی کر لیا کرتی تھی ہر رسم کے موقع پر یہ لوگ ناچتے اور شراب پیا کرتے تھے۔ ان میں ورن یا ذات کی تقسیم مطلق نہیں پائی جاتی تھی۔ آریہ ان سے نفرت کرتے تھے۔ ان کی رہائش کی جگہ شہر سے باہر ہوا کرتی تھی۔ ان کی جائداد ان کے گدھے۔ گدھے یا لوہے کے زیور ہوا کرتی تھی۔ آریوں نے ان کو فتح کرکے جنگلوں میں بھگا دیا یا اپنا غلام بنا لیا۔ منو میں انہیں چانڈال کہا گیا ہے اور ان کے لئے ہمیشہ کے لئے غلامی قرار دیکر بہت سخت قانون بنائے گئے ہیں جنکا ذکر باب ۸ اور ۱۰ میں ہے۔ وید میں انہیں شتر واور دسیو بتایا ہے۔ ان کی بابت ہوار ناک والے یا بناناک کے ذکر آتا ہے۔ انہیں مارنے اور فتح کرنے کے لئے پرارتھنائیں کی گئی ہیں۔ اندر انہیں تباہ اور عاجز کرنے والا ہے۔ اگنی ان کے شہروں کو برباد کرنے والا اور انکو قتل کرنے والا ہے یہ لوگ مکانوں اور قصبوں میں رہا کرتے تھے

ویدمیں آتا ہے کہ اندر نے اسروں کے قصبوں کو برباد کیا۔ یہ راکھشس
بہت دھن کے مالک تھے اور ان کے سات برج اور لوہے کے قلعے
تھے۔ انکو ابھی تک اچھوت شمار کیا جاتا ہے۔ پنجاب کے چوڑے۔ چمار
نہتا۔ تور۔ اہیری۔ ٹھوری۔ لباتا۔ کھیل۔ سانسی۔ مٹ۔ پرنا۔ بازی گر
بھی دارا۔ بارلی۔ گندیلا۔ اوڈ۔ بتاریی۔ اس نسل میں سے گنے جاتے ہیں

**آریہ نسل**

مغربی وودوالوں کا یہ بھی خیال ہے کہ آریہ لوگ بعد میں
ہندوکش کے راستے پنجاب میں آئے انکا رنگ زیادہ
سفید اور شکل و شباہت زیادہ خوبصورت تھی۔ یہ لوگ بھی پرانے ایرانیوں
کی طرح اپنے آپکو آریہ یعنی سربیشٹھ کہتے تھے۔ آریہ کے ابتدائی معنی ہل چلانے
والے کے ہیں۔ بعد میں اس کے معنی معزز یا حکمران کے ہوگئے۔ ایران کے
بادشاہ دارا نے ایک کندہ میں اپنے آپکو ایک آریہ اور آریہ نسل سے لکھا ہے
وہ ایرانی جو زردشت کے پیرو تھے یا ہوشنگ مذہب سے تعلق رکھتے تھے
مانتے ہیں کہ ایران کا پہلا بادشاہ مہاباد تھا جس نے لوگوں کی چاروں ورنوں
مذہبی جنگی۔ تجارتی اور خدمتگاروں میں تقسیم کی۔ ایرانی زبان ژند سنسکرت کی
ایک شاخ ہے۔ سینکڑوں۔ فارسی نام سنسکرت سے نکلے ہوئے ہیں
استخار (پرسی پولس) میں جمشید کے تخت پر جو حروف کندہ ہیں وہ بمبئی کے
ایلیفنٹا کے کندوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور دیوناگری سے ملتے
ہیں۔ انہی باتوں کو دیکھکر سر ولیم جونس اس پختہ نتیجہ پر پہونچا کہ کسی زمانے
میں ایران میں براہمنی مذہب پھیلا ہوا تھا۔ آریوں کی پہلی جائے رہائش ہند
کا کنارہ تھا۔ سندھو کا نام بار بار پرانی پستکوں میں آتا ہے۔ لاطینی لفظ کے معنی
Sy[illegible] ۔ [illegible] تھا ژند اوستھا میں ہپت ہندو سے مراد پنجاب کی

سہ زمین سے ہے۔ آریوں کے پنجاب میں آنے کی تاریخ کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ ولسن نے ۱۵۰۰ ق۔م مانتا ہے۔ ولیم جونز ۳۸۰۰ ق۔م مانتا ہے اور ونگر ۲۰۰۰ ق۔م۔ اسی وقت ہی آریہ نسل کی دوسری شاخیں یوروپ کے ممالک۔ یونان۔ اٹلی وغیرہ جاکر آباد ہوئیں۔

سپت سندھو سے نکل کر آریوں نے گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ جا آباد کیا۔ اس میں انہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے۔ یہاں نہ صرف انہیں اصلی باشندوں سے جنگ کرنے پڑے بلکہ اچھی زمینیں قبضے حاصل کرنے کے لیے ایکدوسرے کے ساتھ لڑائیاں چھڑ گئیں ان لڑائیوں میں بڑے بڑے لیڈر نکل آئے جن کے ساتھ بڑے گروہ اور جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ آہستہ آہستہ چھوٹے راجا یعنی لیڈر بڑے بڑے راجوں میں جذب ہو گئے۔ ان راجوں کے صلاحکار برہمن لوگ ہوا کرتے تھے جو یگیوں میں پروہتوں کا کام کیا کرتے تھے۔ راجہ پر اور لوگوں پر برہمنوں کا بڑا رعب داب تھا۔ اس لئے جمنا اور گنگا کے بیچ کے علاقے کا نام برہم رشی دیش پڑ گیا

لوکمانیہ بال گنگادھر تلک کے خیال کے مطابق آریہ لوگ مسیح سے ۴۰۰۰ برس پیشتر خیبر کے راستے ہندوستان میں آئے تھے انکے پہلے شمالی وطن ( Arctic home ) کی روایات ان کے اندر تازہ تھیں ( ) اریانا وائی جو کو چھوڑ کر ان کا ایک حصہ سپت سندھو میں آباد ہوا اور دوسرا ایران میں۔ پنجاب آریوں کا پہلا گھر تھا اور اب بھی ہے۔ باقی حصوں میں دراوڑ آباد تھے۔ پنجاب کی ساری آبادی آرین تھی۔ وید میں پنجاب کی نسل کو بھارت کہا ہے بعد میں

اسی نسل کے نام سے ملک کا نام ہو گیا۔

ایک انڈیا کا مشہور مصنف لکھتا ہے کہ پنجاب سے چل کر آریوں نے روہیلکھنڈ۔ اودھ اور بہار کو آباد کیا۔ کورو۔ پنچال اور ودیھ ان ہی کی بڑی شاخیں تھیں۔ ۵۰۰ سال ہوئے جبکہ رام کی کہانی شروع ہوئی ہے جمنا اور گنگا کے درمیان کا علاقہ غیر آباد تھا۔ وادی گنگا کو رامچندر کے بزرگوں نے دیکھ بھال لیا تھا اور دریائے گوداوری تک جا چکے تھے پنجاب کے آریوں نے بھی سندھ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ممالک متوسط کے جنگلوں میں براہمنوں نے جگہہ بجگہہ اپنے آشرم یعنی کٹیاں بنائی تھیں۔ رکھشس لوگ انکو گھیرے رہتے تھے۔ یہ راکھشس دراوڑ نسل سے تھے اور آدمی کو بھی کھا لیتے تھے۔ رامچندر نے اس بات کو محسوس کیا اور حملہ کر کے لنکا تک کو جا فتح کیا۔ اگرچہ اس کے ہزاروں سال بعد بھی دکھن علیحدہ ہی رہا لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ آریوں نے اپنی بہادری کا سکہ دراوڑ لوگوں پر جما لیا۔ اس کے بعد دراوڑ لوگ آریہ تہذیب کے اثر میں آنے لگے۔ یہ عجیب بات ہے کہ رامائن میں بھرت کا پنجاب میں اپنے ماموں کے گھر جانا بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن رام کا گوداوری اور رنبدھیا چل کے بعد کے سفر کا کچھ بیان نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رامائن کا مصنف والمیکی بندھیاچل کے آگے باقی دریاؤں کا یعنی کرشنا کی بابت کچھ نہ جانتا تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آریوں اور دراوڑوں میں ہمیشہ کم تعلق تھا

**آریہ نسل کی دوسری شاخیں**

موجودہ زبانوں کی تحقیقات سے آریہ نسل کی مختلف شاخوں کا پتہ لگتا اس زمانے

کی ایک بڑی دریافت ہے۔ قدیم زبانوں کا علم رکھنے والے عالموں نے مختلف زبانوں کے درمیان اور ان کی گرامر کی قواعد میں اس قسم کی عجیب مشابہت دیکھی کہ وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ پرانے ایرانی بختریا۔ میڈیا سوگڈیانہ کے رہنے والے۔ یونان۔ سلاف۔ سیلٹک۔ گریک۔ رومن وغیرہ سب نسلیں ایک ہی ماخذ سے نکلی ہیں۔ ان زبانوں میں عام بولچال کے الفاظ ایک بڑا بھاری ورثہ ہیں جو کہ ان سب کو اپنے اصلی بزرگوں کی وراثت میں ملا ہے۔ فادر۔ مدر۔ ڈاٹر۔ برادر۔ راجہ۔ ودھوا۔ دیو وغیرہ گنتی کے الفاظ شکلوں میں ذرا ذرا اختلاف رکھتے ہوئے سب زبانوں۔ یعنی سنسکرت۔ ایرانی۔ لاطینی۔ جرمن۔ انگریزی۔ ڈچ۔ ڈینش۔ سویڈش۔ سلاونک وغیرہ میں بالکل ایک ہیں۔ الیشوریا الیش وہی لفظ ہے جو کہ مصر کی پرانی زبان میں [illegible] اور [illegible] ہیں وید کا متر اور ورن او ستھا کا متھرا اور یونانی کا [illegible] ہے۔ سنسکرت میں ورترا ایرانی ورترا یعنی بھوتوں کا سردار ہے۔ اب اس بات کو ماننے میں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا کہ جدا ہونے سے پہلے آریہ نسل کی تہذیب میں خاص ترقی ہو چکی تھی۔

انگریز افسر: "کیا مہاراجہ رنجیت سنگھ کانا ہے؟"
فقیر عزیز الدین: "میں نے آج یہ بات سنی ہے
میرے مالک کے چہرے کا نور اور جلال ایسا ہے کہ مجھے کبھی
آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔"

# تاریخ پنجاب

## ویدک زمانہ

**تاریخ کا منبع**

موجودہ تاریخ دس بارہ ہزار برس سے زیادہ پیچھے
نہیں جاتی۔ ہڑپا۔ بنیا اور مصر کی تاریخ جس کو مورخ لوگ
[illegible] سب سے پرانا مانتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ شہادت یا قدیم تہذیب
[illegible] علامات کے سہارے پر لکھی گئی ہے۔ لیکن ہندوستان کی
[تار]یخ کے متعلق ہمیں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا۔ ہمارے ابتدائی بزرگوں
نے نہ کوئی یادگاریں بنائیں اور نہ اپنے کوئی اور نشانات چھوڑے اور اگر
کچھ ثبوت ہمیں ملتے ہیں تو وہ ہمکو چھٹی صدی قبل مسیح بودھوں کے زمانے
تک لیجاتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے ہندو لوگ اپنے آپکو چلڈیا
ہڑپا اور مصر سے بھی پہلے کی سب سے پرانی قوم ظاہر کرتے ہیں۔ ہندو[illegible]
[illegible] کے [illegible] روایت پر انحصار رکھتا ہے۔ مورخ لوگ اسکو ماننے پر
تیار نہیں [illegible] کہتے ہیں کہ ہندو جرمن نسل سے تعلق رکھتے اور وسط
ایشیا [illegible] یوروپ سے ہندوستان میں آئے ہیں ان کی رائے میں
مصر کی تہذیب سب سے پرانی اور عالمگیر ہے۔ کیونکہ یوروپ کی تہذیب
مصر کی تہذیب سے شروع ہوتی ہے اور یوروپ کی تہذیب میں مصر
[کا] بہت بڑا حصہ ہے اس لئے وہ لوگ مصر کی طرف نہ صرف حیرت سے
بلکہ [illegible] شکرگذاری کے خیال سے دیکھتے ہیں۔ جب یوروپ پر ابھی

اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا مصر اور بیبلو نیا ترقی کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے
ان کا خیال ہے کہ چونکہ ہندو بھی یوروپی نسل سے ہیں ان کی تہذیب
بھی مصر اور میسو پوٹیمیا کے بعد آنی چاہیئے اس لئے یہ تین چار ہزار برس سے
زیادہ پرانی نہیں ہو سکتی۔
مصریوں کا پرانا ریکارڈ ہیروگلیفک حروف میں تھا جس کی دریافت
ایک انگریز ڈاکٹر ینگ نامی نے انیسویں صدی کے درمیان میں روزیٹا
پتھر کے ملنے پر کی۔ اسی طرح نینوا میں اینٹوں پر کیونی فارم حروف
میں لکھے ہوئے الفاظ ملے جن سے کہ بیبلونیا کی پرانی تاریخ کا بہت کچھ
پتا چلا ہے۔ ہندوستان میں ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ لیکن ہندؤں کا
سب سے بڑا ریکارڈ رگ وید ہے جس میں دیوتاؤں کی ہیش کی ہوئی
رچائیں موجود ہیں ان کی زبان اور خیال ایسے سرل اور خوبصورت ہیں کہ
مصریوں اور اسیریوں کی تہذیب سے بھی بہت پہلے لیجاتے ہیں۔ یہ
رچائیں کسی جگہ کاغذ یا پتھر پر لکھی نہیں گئیں بلکہ انسانی یاد کی طاقت کو
ترقی دیکر لفظ بلفظ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچا دیگئی ہیں۔ ہندؤں
نے اس طریقے کو سب سے بہتر اور زیادہ دیرپا خیال کیا کیونکہ پتھر مٹی یا بھوج
پتر سب تباہ ہو جانے والے ہیں لیکن انسان کا دل و دماغ ہمیشہ زندہ رہنے
والا ہے۔ ہندوؤں نے مادہ کی نسبت دماغ کو زیادہ ترجیح دی۔
ابھی تک اس بڑے ثبوت سے اس لئے غفلت کی گئی ہے کہ
یہ ہمارے اندیوں کو اتنا اپیل نہیں کرتا جتنا کہ پتھر اور اینٹیں۔
یا اُن کی بنی ہوئی یادگاریں لیکن اس کے ساتھ ایک اور وجہ یہ بھی تھی
کہ جس زبان میں یہ ثبوت لکھا ہوا ہے وہ زبان بے انتہا زمانہ گذر جانے

گئے تھے۔ اب مرشکل ہے اور اس کے پڑھنے والوں نے آنکھوں پر ایسے تعصب کی پٹی باندھی ہے کہ وہ اسکو سمجھ ہی نہیں سکتے اس امر سے تو یورپین عالم بھی انکار نہیں کر سکتے کہ رگ وید گیان کا منبع دنیا میں سب سے پرانی کتاب ہے۔ اس کتاب کے سہارے پر آریہ نسل کی ابتدائی تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ اگر ہم وید کا مطالعہ فائی لالوجی۔ آرکیو لوجی۔ جیولوجی۔ ایسٹرولومی کی بدولت دریافت ہوئے ہوئے معلومات کی امداد سے کریں تو نہیں نہ صرف آریہ نسل کی بلکہ نوع انسان کی ابتدائی بھی تاریخ معلوم ہو سکے گی۔ اور اس سے کئی گہرے قدیم سوال حل کئے جا سکیں گے۔ اس سے معلوم ہو گا کہ کس طرح آریہ نسل کا اصلی وطن پنجاب ہے اور اس اصلی وطن سے چلکر یہ نسل اور اس کی تہذیب کسطرح دنیا کے مختلف مقامات میں پھیلے اور یہ کہ کسطرح بنی نوع انسان میں سے آریہ لوگ پہلے انسان تھے جنہوں نے انسان کو باقاعدہ ترقی کے راستہ پر چلایا۔ کس طرح یہ لوگ سوچا کرتے تھے اور کس قسم کی امیدیں رکھتے تھے کسطرح انہوں نے خیال کی طاقت کو دوڑا کر زندگی کے سوالوں کو حل کرنا شروع کیا اور کسطرح تہذیب کے میدان میں قدم قدم آگے بڑھے

**وید پر مغربی عالم**

مغربی عالموں کا خیال ہے کہ رگ وید نہایت قدیم کتاب ہے۔ اس میں ۱۰۱۷ سوکت اور ۱۰ ہزار منتر ہیں۔ اس سے آریوں کی زندگی کی نسبت کافی واقفیت ملتی ہے جبکہ وہ کئی ہزار سال قبل مسیح سندھ کے کنارے پر رہا کرتے تھے سام اور یجر رگ وید میں سے لئے گئے ہیں اتھروان سے بہت پیچھے کا بنا ہوا ہے۔ لکھنے کا ہنر ایجاد ہونے سے پہلے رشی لوگ انکو

زبانی یاد کیا کرتے تھے اور پشت در پشت یاد کرتے چلے آتے تھے
ان میں سے کئی سوکت رشیوں کے نام پر ہیں۔ ان میں کوئی تاریخی
واقعات نہیں لیکن آریوں کی حالت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے
آریہ لوگ مویشیوں کو پالا کرتے تھے اور ان کے لئے ایشور سے پرارتھنا
کیا کرتے تھے۔ یہ مویشی ہی ان کے سکے تھے گائے کی سب سے بڑھ
کر عزت تھی۔ اگرچہ اس کے علاوہ گھوڑے بھینس۔ بھیڑ بکری کا بھی
ذکر آتا ہے۔ مصری اور فی نی شی ان لوگ بھی گائے کی ویسی ہی عزت
کرتے تھے۔ مصر میں بیل (ا شادہ) کی پوجا بہت ضروری ہے۔ انکی
بھومی کا نام سپت سندھو آیا ہے۔ گنگا اور جمنا کا ذکر کم ہے۔ سرسوتی
اور وسر شدوتی (گھاگرا) کے درمیان کا علاقہ برہم ورت کہلاتا تھا۔
رگوید سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریوں کو راکھشوں سے لڑنے میں بڑی دقت
پیش آئی۔ وہ اندر سے پرارتھنا کرتے تھے کہ وہ اپنے وجر اور سیاہ بادلوں
سے انکو تباہ کرے۔ زرہ بکتر پہنے ہوئے سپاہیوں کا بادل کی بجلی کے
ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔

اندر کی کمان کی تعریف پائی جاتی ہے جو جہاں جاتی ہے فتح حاصل
کر لی جاتی ہے۔ تیز سموں والے گھوڑے رتھوں کے ساتھ دشمن پر
جا پڑتے ہیں اور اپنے پاؤں تلے انہیں کچل ڈالتے ہیں۔ آریہ لوگ
رتھوں کے ذریعے لڑا کرتے تھے (پرانے یونانیوں کی لڑائی کا طریقہ
بھی یہی تھا۔ ٹراجن جنگ میں رتھ ہی استعمال کئے گئے تھے۔) رتھوں کے
علاوہ پیادہ فوج۔ تلوار۔ بھالا۔ کمان۔ کلہاڑا۔ بگل بجانیوالا اور جھنڈے
والے کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ جھنڈا بہت قدیم زمانے میں رشک پیدا

کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ نقارہ اور بگل بھی استعمال ہوتے تھے
وید میں نقارے کو مخاطب کر کے کہا ہے "اپنی آواز سے زمین اور آسمان
کو گونجا دو۔ ہمارے دلوں میں طاقت دو دشمن کے دل ہلا دو"۔ جنگ میں نعرہ
بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ رامائن میں جے رام اور مہا بھارت میں جے اسکھو پانڈو
تیتر انام بتایا جاتا ہے۔

ویدک زمانے میں کنبے کا بزرگ ہی اسکا پروہت ہوتا تھا۔ قبیلے
کے سب لوگ اکٹھے ہو کر یگیہ کیا کرتے تھے۔ حبکا کرانے والا اُس بنی ہوتا
تھا۔ ہر ایک قبیلہ اپنے راجا کو حکمران سمجھتا تھا۔ راجا گرام پر اور پور
محفوظ شہر پر حکومت کرتا تھا۔ بھاٹ لوگ اس کی بہادری کے گیت
گایا کرتے تھے۔ ان کو سونا۔ گائے۔ رتھ۔ خوبصورت لڑکی انعام میں
ملا کرتی تھی۔ پنجاب میں رہتے ہوئے آریہ لوگ جنگی اور مردانہ تھے۔ ہمالہ
کے پہاڑوں میں سورگ یعنی اپنے دیوتاؤں کی رہائش کی جگہہ سمجھتے تھے
کھیتوں کو پانی دینے کے لئے نہریں کھودتے تھے۔ دھان اور جو وغیرہ بویا
کرتے تھے۔ کاتنا اور چمڑے کو کمانا جانتے تھے۔ لوہار ترکھان۔ گاڑی
بنانے والے سنار اور دید ان میں پائے جاتے تھے۔ شرابخانہ۔ جوا۔
دجوبیٹ) راگ اور ناچ کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔

بیاہ عام طور پر ایک ہی ہوا کرتا تھا۔ لڑکی اپنا پتی آپ ہی چن لیتی
تھی۔ شادی کی رسم بڑی پوتر اور سنجیدہ سمجھی جاتی تھی۔ ویدک زمانے میں
استری کا درجہ بہت اعلیٰ تھا۔ وید کے بہت سے منتر استریوں اور
رانیوں کے نام پر ہیں۔ استری بڑی پڑھی لکھی ہوا کرتی تھی۔ برہمن اور
کشتری صرف پیشوں کے نام تھے نہ کہ ذات کے۔ دو ہوا کو میر گرہستھ

کرنے کی اجازت تھی کیونکہ اس نے خاوند کے ساتھ اپنے فرض کو پورا کر دیا تھا۔ لکھا یہ بھی خیال ہے کہ وید میں گومیدھ یگیہ وغیرہ کی اجازت ہے جس میں گائے بھی یگیہ میں ماری جاتی تھی اور یگیہ کا گوشت کھانا اچھا سمجھا جاتا تھا۔ آریہ لوگ سوم رس نکال کر پیا کرتے تھے اور اس سے دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

## ہندوؤں میں وید کا درجہ

یوں تو وید دنیا کے کتب خانے میں سب سے پرانی اور پہلی کتاب مانی گئی ہے۔ لیکن آریہ نسل کی ایک شاخ ہندو ہیں جنہوں نے وید کی حفاظت کرنا اپنا خاص فرض سمجھا ہے۔ ہندو وید کی سب سے بڑھکر عزت کرتے ہیں۔ وید برہم ہے۔ وید سوتہ پرمان ہے وید ایشوری گیان ہے۔ وید سارے علوم کا آدی مول یعنی بیج ہے اس لئے جو کوئی وید کی نندا یا بے عزتی کرتا ہے وہ ناستک ہے۔ ہندوؤں کے اندر ایسے فلاسفر ہوئے ہیں جنہوں نے ایشور کی ہستی سے انکار کیا ہے۔ لیکن وید کو وہ پرمان اور قابل عزت مانتے ہیں ہندوؤں نے وید کی قائمی اور حفاظت کے لئے اپنے اندر سے سب سے اونچی جماعت مقرر کر دی جو کہ برہمن کہلاتے۔ اس وجہ سے ہندو دھرم کو برہمن دھرم بھی کہا جاتا ہے تمام قوم کے اندر وید کی اتنی گہری عزت یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسطرح قوم نے اپنی سبھیتا کے منبع کو اپنی جان سے بھی عزیز سمجھ رکھا ہے

سوامی دیانند نے جو اس زمانے میں سنسکرت کا سب سے بڑا اسکالر اور رشی ہوا ہے ویدوں کو خاص عزت کا درجہ دینے کے

لیے اسے الہام ماننا قرار دیا ہے۔ الہام کا لفظ عوام کے دلوں میں وید کے لیے عزت پیدا کرنیکا بہت عمدہ طریقہ ہے مگر یہ ضروری ہے کہ ہم لفظ الہام اور ایشوری گیان کے درمیان فرق اچھی طرح سمجھ لیں۔

الہام کہنے سے وید محض ایک یقین کی کتاب بنجاتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم بغیر کسی سوچ بچار کے اور بغیر ویدوں کے پڑھے خود اس بات پر یقین کرلیں اور دوسروں کو یقین کرنے کے لئے مجبور کریں کہ وید ایک الہامی کتاب ہے۔ ایشور کا گیان ہونے میں وید کی عظمت اس کے مطالعہ میں پائی جاتی ہے نہ کہ اس پر محض یقین کرنے میں۔

الہام کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایشور نے ایک وقت میں جس کسی ایک یا دو شخصوں کے دل میں جن کو اس نے پسند کیا وید کا سارا گیان ڈالدیا اور اس کی شکل انہی الفاظ میں ہوئی۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جن شخصوں کو گیان ہوا وہ پہلے بھی کچھ گیان رکھتے ہوں۔ کیونکہ ایسی حالت میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ آیا جس بانی کو وہ ایشور کی بانی بتلاتے ہیں وہ سچ مچ ایشور کی طرف سے ہے یا ان کے اپنے گیان کی بدولت۔ ہے ایشوری گیان ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جن رشیوں کو وید کا گیان ہوا ان کی بدھی اور آتما اتنی اونچی ہوگئی ہو کہ وہ ایشور کی قدرت کو غیر معمولی طاقت بینائی سے دیکھ سکیں۔ یہ طاقت ان رشیوں کو ایشور کی کرپا سے حاصل ہوئی۔ ایشور گیان ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ سارا گیان ایک ہی وقت میں کسی شخص کو دیدیا جائے۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جب کبھی کسی رشی نے اپنے آتما کو پوتر کرکے ایشور کی مہربانی کا مستحق بنایا اُسنے گیان کی ان سچائیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کیونکہ یہ سمجھ میں آنا مشکل

ہے کہ جو رشی منتروں کے ارتھوں کو دیکھ سکتے تھے وہ منتروں کے اندر چھپی ہوئی سچائی کو کسطرح نہ دیکھ سکتے تھے۔

**پنجاب آریوں کا وطن***

یورپی عالم یہ کہتے ہیں کہ آریہ لوگ سپت سندھو میں ایک حملہ آور کی حیثیت سے داخل ہوئے اور یہاں پر ہی مدت تک انہیں اصلی باشندوں سے لڑنا پڑا۔ وید یہاں پر ہی لکھا گیا۔ اس لئے وید میں جنوبی حصوں کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔

عام ہندو یہ مانتے ہیں کہ وید اپورشیہ ہے یعنی یہ پہلے انسان برہما کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے۔ آریہ نسل کے لوگ یہاں پر ہی پیدا ہوئے۔ وہ دوسرے ہمسائیوں کی نسبت زیادہ دماغی طاقت رکھتے تھے۔ اسلئے انہوں نے تھوڑے عرصہ میں ہی۔ اپنی آتمک اور دنیاوی ترقی کر لی۔

شری بال گنگا دھر تلک نے جیوتش ودیا کی مدد سے وید کا مطالعہ کرکے یہ نیا مت نکالا کہ آریہ لوگوں کا اصلی وطن بحر منجمد شمالی کے نزدیک تھا وہاں پر ہی وید لکھے گئے اور وہاں سے ہی چل کر آریہ لوگ ہندوستان ایران اور یوروپ کے ممالک کو گئے۔ بابو اپناش چندر داس نے حال ہی میں رگ وید پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس نے لوکمانیہ تلک کے مت کی تردید کرکے ایک نیا سدھانت قائم کیا ہے کہ جب رگ وید لکھا گیا۔ آریہ لوگ اسوقت سپت سندھو میں ہی رہا کرتے تھے اور یہ زمانہ زمین کی شکل میں تمام جیوالوجیکل تبدیلیوں سے پہلے کا ہے۔ اور اس نے وید کے مستند پرمانوں سے اور جیوالوجیکل شہادت سے یہ ثابت کیا ہے کہ سپت سندھو ہی ہندوستان

---

* بابو اپناش چندر داس کی کتاب رگ ویدک انڈیا کے سہارے پر لکھا گیا ہے۔

کے براعظم میں سب سے پرانی زمین ہے جہاں زندگی پہلے پہل پیدا ہوئی
اس جگہ ایوولیوشن یعنی وکاش کا عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ انسان پیدا ہوا۔ اس عرصہ
کو جیوالوجی کے لحاظ سے کم از کم ۲۰ ہزار اور لاکھ برس کے درمیان کا مانا گیا ہے
رگ وید خود (منتر ۱۵ - ۱۰ - ۶۱) اس زمانے کو تین حصوں میں تقسیم کرتا
ہے یعنی ابتدائی درمیانی اور موجودہ "اے اندر! برسات پہنچے کرنے والا ہے
رشی جو ابتدائی زمانے میں رہتے تھے تمہارے لئے یگیہ کر کے تمہارے مِتر
بن گئے۔ درمیانی زمانے والوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور آجکل کے رشیوں
نے بھی اسطرح تمہاری دوستی حاصل کی ہے اس لئے اے اندر کرپا کر کے
اس منتر کو سنو جو تمہاری پوجا کرنے والا پیش کرتا ہے۔ رگ وید (۱۰ - ۲۹ -
۲) " بعض رچائیں پرانے بزرگوں سے نئی زبان میں لکھی ہوئی آئی ہیں"
ظاہر کرتا ہے کہ وید کی پہلی زبان آرکیک (archaic) ہوئی بعد میں
ویدک سنسکرت ہوئی۔ وید کا آغاز ایک ناقابل یاد زمانے تک چلا جاتا
ہے رگ وید میں ایک جگہ آیا ہے کہ سپت سندھو میں چار ماہ تک برابر
برسات ہوتی تھی۔ اسی بات کا ذکر ژندا وستھا میں بھی ہے " نہایت
قدیم زمانے میں سپت سندھو بڑی خوشگوار اور سرد آب و ہوا رکھتا تھا
اہرمن نے اسکو تبدیل کر کے گرم بنا دیا" یہ ایک بڑی جیوالوجی کل تبدیلی کیطرف
اشارہ ہے۔ رگ وید (۱ - ۳۲ - ۲) " اندر نے آریہ لوگوں کو سپت سندھو
میں زمین دی اور ان کی رکشا کے لئے برشا اور ان پیدا کئے۔ پہلی دشمن اہی
(سانپ) آیا جس نے برشا کو روکا۔ اندر کو اس کے خلاف لڑائی کرنی پڑی اس
لڑائی میں اندر نے اسے مار ڈالا۔ اندر کی یہ فتح سپت سندھو میں ہی ہوئی

نوٹ - یہ کتھا بہت پرانے رشیوں سے چلی آئی ہے جبکہ پہلے پہل

انہوں نے بجلی اور بادلوں کو دیکھا اور اس راز کو حل کرنے کا خیال کیا
ابھی غالبًا بادل میں بجلی کی چمک تھی۔ برشا کا نہ ہونا وہ اس بجلی کی
شرارت سمجھتے تھے۔ اور تب اندر اپنی گرج سے ان پر حملہ کرتا تھا
اس کے بعد برسات کا ہونا اندر کی بڑی بھاری فتح سمجھی جاتی تھی
جس کے بعد سورج اور آسمان دکھائی دینے لگتا تھا۔ اس لئے
اندر سب سے بڑا دیوتا مانا جانے لگا۔

داس بابو نے وید کی قدامت کے مندرجہ ذیل بڑے ثبوت پیش کئے ہیں:۔
۱۔ وید میں سپت سندھو کے اردگرد چار سمندروں کا ہونا لکھا ہے۔
اور یہ بات جیو آلوجیکل انقلاب کے وقت سے پہلے تھی۔ سپت سندھو کی چار
حدود پر چار سمندر تھے۔ صرف شمال مغرب میں اسکا تعلق ایران سے اور اسکے
ذریعے مغربی ایشیا سے تھا۔ شمال میں ہمالیہ اور ایشیائی بحیرہ روم جو ترکستان
یا منگولیا کی حدود سے بحیرہ اسود تک پھیلا ہوا تھا۔ زمین کے اندر بھونچال
آنے سے باسفورس نکل آئی اور اس بحیرہ کا بہت سا پانی یوروپی بحیرہ
روم میں چلا گیا جہاں پر پانی بہت گہرا تھا وہاں پر بحیرہ اسود۔ بحیرہ خذر۔ جھیل
ارال اور جھیل بلکاش رہ گئیں۔ مغرب میں کوہ سلیمان اور اس کے نیچے سمندر
تھا جو کہ موجودہ سندھ کی جگہہ پر بحیرہ عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ مشرق میں سمندر تھا
جو کہ ہمالہ کے دامن میں بعض جگہہ گہرائی میں تین میل تھا۔ اور سپت سندھو
کے مشرقی کنارے سے آسام تک پھیلا ہوا تھا۔ گنگا اور جمنا ہمالہ کے مشرقی
ڈھلوان سے پانی لیکر تھوڑی دور چل کر اس مشرقی سمندر میں ملجاتی تھیں
جنوب میں راجپوتانہ کا سمندر تھا جو جنوب کی طرف اراولی پہاڑ تک اور مغرب
کی طرف خلیج کے ذریعے بحیرہ عرب سے اور شمال مشرق میں مشرقی سمندر سے

ساتھ ملا ہوا تھا۔ شمال مغرب میں قندھار یعنی موجودہ افغانستان تھا جہاں
آریہ لوگ آباد تھے۔ راجپوتانہ اور سندھ دونوں سمندر کی تہ میں تھے
۲۔ رگ وید میں سندھو اور سرسوتی کے درمیان کا علاقہ دیوکرت
یونی یعنی زندگی اور پیدائش کا مخزن بتایا ہے۔ سرسوتی اور درشدوتی
کے درمیان کا علاقہ برہم ورت کہلاتا ہے۔ یعنی وہ علاقہ جہاں برہما
پیدا ہوئے۔ کم پیرے ٹو فالی لالوجی کا باپ ریڈلم کہتا ہے کہ انسان
کی پیدائش کشمیر میں ہوئی اور یہی اس دنیا پر بہشت ہے۔
وید میں منو کے طوفان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ منو کے طوفان کا
ذکر ستپتھ براہمن میں پایا جاتا ہے۔ . . . . . . .
منو کی کشتی ہمالہ وامن میں ایلا پر جا لگی یہ جگہ کشمیر میں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ آریوں کی پیدائش بھی سپت سندھو اور کشمیر کی سرزمین میں ہوئی
یہ طوفان بھونچال کی وجہ سے ہوا جس سے سمندر میں ایسی حرکت ہوئی کہ
اس سے راجپوتانہ کی خشک زمین ظاہر ہوئی۔ رگ وید کی ۷-۹۵-۲
اس طرح ہے "دریاؤں میں سرسوتی اکیلا جانا ہے۔ پوتر ندی جو پہاڑوں
سے نکل کر سمندر میں جا گرتی ہے" ظاہر کرتا ہے کہ کسی زمانے میں
سرسوتی ہمالہ سے نکل کر سمندر میں گرتی تھی۔ حالانکہ اب یہ دریا راجپوتانہ
کی ریت میں ہی جذب ہو جاتا ہے۔ اس پرچا کے لکھنے کے بعد ہی زمین
میں وہ تبدیلی ہوئی۔ جہاں پر پہلے سمندر تھا وہاں اب ریتلا میدان
ہو گیا ہے۔ جیو آلوجی کی تحقیقات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ جہاں پر
آجکل راجپوتانہ ہے وہاں پر کسی زمانے میں ایک بڑا سمندر تھا
یہ تبدیلی غالباً کنو شری [illegible] زمانے میں واقع ہوئی

جسے اگر کئی لاکھ نہیں تو ہزارہا سال تو ضرور ہوئے ہیں۔

۳۔ اندر کو خوش کرنے کے لئے سوم رس پلانا ضروری تھا سوم بوٹی سپت سندھو میں ہی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے سوم یگیہ سپت سندھو میں ہی ہوا کرتا تھا۔ جوں جوں آریہ لوگ آگے بڑھتے گئے اس بوٹی کے نہ ملنے سے اس یگیہ کو چھوڑتے گئے۔ ایرانیوں نے اندر کی پوجا کی جگہہ۔ سورج کی پوجا شروع کردی اور وہ اندر سے اتنی نفرت کرنے لگے کہ آریوں کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ان کی باہم دشمنی کی وجہ سے دونوں کے درمیان بڑا بھاری جنگ ہوا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سپت سندھو سے نکل کر ایران کو چلے گئے۔ اگرچہ وہاں جاکر بھی انہوں نے ہوم پوجا پھر جاری کرلی۔ وید میں کئی جگہہ آیا ہے کہ سوم یگیہ سب سے پرانا اور دیوتاؤں کو پیارا ہے۔ سوم بوٹی چینی۔ شہد اور دودھ کو ملاکر سوم رس بنایا جاتا تھا سب سے اچھا سوم سندھو کے کنارے ہوتا تھا یا ہمالہ میں سوجاورت چوٹی پر۔ سوم یگیہ سب سے پرانا ہونے کی وجہ سے بھی سپت سندھو آریوں کا سب سے پرانا وطن ہے سائز صاحب نے لکھا ہے کہ سنسکرت کی کسی کتاب میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ ہندوستانی کسی اور ملک سے یہاں آئے ہوں۔

**سرسوتی** سرسوتی کے کنارے پر آریہ لوگ آتما اور پرماتما کی بابت خیالات کی بلند پروازی کرنے لگے۔ اسکے کنارے وہ یگیہ کیا کرتے تھے اور یہاں پر اُن کو وہ سچائیاں ظاہر ہوئیں جنہوں نے اُن کے دماغوں کو اور آتماؤں کو اونچا کر دیا۔ اس زمانے میں سرسوتی بھی ایک بڑا خوفناک اور طاقتور دریا تھا۔ اس کے کنارے

بڑی اچھی فصلیں ہوتی تھیں اور آریہ لوگ اس کے ساتھ اس طرح محبت کرتے تھے جیسے بچہ ماں کی چھاتی کے ساتھ۔ خوبصورتی کے لئے نہایت خوبصورت رچنائیں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ ہمالہ کے نچلے حصے میں برف پڑا کرتی تھی۔ جس کے پگھلنے سے پانی برابر سال بھر جاری رہتا تھا۔

## سپت سندھو کی زمین

رگ وید میں سندھو کی بڑی تعریف پائی جاتی ہے۔ منتر کے منتر اس کی مدح میں لکھے ہیں۔ آج بھی یہ دریا ویسا ہی عالیشان، وسیع اس کی لہریں تیز اور اس کی وادی زرخیز ہے۔ سندھو کیلاش سے نکلتا ہے اسکے مغربی مددگاروں کے نام سسرتو۔ شویتی۔ کوبھا (کابل سے تول)، مھتنو سے کورم وید منتروں میں آتے ہیں ایسے ہی مشرقی مددگاروں کے نام بھی ہیں۔ شتدرو (ستلج)، پرشونی (ایراوتی یعنی راوی)، اسکنی۔ (چناب)، مرت بردھا (چناب کا جنوبی حصہ) وتستہ (جہلم) اور ارجکا (وپاشا یا ویاس) بھی پائے جاتے ہیں۔ ساتواں دریا سرسوتی تھا جسکا بڑا مددگار ورشدوتی (گھگر) تھا۔ ان ساتوں دریاؤں سے سپت سندھو نام پڑا۔ گنگا اور جمنا کا ایک آدھ بار ذکر آیا ہے۔ لیکن گنگا وید کے زمانے کے بعد زیادہ مشہور ہوئی جبکہ سرسوتی کی شہرت بالکل جاتی رہی۔ چونکہ اسوقت تک گنگا اور جمنا مشرقی سمندر کے بالکل نزدیک بہتی تھیں۔ ان کے کنارے رہنے کے قابل ہی نہ تھے۔

جب رگ وید لکھا جا رہا تھا۔ بحیرہ راجپوتانہ اور سرسوتی ندی کے درمیان کشمکش جاری تھی وہ ریت لاکر سرسوتی کے دہانے کو بھرتا تھا

اور ندی اُسے روکتی تھی۔ آہستہ آہستہ ریت جمع ہوگئی اور بحیرہ ہٹ گیا اس سے سمندر سپت سندھو سے دور ہو جانے پر یہاں پر برسات کم ہوگئی۔ سرسوتی کو کوہ ہمالہ سے پانی نہ مل سکا اور اسکا دہانہ بند ہو جانے سے یہ ایک معمولی سا نالہ بن گئی۔

**قبیلوں کے نام**

سپت سندھو کے تین بڑے حصے تھے

۱۔ سرسوتی کے ساتھ اوپر کا علاقہ۔

۲۔ بھارتی جو کہ اس کے نچلے کنارے کے ساتھ تھا اور جس میں بھارتی رہا کرتے تھے۔ جنکا بزرگ وشوامتر تھا۔

۳۔ کشمیر کی وادی یعنی ایلا۔

ان کے علاوہ دو اور قبیلے تھے ایک پرشونی (راوی) کے مشرق میں ترلسو جنکا بزرگ وشسٹھ تھا۔ اور دوسرا قبیلہ سندھو کے کنارے پر۔ بھارتی۔ ترلسو۔ انو۔ درہو اور ترپوش (یادو) یہ پانچ آریہ قبیلے پنچ جن کہلاتے تھے ان کے علاوہ دوابوں میں پورو اور چیدی قبیلے رہتے تھے۔

**پیداوار**

دریاؤں کی وجہ سے سپت سندھو کی زمین بڑی زرخیز تھی اس میں چاول باجرہ اور جو بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ یہی آریوں کی خوراک تھی۔ یہاں پر مویشیوں کے لئے چارہ بہت تھا۔ یہ مویشی آریوں کی دولت تھی۔ روئی بہت ہوتی تھی اور اس سے ململ بنائی جاتی تھی۔ جو سندھو کہلاتی تھی جیسے لونا میں بھی اسی وجہ سے اسکو یہ نام دیا گیا تھا۔ بعینہ اسی زمانہ میں چونکہ پہلے پہل روئی کا کپڑا کالی کٹ سے انگلینڈ میں گیا وہاں پر اس کا نام

"کیلی کو" پڑ گیا۔ پنجاب کے اونی کپڑے بھی اسوقت ایسے ہی مشہور تھے۔ جب باقی دنیا گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ سندھو نے دنیا کو ہوشیار اور محنتی بنا دیا

**جانور**

گائے شروع سے بڑا مفید جانور سمجھا گیا ہے۔ اسکا گھی ہوم کرنے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ گائے کی تعریف ویدمیں پائی جاتی ہے۔ بیل کو طاقت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور اسے ہل چلانے اور گاڑی کھینچنے میں استعمال کیا جاتا۔ اگرچہ یہ بھی ذکر آتا ہے کہ یگیوں میں بیل اور گھوڑے کی قربانی کی جاتی تھی۔ گائے کی کھال سے مختلف اشیاء بنائی جاتی تھیں۔ گھوڑا سواری اور رتھوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وید میں گھوڑ دوڑ کا ذکر بھی آیا ہے۔

جنگی رتھوں میں گھوڑے لگائے جاتے تھے۔ گدھے کا ذکر ہے خچر کا نہیں۔ اتیرے براہمن میں بھینس کا ذکر ہے۔ بھینسوں کے گروہ جنگلوں میں چرائے جاتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ بکری کو تپ دق نہیں ہو سکتا۔ اسکا گوشت اور دودھ تپ دق کے مریض کے لئے مفید بتایا ہے۔ بھیڑ بھی اون اور دودھ لینے کے کام آتی تھی۔ قندھار کی بھیڑ اون کے لئے مشہور تھی۔ اونٹ باربرداری کے کام آتا تھا کتا بھی پالتو جانور بنا لیا گیا تھا۔ پچھلے زمانے میں بہت سندھو کے کتے میسوپوٹیمیا اور ایران کو شکار کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ ہاتھی بھی پالے گئے تھے۔ شکاری ہاتھیوں کو پھنساتے اور پکڑتے تھے۔ راجا لوگ ان پر چڑھا کرتے تھے۔ شیر۔ ہرن۔ نافہ ہرن۔ کالا بارہ سنگھا۔ سانپ مچھلی اور مینڈک کا ذکر بھی آتا ہے۔ پرندوں میں مور عقاب۔ راج ہنس

کوا۔ الو۔ گدھ وغیرہ کا نام بھی ہے۔

## نباتات اور معدنیات

اناجوں میں دھان۔ باجرا۔ گنا کا ذکر ہے۔ کنول پھول بہت ہر دلعزیز تھا۔ کشا گھاس پوتر سمجھا جاتا تھا۔ سونا۔ چاندی۔ لوہا۔ تانبا اور جواہرات کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ سونے اور چاندی کے سکے اور زیور بنائے جاتے تھے۔ لوہے سے ہتھیار۔ زرہ بکتر اور زراعت کے اوزار بنائے جاتے تھے۔ یہ سب دھاتیں ہندوستان سے بیبلونیا وغیرہ کو جایا کرتی تھیں۔

## داس

آریوں کے بیچ جن کے علاوہ اور قبیلے بھی بستے تھے جن کے خیالات اور رسوم ان سے مختلف تھے وہ یگیہ کرتے تھے اور نہ اندر دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ آریہ لوگ انہیں دسیو کہکر نفرت کیا کرتے تھے۔ مغربی عالم تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ یہاں کے اصلی باشندے تھے۔ لیکن اگر سپت سندھو کے اصلی باشندے آریہ لوگ ہی ہوں تو یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ دسیو کہاں سے آئے۔ اسکو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ ابتدا میں انسان خانہ بدوش حالت میں رہتا تھا سبزی اور پھل پر گذارہ کرتا تھا جہاں اچھی خوراک ملتی وہاں ٹھیر جاتا۔ اور جب کھانا نہ ملتا تب پتھروں یا ہڈیوں کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعے بھوک مٹانے کے لئے جانوروں یا پرندوں کو مارنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ آہستہ آہستہ انسانوں نے جانوروں کو گھر رکھکر پلانا شروع کیا اس سے بھیڑ بکری۔ گائے وغیرہ گھریلو بن گئے۔ یہ جانور ہر سال بڑھنے لگے اور انکا دودھ بھی انسان کے لئے بڑی عمدہ خوراک ثابت ہوا۔ لیکن چونکہ ان جانوروں کے لئے چراگاہوں کی ضرورت تھی اس لئے خانہ

پرورشی ویسی کی ویسی ہی رہی۔ زمانہ گذر جانے کے بعد ایسے جنگلی اناج معلوم ہوئے جنکا بیج بو دینے سے ان کی مقدار بڑھائی جا سکتی ہے کئی لوگوں نے ان کی زراعت شروع کر دی اور ان کی خانہ بدوشی چھوٹ گئی۔ اناج کو بونا اس کی خبرداری اور پورا ہونے کاٹنا اور چھانٹنا ایک مقام پر ہی رہائش ضروری کر دیتا ہے۔

لیکن کئی ایسے قبیلے تھے جو شکار کی حالت میں قائم رہے۔ یہ قبیلے کھیتی کرنے والوں کے مویشی چرایا کرتے تھے انہوں نے اپنی حالت سے ترقی نہ کی اس لیے انہیں دسیو یعنی لوٹنے والا کہا جاتا تھا۔ جانور چرا کر ان کو مار کر کھا لیا کرتے تھے۔ ان کو راکھشس اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان سے رکھشا کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ دن کو وہ گاؤں کے پاس ڈیرہ رکھتے تھے اور سامان چوری کرنے کا موقع دیکھتے رہتے تھے۔ انہوں نے ایسا تنگ کیا کہ راجاؤں کو انہیں نکالنے کے لئے باقاعدہ مہم تیار کرنی پڑی۔ آریہ لوگ ان کے اتیاچار سے ایسے تنگ آ گئے کہ انہوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ کسیطرح ان لٹیروں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ آریوں کا یہ خیال تھا کہ ان کو تباہ کر دینا ہی ایک علاج ہے۔ ان کا سدھار کرنا نا ممکن تھا۔ اس لئے ان کے ساتھ مدت تک جنگ جاری رکھنی پڑی۔ رشی لوگوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ نگلا لا رشی رتھ لیکر ان کے مقابلے پر گیا اس کی عورت نگدا لنی رتھ چلاتی تھی اس نے تیکھان سے لڑائی کر کے اپنی گوؤں کو ان سے واپس لے لیا ان لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے دسیو مارے گئے بہت سے دیش چھوڑ کر مغربی ایشیا کے راستے یوروپ کو چلے گئے

## دیوا اسر سنگرام

جس طرح آریوں میں آریہ کھیتی کرنے والے اور وسیو لٹیرے دو حصے ہو گئے تھے اسی طرح کچھ زمانہ بعد ایک اور اصول اختلاف پر انکی دو بڑی پارٹیاں بن گئیں۔ وید میں دیو و اسر دونوں لفظ طاقت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں وید کے ابتدائی منڈلوں میں اندر۔ ورن نرد وغیرہ کو اسر لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ بعد میں اسر ان طاقتوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو دیو کے خلاف سمجھی جاتی تھیں لیکن آریوں کی ایک ہی پارٹی نے اپنے دیوتاؤں کے لئے یہی لفظ پسند کیا اور انہوں نے دیو لفظ کو برا سمجھنا شروع کر دیا۔

آریہ لوگ اندر کو دیوتا سب سے بڑا مانتے تھے دوسری پارٹی نے اس کی پوجا کرنے سے انکار کر دیا۔ آریوں نے انہیں اسر کہہ کر ان کے برخلاف جنگ کرنی شروع کر دی۔ اس میں بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں جن سے بعض میں لڑنے والوں کی تعداد پچاس ہزار ہو جاتی تھی۔ ایک رشی کہتا ہے "میں ان سب کو جلا دوں گا جو اندر کو نہیں پوجتے۔ میں نے اندر کے دشمنوں کو قتل کر دیا ہے اور وہ شمشان میں سوئے پڑے ہیں۔"

یہ اسر یعنی اسر لوگ ایرانی تھے جو وید منتروں سے محبت نہ رکھتے تھے اور ان کی زبان بھی اچھی طرح نہ بولتے تھے ان کا آریوں سے ایک اور بڑا فرق بھی ہو گیا۔ یہ لوگ آگ کو پوتر سمجھتے تھے

اور اس میں جانوروں کا گوشت ڈالنا برا سمجھتے تھے۔ وہ برابر لڑتے رہے مگر آخر کار ہار گئے اور ملک سے نکال دیئے گئے وہاں سے نکلکر ادہر ادہر پھرتے رہے بعد میں "ایری یانا وائی جو" میں جا آباد ہوئے برف پڑنے یا طوفان آنے کی وجہ سے یہ جگہہ ناقابل رہائش ہو گئی اس لئے وہاں سے چلکر وارا کو گئے۔ یہ واقع گلیشل زمانے سے پہلے کا ہے۔ آخر کار زوراشتر ان کو موجودہ ایران میں لے آیا۔ سنسکرت کا "جرا تو ستھا" بگڑ کر زردشت بنا ہے۔ اس نے ایرانیوں کے مذہب کو ایک خاص شکل دیدی۔ اس نے ژندا دستھا میں دیو اور سوم پینے کے برخلاف لکھا ہے۔ دیووں کو برائی کی طاقت اور سوم کو تباہ کرنے والا بتایا ہے لیکن ایرانیوں میں بھی ایک ایسا گروہ نکل آیا جو پرانی رسم کو چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ انہوں نے ایک اور پودے سے رس بنانا شروع کیا۔ اور اسے ہوم کہکر پینا شروع کیا۔ ویدوں میں یہ مذہب اسروں کا ہے جو کہ اسر مزدو یعنی اہرمزد کی پوجا سکھاتا تھا

## دکن اور دنی لوگ

رگ وید میں دکن یا اس کے دریاؤں کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا۔ دکن سپت سندھو سے بالکل علیحدہ ایک بر اعظم تھا جو کہ ایک طرف مشرقی اور جنوبی افریقہ سے جنوبی چین۔ برما اور آسام سے اور دوسری طرف آسٹریلیا سے ملا ہوا تھا۔ یہ بر اعظم انسانی نسل کا پنگوڑا خیال کیا جاتا ہے یہ نسل آریہ نسل سے مختلف تھی جو کہ سپت سندھو میں پیدا ہوئی۔ اس نسل کی شاخیں منگولین اور حبشی تھیں اور یہ مختلف قبیلوں میں منقسم ہو گئیں انہوں نے اپنی وحشی حالت سے کبھی ترقی نہیں کی۔ اب بھی بہتیرے مقامات ہیں جہاں

وہ اپنی اصلی حالت میں جیسا کہ ان کے بزرگ ہزاروں سال پہلے رہا کرتے
تھے پائے جاتے ہیں۔ دکن کا سپت سندھو کی تاریخ سے براہ راست کوئی
تعلق نہیں۔ لیکن اسکا ذکر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ آریوں کی ایک
دلیر شاخ سمندر میں پیدا کر لی تھی اس کو پنی یا ونک کہتے ہیں۔ یہ لوگ
جہازوں کے ذریعے مالا بار وغیرہ کناروں پر جایا کرتے تھے۔ آریہ لوگ
انکو لالچی اور لوبھی ہونے کی وجہ سے اچھا نہ سمجھتے تھے اور وہ بھی دور دور
جگہ پھرتے رہنے سے آریہ دہرم اور رسومات پر ٹھیک نہ چلتے تھے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بحیرہ کی جگہ راجپوتانہ کا ریتلا میدان
پیدا ہو گیا پنی لوگ سپت سندھو سے بالکل علیحدہ کٹ گئے اور مالابار
کے کنارے پر آباد ہو گئے۔ انہوں نے وہاں کے اصلی باشندوں
یعنی چولیہ اور پانڈیہ پر اپنا بڑا اثر ڈالا اور انہیں دھاتوں کا استعمال
اور جہاز کا بنانا سکھایا۔ چول اور پانڈیہ نے ان کے زیر اثر ہو کر ایک
نئی تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ بعد میں یہ دونوں نسلیں میسوپوٹیمیا اور مصر میں
جا آباد ہوئیں۔ چول سے چیلڈین اور پانڈیہ سے مصر کی مصری تہذیب
نکلی جس نے سیمیٹک اور یورپی قوموں کی تہذیب بنانے میں اتنا بڑا
حصہ لیا۔

**ان کا پھیلاؤ** پنی لوگ مالا بار سے جہازوں میں پھرتے پھراتے۔ میسوپوٹیمیا
سیریا اور بحیرہ روم کے ٹاپوؤں میں جا بسے تھے۔ یہی لوگ "فی نی شی ان"
قوم کے بزرگ تھے۔ جنہوں نے افریقہ کے شمالی کنارے پر۔
جنوبی یورپ کے کناروں پر گریٹ برٹن اور ناروے کے کنارے
پر تہذیب کا بیج بویا۔

ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ فی نی شین لوگ پہلے بحیرہ اریتھرین پر رہتے تھے۔ وہاں سے چل کر بحیرہ روم میں آباد ہوئے۔ اریتھرین بحیرہ وہی ہے جسے بحیرہ عرب کہا جاتا ہے کارومنڈل کے کنارے سے خلیج فارس میں سے گزر کر یہ لوگ دجلہ اور فرات کے پاس جا آباد ہوئے وہاں پر رہنے سے ان کے مذہب اور زبان میں بہت سی تبدیلی آگئی وہاں سے سیریا ہوتے ہوئے فی نی شیا جا پہنچے یہ جگہ سمندر کا کنارہ ہونے سے ان کو بہت پسند آئی اس لئے یہاں ہی آباد ہو گئے بہت عرصہ تک رہتے ہوئے ان کو ہزاروں سال گزر جانے پر ان کی زبان اور قومیت بالکل الگ ہو گئی۔ ان کی زبان میں تھوڑے سے لفظ ہی سنسکرت زبان کے رہ گئے۔

بیبلونیا کے لوگوں میں بھی یہ روایت ہے کہ بحیرہ عرب سے ایک مچھلی نما آدمی آیا اس نے چیلڈیا کے لوگوں کو جو حیوانوں کی طرح رہتے تھے ہنر اور علوم سکھائے۔ یہ مچھلی دیوتا "ای آ" ہے جو سارے سمندر یا دریاؤں پر کندہ پایا جاتا ہے۔ فی نی شین مذہب میں دنیا کی پیدائش کا اصول ویدک طریقہ سے ملتا ہے اور ان کے دیوتا آسمانی طاقتوں کے نام ہیں جن میں سب سے بڑا بال یعنی سورج ہے جس کا دوسرا نام ارمی نش ہے جسے وید میں ودن کہا ہے جولیس افریکینس جس نے تیسری صدی میں لکھا ہے کہتا ہے کہ فی نی شیا ان لوگوں کی تاریخ ۳۰ ہزار سال تک پہنچی جاتی ہے

**اسیریا اور بیبلونیا**

جب یہ لوگ بیبلونیا گئے تب اپنے ساتھ کچھ چوروں کو بطور ملاح کے لے گئے بعد ازاں

ان چولوں کی کثیر تعداد وہاں جا پہنچی۔ چونکہ وہاں قابل زراعت زمین بکثرت تھی انہوں نے اپنی ایک بستی جا بسائی اس بستی کا نام انہوں نے "چول ڈے شیا" رکھا جو کہ بعد میں چیلڈیا ہو گیا۔ یہ لوگ بھی اپنے دیوتا اور بہت اپنے ساتھ لے گئے۔

عالم لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ چیلڈیا کے لوگ سیمٹک نہیں تھے کثرت رائے یہ ہے کہ وہ انڈو یوروپین نسل سے تھے ان کو اپنے دارالخلافہ "سومر" سے سومیرین کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں سے ببیلونیا کا مذہب اور تہذیب نکلے۔ اور ان کے دارالخلافہ ار سے ازرائیل قبیلہ نکلا جس نے مذہبی روایات کو تمام دنیا میں پھیلا دیا۔ یہ سومیرین انڈو یوروپین اور دراوڑ نسل کی ملاوٹ ہیں۔ انڈو یوروپین وہ ہی تھے جو سپت سندھو سے آئے اور چول دراوڑوں سے ملکر نئی نسل پیدا کی۔ سومیرین اور دراوڑ دونوں کی زبانوں دونوں کے طریقہ جہازرانی زراعت اور تجارت میں ایسی مشابہت پائی جاتی ہے کہ ہال صاحب نے اپنی کتاب موسومہ "اینشینٹ ہسٹری آف دی نیرایسٹ" میں لکھا ہے کہ سومیرین دکن کے ہندوؤں سے ملتا ہے اس لئے اغلب ہے کہ سومیرین ہندوستانی تھے جو کہ سمندر یا ایران سے ہوکر وہاں آباد ہوئے نینوا کے ایک پرانے مکان میں ساگوان کی ایسی لکڑی پائی گئی ہے جو مالابار کے سوا کہیں اور جگہ نہیں پائی جاتی۔ ریگوزن صاحب کہتا ہے کہ "مانا" سونے کا سکہ ببیلونیا اور وید دونوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی ببیلونیا میں ململ کا نام سندھو تھا ببیلونیا کے دیوتاؤں کے نام ویدک ناموں سے ملتے ہیں جیسے بونیا کے مذہبی

اصول وعلوم دنیا کی پیدائش وغیرہ ویدک اصولوں سے ملتے ہیں۔ منو کے طوفان کی کتھا میں مچھلی دیوتا بن جاتا ہے جو وہاں پوجا جاتا ہے۔ قربانی کی رسم پروہتوں کی عزت رجنکا کام گیان دھیان اور جوتش تھا اور بساشوں سے بھی براہمنوں کی اولاد معلوم ہوتے تھے۔ مندروں میں کنواری لڑکیوں کا رکھا جانا چیلڈیا کے بڑے بڑے مندر چول تہذیب کے ثبوت ہیں۔ دراوڑ جیوتش میں بڑے مشہور تھے اور وہ اپنا جیوتش بھی وہاں اپنے ساتھ لے گئے

## مصر کی تہذیب

یوروپ کی تہذیب کے علوم وفنون میں سب سے بڑا حصہ مصر کا ہے مصر کی آبادی کے دو حصے تھے ایک افریقہ کے نمونے سے ملتا ہے دوسرا باہر کا ہے یہ دوسرے لوگ کو میا اس بادشاہ کے وقت میں مصر میں آئے وہ بہت ترقی یافتہ تھے اور اپنے ساتھ ہیروگلیفک حروف بھی لا سکے۔ انہوں نے پرانے باشندوں کو فتح کر لیا۔

ہیرن کی رائے ہے کہ مصر کی کھوپڑی ہندوستانیوں سے ملتی ہے ان کا دیوتا ہورس اور را مختر تھے۔ ہورس سویرے کا ستارہ یعنی سوریہ تھا جس میں س نو " سے بدل جاتا ہے مصر کی مذہبی اور سوشل رسومات ہندوستان سے ملتی ہیں۔ ان کے دیوتا آسمانی ہیں اور انکا مذہب قدرتی طاقتوں کی پرستش ہے " ازسائی اس" اوراس سس الشویہ اور الیش سے ملتے ہیں ان دونوں کے درمیان جدوجہد کی کتھا بعینہ اسی نمونہ کی ہے جیسے وید میں اندرا اور ورتر کی ہے۔ ایک اور بڑا دیوتا امی ہوتا جیسے تین گنوں کے اوپر بتلایا جاتا ہے۔ اسی سے امین لفظ نکلا ہے

اور یہ وید کا ادم ہے۔ مصریوں میں قربانی کا دستور پایا جاتا تھا۔ انکا
راجہ ایشور کا قائمقام سمجھا جاتا تھا اور وہ مذہب اور راج کا سردار تھا
قربانیوں میں پروہت کا کام کرتا تھا۔ اور وہی جج اور قانون بنانیوالا تھا
مصریوں میں ذاتوں کی تقسیم ایسے ہی تھی جیسے کہ ہندوستان میں پروہت
جنگی۔ تجارتی وغیرہ۔ جنگ کے سارے قواعد منو سے ملتے ہیں عمر کی
بھی ایسی ہی تقسیم تھی جو منو نے لکھی ہے۔ ماہ میں ایک آدھ دن برت
رکھنا ضروری ہوتا تھا۔ عورتوں کی بہت عزت تھی۔ وہ فلاسفی میں بحث
کیا کرتی تھیں۔ راج گدی پر بیٹھ سکتی تھیں ہتھیار باندھ کر ملک کے لئے
لڑائی کرتی تھیں۔ مصری اُنکو امر مانتے تھے۔ ماتم کے سوائے اپنے
بال کاٹ ڈالتے تھے۔ براہمن دوبار نہایا کرتے تھے۔ ان کے ہاں یگیہ
کا طریقہ رائج تھا جانور کا انتخاب اس کے اعضا کو کاٹنا آگ میں ڈالنا اور
منتر پڑھنا ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ بیل اور گائے کو وہ سرشٹی اتپتی کے
نر اور ناری اصول سے تشبیہ دیتے تھے۔ جو کہ شیو لوگوں کی لنگ اور یونی
کی پوجا ہے اور دراوڑ نسل کی مانی جاتی ہے۔ مصری لوگ گائے
کی بہت عزت کرتے تھے اور مانتے تھے کہ ایشی کی روح گائے میں
چلی گئی ہے۔ سؤر کو بہت غلیظ سمجھتے تھے سیمیٹک مذاہب نے
یہ خیال مصریوں سے صاف نقل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ اپنے آپکو
غیروں سے علیحدہ رکھتے تھے ان کے پہلے راجہ کا نام مینو تھا جس نے
مصر میں ۴ ہزار چار سو برس قبل مسیح راج قائم کیا اور اس نے سُرخ (سورج
بنسی) اور سفید (چندر بنسی) تاج کو ملا دیا۔ سکندر کے وقت مصر کے
پروہت اپنا زمانہ ۲۳ ہزار سال کا گنتے تھے۔

ان سب شابہتوں کو دیکھ کر " بائیبل اِن انڈیا " کے مشہور مصنف " جیکولیو " نے
اپنی کتاب میں مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ بائیبل کی سب فلاسفی اور
قوانین و رسوم مصر سے لئے گئے - اور مصر کی تہذیب اور قانون آریہ تہذیب
اور منو کے دھرم شاستر کی نقل ہے - انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے داس
بابو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دکن کے یہ پانڈیہ لوگ تھے جو اپنی تجارتوں
کے ساتھ مصر میں گئے اور وہاں پر ویدک تہذیب کے درخت کو قائم کیا
اس طرح پر سپت سندھو کی تہذیب دنیا کی سب پرانی اور موجودہ زمانے کی
تہذیبوں کا اصلی منبع ہے - جب تمام دنیا اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی رگ وید
کے آریہ لوگوں نے سرسوتی اور سندھو کے کنارے پر وہ اگنی جلائی جسے
انہوں نے انسان کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے ہزاروں سال تک جلتے اور
چمکتے رکھا - بہت زمانے کے بعد اس پوترا اگنی کی کچھ لکڑیاں اِدھر اُدھر
لیجائی گئیں اور کچھ عرصہ جلنے کے بعد بجھ گئیں - بیبلونیا - اسیریا اور مصر
کی تہذیبیں اب صرف نام ہی رہ گئی ہیں - صرف ہندوستان ہے جس میں
ابھی تک وہ اگنی جلتی ہے - اگرچہ آندھی اور طوفانوں نے اسے بجھانے
میں کوئی کسر نہیں رکھی - اگر اس میں ضروری سمی دھا اور سامگری ڈالی
جائے گی تو یہ برابر جلتی رہے گی -

**وید میں انسانی تقسیم**

رگ وید میں پرش سوکت ہے جو کہ سوسائٹی کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتا ہے - جب
کوئی سوسائٹی ترقی کرتی ہے تو وہ ضروری طور پر مختلف حصوں میں
منقسم ہو جاتی ہے - انگلینڈ میں ہی پادری لوگ ہیں - امراء ہیں -
درمیانی درجہ کے لوگ ہیں اور مزدور ہیں - وید کے زمانے میں اس قسم

کی تقسیم ہو چکی تھی اسکا بڑا ثبوت یہ ہے کہ پرانے ایرانیوں اور مصریوں میں بھی یہی چار حصے پائے جاتے ہیں۔ برہمن ایک بڑا اعلیٰ پیشہ تھا لیکن کسی خاص گروہ کا نہ تھا۔ وید کہتا ہے کہ پہلے ایک ہی آریہ جاتی تھی۔ رامائن میں بھی ایسا ہی ذکر ہے کہ کرت یگیہ میں سب لوگ برہمن ہی تھے۔ پھر برہمن اور کھشتری دو ہوئے برہمنوں کی عزت کی وجہ خاص یہ تھی کہ انہیں یگیہ کرانے ہوتے تھے۔ سب کچھ یاد کرنا ہوتا تھا۔ اچھی یادداشت اور تیز فہمی کی وجہ سے اس کام کے لئے برہمن کا لڑکا ہی زیادہ موزوں سمجھا جاتا تھا۔ کھشتری تریتا یگیہ میں علیحدہ ہوگئے لیکن ان کی شادیاں باہم ہوتی تھیں اور گذارہ کے لئے دونوں کھیتی کرتی ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ جب کھشتری لڑائی میں لگ گئے تو کھیتی کرنیوالی ایک تیسری قوم پیدا ہوگئی اور کچھ عرصہ بعد سیوا کرنے والی ایک چوتھی جماعت بنگئی

## براہمنوں کے فرائض اور حقوق

کوشیتکی میں براہمن کو دیوتا اور دیوتاؤں کا دیوتا کہا ہے۔ صرف برہمن کا ہی حق ہے کہ یگیہ کی چیزوں کو لے سکے ان کے چار بڑے حقوق ہیں - ارچا (عزت)، اہیتا (ظلم سے آزادی) اب دستیا (سخت سزا کا نہ ملنا) اور ان کے چار فرائض ہیں۔ خون کی پوترتا۔ پرتی اپ چریا (معاش کا مناسب طریقہ) لیش (ورلوگ آپکتی) (لوگوں کی ذہنی و دماغی تعلیم)

جنم کا برہمن بننے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ شت پتھ برہمن (۱۱-۶-۲-۱۵) میں لکھا ہے "یاگیہ ولک کی شکشا سے جنک براہمن بن گیا۔ تیسرے نگستا میں لکھا ہے "جس کے پاس ودیا ہے وہ براہمن ہے" کتھک اور متیریتا سنگستا میں آیا ہے "تم برہمن کے باپ کا کیا پوچھتے ہو؟ برہمن کی ما

کیا پوچھتے ہو؟ کیونکہ جو وید جانتا ہے وہی باپ ہے وہی دادا ہے
گیان ہی برہمن کی سب سے بڑی شرط ہے" کوشیتکی (۵۵) میں لکھا ہے
"گورو کو ادھیکار تھا کہ اپنے شِشیہ پر ارشیم یا براہمن پن" دان کرے۔ اگر
وہ برہمن بننے کا خواہشمند ہو اور اس کے لئے یوگتا رکھتا ہو" ایتریے
برہمن میں بڑا خوبصورت مضمون آتا ہے (۷-۱۹۱) یگیہ کھشتری سے
دلیش سے اور شودر سے بھاگ گئی اور برہمن کے پاس گئی۔ یگیہ صرف برہما
پر اور برہمن پر رہ گیا۔ کھشتری تب برہمن کے پیچھے گیا اور کہا مجھے بھی اس
یگیہ میں بلاؤ" برہمن نے کہا "اچھا ایسا ہو۔ تم اپنے ہتھیار تیر کمان پرے
رکھدو اور برہمن کے روپ میں برہمن بنکر اور برہمن کے ہتھیاروں سے
یگیہ کے پاس آؤ۔" جس پر کھشتری نے اپنے اوزار پرے پھینکدئے
اور برہمن کے اوزار لیکر اس کے پاس گیا۔ یہ کتھا صاف ظاہر کرتی ہے
کہ کھشتری اور برہمن میں کوئی تمیز نہ تھی دونوں ایکدوسرے میں تبدیل
ہو سکتے تھے۔ ایتریے اور شت پتھ میں اور کئی جگہ آیا ہے کہ کھشتری
اور ویش بھی یگیہ کرنے سے برہمن ہو جاتا ہے۔ آپستمبہ سوتر کہتا ہے
"آچاریہ شِشیہ کو شکشا دیکر اصلی جنم دیتا ہے۔ یہی جنم اوتم ہوتا ہے
ماں اور باپ صرف شریر پیدا کرتے ہیں۔ اس جنم سے پہلے بچہ شودر
کے سمان ہوتا ہے۔ سنسکار تھا جو کہ برہمن بناتا تھا نہ کہ جنم۔ عام طور
پر یہ کہا جاتا ہے کہ صرف براہمن وید پڑھ سکتے تھے اور وہی پروہت
ہو سکتے تھے ان کے لئے شادی کی کوئی بڑی بندش نہ تھی۔ وہ سب
جگہ شادی کر سکتے تھے۔ کھشتریوں کی ایک دوسری جماعت تھی
جو پرانے سرداروں کی اولاد تھے۔ اور مدت تک غلبہ کے لئے

برہمنوں کے ساتھ لڑتے رہے ۔ وشسٹ اور وشوامتر کی جد وجہد
اس اصول پر تھی کہ کھشتری کا بیٹا برہمن کیوں نہیں بن سکتا۔ آخر میں وشوامتر
اس میں جیت گیا اور برہمن گنا گیا۔ ویش عام لوگ تھے جن میں سے
برہمن اور کھشتری بھرتی کیا جاتے تھے ۔ برہمن تین شادیاں کر سکتا تھا ۔
کھشتری دو اور ویش صرف ایک ۔ برہمن کا کھنین موسم بہار میں ہوتا تھا
کھشتری کا گرمی میں اور ویش کا خزاں میں ۔ مانگنے کے وقت برہمن طالب علم
"بھوت" لفظ شروع میں بولتا تھا کھشتری درمیان میں اور ویش آخر میں
سفید زمین برہمن کا نشان تھی سرخ کھشتری کی اور پیلی ویش کی ۔
شودروں کو نیچ سمجھا جاتا تھا اور انہیں کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔
اب ستپتھ میں آیا ہے کہ شودر کھانا بناتے تھے اور دوسرے ورن کھا
لیتے تھے ۔ لیکن اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو کچھ غلیظ شودر نایا ہو اُسے
نہ کھانا چاہیئے ۔ آہستہ آہستہ شادی میں رو کاوٹ آنے لگی اور شودر عورت
سے شادی بہت بُری سمجھی جانے لگی۔
اُتری کے مطابق جو شخص شودر سے شادی کرتا ہے برادری سے
خارج ہو جاتا ہے ۔ بھرگو کے مطابق جو برہمن شودر عورت سے لڑکا
پیدا کرتا ہے برہمن نہیں رہتا اور جو اسے اپنے پاس رکھتا ہے نرک
میں جاتا ہے ۔ یہی شادی کا طریقہ جو پہلے شودروں سے تمیز کرانے
لگا بعد میں ویش اور کھشتریوں سے بھی جدا کرنے لگ گیا اور برہمن
ایک علیحدہ جماعت بن گئی ۔

ویدمیں سوشل ارگنیزیشن یعنی سبھا

رگوید کا بڑا مشہور منتر ہے "ہم سب
ملکر بیٹھیں ۔ ہم سب آپس میں بات

چیت کریں۔ ہم سب کے من ایک ہوں ہمارے وچار ایک ہوں ایسا ہی رگوید ۱۰-۱۹۱-۴، کا خوبصورت منتر ہے کہ تمہارا منتر ایک ہو تمہاری سبھا ایک ہو۔

سبھا کا ذکر بھی وید میں صاف آتا ہے " برہمن کو دکھ دینے والے کی دولت اور منتر کی ورشا نہیں ہوتی۔ سبھا اس کے موافق نہیں ہوتی اور اسکا کوئی ساتھی نہیں ہوتا " ایک مایوس ہوا ہوا امیدوار کہتا ہے " میں طاقتور ہوں۔ میں تمہارا سب کا مالک بنجاؤں گا۔ تمہاری سبھا کا اور تمہارے پرستاؤں کا " اتھروید میں راجاؤں کے لئے پرارتھنا ہے " اس نے اور اس کی سبھا کے درمیان اتفاق بنائے ہوئے "

اتھروید میں سبھا اور سمتی کا کئی بار ذکر آیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ سبھا گاؤں والوں کی ہوتی تھی۔ بادشاہ کی سبھا کو سمتی کہا کرتے تھے۔ جو کوئی سبھا کو اپنی طرف کرنا چاہتا تھا اسکا طریقہ ایک ہی تھا کہ وہ تقریر اور دلیل کے زور سے لوگوں کو اپنی طرف پھیرے۔

لوکل سبھا ویدک زمانے میں گرام سبھا ارگنی زیشن کی ابتدا تھی۔ گاؤں کا لیڈر ویدمیں گرامنی کہلاتا تھا اسے راجا کے انتخاب میں حصہ لینے کا حق تھا۔ وہی گاؤں کی سبھا کا پردھان ہوا کرتا تھا اس سبھا میں امیر اور غریب دونوں جایا کرتے تھے۔ رگ وید ۱۸-۴-۱۹۰ میں آیا ہے " اندر تمہارا منتر گھوڑے رتھ اور رنگ برنگے آراستہ ہے وہ اچھی خوراک کھاتا ہے اور بڑی شان کے ساتھ سبھا میں جاتا ہے " اس سبھا میں گووں کا ذکر ہوتا تھا۔ بڑے بڑے مضمون پر وچار ہوتا تھا اور انہیں سمجھنے والا عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا

تھا۔ بحث میں کسی بڑے آدمی کے خلاف ہتک آمیز لفظ بولنا یا کسی قسم کی رو رعایت دکھانا۔ پاپ گنا جاتا تھا۔ اس سبھا میں انصاف بھی کیا جاتا تھا گویا یہ ایک عدالت کا کام بھی دیتی تھی۔ لیکن اس کے لئے اغلب ہے کہ ایک مستقل کمیٹی بنا دی جاتی تھی جس کے لئے خاص ممبر چنے جاتے تھے۔

دل بہلانے اور خوش کرنے کے لئے شروع سے رواج چلا آتا ہے زمر کہتا ہے کہ ویدک زمانے میں بھی جب سبھا کا سنجیدہ کام ختم ہو جاتا تھا تو وہ ایک موجودہ کلب کا کام دیتی تھی جس میں لوگ جمع ہو کر ناچنے گانے اور راگ ناٹک کیا کرتے تھے۔ اس میں مداری کے کھیل بھی دکھائے جاتے تھے۔ ان سماجک جلسوں کو گوشٹھی کہتے تھے جن کا ذکر واتسیائن نے تفصیل سے دیا ہے۔ ایک مکان میں لوگ جمع ہوتے تھے راگ رنگ ناچ اور کھانا پینا ہوتا تھا۔ علم ادب اور دوسرے مضامین پر لیکچر ہوتے تھے۔ واتسائن کہتا ہے کہ گاؤں کے لوگوں میں بھی شہریوں کی نقل کر کے ایسی گوشٹھیاں جاری کر لی جاتی ہیں یہ جلسے بطور آرام اور صحت افزا کھیلوں کے ہوتے تھے

## وید میں پالیٹکس

وید میں راجا کے انتخاب کا ذکر عام طور پر پایا جاتا ہے دونوں طرف کے امیدواروں کا ذکر ہے انتخاب کرنے والوں کا ذکر ہے رتھ رکھنے والے اور گاؤں کے سردار اس انتخاب میں حصہ لیا کرتے تھے۔ ایک وید کا منتر ہے "جیسے راجا لوگ سمتی میں اکٹھے ہوتے ہیں ویسے بوٹیاں اس دماغ میں اکٹھی ہوتی ہیں جو بیماریوں کا ناش کرتا ہے۔ اس سے زمر نتیجہ نکالتا

ہے کہ ویدک زمانہ میں آلی کارگی کا طریقہ رائج تھا وہ کہتا ہے کہ اتھرو
وید میں انتخاب کے وقت نئی شہزادے ایک دوسرے کے خلاف
امیدوار کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اوستھابیں بھی کئی حکمرانوں کی اکٹھی
گورنمنٹ کا ذکر ہے۔ ایتریہ براہمن میں لکھا ہے کہ اتر کورو اور اتر مدرا
قبیلوں کی گورنمنٹ ویراجیہ (یعنی بغیر راجا کے) تھی۔

یجروید (۱۰۔۱۷) میں کہا ہے "اے پرجا کے لوگو تم اسکو جو فلاں
پتا کا اور فلاں ماتا کا پتر ہے جسکا کوئی مخالف نہیں یعنی سب سے سارا
شہر چاہتا ہے۔ اپنی حفاظت۔ پالن اور کیرتی کے لیے راجہ بناؤ"
پروہت کے ان وچنوں کو سنکر پرجا کے خاص آدمی راجا کو گدی
پر بٹھا کر کہیں (یجروید ۹۔۲۲) "ہم ماتری بھومی کو نمسکار ہے۔ ماتری
بھومی کو نمسکار ہے۔ اب تو اس ماتری بھومی کا نیتا اور دھارن کرنے
والا ہے۔ ہم تم کو کرشی کے لیے۔ دیش کے کلیان کے لئے سب کی
رکھشا کے لئے اور اپنی پشٹی کے لیے راجہ بناتے ہیں"۔ اس منتر میں
یہ صاف طور پر بتایا ہے کہ کھیتی کی ترقی کرنا۔ ملک کی بہتری کرنا۔ پرجا
کی حفاظت اور ان کی طاقت کو بڑھانا راجا کے سب سے بڑے فرض
ہیں۔ اتھرو وید (۱۲۔۱۔۱۱) "جنم بھومی میری ماتا ہے اور میں اسکا پتر
ہوں" اتھرو وید (۱۲۔۱۔۱۵) اے ماتری بھومی ہم تجھ سے ہی
پیدا ہوئے ہیں تیرے پر ہی چلتے پھرتے ہیں تو ہی سب دو پاؤں والوں
اور چار پاؤں والوں کو دھارن کرتی ہے یہ سب برہمن کھشتری
ویش شودر اور انتیج تیرے ہی ہیں جن کے لئے اگتا ہوا سورج
امرت روپی کرنوں کو پھیلاتا ہے" آگے اتھرو وید آگے بتلاتا ہے

کس طرح ہم سب کو جسمانی طور پر مضبوط اور دماغی طور پر اونچے ہو کر اپنے ملک کے لئے قربان ہونا چاہئے (اتھروید ۱۲-۱-۶۲)
"اے ماترِ بھومی! تجھ سے پیدا ہوئے سب پرانی نروگ اور مضبوط ہو کر ہمارے ساتھ رہنے والے ہوں تاکہ ہماری عمر بڑی ہو اور ہم سارے گیانی بنکر تیرے لئے بلی دینے والے ہوں" رگ وید میں اپنے آپکو پھیلانے اور اوج پراپت کرنے کی آگیا دی ہے۔
رگ وید (۱۰-۳۳-۱۲) "اے منشو تم آگے بڑھو اور فتح حاصل کرو جو کسی سے نہ دبائی جاسکے" رگ وید (۴-۳۶-۱۱) میں کہا ہے "دیوتا اس کی سہائتا نہیں کرتے جو آپ اپنی سہائتا نہیں کرتا ہے" راجہ اور پرجا کے باہمی تعلقات پر یجر وید (۹-۲۲) میں کہا ہے۔
"اے راجا! تم پرجا پر ادھیکار جماؤ اور پرجا تم پر ادھیکار جمائے" جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ راجا اور پرجا دونوں ملکی طاقت ایکدوسرے کے اوپر انحصار رکھتی ہے۔ جب کبھی پرجا پر مصیبت ہو تو وہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے راجہ کی طرف دیکھتے ہیں رگوید (۱۰-۱۷۳-۱)
"اے راجن! میں نے تجھے چُنا ہے تم ہمارے بیچ میں ادھی پتی ہو تو ایسا درڑھ ہو کر کھڑا ہو کہ نہ کبھی ڈولے اور نہ کبھی ہلے سب لوگ تجھے چاہتے ہیں راشٹر تجھ سے کبھی نہ ہلے" اتھروید (۲۰-۷۰-۲)
"اے راجن! ہم اپنی رکھشا کے لئے بلوان اور منشوں کو وش میں رکھنے والے تجکو بلاتے ہیں تمہارا کام ہمارے سب دکھوں کو دور کرنا ہے"۔ رگوید (۱۰-۴۷-۲) میں آیا ہے "تو ہمارے شتروں کو دباکر اور جو ہمارے حقوق دبانے ہوں انکو دباکر جو ہم سے لڑائی کرنا چاہتے یا ہم سے حسد

کرتے ہیں انکو دبا کر کھڑا ہوں" یجر وید (۱۱۔ ۸۲) میں کہا ہے "میں نے انکی سبھا کو اونچا کر دیا ہے۔ میں نے ان کے تیج اور بل کو اونچا کیا ہے۔ میں اپنے دشمنوں کو کمزور کرتا ہوں اور اپنوں کو اونچا کرتا ہوں"۔

**ویدک لٹریچر**

ویدک زبان سنسکرت سے علیحدہ ہے۔ ویدوں کی تفسیر برہمن گرنتھ کہلاتے ہیں۔ رگ وید کے برہمن ایتریے اور کوشتکی ہیں۔ یجر وید کے شت پتھ اور تیتریے۔ سام کے تانڈلیہ۔ لاؤنس اور چھاندوگیہ۔ ان سب میں اخلاقی اور مذہبی تعلیم ہے۔ وید منتروں کے استعمال کے موقعے درج ہیں اور یگیہ الم کرنے کے طریقوں پر بحث ہے۔

اوپ وید۔ دھنر وید (فن جنگ) گاندھرو وید (علم موسیقی) ارتھ وید (علم صنعت و حرفت)، ایور وید (علم طب) ویدانگ شکشا چھند (عروض)، ویاکرن (گرامر)، نروکت (الفاظ کی تشریح۔ جیوتش۔ (نجوم) کلپ (دھرم شاستر)۔ ویاکرن میں پانتی کی گرامر سب سے مشہور اور لاثانی ہے۔ اس کی تشریح میں پتنجلی کا مہا بھاشیہ

**اپنشد**

اپنشدیں ویدوں اور برہمنوں کا حصہ سمجھی جاتی ہیں ایش کین۔ کٹھ پرشن۔ منڈک۔ مانڈوکیہ۔ ایتریے تیتریے۔ چھاندوگیہ۔ برہدارنکیہ وغیرہ ہیں ان کی عظمت اسی سے ظاہر ہے۔ کہ داراشکوہ نے انکا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ مشہور جرمن فلاسفر شاپن ہاور نے ان کے ترجمے کو پڑھ کر یہ کہا کہ " اپنشد میری زندگی کی تسکین کا باعث ہوئے اور یہی میری موت کے وقت میری تسکین کا باعث ہونگے" انکا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر میکس مولر نے کہا" اگر اس بات پر کسی اور شہادت کی ضرورت ہو تو

میں بڑی خوشی سے اس کی تائید کرتا ہوں۔"
سمرتیوں کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ سمرتیاں بعد کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ صرف ایک ہی پرانی سمرتی ہے اور وہ منو کا دھرم شاستر ہے۔

## پرائیویٹ زندگی

ویدک زمانے میں اخلاقی اور روحانی لحاظ سے انسان کی زندگی بہت اعلیٰ اور پوتر تھی جسے عام طور پر ہم روحانی عظمت کہتے ہیں وہ اخلاقی خوبیوں کی بنیاد پر ہی قائم ہے اور اخلاقی خوبیوں کی جڑ زندگی کی سادگی میں ہے۔ ہماری بداخلاقی اور گراوٹ زندگی کی ضروریات اور پیچیدگیوں کے بڑھنے سے درجہ بدرجہ بڑھتی ہے۔ جب ہم پرانے زمانے کی سادگی اور تپوں کا خیال کرتے ہیں اور انکا موجودہ حالت سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں دونوں قسم کی زندگی میں عجیب قسم کی مخالفت اور ضد دکھائی دیتی ہے۔ ہمارے لئے برہمچریہ وغیرہ کی ہدائتیں اتنے دور کے معراج معلوم ہوتے ہیں کہ انکا ہماری زندگی پر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا دماغی لحاظ سے اس زمانے کی معلومات گنتی وغیرہ کا شروع۔ راگ کے سوروں کا آغاز وغیرہ بہت سادہ معلوم ہوتے ہوں لیکن اُسوقت کا خیال کرنے سے وہ آجکل کی بڑی بڑی ایجادوں سے کہیں بڑھکر درجہ رکھتی ہیں۔

اس شروع کے زمانے کو ست یگ کا زمانہ کہا جاتا ہے جبکہ نہ کوئی جھوٹ بولتا تھا اور نہ کوئی چوری کرتا تھا اور نہ کوئی اولاد پیدا کرنے کے خیال کو چھوڑکر استری سبندھ کا خیال کرتا تھا ان کے لئے نہ کسی گورنمنٹ کی ضرورت تھی نہ کسی ڈنڈ کی۔ جب انسان زیادہ پھیل جانے

سے آبادی بڑھنی شروع ہوئی تو ان کی ضروریات زیادہ بڑھنے لگیں اور وہ دوسروں کے حقوق میں بھی دخل دینے لگے۔ اپنشدوں اور نیکوں کے دیکھنے تک بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسوقت بھی سوسائٹی کی بنیاد وہی رشی لوگ تھے جو کہ اپنے کنبے سمیت جنگلوں میں رہتے تھے اپنا وقت ... بڑے بڑے مسائل پر ایک دوسرے کے ساتھ وچار کیا کرتے اور انہی مضمونوں میں اپنے شیشہ کو تعلیم دینے میں خرچ کرتے تھے ان وچاروں میں استریاں بھی حصہ لیتی تھیں۔ کھشتری راجا بھی اپنے آپکو تیاگ اور آتم گیان میں ان برہمن رشیوں کے ہم پلہ سمجھتے تھے ان کا دعویٰ تھا کہ وہ سب دنیاوی فرائض کو پورا کرتے ہوئے بھی ... دنیا میں نہیں پھنستے۔ اس لئے انکا تیاگ اور بہت زیادہ قیمتی تھا یہ راجا لوگ عموماً سبھائیں لگایا کرتے تھے جن میں رشی لوگ بھی آکر ان کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے تھے۔ یہ سبھائیں اس زمانے کے بڑے جلسے تھے اور ان کا حال اسوقت کی سماجک زندگی کی ایک تصویر ہے۔ ان سبھاؤں میں بڑے بڑے بحث طلب سوال عموماً یہ ہوا کرتے تھے۔ " آتما کا روپ کیا ہے؟ شریر چھوڑ کر جیو آتما کہاں جاتا ہے؟ مکتی کی اوستھا کیا ہوتی ہے؟ گیان کا سب سے آسان سادھن کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

مہا بھارت کے شانتی پرب میں یدھشٹر کے سوال پر بھیشم کا جواب اس زمانے کی حالت کا ٹھیک نقشہ دکھاتا ہے۔ یدھشٹر نے پوچھا راجہ کہاں سے آیا اور اس کی شکتی کیسے ہوگئی؟ وہ بھی تو سب انسانوں کی طرح دو ہاتھ پاؤں رکھتا ہے۔ بھیشم نے جواب دیا۔ کرت یگ

میں کوئی راجہ نہ تھا۔ سب لوگ آزاد تھے اور سب آپس سے آپ دھرم کرتے تھے۔ عرصہ گذر گیا۔ لوگ کام۔ غصہ اور لالچ میں آکر پاپ کرنے لگے۔ اس سے دیوتا لوگوں کو دکھ ہوا اور وہ برہما کے پاس گئے کہ برائی کا علاج کرو۔ برہما نے ڈنڈ نیتی تیار کی تاکہ سزا کے ڈر سے پاپ سے لوگوں کو بچایا جائے۔ برہما نے شنکر کو۔ نیتی سکھائی شنکر نے اندر کو۔ اندر نے برہسپتی کو۔ برہسپتی نے اسے۔ تین ہزار شلوکوں میں جمع کیا۔ اسے برہسپتی نیتی کہتے ہیں شکر نے اس کے ایک ہزار شلوک بنا دیئے۔

پرجاپتی نے یہ شاستر اننگا کو دیا وہ پہلا شخص تھا جس نے اس کے مطابق راج کیا۔ اسکا بیٹا اتی بالا ہوا جس کے بیٹے وینا نے اسکی پرواہ نہ کی ظلم کرنے لگا اور مرضی کے مطابق دشمنی اور رعایت کرنے لگا۔ رشیوں نے ملکر اسے قتل کر ڈالا اور اس کی دائیں ران سے اسکا بیٹا پرتھو بنایا۔ برہمنوں اور دیوتاؤں نے اسے کہا " اس زمین پر قانون کے مطابق راج کرو۔ بغیر کسی رو رعایت کے سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرو۔ یہ بھی اقرار کرو کہ تم براہمنوں کو سزا نہ دوگے " پرتھو نے اقرار کیا اور حکومت کرنے لگا۔ اس نے زمین کو پتھروں سے صاف کیا اور اس پر سترہ قسم کا گھاس اور پرکشش پیدا کئے۔ اسے راجن کہا گیا کیونکہ سب لوگ اس سے خوش تھے "وشنو خود راجہ کے جسم میں گھس جاتا ہے اس لئے سب لوگ راجہ کے سامنے جھکتے ہیں۔ راجہ وشنو کی سپرٹ اور ڈنڈ نیتی کا گیان لیکر پیدا ہوتا ہے"

ایک اور بیان ہے۔ جب آبادی بڑھ جانے سے لوگوں کو دکھ ہونے لگا انہوں نے قاعدہ بنایا کہ جو دوسرے کو گالی دیتا ہے یا مارتا ہے دوسرے کی عورت کو بہکاتا ہے یا دوسرے کی جائداد لیتا ہے اُسے خارج کر دینا چاہیئے۔ لیکن کوئی اس قاعدے پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسلئے سب لوگ پرجاپتی کے پاس گئے اور کہا کہ ہمکو ایک ایسا راجہ دو جسکا سب لوگ حکم مانیں اور جو اس قانون پر سب سے عمل کرائے۔ برہما نے منو کو کہا کہ تم اس حکومت کو سنبھالو مگر اس نے انکار کر دیا کہ پاپیوں پر راج کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس سے خود بھی پاپی بننا پڑتا ہے۔ اسپر لوگوں نے منو کو کہا "درست پاپ کا سارا بوجھ ان پر پڑے گا جو پاپ کرینگے ہم تمہیں اپنے سونے اور مویشی کا ۱/۵۰ اور اناج کا ۱/۱۰ اور ایک خوبصورت لڑکی شادی کے وقت پر دینگے۔ ہمارے بڑے بڑے آدمی ہتھیار لیکر تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تم مضبوط ہو کر ہم پر حکومت کرو۔ ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اپنی نیکیوں کا چوتھا حصہ تمہارے ارپن کریں گے۔"

منو نے مان لیا اور حکومت شروع کر دی اس نے سب بڑے آدمی مار ڈالے اور لوگوں کو دھرم کرنے پر مجبور کیا۔ منو اور پرجا کے درمیان یہ عہدنامہ بڑا اعلیٰ خیال تھا جس کے مطابق لوگوں کو اپنی رکھشا کے لئے راجا کو چننا ضروری ہوا۔

# مہابھارت کا زمانہ

نیا زمانہ

ویدک زمانہ کے خاتمہ پر ہم ایک بالکل نئے زمانے میں آجاتے ہیں جو کہ شکل و صورت میں پہلے سے بالکل مختلف ہے۔ اسکو ہم نے مہا بھارت کا زمانہ کہا ہے۔ کیونکہ مہا بھارت کا عظیم جنگ ایک ایسا بڑا واقعہ ہے جو کہ اسے پرانے زمانے سے علیحدہ اور مخصوص کر لیتا ہے۔ ویدک زمانے میں آریہ تہذیب کی ابتدا ہوئی۔ آریہ نسل کا پھیلاؤ ہوا۔ جس سے کہ آریہ تہذیب کا بیج مختلف ممالک میں بویا گیا۔ جب دنیا کی سب قومیں اپنے اپنے راستے پر ترقی کرنے لگ گئیں تو اسوقت آریہ لوگوں کا پھیلاؤ محض ہندوستان تک ہی محدود ہو گیا۔ ویدک کال کے پچھلے حصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ آریہ لوگ صرف اپنے ملک کو آباد کرنے اور اپنے اندرونی معاملات کو طے کرنے میں ہی لگ گئے

راجپوتانہ کی خشک زمین نکل آنے پر سپت سندھو ہندوستان کے باقی حصوں کے ساتھ مل گیا۔ قدرتی طور پر سپت سندھو کے آریوں نے ملک کے دوسرے حصوں میں اپنی بستیاں بنانی شروع کیں علاوہ گجرات سوراشٹر اور کشن کندھا میسوا میں جا آباد ہوئے۔ اگست رشی کی اولاد وندھیا کو عبور کرکے دکن کو چلی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سپت سندھو سے نکل کر آریوں نے گنگا کی وادی میں اپنا ایک دوسرا وطن بنا لیا تھا اس سرزمین میں آریہ تہذیب نے گویا ایک نیا لباس پہن لیا اور یہاں

سے آگے دکن کی طرف بڑھنی شروع ہوئی۔ رامائن میں ہم دکن میں آریوں کی
ان بستیوں کے پھیلاؤ کا ذکر مفصل طور پر پڑھتے ہیں۔ رامچندر کی زندگی
کی کہانی سے ہی یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ دکن کے جن حصوں اور جنگلوں
میں آریہ لوگوں نے اپنی بستیاں اور آشرم جا بنائے تھے۔ ان کی حفاظت
کے لئے آریوں کی پولیٹیکل طاقت کا ثبوت دے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دکن
کے براعظم میں انسانوں کی ایک نئی نسل پیدا ہوئی تھی۔ آریوں کو اپنا
پھیلاؤ کرتے ہوئے اب اس نسل کے مختلف لوگوں کے ساتھ واسطہ
پڑا۔ جہاں پر آریہ لوگوں نے اس نسل کو اپنی تہذیب کے اندر شامل کرکے
اپنے ساتھ ایک بنانے کی کوشش کی وہاں اس میں بھی کوئی شک
نہیں کہ اس نسل کی شاخوں کا اثر آریوں کی تہذیب۔ ان کی زبان
اور ان کی رسوم پر بہت سا پڑا۔ ہمارا ہندستان کی تاریخ کے اس حصہ
سے تعلق نہیں ہے لیکن جب ہم مہابھارت کے زمانے میں داخل ہوتے
ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے اپنے ملک اور سوسائٹی کی ایک
تصویر آتی ہے جس کا ذکر مہابھارت کی کتاب میں نہایت خوبصورتی
سے پایا جاتا ہے۔

## مہابھارت

جمنا کے کنارے پر ہستنا پور میں بھارت خاندان
کی ایک بڑی راجدھانی نہایت قدیم زمانے
میں قائم ہوگئی۔ اس کے ایک راجہ کا نام شنتنو تھا۔ راجہ شنتنو کا بیٹا بھیشم بڑا
بھیشم بڑی عمر کا ہوگیا تھا جب راجہ شنتنو ایک ملاح کی لڑکی ستیہ وتی پر عاشق ہوگیا اور اُس سے شادی کرنے کی خواہش
ظاہر کی۔ ملاح نے اس شرط پر اپنی لڑکی راجہ کو دینی منظور کی کہ اسکا
بیٹا بھیشم تخت کے دعوے سے دست بردار ہوجائے نہ صرف اتنا ہی

بلکہ اس خیال سے کہ بھیشم کی اولاد سے اسکو کوئی دعویدار نہ ہو جائے بھیشم عمر بھر بغیر شادی کئے رہنے کا اقرار کرے۔ بھیشم نے یہ شرائط قبول کریں اور راجہ کا ستیہ وتی سے بیاہ ہو گیا۔ اس شادی سے اسکا بیٹا وچتر ویریہ پیدا ہوا۔ اس کے دو بیٹے پانڈو اور دھرت راشٹر تھے۔ پانڈو گدی پر بیٹھا لیکن جلدی ہی مر گیا۔ اس کی دو رانیاں کنتی اور مادری سے اسکے پانچ بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ یدھشٹر۔ ارجن۔ بھیم۔ نکل اور سہدیو۔ یہ پانچوں نابالغ تھے اس لئے راج کا ولیعہد ان کا چچا دھرت راشٹر ہوا۔ دھرت راشٹر آنکھوں سے اندھا تھا۔ اس کے ہاں ایک سو بیٹے تھے جن میں سب سے بڑا دریودھن تھا۔ دریودھن کی یہ خواہش ہوئی کہ اپنے چچازاد بھائیوں کو راج سے محروم کر کے خود تخت کا مالک بنجائے دھرت راشٹر بھی دل سے یہی چاہتا تھا۔ پہلے پہل مختلف طرح کی سازش کر کے دریودھن نے پانچ پانڈو پتروں کی جان لینے کی کوشش کی لیکن اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ پانچوں بھائی جان کے خوف سے بھیس بدلکر ادھر اُدھر پھرتے تھے کہ انہوں نے پانچال کے راجہ کی لڑکی دروپدی کے سوئمبر کی خبر سنی۔ اس سوئمبر میں بہت سے راجہ جمع ہوئے تھے لیکن ارجن کو تیراندازی میں وہ کمال حاصل تھا کہ وہی سوئمبر کی مشکل شرط کو پورا کر سکا اور دروپدی کی اس کے ساتھ شادی ہو گئی۔

اس موقعہ پر ان کے رشتہ دار کرشن انکو آملے اور ہستناپور میں لاکر دریودھن سے ان کی صلح کرائی اور انہیں کچھ فاصلے پر ایک جنگل

کا قطع دلوایا جسے کاٹ صاف کر پانڈووں نے ایک نیا شہر آباد کیا جو کہ اندر
پرست کے نام سے ان کی راجدھانی بنا۔ ان کی کامیابی کو دیکھکر دریودھن
کے حسد کی آگ پھر جلنے لگی اور اس نے انکو اپنے ہاں بلاکر یدھشٹر کو
جوا کھیلنے کی دعوت دی۔ یدھشٹر بطور ایک کھتری کے انکار نہ کرسکتا تھا۔ چوپٹ کی بازی
میں وہ اپنا دھن دولت اور بھائی سب کچھ ہار گیا۔ اس کے پانچوں
بھائیوں کو تیرہ برس کے لئے بنباس میں رہنا پڑا۔ جس کے ختم ہو
جانے پر انہوں نے دریودھن سے اپنی ملکیت کا حصہ طلب کیا۔
دریودھن ان کو ایک انچ بھر زمین دینے پر بھی راضی نہ ہوا۔ جسکا نتیجہ
کوروکشیتر کا وہ بڑا جنگ ہوا جسے مہابھارت کی پستک بیان کرتی
ہے۔ اس جنگ میں ملک کے سب قبیلے اور راجے ایک نہ ایک طرف
شامل ہوئے تھے۔ لاکھوں آدمیوں کے خون کے بعد پانڈووں کو
فتح حاصل ہوئی اور یدھشٹر راج کرنے لگا۔ اس کے بعد ارجن کا پوتا
پریکشت ہستناپور کا راجہ بنا اور کرشن کا پوتا بجر اندرپرست کا۔
پریکشت کا بیٹا جنمیجے بڑا بھاری راجہ ہوا۔ اس نے اپنے دشمن "ناگوں"
کے برخلاف بڑا بھاری جنگ کیا اور اس جنگ کی فتح کی یادگار میں
ایک یگیہ کیا جس میں پہلی بار مہابھارت گایا گیا۔ یہ مسیح سے تین ہزار
برس پہلے کا واقع ہے۔ مہابھارت کی شکل اس میں آمیزش ہوتے
سے بے صحیح ہوگئی۔ ـــ مسیح سے تین سو سال پہلے کے قریب
اس کی موجودہ صورت بنی۔ اس کتاب سے اس زمانہ کا صحیح صحیح
حال معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اسے ہم نے مہابھارت کا زمانہ
کہا ہے۔

## ...ن زمانہ کا ہندوستان کا جغرافیہ

جیسا شم پرب میں لکھا ہے کہ آریہ ورت میں ۷۰ قبیلے آباد تھے۔ ۰۵ نربدا کے یچے دکن میں اور ۲۰ ملیچھ قبیلے آریہ ورت سے پرے۔ اس میں سے سب مقامات کا پتہ لگانا ممکن ہے جن کا پتہ لگ سکا ہے وہ سطرح ہے۔ پانچال شمالی اور پانچال جنوبی جو گنگا کی دونوں اطراف ں رہتے تھے۔ پہلے کا دارالخلافہ رہی چھترا اور دوسرے کا کاچی لپا ۲۔ کوشل ۳۔ یہی دو قبیلے دکھشی اور اتری کورو کھشیتر میں آباد تھے۔ ۲۔ کاشی اور وشالی سھقلا کے پورب میں آباد تھے۔ ۴۔ گنگا کے بنوبی کنارے پر ملدھ اور کروش ہے۔ ۵۔ سون کے پرے مگدھ جنکا ارالخلافہ راج گرہ یا راج گریو تھا۔ ۶۔ ان سے آگے انگ بنگ کلنگ پلنڈ۔ منی مان۔ پونڈر اور سوماتھا آباد تھے۔ ۷۔ سمندر کے کنارے کے لیچھ شرمکار اور درمکار۔ ۸۔ کوروکھشیتر کے دکھن میں متھرا کے پاس شورسین۔ ۹۔ مت سیہ۔ ۱۰ چمبل کے کنارے کنتی بھوج۔ روانتی۔ بھوج کاتا۔ ۱۱۔ پشچم کی طرف سوراشٹریا کاٹھیاوار۔ بھوج کاتا (غالباً گجرات) سوویرا کا یا سوپارا۔ اتری کوکن۔ تلی کاٹا یا تلی کوٹا۔ کھالو ے اوپر ونڈک۔ ۱۲۔ سمندری ملیچھ۔ کیرل۔ پانڈیہ۔ دروارڈ۔ چول ذھر۔ اودھرا۔ اوڑیسہ۔ کلنگ۔ ۱۳۔ پرنت۔ اپرنت اناریت اور الوپ کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ ۱۴۔ کوروکھشیتر پشچم میں روھتکا۔ بہاریو س متیہ میدو (ماروار کا صحرا) وشدن۔ شبی گرت۔ انبشتھا۔ مالوہ۔ سندھ بچ ندہ (پنجاب) ہراہ۔ ہورا۔ ہونا۔ سندھ۔ سوویرہ۔ گندھار اور کشمیر مشہور نام ہیں۔

پنجاب میں کئی گیہ - اشوپتی (یونانیوں کا سوفی ٹے ٹیس (Sophytes) راوی اور بیاس کے درمیان - مدر اور گندھار (قندھار) کا دار الخلافہ شکل تھا۔
پہاڑوں میں مہندر (اڑیسہ کا سلسلہ کوہ) ملایا (مشرقی اور مغربی گھاٹ) ساہی یا (مغربی اور مشرقی گھاٹ کو ملانیوالا سلسلہ) شکتی مان (کاٹھیاواڑ کا سلسلہ کوہ) رکھشاوان (اراولی کا سلسلہ) وندھیا یا پی یاترہ ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے نام ہیں۔ مہابھارت میں دوسو کے قریب دریاؤں کے نام آئے ہیں جنکا پہچاننا ناممکن ہے
رامائن میں کورو کشیتر سے دریاؤں کو گنا ہے۔ مشرق میں بھاگیرتھی سرایو، کوشکی۔ (گنڈکی) کالندی (جمنا) سرسوتی۔ سون۔ دکن میں مہاندی، گوداوری۔ کرشنا اور کاویری کا ذکر ہے جنوب میں سندھو کا اور اس کے پرے پاری یاترا پہاڑ کا۔ پنجاب کے پانچ دریا کرن پرب میں اسطرح آئے ہیں۔ شترو۔ ایراوتی۔ چندر بھاگا۔ وتستہ۔ ویاسا اور جہنا سندھو۔ اس کے علاوہ سرسوتی کا خاص ذکر ہے۔ شلیہ پرب میں اسکا سارا کورس تفصیل کے ساتھ بتایا ہے۔ بلرام دوارکا سے اس ندیا کی یاتر کے لئے چلا۔ پہلے دوارکا کے نزدیک پربھاشا تیرتھ کو گیا۔ وہاں سے چسود بھید تیرتھ اور وہاں سے اودپان کوپ کو۔
(یہاں سے لوگ سرسوتی کے راستے کو صرف دلدل زمین اور بہت درختوں کے نشان سے بتلاتے تھے) وہاں سے وناشن تیرتھ کو (یہاں سرسوتی زمین کے نیچے غائب ہوجاتی ہے اس لئے وناشن کہتے ہیں) وہاں سے چلکر پھر اصلی ندی میں ہوتا ہوا نگارگا تیرتھ کو وہاں سے نگا تیرتھ اور اس کے بعد کئی تیرتھوں سے ہوتا ہوا کورو کشیتر

پہونچا۔ وہاں سے ہمالیہ میں جاکر سرسوتی کی پیدائش ایک پہاڑی پر
رن جمنا کے مغرب میں دیکھی۔

یہ دریا اس وقت آریوں کا بہت پوتر دریا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے
رام کی رائے کے مطابق بھیم اور دریودھن کا یدھ سرسوتی کے جنوبی
کنارے پر ہوا۔ اب بھی ہندو لوگ یہ مانتے ہیں کہ یہ دریا پریاگ کے
نزدیک گنگا اور جمنا میں ملکر تری وینی بناتا ہے۔ ویندا ڈین پراولی
ایک بڑا متبرک دریا ہے اسیطرح سراپولیک اور دریا ہے جو ویندا ڈ
کے پرائیو سے ملتا ہے۔

جب مہابھارت کا یدھ ہوا تو پنجاب کی ریاستوں نے دریودھن کا
پہلو لیا۔ راجہ شلیا۔ بھوری سشروا پنجاب کے راجا تھے۔ جیدرتھ
کیکئے سندھ کا راجا تھا۔ وولجے ایراوتی سے آئے تھے یہ سب پنجاب
کے اصلی آریہ تھے جو اپنی زمین کو آریہ ورت کہتے تھے اور دوسروں کو
ملیچھ۔ ایک شلوک میں یہ کہا ہے کہ آریہ لوگ اپنی بھاشا میں ملیچھ بھاشا سے
موثر نہیں ہوتے تھے۔ جب ارجن اپنا گھوڑا پھراتا ہوا جنوب پر گیا تو
اس نے آریہ اور ملیچھ دونوں قسم کے راجاؤں کو فتح کیا۔ پانڈوں کی
طرف آریہ اور دراوڑ نسلوں کے ملے ہوئے راجہ تھے۔ یوتو دھانہ
ستوت کا شیاواڑ سے تھا۔ ورشلے کیشو چھیدی کا راجا کانپور سے
تھا۔ درودید آگرہ اور علی گڑھ سے۔ وراٹ دھولپور سے اور بھرت پور
جیت سین مگدھ سے اور پانڈیہ مدراس کا راجہ تھا۔

اس مضمون پر لکھتے ہوئے۔ ایک انڈیا کا مشہور مصنف چنتا
منی وید یوں رقمطراز ہے "۲۰۰۰ سال کے عرصہ کے اندر یونانی۔

کنبرین - پارتھین - ہنوں - شاکیہ - عرب - ترک - مغل اور افغانوں نے پنجاب پر حملہ کیا - اسپر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ پنجاب کے لوگ ابھی تک سب سے اُوتم اور شدھ آریہ ہیں - اس کی وجہ ایک ہی ہے کہ سب غیر لوگ ایسے ملک میں آتے ہیں جوکہ پہلے سے ہی شائستہ اور گھنا آباد ہوتا ہے تو وہ ان کے اندر جذب ہوجاتے ہیں یا انکی ہستی یونہی نشٹ ہوجاتی ہے جیسے گنگا کا پانی ہانیہ میں بالکل صاف ہے جوں جوں نیچے جاتا ہے اس میں اور ندی نالے ملنے سے اسکا پانی ملاوٹ والا ہوتا جاتا ہے"

## پولیٹیکل حالت

ایک شلوک میں یدھشٹر کہتا ہے کہ ہر ایک گھر میں راجا ہیں مگر مہاراج کی پدوی پانا مشکل ہے - اسکا مطلب یہ ہے کہ مہابھارت کے زمانے میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں راجہ ہوا کرتے تھے - مگر اصلی راجا وہ ہوتا تھا جسکو یہ سب لوگ اپنے سے اوپر سمجھتے تھے اور اسے مہاراج ادھیراج کہا جاتا تھا - مہاراج ادھیراج کا کام صرف اتنا تھا کہ ان راجوں سے اپنی اطاعت قبول کرالے - اسکا کام انکو تباہ کرنا تھا - یدھشٹر اور دریودھن نے دگ وجیہ کیں مگر انہوں نے کسی راجے کو اپنے نیچے نہیں کیا - یہی وجہ ہے کہ برہمنوں اور اپنشدوں کے زمانے سے یہی قبیلے کاشی - ودھ - چیدی - شورسین - کورو - پنچال - مت سیہ - ورسی - غنی ای - بھوج - بالوہ - کھشدرکا - مدرا - کے کیا - گندھارا - سندھو - سوویرہ - کمبوج - کوشی نرا - کیرتا - انارتا وغیرہ برابر ویسے کے ویسے اور انہی ناموں کے ساتھ بودھوں کے زمانے تک چلے آتے ہیں؟

ان سب میں گورنمنٹ کی شکل راجہ کی تھی۔ لیکن ہر جگہہ براہمن لوگ راجہ کی حکومت سے آزاد تھے۔ ہر موقع پر لوگوں کی رائے لیجاتی تھی رامائن میں صاف آتا ہے کہ۔ وشِشٹھ نے سب بڑے سرداروں کو اور گاؤں میں سے بڑے بڑے آدمیوں کو بلایا۔ یہ سبھا برہمنوں اور کھشتریوں کی قائمقام تھی وہ مہاراجہ کی اس تجویز پر وچار کرتی رہی۔ کہ رامچندر کو یوراج بنایا جائے۔ سبھا نے اتفاق رائے سے پاس کیا کہ یہ تجویز مان لی جائے۔ راجہ نے کہا کہ شاید سبھا کے لوگ اس کے لحاظ سے ایسا کر رہے تھے۔ تب سبھا کے ممبروں نے رام کے گن ورنن کئے اور ہاتھ باندھے ہوئے راجا نے ان کی رائے قبول کی۔ سارا بیان ایسا صاف ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں کیا جا سکتا۔ وشرتھ کی موت کے بعد راجا چننے کے لئے پھر سبھا بلائی گئی۔ کچھ آدمی یہ کہتے تھے کہ اکشِ واکو بنش میں سے راجا بنانا چاہیئے۔ لیکن وشِشٹ نے یہ تجویز کی کہ بھرت کو راجا بنایا جائے اور اسکو فوراً بلانا چاہیئے۔ مہابھارت میں ذکر ہے کہ راجہ پرتیپ نے اپنے بیٹے دیوپا کو تاج دینا چاہا۔ لوگوں نے اسے رد کر دیا۔ راجہ کے آنسو نکل آئے جب لوگوں نے کہا کہ اگرچہ دیوپا میں سب گن موجود ہیں مگر اس کو چمڑے کی بیماری ہے لوگوں کی رائے غالب آئی اور بیٹے کی جگہ اسکا بھائی راجہ چنا گیا اسی طرح جب ییاتی اپنے چھوٹے بیٹے پورو کو راجہ بنانا چاہتا تھا لوگوں نے اعتراض کیا راجہ نے ان کے جواب میں اپنی دلیلیں پیش کیں جب لوگ راضی ہو گئے اور رسم ادا کی گئی۔

سب بدمشٹر نے سمراٹ کا خطاب لینا چاہا تو کرشن نے اس موقعہ پر

ایک تقریر کی جس میں اس کی وجہ تسمیہ بیان کی۔ اس تقریر سے اسوقت کی پولیٹیکل حالت کا پتہ لگتا ہے۔ وہ اسطرح پر ہے۔

"جمدگنی نے کھشتریوں کو قتل کر دیا جو باقی رہ گئے انہوں نے سورج بنسی اور چندر بنسی کھشتریوں سے ملکر یہ قاعدہ نکالا۔ ایکلا ذرا کسش واکو سے پیدا ہوئے قبیلے ابکیوہ کے قریب ہیں۔ ہیالی کی نسل سے بھوجکا سب جگہہ پھیلے ہوئے ہیں اسوقت سب راجاؤں نے جراسندھ کو اپنا سمراٹ بنایا ہے کیونکہ وہ سب سے زبردست ہے وہ مدھ دیش میں راج کرتا ہے اور بہادر ششوپال اسکا سینا پتی بن گیا ہے۔ وکروہنت کردشوں کا راجہ اسکا نائب ہے۔ پشچم کے یونوں کا راجہ بھگیہ دت جس کے پیچھے مرد اور نرک ہیں غیر جانبدار ہے۔ جنوب مغرب میں کنتی بھوج پروجیت تمہارا متر ہے۔ بنگ پشچم کا اور واسدیو اونگ اور پونڈرکیرت کا راجہ اجراسندھ کی طرف ہے شمال کے بہت سے راجا پنچال متسیہ سین اور مست سیہ وغیرہ جراسندھ کے ڈر سے ادھر ادھر بھاگ گئے ہیں۔ ہم نے باوجود اپنے لوگوں کی بہادری اور زیادہ تعداد کے متھرا کو چھوڑ دیا ہے اور گوشالی کے قلعے میں آ پناہ لی ہے۔ یہ قلعہ ایسا مضبوط ہے کہ عورتیں بھی اس کی حفاظت کر سکتی ہیں۔ وہاں ہم گدھ دیش کے لئے ترستے ہوئے رو رہے ہیں"

گو درست اگرچہ بعض جگہہ ایکاریکی (سرداروں کی) اور جمہوری حکومتیں تھیں جہاں پر شہروں کی سبھا وہ کام کرتی تھی جو راجہ کے تھے ان کو گن لعد گن شنگ کہا گیا ہے۔ اس زمانے کے شروع میں یہاں پر بھی ایسے قبیلے موجود تھے جو کہ یونان کے قبیلوں کی طرح آزادی

سے محبت کرنے والے تھے یہ سب قبیلے ایک طرح کی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں تھیں دونوں ملکوں میں یہ قبیلے ایک ہی نسل سے ایک ہی دیوتاؤں کو ماننے والے تھے ایک ہی زبان بولا کرتے تھے۔ باہمی شادیاں کرتے تھے۔ پولیٹیکل طور پر سب آزاد تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے کو شکست دے دیتا تھا۔ مگر اُسے تباہ نہ کرتا تھا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ یونان میں جمہوریت زور پکڑتی گئی مگر ہندوستان میں راجہ کی حکومت بڑھتی گئی۔ ہندوستان میں آزادی کا رخ رک گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ورنوں کے فرائض کی تقسیم سے راج کا کام صرف کھشتریوں کے سپرد کر دیا گیا۔ عام لوگ گورنمنٹ کے انتظام سے بالکل بے پرواہ ہو گئے۔ اور آہستہ آہستہ ملک اور قوم میں عوام کی تعداد دوسری جاتیوں کو شودر کے طور پر شامل کر لینے سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ ان پر پابندیاں لگا کر راجوں کے اختیارات بڑھانے پر زور دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑوں میں جو چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے وہاں تو عام لوگوں کا زور رہا مگر میدانی ریاستوں میں راجا مطلق العنان ہو گئے راجا کا راج بڑا اسکھ دینے والا خیال کیا جانے لگا۔ راجا کے نہ ہونے کی برائی اس وقت بڑے زور سے ظاہر کی گئی۔ جب لوگ دشرتھ کی موت کے بعد اکٹھے ہوئے وہ کہنے لگے۔

"جہاں راجہ نہیں ہوتا وہاں برسات نہیں ہوتی نہ اناج پیدا ہوتا ہے بیٹے باپ کا حکم نہیں مانتے نہ عورت پتی کا۔ کوئی اپنی جائداد محفوظ نہیں رکھ سکتا نہ برہمن کی کوئی عزت ہوتی ہے نہ سچائی کی نہ زیور پہنی ہوئی لڑکیاں شام کے وقت باغ میں جا کر کھیل سکتی ہیں نہ کوئی اور خوشی

یا تماشا ہو سکتا ہے نہ کھلے دروازے آدمی سو سکتے ہیں نہ تیز رفتار سواری
پر جنگل میں جا سکتے ہیں۔ نہ تجارتی لوگ اِدھر اُدھر پھر سکتے ہیں کہیں
کوئی فلاسفر دکھائی نہیں دیتا۔ نہ شہزادے صندل کھڑاویں پہنے ہوئے
چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا دریا بغیر پانی یا جنگل بغیر گھاس کے ہے ایسے
ہی ریاست بنا راجہ کے ہے۔ جسطرح جسم کے لئے آنکھ ضروری ہے
ایسے ہی سچائی کی حفاظت کے لئے راجا ہونا ضروری ہے اگر راجہ نہ ہوگا
تو سب جگہہ اندھیرا ہو جائیگا اور اچھے بُرے میں کوئی تمیز نہ ہو سکے گی"
بدامنی کا خوف اتنا بڑھ گیا کہ مہابھارت کے شانتی پرب میں یہاں تک ذکر ہے
اگر کوئی طاقتور فتح کرنے کے لئے آجائے تو جس ریاست کا کوئی راجہ نہ
ہو یا کمزور ہو اسے خوش آمدید کہنا چاہئے کیونکہ بدامنی سے بڑھ کر اور
کوئی برائی نہیں اگر وہ خوش ہو گیا تو اچھا ورنہ سب کچھ تباہ کر دے گا۔
ایک گائے جو مشکل سے دودھ دیتی ہے بار بار تنگ کی جاتی ہے۔ جو
آسانی سے دودھ دیتی ہے اسے کوئی تنگ نہیں کرتا" یہ ظاہر کرتا ہے کہ
اس وقت بھی لوگوں کو گائے بھینس سمجھنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ لوگ راج
سے بے پرواہ ہونے لگ گئے۔ اس خیال سے کہ گورنمنٹ سے صرف ٹیکس کا
تعلق ہے۔ عام لوگوں کو صرف امن کی خواہش رکھنی چاہئے انہیں اس
سے کیا کہ کون راجہ ہوتا ہے؟ آہستہ آہستہ سٹیٹ راجہ کی ذاتی جائداد سمجھی
جانے لگی۔ اس زمانے کے آخر میں پولیٹیکل گراوٹ یہاں تک پہنچ گئی کہ
مہابھارت میں ہی راجا آدمی کی شکل میں ایشور کا روپ مانا جانے لگا

**راجا کی طاقت**

بودھوں کے زمانے کے شروع میں مذہب اور گورنمنٹ میں دو بڑے
انقلاب واقع ہوئے۔ ایران میں سائرس پہلا بادشاہ تھا جس نے

سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد دارا نے صوبوں کو فتح کر کے ان پر
اپنے گورنر مقرر کرنے کا طریقہ جاری کیا۔ غالباً ایرانیوں کی نقل کر کے
ہی کوشل قبیلے نے کاشی کو فتح کر کے تباہ کر دیا۔ پھر مگدھوں نے کوشل کو تباہ
کر کے مگدھا ایمپائر کی بنیاد رکھی جس کا صدر مقام راج گریہہ سے پاٹلی پتر
میں تبدیل کیا گیا۔ ہندوستان میں یہ پہلی ایمپائر تھی اور چندرگپت پہلا شہنشاہ
تھا۔ اس کے وقت کے بعد بہت جگہ پر راجاؤں کے اختیارات مطلق
العنان ہو گئے اور ان کی مرضی ہی سب کچھ ہو گئی۔

راجا کے فرائض کا ان سوالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو
نارد نے مہابھارت کے پانچویں باب میں یدھشٹر سے پوچھے ہیں۔ وہ کہتا ہے
کیا تمہاری ریاست تمہاری طرف سے۔ تمہاری رانیوں کی طرف سے۔ تمہارے
شاہزادوں کی طرف سے یا چوروں یا لالچی اشخاص سے مظلوم تو
نہیں ہے؟ کیا تمہارے پانی کے ذخیرے بھرے اور مناسب جگہ پر
رکھے ہیں تاکہ تمہاری رعایا کو صرف برسات پر منحصر نہ رہنا پڑے؟
کیا کھیتی کرنے والوں کا بیج ضائع تو نہیں جاتا؟ کیا تم قرضہ ایک فیصدی
سود پر دیتے ہو؟ کیا تمہارا وارتا محکمہ (یعنی کھیتی، مویشی پالنا اور قرضہ
کا لین دین) اچھے آدمیوں کے ہاتھ میں ہے؟ کیونکہ اس میں ہی
لوگوں کو خوشی اور آرام ہے۔ کیا گاؤں کے پانچ افسر تمہارے بھلے میں
کوشاں ہیں؟ کیا اپنے شہروں کی حفاظت کے لیے اپنے گاؤں کو
تم نے اپنے شہروں جیسا محفوظ بنایا ہے اور اپنی سرحد کو گاؤں جیسا؟
کیا تمہارے ملک میں جو ڈاکو پھرتے ہیں تمہاری فوج ان کا تعاقب
کرتی ہے؟" نارد کا خیال ہے کہ راجا کا پہلا فرض ملک کو بدامنی سے

بچاتا ہے۔ ۲۔ اس کے بعد کھیتی کے لئے نہروں کے ذریعے پانی کا انتظام کرنا ۔ ۳۔ کھیتی کرنے والوں کو سودی روپیہ کا انتظام کرنا ۔ ۴۔ ورث کا انتظام دیکھنا ۔ گاؤں کے پانچ افسر یہ ہیں ۔ پنڈت (بڑا آدمی) سمارت (ٹیکس رکھنے والا) سم دوہانا (رعایا اور ٹیکس والے کے درمیان پنچ) لیکھاک (حساب رکھنے والا) ساکشی (گواہ)

۵۔ اندھے ۔ گونگے ۔ لولے اور کمزوروں کی پرورش کا انتظام کرنا ۶۔ قحط زدہ لوگوں کے لئے امداد کا انتظام کرنا ۔ ۷۔ سانپ چیتے اور وبائی بیماریوں سے لوگوں کی حفاظت کرنا ۔ ۸۔ ال کے متعلق راجا کو خاص ہدایت تھی کہ ہر روز کی آمدنی خرچ سے زیادہ ہو ۔ اس کی طاقت خزانے کو بھرے رکھنے ہی سے ہے ۔ اسی کے ذریعے وہ فوج وغیرہ رکھ سکتا تھا ۔ اس لئے راجہ کو آمدنی کی چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی نظر انداز نہ کرنی چاہیئے ۔ ان سے ہی خزانہ بنتا ہے ۔ اور نہ اسے اپنے دھرم کے لئے اور خواہشات کے لئے آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا چاہیئے

راج دھرم میں راجہ کے متعلق مندرجہ ذیل ہدائتیں کی گئی ہیں ۔

۱۔ اسے اپنے وقت کے تین حصے کرنے چاہئیں ۔ صبح دھرم کے لئے دوپہر ارتھ یعنی دنیاوی کاروبار کے لئے اور شام کام یعنی اپنی خواہشوں کے لئے ۔ سویرے اٹھتے ہی راجا اپنی پرجا کی بہتری کا خیال کرے ۔ ہر ایک سوال پر صرف ایک آدمی سے صلاح لے اور پھر اسے خود آ علیحدہ کرے ۔ ہزار بے وقوف کو چھوڑ کر ایک عالم کو اپنے پاس رکھے ۔ اور ایسے عالموں کو تحفہ تحائف سے خوش رکھے اور کبھی کسی افسر کو بغیر قصور ثابت ہوئے علیحدہ نہ کرے اسے خوش خلق اور

ہنس مکھ ہونا چاہیے لیکن کبھی اپنے نوکروں سے دل لگی نہ کرنی چاہیے
بہادروں کی کبھی بے عزتی نہ کرنی چاہیے۔ کسی حالت میں حوصلہ نہیں
کھونا چاہیے۔ اپنی رعایا کو ملنے کا موقع دینا چاہیے اور ان کی شکایات
سننی چاہیے۔ محتاجوں اور دکھیوں کی امداد کرنی چاہیے۔ جیسے حاملہ
عورت اپنے بچے کی خاطر تمام خوشیاں قربان کر دیتی ہے۔ راجا کو اپنی
پرجا کے لیے تمام خوشیاں قربان کر دینی چاہئیں۔ راجا مندرجہ ذیل
چودہ عیبوں کو اپنے سے دور رکھے:۔

۱۔ فرض سے غفلت۔ ۲۔ جھوٹ۔ ۳۔ غصہ۔ ۴۔ بے احتیاطی۔
۵۔ دیری ۶۔ عالموں سے میل نہ رکھنا۔ ۷۔ سستی۔ ۸۔ عیش میں پڑنا
۹۔ لالچ۔ ۱۰۔ بے وقوفوں سے مشورہ۔ ۱۱۔ طے شدہ امور کو عمل میں لانا
۱۲۔ راز کو فاش کر دینا۔ ۱۳۔ بہت پہلوؤں میں مصروفیت۔ ۱۴۔ مشورہ کے
لیے جلسے نہ کرنا۔

**راجہ کے منتری اور عہدیدار** راجہ کو آٹھ منتری رکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ان آٹھ کے نام
کہیں ایک جگہ نہیں دیے۔ کہیں کہیں سچو (وزیر اعظم)، سینا پتی،
پروہت، جیوتشی، وید وغیرہ راجہ کے لیے ضروری بتائے ہیں۔
ان آٹھ کے علاوہ ایک شلوک میں ۱۸ عہدہ داروں کے نام
اس طرح دیے ہیں:۔ منتری۔ پروہت۔ یوراج۔ چھوتی (سینا پتی)
دوار پال۔ انتر ونشیک۔ جیل افسر۔ خزانہ افسر۔ مال افسر۔ شہر افسر
شہر چیف افسر۔ ڈنڈ افسر۔ دھرم ادھیکش۔ سبھا ادھیکش۔ قلعوں کا
محافظ۔ سرحد کا محافظ۔ جنگل افسر۔ پرولیشتار (؟) ان سب کے اوپر

تین تین جاسوس ایکدوسرے کو نہ جاننے والے مقرر ہونے چاہئیں۔ جو راجا کو سب معاملات کی خبر پہنچاتے رہیں۔ راجا کو ذاتی طور پر خفیہ محکمہ خزانہ اور عدالت کا خیال رکھنا چاہئے۔ یعنی خود مخبروں سے خبریں سنی چاہئے۔ خود آمد و خرچ کا حساب دیکھنا چاہئے۔ اور خود درباری لوگوں کی شکایات سننی چاہئیں۔ اس کے علاوہ اسے اپنے ساتھ مصاحب رکھنے چاہئیں۔ جو موروثی اچھے خاندان والے اور جو اسکی ریاست میں ہی پیدا ہوئے ہوں۔ شہر رکھشا یعنی باڈی گارڈ جو بڑا عالم، محتاط اور سچا ہو رکھنا ہوتا تھا۔

**جوڈیشل انتظام**

عدالت کرنا راجا کا اپنا کام سمجھا جاتا تھا۔ اور مقدمات سننے کے لئے ایک کونسل ہوتی تھی جسکا ذکر شانتی پرب میں پایا جاتا ہے۔ اس کونسل میں چار برہمن شاستروں کے عالم، شادی شدہ اور اچھے چال چلن کے ہوتے تھے۔ آٹھ بہادر کھشتری، اکیس دولتمند ویش، تین صاف شودر اور ایک آٹھ صفتوں والا سوت ہوتا تھا۔ ان میں سے آٹھ ممبروں کے ساتھ راجا ہر ایک مقدمے کو سنے۔ کبھی چوری یا بیجا کسی کی رعایت نہ کرے۔ ایسا کرنا بڑا بھاری پاپ اور ریاست تباہ کرنے والا بتایا ہے۔ طاقتور کے مقابلے پر کمزور کی حفاظت کرے۔ اگر مدعا علیہ جرم سے انکاری ہو تو گواہوں کی مدد سے فیصلہ کرے۔ گواہ نہ ہونے پر فیصلے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جرم کے مطابق سزا دینی چاہئے۔ امیر کو جرمانہ غریب کو قید اور بدمعاش کو بید کی سزا دے۔ بادشاہ کا قاتل۔ آگ لگانے والا چور اور عورتوں کو خراب کرنے والا

وغیرہ کو عذاب سے مارنا چاہیئے۔ نیائے کے ساتھ سزا دینے میں کوئی برائی نہیں۔ لیکن چور راجا اپنی مرضی سے ہی سزا دیتا ہے نرک کا بھاگی ہوتا ہے۔ ایک کے بدلے دوسرے کو کبھی سزا نہ دے"۔ کونسل میں ولیشوں کی تعداد اس لیے زیادہ تھی کیونکہ مقدمے زیادہ تر دیوانی ہوتے تھے۔ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ اپنا اپنا بیان دیتے تھے اور گواہوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ گواہوں کی عدم موجودگی میں سچائی پر پہنچنے کے لیے آرڈیل (خدا کی مرضی) کا استعمال ہوتا تھا۔ چوروں کو مار دیا جاتا تھا یا انکا دایاں ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ راجہ کی ایک اکیلی عدالت ہوتی تھی۔ نہ کوئی اور سزا اور نہ کوئی اپیل کی عدالت تھی۔ گواہ راجہ کے خوف کی وجہ سے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ جرم بہت کم تھا۔ لوگ خوش تھے اور عموماً راجا کے دربار میں جانے کی بجائے اپنے جھگڑے آپس میں فیصلہ کر لیا کرتے۔ اس تمام زمانہ میں یہی حالت رہی اور اسکا اثر یونانیوں پر یہ ہوا کہ انہوں نے لکھا ہے "ہندوستان میں کوئی عدالتیں نہیں اور نہ ان میں باہم کوئی جھگڑے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کو روپیہ دیدیتا تھا اور اسے وہ واپس نہ دیتا تھا تو روپیہ دینے والا اپنے آپ پر غفلت یا اعتبار کرنیکا الزام لگاتا تھا۔" جب چندر گپت کے زمانے میں سلطنت بہت بڑھ گئی راجہ خود فیصلے نہ کر سکتا تھا۔ اس سے آماشیہ (عدالت کا وزیر) مقرر کیا گیا جو راجہ کی جگہ برہمن جج ہوتا تھا۔ قانون کی سرگرمیاں پیچیدہ اور مکمل بننے لگیں۔ ملزم اور گواہ عدالت میں بلائے جاتے تھے (اس سے پہلے مدعی مدعا علیہ گواہوں کو ساتھ لیکر آیا کرتے تھے اور زبانی بیان دیا کرتے تھے)۔ چوری کا طریقہ

آہستہ آہستہ گھٹتا گیا۔ اور گواہوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو گئی

**محکمہ مال** ریاستیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے محکمہ مال بھی سیدھا سادہ تھا۔ ہر ایک گاؤں کا بڑا آدمی گرام ادھی پتی کہلاتا تھا۔ بیس گاؤں پر سو گاؤں پر اور ہزار گاؤں پر علیحدہ علیحدہ افسر مقرر تھے۔ چھوٹا افسر بڑے افسر کے پاس اپنی رپورٹ بھیجا کرتا تھا۔ ایک افسر مال روپیہ کی نگہبانی کیا کرتا تھا اور اسکا کام چھوٹے افسروں کے ظلم کو روکنا بھی تھا۔ سٹیٹ کی آمدنی زمین اور تجارت سے ہوتی تھی زمین کی پیداوار پر ۱/۶ اور سونے اور مویشی پر ۱/۵ محصول تھا۔ سوداگر پر قیمت خرچ اور قیمت فروخت کا لحاظ رکھکر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ محنتی لوگ یا ٹیکس دیتے۔ یا انہیں ریاست کا کام کرنا پڑتا تھا۔ ٹیکس لینے کا اصول مہابھارت میں ایک شلوک میں بتایا ہے۔

"دانا راجا کو لوگوں سے اسطرح ٹیکس وصول کرنا چاہئے جیسا بھنورے کو بھو کا مارے بغیر گائے سے دودھ لیا جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ ان کے ٹیکس انتظام قائم رکھنے اور دشمنوں سے مقابلے کے لئے استعمال کئے جائیں گے۔ جنگ کے لئے خاص فرضے کی اجازت تھی۔ ٹیکس بڑھانے کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ اسے آہستہ آہستہ اسطرح بڑھانا چاہئے جیسے بیل آہستہ آہستہ بوجھ اٹھانے کے قابل بنایا جاتا ہے یکلخت قابو میں لانے سے وہ بے قابو ہو جاتا ہے"

راجہ کی آمدنی کے دوسرے ذرائع کان۔ نمک۔ ٹولک وغالباً محصول منڈی، پل اور گھاٹ تھی ہیں اور ان پر راجہ کو اپنے خاص اعتباری آدمی مقرر کرنے کے لئے ہدایت ہے۔ جنگل ابھی تک راجہ کی ملکیت

نے تھے ان پر کوئی ٹیکس نہ تھا۔ جنگلوں کی اتنی بہتات تھی کہ ان میں مویشی
چرانے۔ لکڑی کاٹنے یا شکار کرنے کی کھلی اجازت تھی۔ گاؤں کے
رہنے والے گاؤں کی زمین کو آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے لیکن بعد میں
زمین کی خرید و فروخت بھی کی جاتی تھی اس لئے یہ پالیسی بھی جاتی ہوگی
مہابھارت میں سونے کے سکے "نشک" کا ذکر پایا جاتا ہے جو کہ بہت
قیمتی ہوگا۔ کیونکہ جب ایک سو مہر پر برہمنوں کو نشک دیا گیا تو وہ
خوش ہو کر چلانے لگے "ہم کو نشک ملا ہے"!

## راج نیتی اور جنگ

اس زمانے کے شروع میں راجا کے
فرائض بالکل سادہ اور معمولی تھے
لیکن اس زمانے کے آخیر میں ملک بڑھتے بڑھتے اتنی بٹ گئی اور
فرائض ایسے پیچیدہ ہو گئے کہ راجہ کچھ کا کچھ بن گیا۔ فرائض کی جو تصویر
راج نیتی کی کتابوں میں دکھائی گئی ہے اس سے راجہ کی حالت میں
ایک حیرت انگیز انقلاب معلوم ہوتا ہے۔ بھیشم پتی اور شکر نیتی کا خلاصہ
مہابھارت کے شانتی پرب میں دیا ہوا ہے جس میں منش کے جیون
کا اودیش دھرم۔ ارتھ۔ کام اور موکش بتلا کر راج نیتی ا نتیجہ ہوتی ہے
اس کے مطابق گورنمنٹ کے چھ حصے ہیں۔ راجا۔ وزیر۔ سفیر۔ راجہ
کا لڑکا۔ مخبروں کی قسمیں اور ان کے لباس۔

دشمنوں کے ساتھ برتنے کے پانچ طریقے ہیں۔ سام (صلح کی
پالیسی) دان (دینا)، دنڈ (دنڈ دینا)، بھید (پھوٹ) اور اپکشا (لحاظ نہ کرنا)
علاوہ ازیں عہد ناموں اور خفیہ مشوروں کی قسمیں۔ چار موسموں میں
فوجوں کے کوچ کے طریقے اور مختلف قسم کی فتح وغیرہ کا ذکر ہے

سٹیٹ کو پانچ حصّوں میں بانٹا ہے۔ ملک۔ قلعہ۔ فوج۔ خزانہ اور وزرا۔ آٹھ قسم کی فوج کا اور اس کے ساتھ مختلف قسم کے بارود اور زہروں کا۔ دوستوں۔ دشمنوں اور غیر جانبداروں کا۔ قواعد اور جنگ کے سامان کا لڑنے کے طریقوں کا۔ جن میں ہتھیاروں کا رکھنا سپاہیوں میں جوش پیدا کرنا۔ یا مدہم کرنا۔ ہدایت اور حکم کو پہنچانا۔ شکست کا اور پیچھے ہٹنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ دشمنوں کے ملک کو برباد کرنے کے کون سے طریقے ہیں ڈاکوؤں کے ذریعے۔ آگ لگانے والوں یا زہر پھیلانے والوں کے ذریعے سے قبیلوں کے سرداروں کو بہکا کر فصل اور درختوں کو تباہ کرکے۔ قیدیوں کو ڈرا کر یا خراب کرکے اور وفادار نوکروں میں بے وفائی پھیلا کر۔

ریاست کی ترقی اور تنزل کو سات حصّوں میں تقسیم کرکے عہدوں ڈپلومیٹشنوں۔ کمزوروں کی حفاظت۔ دشمنوں کی تباہی راجہ کی کمزوریوں اور راجہ کے تمام فرائض کا ذکر ہے۔

جنگ راجیہ کو قائم رکھنے کے لئے ایک ضروری حالت سمجھی جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کی حالت میں رہنے لگ گئے تھے۔ ہربرٹ سپنسر نے تمام پولٹیکل انسٹی ٹیوشنوں کی ترقی کا آغاز اسی جنگی نقطہ نظر سے منسوب کیا ہے اس زمانے کے مدبروں کی بھی یہ رائے ہے کہ ایک گرتی ہوئی یا مرنے والی قوم کے لئے بھی بچاؤ کا علاج صرف جنگ ہی ہو سکتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پائے جاتے رہے ہیں جن کے دل جنگ کی تصویر یا خیال سے گرمایا کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کی دماغی حالت غیر معمولی ہی ہوتی

ہے اور ان کا اس دنیا کا نقشہ صرف ان کے اپنے خیال میں خاص وجود رکھتا ہے جدوجہد اور باہمی مقابلے کا سپرٹ جب قوموں سے نکل جاتا ہے اسیوقت ہی ان کے اندر قدرتی تنزل کے اسباب آموجود ہوتے ہیں۔ مہابھارت کے وقت جنگ کے ہنر نے خاصی ترقی کرلی تھی فوج کی ارگنیزیشن ہو چکی تھی جنگ کے۔ قواعد اور جنگ کا اخلاق بھی تیار ہو چکا تھا۔ ہر ایک راجا نے باقاعدہ فوج رکھنی شروع کردی تھی۔ اس کی چار قسمیں تھیں۔ پیدل۔ سوار ہاتھی اور رتھ۔ ہر ایک سپاہی کو کچھ نقدی اور کچھ غلہ بطور تنخواہ دیئے جاتے تھے بدھشٹر ایک موقعہ پر کہتا ہے۔ سپاہی کو تنخواہ نہ دینے سے برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر ایک فوج میں دس سپاہیوں پر ایک۔ سو پر دوسرا۔ اور ہزار پر بڑا افسر ہوتا تھا۔ بڑے افسروں کی تنخواہ اور عزت زیادہ ہوتی تھی ساری فوج کے لئے ایک سینا پتی ہوتا تھا جس کی بابت کہا گیا ہے کہ گرمی سردی برسات برداشت کرنے کے قابل ہونا چاہیئے۔ اس فوج کے علاوہ بحری فوج۔ مخبر اور جاسوس ہوتے تھے۔ بحری فوج کشتیوں اور سمندروں کے جہازوں سے بنتی تھی۔ پیدل فوج کے پاس تلوار۔ تیر۔ کلہاڑا وغیرہ ہتھیار ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کی فوج میں بڑے بڑے پہلوانوں کے پاس کھڑگ اور بھالا ہوتے تھے۔ سواروں کے پاس تلوار اور بھالا ہوتا تھا۔ ہر ایک سپاہی کوچ (زرہ بکتر) پہنتا تھا۔ مختلف علاقوں کے لوگ مختلف قسم کی لڑائیوں میں مشہور تھے۔ پنجاب اور سندھ کے لوگ تیز کلہاڑے سے لڑا کرتے تھے۔ رتھ کا یودھا اس زمانے کا بڑا لڑنے والا تھا۔ جسکا خاص ہتھیار تیر کمان ہوتا تھا۔ اگرچہ شکتی اور چکر بھی استعمال کیا جاتا تھا تیر دور تک پھینکا جا سکتا تھا۔ اس لئے ہندوستانی تیراندازی کی خاص

مشق کرتے تھے۔ ان کی کمان آدمی کے قد کے برابر ہوتی اور تیر موٹے لوہے کی چادر کو چھید سکتا تھا۔ اس تیر کمان کو چلانا بڑی طاقت اور مشق کا کام تھا۔ رتھ اس بات دیا جاتا تھا کہ لڑنے والا جب جلد اپنی پوزیشن بدل سکے اور تیروں کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ رتھ آجکل کے توپخانے کی مانند تھا اشو تھامہ کیا سامنے چھکڑے تیروں سے بھرے تھے۔ ہر ایک گاڑی آٹھ بیلوں والی تھی۔ تین گھنٹے میں اس نے اس ذخیرہ کو خالی کر دیا۔ آتش وہ ہتھیار تھے جو آگ بارش یا ہوا پیدا کر کے دشمن کو تباہ کرتے تھے۔ رتھ کا سرا ایک گول گیند سا ہوتا تھا جس کے اوپر ایک یودھا کو تیز کرنے کے لیے مختلف قسم کا جھنڈا لہراتا تھا لڑائی میں اس جھنڈے کو گرانے کی بھی کوشش کی جاتی تھی۔ ہر ایک رتھ میں اپنا نقارہ ہوتا تھا۔ عام طور پر یودھا اپنے دشمن کو اپنا نام اور اپنے کنبے کا نام بتا کر چیلنج کرتا تھا تو وہ جنگ لگ جاتے تھے۔ سنکھ بجانا معمولی بات تھی۔ دشمن نزدیک ہونے پر چھوٹے تیر استعمال کیے جاتے تھے۔ سپاہی کا ہنر اس بات میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ فوج کو مختلف ویہوں میں باندھے۔ ویہو وہ ترتیب تھی جس میں لڑنے کے وقت سپاہی کھڑے کیے جاتے تھے۔ بھیشم پتاما نے جنگ کے اخلاق کے متعلق بتایا ہے کہ دشمن جس نے ہتھیار ڈال دیے ہوں یا جس کا ہتھیار ٹوٹ جائے۔ جو گر پڑے۔ جو میدان سے بھاگ رہا ہو جو اطاعت قبول کرے۔ جس کا بیٹا مارا گیا ہو پیاسا۔ سویا ہوا یا پانی پیتا یا کھیتی کرتا ہو اس پر کبھی حملہ نہ کرنا چاہیے۔ یونانی لوگ یہ بھی دیکھ کر حیران ہو گئے کہ جب لڑائی ہو رہی تھی کھیتی کرنے والے لوگ برابر اپنا کام کرتے رہے۔ جنگ میں ایسے موقعے

بھی آئے ہیں جہاں اپنا ملک یا دوسرے ملک برباد کر دینے کی ہدایت ہے۔ شانتی پرب میں بتایا ہے کہ ہار جانے والے راجا کو کیا کرنا چاہئے اپنے مویشی جنگل سے ہٹا لینے چاہئیں۔ اپنے ملک کو برباد کر دینا چاہئے سب گاؤں والوں کو شہر میں لے آنا چاہئے۔ پل تباہ کر دینے چاہئیں کنوئیں وغیرہ گرا دینے چاہئیں اور جو نہ گرائے جا سکیں ان کو زہریلا کر دینا چاہئے۔ قلعے کے ساتھ تھوڑا جنگل کاٹ دینا چاہئے۔ قلعے میں سے نکل جانے کے لئے خفیہ راستے ہونے چاہئیں۔ پھاٹکوں پر انجن اور توپیں رکھنی چاہئیں۔ قلعے میں کنوئیں کھودنے چاہئیں۔ عمارات کو لپانا چاہئے۔ یگیہ کے سوائے سب آگ بجھا دینی چاہئے۔ دن میں آگ جلانے والے کو سخت سزا کی ڈونڈی پٹوا دینی چاہئے۔ ہر ایک گذرگاہ اور مندر پر مخبر مقرر کر دینے چاہئیں۔ تمام بھکاری۔ چھکڑوں والے ہیجڑے۔ پاگل۔ ناچنے والے شہر سے نکال دینے چاہئیں کیونکہ یہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ تیل۔ چربی۔ گھی۔ دوائی۔ گھاس۔ لکڑی۔ پلاش اور زہریلے تیر جمع رکھنے چاہئیں"

## سماجک حالت

میگستھینز کا ایک ہی فقرہ ذات کا افسانہ بتا دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "کوئی آدمی اپنی ذات سے باہر شادی نہیں کر سکتا ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکتا ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ شادی اور پیشہ کی حد بندی ذات کی جڑ میں ہیں ہم نے دیکھا ہے کہ ویدک زمانے کے آخیر میں ورنوں کے درمیان شادی پر پابندی لگنی شروع ہو گئی تھی۔ اس ملک میں شادی کی پابندی کی خاص وجہ یہ تھی کہ آریوں کو ایک ایسی نسل سے یہاں پر واسطہ پڑا

جو کہ رنگ اور چہرے میں بالکل مختلف تھی۔ ان کی حالت اس ملک میں ایسی ہی تھی جیسی کہ انگریزوں کی افریقہ میں یا امریکہ میں ہے۔ شادی کی پابندی سب سے پہلے شودر عورتوں کے متعلق شروع ہوئی مہا بھارت کے انوشاسن پرب میں ایک شلوک آتا ہے "برہمن کا لڑکا خواہ کسی ورن کی ماں سے ہو برہمن ہوتا ہے۔ صرف چار ورن ہیں پانچواں نہیں ہے۔ لیکن جب کسی آریہ ورن کی شادی غیر آریہ عورت سے ہوتی تھی تو رنگ ویسا نہ رہ سکتا تھا۔ اس لئے بیج اور کھشیتر یا بیج اور کھیت کے معاملہ میں بحث شروع ہو گئی۔ اگرچہ منو نے بیج کے حق میں ہی فیصلہ کیا ہے۔ لیکن شودر عورت سے برہمن کا لڑکا مردہ سے بدتر بتایا ہے ویش لوگ شودر عورت سے شادی کر لیا کرتے تھے۔ اس لئے اب ویش عورت کے خلاف بھی نفرت کا خیال پیدا ہونے لگا۔ ایک برہمن کا ویش عورت سے لڑکا ایسا اچھا نہ مانا جاتا تھا جیسا کہ برہمن یا کھشتری عورت سے۔ ایسی اولاد کو دوسرے درجہ دیا گیا۔ مہا بھارت میں ایسی اولاد کے حقوق پر بحث کی گئی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ برہمن کی اولاد کے دس حصے کئے جائیں۔ چار حصے برہمن عورت کی اولاد کو تین حصے کھشتری عورت کی اولاد کو دو حصے ویش عورت کی اولاد کو اور ایک حصہ شودر عورت کی اولاد کو دئے جائیں۔ یدھشٹر کے وقت ورنوں کی بہت سی کھچڑی سی ہو گئی جب یدھشٹر سے کرم اور جنم کے متعلق سوال کیا گیا تو اسکا آخری جواب یہ تھا "اگر گن نہ ہوں تو ذات فضول ہے کیونکہ خون میں اسقدر ملاوٹ ہو گئی ہے۔"

جنم کے خیال کا زور متنگا کی کتھا سے ظاہر ہوتا ہے جس میں

اندر کہتا ہے ایک چنڈال ہزار جنم کے بعد شودر بنتا ہے۔ شودر اس سے تیس گنا عرصہ میں ویش اور ویش ساٹھ گنا عرصہ میں کھشتری وغیرہ" گوتم کے چوتھے کے ۲۱، ۲۲، ۲۳ شلوک میں کہا ہے "اگر ایک سورن عورت جو کھشتری ماں اور برہمن باپ سے ہو کسی برہمن سے شادی کرے اور اس کی لڑکیاں سات نسل تک برہمن سے شادی کرتی رہیں تو آخری اولاد برہمن بن جاتی ہے" گوتم کہتا ہے "بعض آچاریوں کے مت میں یہ تبدیلی پانچویں نسل میں ہو جاتی ہے۔" آہستہ آہستہ یہ خیال زور پکڑ گیا کہ برہمن ماں اور برہمن باپ سے ہی برہمن بچہ پیدا ہوتا ہے جس سے کہ برہمن علیحدہ ذات بن گئی۔ اسیطرح سے کھشتری ویش وغیرہ علیحدہ ذاتیں بن گئیں بدھ کے سامنے جب یہ سوال آیا تو اس نے جواب دیا "ماں کی کچھ بات نہیں۔ باپ کی سب کچھ ہے۔ جو باپ ہوتا ہے ویسی ہی اولاد ہوتی ہے" لیکن بودھوں کے وقت برہمنوں سے کھشتری عورت کیا تھا شادی کرنے کا حق لے لیا گیا۔ بدھ دھرم نے ذات اور ینگیہ کے خلاف بڑا اندولن کیا۔ لیکن جب اسکا زوال ہو گیا تو ہندوؤں کا پرانا میلان پھر تیزی سے کام کرنے لگا اور رشتہ سے قریب ذات کی پابندیاں بہت سخت ہو گئیں اور ذاتوں کے اندر قبیلہ۔ پیشہ فرقہ۔ قومیت مذہب رسوم اور مقامات کی وجہ سے بے شمار ٹکڑے بن گئے۔

**عورت کی پوزیشن**

ابتدائی زمانے میں شادی کی کوئی بندش نہ تھی۔ جب راجا پانڈو نے کنتی کو نیوگ کرنے کو کہا تو اسے بتایا کہ پہلے پہل عورتیں بالکل آزاد تھیں مثلاً

چونکہ بوڑھے مرد اور عورتوں کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس لیے شادی کا رواج ڈالا گیا۔ مہابھارت کے زمانے میں کئی عورتوں کے ساتھ بھی شادی کرنے کا رواج تھا۔ اس بات کو یونانیوں نے پسند نہیں کیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستانی بہت سی عورتوں کے ساتھ شادیاں کر لیتے ہیں انہیں کئی کو لیاں بنانے کے لیے کئی خوشی کے لئے اور کئی اولاد کیلئے قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے اگر انکو پاکیزہ حالت میں نہ رکھا جائے تو یہ بدچلن ہو جاتی ہیں۔ یونانیوں کی واقفیت پنجاب تک محدود تھی وہ اس سے آگے نہیں گئے۔ پنجاب میں عورتوں کو آزادی بہت زیادہ تھی اور عام قاعدہ ہے کہ باہر کے لوگ اس آزادی کو غلط معنوں میں لیتے ہیں۔ جب سکندر آیا تو پنجاب میں ممڑا اور کیے کیا کی جگہہ کیتھا اور سوفائٹ قبیلوں سے ملی تھی۔ کیتھا قبیلے میں عورتیں خود خاوند کو چنتی تھیں اور سوفائٹ میں خوبصورتی کے لئے لڑکی کو پسند کیا جاتا تھا۔ دوری ملداسے اور کی گئی کے کیئے قبیلے سے تھی۔ بہت تحفے دیکر ان کو شادی میں لیا گیا تھا۔ اُس زمانے میں نیوگ کیا جاتا تھا۔ ودھوا کی دوسری شادی بُری سمجھی جاتی تھی۔ جب ارجن جیدرتھ کے قتل کی قسم کھاتا ہے تو کہتا ہے "اگر میں شام تک اسے قتل نہ کروں تو میں اس جگہہ جاؤں جہاں وہ جاتے ہیں جو ودھوا عورتوں سے شادی کرتے ہیں" رامائن اور مہابھارت کے زمانے میں بچپن کی کوئی شادی نہیں پائی جاتی سوبھدرا اور اُترا شادی کے وقت پوری جوانی پر تھیں۔ اترا کا خاوند ابھی منیو شادی کے چند ماہ کے بعد ہی مارا گیا اور اسوقت وہ حاملہ تھی۔ لڑکیوں کو

دھرم اور قانون کی ہدایت کے ذریعہ پوتر رکھا جاتا تھا۔ دروپدی کے بن میں رہتے ہوئے عورتوں کا جو آدرش اس نے ستیہ بھاما کے سامنے رکھا ہے وہی آجکل ہندو عورتوں کے سامنے چلا آتا ہے۔ شادی کی مختلف رسمیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسطرح لڑکی کی شادی بیچنے سے دان کے درجے تک جا پہونچی۔ اس زمانے میں بھی پنجاب کے بعض قبیلوں میں لڑکی بیچنے کا رواج تھا۔ سمرتیوں کے مطابق یہ شادی بہت گری ہوئی تھی۔ ایرین کہتا ہے۔ ٹیکسلا میں بڑی بڑی لڑکیاں فروخت کے لئے پیش کی جاتی تھیں اور سب سے زیادہ قیمت دینے والے کو دیجاتی تھیں۔ براہمنوں میں لڑکی کے دان کا رواج تھا کھشتری سوئمبر کیا کرتے تھے۔ سوئمبر دو قسم کا ہوتا تھا۔ لڑکی خود انتخاب کرے یا شادی کے لئے کوئی شرط رکھی جا دے۔ دشینت اور شکنتلا کی شادی پہلی قسم کی تھی۔ دوسری کا رواج کھشتریوں میں عام تھا۔ تیر اندازی میں مقابلہ ایک بڑی شرط ہوتی تھی۔ دروپدی اور سیتا کی شادی اسی طرح ہوئی۔ گندھرب شادی میں لڑکی کو بھگایا جاتا تھا۔ اگر اُسے اپنے رشتہ دار چھڑا نہ سکیں تو وہ بھگانیوالے کی سمجھی جاتی تھی۔ سوبھدرا کی شادی اسیطرح ہوئی۔ اس زمانے کے شروع میں بھی ستی کا رواج تھا۔ مادری اپنے پتی پانڈو کے ساتھ چتا پر چڑھی۔ یونانیوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ کیتھا بیے میں عورتیں اپنے خاوند کے ساتھ اپنے آپکو جلا دیتی تھیں۔ ڈایوڈورس لکھتا ہے کہ گبین کی لڑائی میں جو انٹیگونس اور یومینز کے درمیان ہوئی ایک ہندوستانی جرنیل کٹیس نامی مارا گیا۔ اس کی دو عورتیں اس کے ساتھ جلائے جانے کی عزت کے

لئے خواہشمند تھیں - چونکہ بڑی عالمہ تھی اور قانون کے مطابق وہ چل نہیں سکتی تھی اس لئے چھوٹی کو چلنے کے لئے اجازت دی گئی

**مذہب اور لٹریچر**

اس زمانے میں بولچال سنسکرت زبان ہوا کرتی تھی لیکن اس کے پچھلے حصے میں مختلف صوبوں میں پراکرت زبانیں بولی جانے لگیں۔ اصلی باشندے اور شودر سنسکرت کو ٹھیک ٹھیک نہ بول سکتے تھے - جب نسلوں کی ملاوٹ زیادہ ہوجاتی گئی تو سنسکرت بھاشا بھی بہت اشدھ بولی جانے لگی۔ اصلی آریوں نے اس بگڑی ہوئی بھاشا کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ آہستہ آہستہ یہ پراکرتیں بنتی گئیں ودوتنا نے پانڈو بھائیوں کو ملیچھ بھاشا میں ہی یہ بتایا تھا کہ انہیں لاکھ کے مکان میں نہ ٹھہرنا چاہیئے - اسوقت تک سارا لٹریچر بھی سنسکرت زبان میں ہی تھا۔ مہاتما بدھ نے پراکرت بھاشا میں پرچار شروع کیا اس زمانہ میں تعلیم کا رواج عام تھا۔ ہر جگہہ آشرم اور پرلشیدھ (یونیورسٹی) موجود تھیں کو دوج ذاتوں میں ہر ایک بالک کو برہمچاری رہنا اور گورو کے گھر پر وِدیا پڑھنی ہوتی تھی - آشرم اور پرلشیدھ اس زمانہ کے سکول اور کالج تھے جن میں ہر قسم کے علوم ویاکرن سے لیکر تیر اندازی تک سکھائے جاتے تھے۔ مذہب کا طریقہ ابھی ویدک زمانے کے مطابق تھا۔ یگیہ کئے جاتے تھے - وید کا پڑھنا ہر ایک آریہ کا فرض تھا۔ کھشتری اور برہمن سندھیا اور اگنی ہوتر کیا کرتے تھے - رام لکشمن اور سیتا جنگل میں بھی برابر ہوَن کرتے رہے۔ یدھشٹر کے فرائض میں انکا ذکر پایا جاتا ہے راجہ نلا اور یدھشٹر تیر اندازی کے ساتھ ساتھ وید بھی پڑھا کرتے ہے

اسوقت تک مورتی پوجا جاری نہیں ہوئی تھی اور نہ کہیں اس کا ذکر آتا ہے۔ البتہ دیوتاؤں کی پرستش یا قدرت کی پوجا کا خیال پایا جاتا ہے۔ یوں تو ۳۳ دیوتا مانے جاتے تھے مگر ان سب میں سے وشنو اور شو کی پوجا بہت زور پکڑنے لگی جیسے ابتدائی زمانے میں اندر اور سورج کی پوجا پر آریوں کے دو دل ہو گئے تھے اسی طرح اب شو اور وشنو کا مقابلہ کرتے ہوئے آریوں میں دو بڑے فریق ہو گئے پہلے وشنو کو اونچا بتایا گیا اس کے ہزاروں نام مقرر کئے گئے۔ سنکھ چکر گدا پدم وشنو کے نشان تھے۔ آہستہ آہستہ شو کو بڑا بنایا گیا۔ آریوں کا شو گورے رنگ کا یتی ہے اسکا جسم ننگا اور سر پہ بال ہیں۔ شو لنگ کی موجودہ شکل غیر آرین لوگوں کی پوجا کی طریق کی نقل تھی۔ وشنو اور شو کے پوجاریوں کے درمیان بہت دیر تک مقابلہ جاری رہا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کسوتی تھا بھارت میں کئی موقعوں پر شو کی خاص طور پر تعریف کرتا ہے تاکہ اس کے اوپر وشنو کی طرفداری کا الزام نہ لگایا جائے۔ شو کی پوجا کے بعد آہستہ آہستہ اس کی شکتی یعنی دیوی درگا کی پوجا کا بھی پرچار ہونا شروع ہوا۔ پنجاب اور بنگال میں درگا پوجا کا رواج بہت بڑھ گیا۔ وشنو اور شو کے پوجاریوں میں ہنسا اور اہنسا کے مضمون پر باہم بہت اختلاف ہوا۔ اور اس معاملے پر بہت لمبی بحث چھڑ گئی کہ یگیہ کے وقت جانور مارنا چاہیے یا نہیں۔ کھشتری لوگ اشومیدھ آدی یگیوں کے موقعوں پر جانور مارنا فرض سمجھتے تھے۔ دوسرے لوگ چاہتے تھے کہ یگیہ ایسے ہی کر دئے جائیں۔ اگست بارہ سال تک ویسے ہی یگیہ کرتا رہا جس کی وجہ سے

رشی لوگ ناراض ہو گئے۔ اور انہوں نے جا کر اس سے کہا کہ یگیہ کے
لئے مارنا پاپ نہیں ہے اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ پہلے مارنے
کے خلاف خیال پیدا ہوا تھا بعد ازاں اس کے الٹ خیال پیدا ہو گیا
فیصلہ آخر میں اس سمجھوتہ پر ہوا کہ یگیہ کے لئے مارنا مارنا نہیں ہے۔
لیکن مہا بھارت کے پچھلے حصے میں غالباً بدھ اور جین دھرم کے
اثر سے اہنسا کا بہت پرچار ہو گیا اور اہنسا کو سب سے بڑا دھرم قرار
دیا گیا۔ اس زمانہ میں فلاسفی کی ترقی خاص طور پر ہوئی اور مہا بھارت
کے ہر حصہ میں فلاسفانہ خیال پائے جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں
فلاسفی کے بہت سے مت پیدا ہوئے۔ جن میں کئی آستک تھے
اور کئی ناستک خیال رکھتے تھے۔ ان میں سے چھ درشن یعنی سانکھ
نیائے۔ یوگ۔ ویدانت۔ ویشیشک اور میمانسا بہت مشہور ہیں پانچ
پانچ تتو اور پانچ اندریاں شروع سے ہی اس ملک میں فلاسفروں
کے اصول موضوعہ کے طور پر مانے چلے آتے ہیں۔ یونانی فلاسفر
پانچ کی جگہ چار تتو مانا کرتے تھے۔ ہندوؤں نے پانچواں تتو آکاش
کو مانا ہے جس کے بعد وہ سارے برہمانڈ کو ایک مہا تتو میں لیجانا
چاہتے تھے اس کے آگے پار برہم آ جاتا تھا۔ ناستکوں اور آستکوں
کے درمیان اختلاف اسبات سے شروع ہوتا ہے کہ کیا یہ پانچ
تتو اور پانچ گن۔ جیو۔ چت۔ بدھی۔ اہنکار سے حل ہو جاتے ہیں
یا کسی پانچویں شکتی آتما کی ضرورت ہے۔ ناستک کہتے تھے کہ جیسے
گنے کے اندر گھاس سے گھی پیدا ہو جاتا ہے یا بعض اجزا کے ملنے
سے خوشبو پیدا ہو جاتی ہے ایسا ہی تتوں کے ملنے سے یہ سب گن پیدا

ہو جاتے ہیں۔ آستک کہتے تھے کہ مادی چیز سے روحانی یا غیر مادی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جڑ سے چیتن پیدا نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ جیسے مادہ غیر فانی ہے آتما بھی غیر فانی ہے گوتم اور کناد پرانوؤں کے سد حالت کو چلانے والے مانتے تھے کہ سنسار میں انیک جیو آتما ہیں جن کا روپ آنو ہے اور جو ایک شریر سے دوسرے شریر میں جاتے ہیں۔ یونان کے فلاسفروں کا بھی یہی خیال تھا۔ اس کے مقابلہ پر بدھ لوگ آتما کو دویا بدھی۔ کرم آدی گنوں کا ایک مجموعہ یعنی بنڈل مانتے تھے اور ان کے خیال میں یہی مجموعہ سوچتا۔ محسوس کرتا اور جگہ تبدیل کرتا تھا اسی طرح ان کے سامنے ایشور کا سوال بھی ایک بڑا معمہ تھا اگر پرکرتی اور آتما کو انادی مانا جائے تو ایشور کی پوزیشن ایک معمہ کی سی بن جاتی ہے۔ پہلا شخص کپل منی تھا جس نے وکاس یعنی ارتقا کے اصول کی تعلیم دی ویدانت فلاسفی اس نتیجہ پر پہونچی کہ ایشور اپنے سے یہ جگت بناتا ہے جگت اس میں رہتا ہے اور اس میں ہی واپس چلا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ ایک سے انیک کیوں ہوا ویدانت اس کا صرف اتنا ہی جواب دیتا ہے کہ یہ کیول لیلا ہے۔ ایک کھیل تماشا ہے۔ سانکھ یہ کہتا ہے کہ پرکرتی کے اندر تین گن تم رج ست ہیں جب تک ان میں برابری رہتی ہے کچھ نہیں ہوتا۔ جب ہل چل ہو کر کوئی گن زیادہ ہوتا ہے تو سرشٹی شروع ہوتی ہے آخری سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ ہل چل کیوں ہوئی ؟

ایک اور سوال یہ ہے کہ اندریوں کے ذریعے کس پر اور کس طرح اثر ہوتا ہے ؟ اگر آتما نرلیپ ہے تو وہ اندریوں کے جال میں کیوں

آپہنچتا ہے؟ اسکا جواب یوگ میں دیا ہے کہ جیسے لہروں کے ذریعے عکس گندھلا ہو جاتا ہے ایسے ہی اندریوں کی ورتیاں آتما کو چھپا لیتی ہیں۔ خواہش کی رسی کو کاٹ دو بیلون اوپر چڑھنا شروع ہو جائے گا خلاصہ کے ان سب سکولوں کے اوپر گیتا کی تعلیم ایک چوٹی کی طرح ہے۔ کرشن بھگوان نے گیتا کا اپدیش کرتے ہوئے سب سکولوں اور راستوں کو ملاکر اپنا ایک بڑا مشترکہ راستہ بنا دیا ہے جس میں وہ سب راستے ملکر ایک ہو جاتے ہیں۔ اس خیال کو گیتا کے ایک شلوک میں ظاہر کیا گیا ہے "جو جس راستے سے ہے ارجن! میری طرف آنا چاہتا ہے میں اسی راستے سے اس کو لے لیتا ہوں یہ سب راستے آخیر میں میرے پاس آپہنچتے ہیں"

**بھگوت گیتا** خیالات کے اختلاف کے لئے مکمل بُردباری کا اگر کسی مذہبی کتاب میں ثبوت ملتا ہے تو وہ بھگوت گیتا میں ہی پایا جاتا ہے۔ علم کتابوں کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے وہ سچ کا درجہ سب سے اونچا قرار دیدیتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جو کچھ ان میں لکھا ہے وہ سچ ہے جو اس کے برخلاف ہے وہ جھوٹ ہے۔ ان کتابوں کی تعلیم پاکر قدرتی طور پر ان پر چلنے والوں میں تنگ دلی اور تعصب کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے وجہ صاف ہے کہ وہ دوسروں کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ سچ کی شکل مختلف زبانوں میں اور ایک وقت میں مختلف آدمیوں کے لئے ان کی دماغی حالت کے مطابق بدلتی رہتی ہمیشہ مختلف ہوتی ہے۔ باقی کے لوگ سب کو ایک رسی سے ہانکنا چاہتے ہیں۔ گیتا لوگوں کی طبیعتوں کے اختلاف کی حقیقت

کو جان کر مختلف لوگوں کے لئے مختلف اصول کو درست قرار دیتی ہے
دوسروں کو غلط بتانے سے خیالات کی آزادی یا اس کے لئے بردباری
کبھی قائم نہیں کی جا سکتی۔ سچی آزادی اور بردباری کے لئے گیتا کی شرن
میں ہی آنا پڑے گا۔

گیتا میں ایک اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر فلاسفی،
گیان اور دھرم کا سارنکال کر ایک جگہ کر دیا گیا ہے۔ انسان کی زندگی
کا یہ مدعا یہ بتایا ہے کہ اسے نتیجے کا خیال چھوڑ کر اپنے فرض کو پورا کرنا
چاہئے۔ اس فرض کی پہچان کے لئے سچے گیان کی تعلیم دی گئی ہے
اور اس سچے گیان کو فلاسفی کے اوپر نربھر کر دیا گیا ہے۔ جس طرح
مغرب کے فلاسفر اس زمانہ میں بھی انسان کی مجموعی خوشی کو ترقی
دینا ہی سب سے بڑی نیکی سمجھتے ہیں ہندوستان کے مختلف درشنوں
کی تعلیم دینے والے اپنی فلاسفی کو اسی اصول سے شروع کرتے ہیں
کہ اس دنیا میں دکھ ہے سوال ہے اس دکھ کو کیسے دور کیا جائے ہاں
سب نے اس دکھ کو دور کرنے کے بھن بھن اپائے اور سادھن
بتلائے ہیں۔ گیتا کی فلاسفی ان سب سے ایک قدم اونچی بڑھ کر یہ
تعلیم دیتی ہے کہ حقیقت میں سکھ اور دکھ زندگی اور موت۔ سردی اور گرمی
ایک ہی چیز کی مختلف حالتوں کے نام ہیں سچا گیانی وہ ہے جو سکھ اور دکھ
کو ایک سا سمجھتا ہے اور اپنے فرض کو پورا کرتا ہے۔

## صنعت و حرفت

کھیتی اس زمانے میں موجودہ درجے تک
پہنچ چکی تھی۔ آبپاشی کا انتظام تھا یہی اناج
پیدا ہوتا تھا۔ اور یہی طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔ روئی گنا

نیل اور دوسرے رنگ پیدا کرنے والے فصل اچھی طرح ہوتے تھے۔
پھولوں کی پیداوار خاص طرح کی جاتی تھی۔ جانوروں کے پالنے
کے ہنر کی طرف خاص توجہ دیجاتی تھی جیسا کہ سعدیو کی تقریر سے نتیجہ
نکلتا ہے اور نہیں کوئی بیماری نہیں چھوتی سجاؤ۔ بھی بیمار ہونیکو روکنے کا انتظام تھا۔ ہاتھی اور گھوڑونکو
بھی سدھایا جاتا تھا۔ ان مضامین میں سنسکرت میں کتابیں بھی پائی جاتی
ہیں۔ روئی اور کپڑے کی بناوٹ سب سے اول ہنر ہوتی۔ اپنشدوں
میں روئی کے لئے تلا شبد آیا ہے۔ کپاس شبد منو سمرتی میں پہلی دفعہ
آیا ہے۔ مہابھارت میں کئی جگہ اسکا ذکر ہے۔ چرخہ اور کھدی امرلیش
میں ہزاروں سال سے استعمال کیا جاتا ہے جسکو یونانی لوگ دیکھ کر دنگ
رہ گئے۔ صنعتی دنیا کے اندر بڑا انقلاب پیدا کرنے والے دو بڑے انگریز
ہوگریو اور کارٹ رائٹ ہندوستانی چرخے اور کھڈی کی نقل کرنیوالے تھے
قدیم زمانہ سے پٹ اور تنتو ہندوستان میں چلا آتا ہے اور یہاں سے
نہایت نفیس کپڑا ایران اور یوروپ کے ممالک میں بھی جاتا تھا۔ امیر
اور شہزادوں کا روئی کا خوبصورت کپڑا پہنے ہوئے ذکر آتا ہے۔ یدھشٹر
کے راج سویہ یگیہ میں شمالی راجاؤں کی طرف سے ریشمی اور اونی کپڑے پیش
کئے گئے۔ کشمیر اسوقت بھی شال کے لئے مشہور تھا۔ کمبوج راجہ ایسا زری
کپڑا لایا جو بھیڑ اور بلی کی اون سے بنایا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
سوئے سے زری کرنیکا ہنر بھی اسوقت معلوم تھا۔ رنگ سازی کا ہنر بھی پایا
جاتا تھا۔ اور سب رنگ نباتات سے بنائے جاتے تھے۔ نقاشی کا ہنر
بھی موجود تھا مگر بعد میں اسکا زوال ہوگیا۔ ان لوگوں کو دھاتوں کا علم
بہت پرانے زمانے سے تھا۔ چھاندوگیہ اپنشد میں ایک شلوک ہے

"جیسے سونا نمک سے ملایا جاتا ہے۔ چاندی سونے سے۔ جست چاندی سے
سکہ جست سے۔ لوہا سکے سے لکڑی لوہے سے اور چمڑا لکڑی سے"
مشرقی اور شمالی راجاؤں کے شہر کے لئے خوبصورت تلواریں کرسیاں ہاتھی
دانت کے بنے ہوئے سنہری بستر سے اچھے رتھ اور مختلف قسم کے
تیر لائے۔ سونا۔ جواہرات اور موتی باہر جاتے تھے۔ مکانات عموماً
پتھر کے ہوتے تھے۔ مہابھارت میں جلنے والے مکان کا ذکر ہے جس میں
مٹی کی دیواریں تھیں۔ ویش لوگ پہلے کھیتی اور تجارت کیا کرتے تھے
آہستہ آہستہ ویشوں کا کام صرف تجارت ہو گیا۔ خرید و فروخت اور باربرداری
کے لئے چارن اور بنجارے لوگ تھے جو بیلوں پر مال لیجایا کرتے تھے۔ روپیہ
سود پر دینے کا رواج بہت پرانا ہے۔ منوسمرتی میں کہا ہے کہ جب روپیہ
سمندر پار سوداگری کے لئے لیجایا جائے تو سود کی شرح زیادہ ہونی
چاہیئے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ غیر ممالک سے بھی تجارت ہوا کرتی تھی۔

## شکل و شباہت اور لباس

سکندر کے مورخوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ تمام ایشیائی قوموں میں سے ہندستانی
قد میں اچھے اور طاقت میں زیادہ مضبوط تھے۔ میگستھینز کہتا ہے لوگوں
کے پاس خوراک بہتات سے ہے اس لئے وہ معمولی قد و قامت سے بڑھ کر
ہیں اور بہادرانہ چہرے کے لئے مشہور ہیں۔ یہ لوگ جسم کو تیار کرتے تھے
بہادر بننا چاہتے تھے۔ اور اس کے لئے ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرتے
تھے۔ اپنی نسل کی ترقی کرنا چاہتے تھے۔ ان میں مختلف قسم کی ورزشوں
کا رواج تھا۔ کرشن اور بلرام خود بڑے ورزش کرنے والے تھے۔ متھرا
کا راجا کنس دو بڑے پہلوان رکھتا تھا جنکو کرشن کے واسطے مارنا ضروری

تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ کنس پر حملہ کرے میرا سندھ کے پاس بھی ہنس اور
ڈمبھ دو بڑے پہلوان تھے۔ وراٹ کے دربار میں کئی پہلوان تھے۔
جن میں کیچک سب سے بڑا تھا جسے بھیم نے مار ڈالا۔ دریودھن خود بڑا
پہلوان تھا اور گرز سے لڑا کرتا تھا۔ لڑائی کے لئے طاقت کا ہونا ضروری
تھا۔ ہاتھیوں کے ساتھ لڑنا آریوں میں ایک بڑا ہنر گنا جاتا تھا۔ پورس کا
قد و قامت اور جسم دیکھ کر سکندر حیران رہ گیا اور اس کے دلیرانہ جواب
سے ایسا خوش ہوا کہ اس کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا۔ یونانیوں
نے یہ بھی دیکھا کہ پنجاب میں ایک قبیلہ سوفائٹ (راماین کے اشوپتی)
خوبصورتی کا بڑا شائق تھا۔ جو سپارٹن لوگوں کی طرح بدصورت اور کمزور
بچوں کو مار دیتے تھے۔ اس زمانے میں لوگوں کا رنگ عام طور پر سفید
تھا۔ مگر اس وقت کالے یا نیلے رنگ کی عزت ہونے لگی تھی۔ کرشن، ارجن
بیاس، دروپدی کا یہی رنگ بتایا گیا ہے۔ یدھشٹر اور بھیم کا رنگ سونے
کی طرح چمکتا تھا۔ نکل اور سہدیو خوبصورتی میں لاثانی تھے۔ یونانیوں نے
یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستانی بڑی عمر تک زندہ رہا کرتے تھے۔ ایک
قبیلہ سرلی کی بابت کہا ہے کہ اس کے لوگ ۱۳۰ برس تک زندہ رہتے
تھے۔ سو برس سے زیادہ زندہ رہنا معمولی بات تھی۔ کرشن ۱۲۰ سال
زندہ رہا۔

مردوں کا لباس بہت سادہ تھا۔ دو کپڑے یعنی ایک کمر کے گرد لپیٹا
جاتا تھا اور دوسرا اوپر کے حصے کے لئے جس میں دائیاں ہاتھ کھلا
حرکت کرتا رہتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کپڑا کاٹنے
اور سینے کا ہنر معلوم نہ تھا۔ مہابھارت میں درزی کا ذکر ہی نہیں آتا۔

بلند گیند کے ساتھ کھیلنا اس وقت بچوں میں عام تھا۔ کورو شاہزادے گیند کھیل رہے تھے جب

درزی کا کام دارا کے وقت میں یونانیوں کے وقت
میں پنجاب میں جاری ہوا۔ عورتوں کا لباس بھی بغیر کٹے اور بنا سئے دو ٹپے
کپڑے ہوتے تھے۔ نیچے کا کپڑا ایسے لگایا جاتا تھا جس سے بازو ننگے رہیں
جیساکہ آجکل بھی گجرات اور مہاراشٹر میں رواج ہے۔ جب ننگی کی جانے کے
لئے دروپدی سبھا میں لائی گئی تو وہ بار بار کہتی رہی کہ وہ ایک وستر ہے
اور وہ ایک کپڑا ایسا تھا جو کھینچا جا سکتا تھا۔ عام طور پر عورتیں سر ننگا
رکھتی تھیں۔ بالوں کے بیچ میں ایک لکیر تھی دو ہوا یہ لکیر غور رکھتی تھیں
مرد سر پر پگڑی پہنا کرتے تھے۔ بھیشم اور ارجن پگڑی پہنے ہوئے میدان
میں آئے۔ ایرین کہتا ہے ہندوستانی روئی کا ایک کپڑا پہنتے ہیں جو انکے
گھٹنے اور گٹے تک آجاتا ہے اور ایک اوپر کا کپڑا جو کچھ کندھوں پر اور
کچھ سر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں" ہندوستانی لباس روئی سے بنا ہوا ہوتا
تھا جو کہ ہندوستان سے باہر نہ ہوتی تھی۔ اس لئے یونانیوں نے کہا ہے
"ہندوستانی لباس اس اون سے بنتا ہے جو درختوں پر ہوتی ہے"
امیر لوگ اور خاص کر عورتیں ریشمی لباس پہنتی تھیں۔ پنجاب۔ کشمیر اور
قندھار میں اون کا کپڑا بھی استعمال ہوتا تھا۔ ہیراڈوٹس کہتا ہے کہ
"ہندوستانی دریا کے اوپر پیدا ہوئے ایک گھاس سے بھی ایک کپڑا
بناتے تھے" ایرین کہتا ہے "وہ سفید چمڑے کی جوتیاں پہنتے ہیں
جن کے تلے بڑے موٹے ہوتے ہیں" امیر اور غریب میں لباس فرق
کپڑے کی بناوٹ میں ہی ہوتا تھا۔ لوگوں کو سونے چاندی کے زیور
پہننے کا شوق تھا۔ یونانیوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اگرچہ
ہندوستانی اور سب باتوں میں سادہ تھے مگر انہیں زیوروں کا بہت

شوق تھا۔ کرسیوں کی جگہہ پیڑا استعمال ہوتا تھا۔ ا جا کر مچان پر بٹھایا جاتا تھا۔ جس پر گدیاں وغیرہ لگائی ہوئی ہوتی تھیں۔

## خوراک اور عام اطوار

میکس مولر نے ایک جگہہ کہا ہے: "اخلاقی لحاظ سے حیوانی خوراک چھوڑ کر دیجی شیرین پن جانا کیسا اعلیٰ ہے مگر کون نہیں جانتا کہ ہندوستانیوں نے ایسا کرنے میں اپنی پولیٹیکل آزادی کو قربان کر ڈالا؟"

مغربی عالموں کا خیال ہے کہ گوشت آریوں کی خوراک کا بڑا حصہ تھا۔ اسے وہ دماغ کی طاقت بڑھانیوالا سمجھتے تھے۔ یدھشٹر نے اشومیدھ یگیہ میں اتنے پرندے اور جانور بلیدان کئے گئے تھے کہ جنکا کوئی شمار نہیں۔ جو جانور یگیہ میں مارے جاتے تھے ان کا گوشت کھایا جاتا تھا۔ اس زمانے کے آخیر میں حیوانی خوراک کے برخلاف جذبہ بڑھ گیا۔ منو کہتا ہے کہ گوشت کھانا اور شراب پینا معمولی بات ہے کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں ہے مگر ان سے پرہیز کرنا بہت اچھی بات ہے۔ مہا بھارت میں بھی دونوں خیال پائے جاتے ہیں ایک جگہہ تو یہ بتایا ہے کہ برہمن اور کشتری کو کون کون سے جانور کھانے چاہئیں تو دوسری جگہہ بھیشم یدھشٹر سے کہتا ہے "جو شخص بدھی، بیوں اور خوبصورتی چاہتا ہے اسے گوشت نہ کھانا چاہئے۔" یگیہ میں مارا ہوا اور شکار کر کے کھانا پاپ نہ سمجھا جاتا تھا۔

شراب کا استعمال بھی اس زمانے میں موجود تھا۔ یادو اور ورشنی بڑے شراب پینے والے لوگ تھے۔ پنجاب کے آریوں نے کھانے پینے کی عادت کو کم چھوڑا۔ اس لئے ان کی عزت کم ہونے

گی ۔ شلیہ پرب میں لکھا ہے "ایک موقعہ پر بارہ سال تک قحط پڑا
براہمن لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے کچھ برہمن سرسوتی کے کنارے پر
رہ گئے وہ مچھلی کھاتے تھے اور ویدیا درکھتے تھے۔ قحط کے بعد جب برہمن
واپس آئے تو انہوں نے ان سُرسوت براہمنوں سے وید کو پڑھا۔
چاول کھانا معمولی بات تھی۔ ویرت راشٹر ودیودھن سے سوال کرتا ہے
جب وہ یدھشٹر کے راج سویہ یگیہ سے واپس آیا۔ "تم چاول گوشت
کے ساتھ کھاتے ہو پھر کیوں کمزور ہو رہے ہو؟"
صرف یگیوں کے موقعوں پر ہی ایک دستر ہوا کرتے تھے۔ یونانی
کہتے ہیں "ہندوستانیوں کے کھانے کا کوئی وقت مقرر نہیں"+
درون پرب میں بیان کئے یدھشٹر کے روزانہ فرائض سے اس زمانے
کی زندگی کا نقشہ معلوم ہوتا ہے "یدھشٹر سویرے اٹھتا تھا ضروریات
سے فارغ ہو کر اشنان کو جاتا۔ غسلخانے میں ۱۰۸ نوکر خوشبودار تیل اور
پانی سے نہلاتے تھے۔ اس کے بعد ایک سر پر پگڑی پہناتا جسکے بعد تازہ
دھلے ہوئے کپڑے پہنکر مالا ڈالکر کچھ دیر تک دھیان میں مشغول ہوتا
تھا۔ اس کے بعد یگیہ کنڈ میں گھی دھارا ڈالتا۔ پھر دوسرے کمرے میں
جاکر پھل اشرفیاں وغیرہ دان کرتا۔ جس کے بعد ایک اور صحن میں آتا
جہاں اس کے لئے سنہری تخت بچھا تھا۔ نوکر موتیوں سے بھرے زیور
لے آتا۔ جن سے وہ اپنے کو آراستہ کرتا۔ اس کے سر پہ سنہری چنور
ہوتا تھا۔ جہاں پر راگیوں کا راگ سنتا تھا۔ جبکہ کنڈل پہنے ہوئے
تلوار لگائے ہوئے ایک جوان حاضر ہوا اور ڈنڈوت کرکے کرشن اور
ارجن کا آنا ظاہر کیا" عام چیز تر بڑا اعلیٰ تھا امتیازی اس درجہ کی تھی

کہ یونانی دیکھکر حیران رہ گئے۔ مہابھارت کی تقریر کرنے والوں میں صاف بیانی بھی کمال درجہ کی ہے کہیں جھوٹ اور خوشامد کا نام تک نہیں دکھائی دیتا۔ مہا پرب میں شنشوپال کا قصہ اور یوگ پرب میں کرشن کی سفارت کے موقع پر تقریریں اس کی مثالیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اگر کھشتری کو شراب پینے یا جوا کھیلنے کی دعوت دیجائے تو وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ غصہ کے وقت ہاتھوں سے مونچھوں کو دبانا اور دانت پیسنا۔ خوشی کے وقت چہرے ہلانا ایکدوسرے کی ہتھیلی پر مارنا معمولی حرکات تھیں۔ مہابھارت میں تقدیر اور تدبیر کے درمیان بحث کے موقع پر بھیشم پتامہ کہتا ہے۔ "لکشمی اس میں رہتی ہے جو بیدار مغز ہے اور جس کے کام کی کھلی نیت ہے۔ اس میں جو سست ہے"۔ تمام سلسلہ ہی کیرکٹر (چرتر) پر اتنا زور دیا ہے کہ یہ چرتر ہے جو برہمن کو برہمن بناتا ہے ورنہ وہ برہمن نہیں ہے"۔ زندگی کی طرح ان کی موت بھی مردانہ ہوتی تھی کھشتری کے لئے چارپائی پر مرنا بری مصیبت تھی۔ دریودھن نے کہا "کھشتری کو بن میں یا میدان میں پران دینے چاہئیں"۔ برہمن بھی بیماری سے مرنا پاپ سمجھتے تھے اس لئے ڈوب کر یا چتا پر جل کر پران دیتے تھے۔ جب کوئی دنیا سے اداس ہو جاتا تھا تو وہ موت زندگی کی پروا نہ کرکے جنگل کو چلدیتا تھا۔ میدان میں مرے ہوئے جسموں کو کوئی نہ جلاتا تھا۔ بلکہ وہ پرندوں اور جانوروں کی خوراک سمجھے جاتے تھے یہانتک لکھا ہے کہ اس کے لئے نہ کبھی رونا چاہئے نہ فکر کرنا چاہیئے۔ اور نہ کوئی اور رسم ادا کرنی چاہیئے۔ یونانی کہتے ہیں کہ ہندوستانی مردوں کی کوئی یادگار نہیں بناتے وہ ان کی خوبیوں میں اور

دوانن کے گیتوں میں جوان کی یاد میں گائے جاتے ہیں انکی باتیں یاد تھا۔
سمجھتے ہیں۔ ایرین لکھتا ہے: عام لوگ سواری کے لئے گدھے اونٹ اور
گھوڑے رکھتے ہیں۔ امیر لوگ ہاتھی۔ راجہ ہاتھی پر سواری کرتے ہیں
عزت میں دوسرا درجہ رتھ اور چار گھوڑوں کا ہے۔ اونٹ تیسرے درجہ پر
ہے۔ گھوڑے سے گر جانا معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ مویشیوں کے
گلے رکھے جاتے تھے۔ جب نکل گوؤ نکار کھوالا بن کر دراٹ کے پاس گیا
تب اس نے کہا "دھرما جا یدھشٹر کے لاکھوں گلوں کا نگہبان تھا
ہر ایک گلے میں ایک ایک ہزار پشو تھا اور وہ پشوؤں کی تعداد بڑھاتا
اور ان میں بیماری کو روکنا جانتا تھا۔ استریوں کو گانا بجانا سکھایا جاتا تھا۔
ارجن نے دراٹ میں جا کر یہ کہا کہ میں عورتوں کو گانا بجانا سکھاؤں گا۔ رامائن اور
مہابھارت میں عورت خاوند کا واحد نام لیکر بلاتی ہے۔ کنبہ میں اپنے
رشتہ داروں اور دوستوں سے کوئی شرم نہ تھی۔ آزادی سے بات چیت
کی جاتی تھی۔ باغ بڑے شوق سے لگائے جاتے تھے۔ عورتیں بڑے
شوق سے اس باغ میں ہوا خوری اور کھیل کے لئے جایا کرتی تھیں۔ پنجاب
کے لوگ رامائن اور مہابھارت میں ہاتھ سے پانی پینے کے لئے مشہور
تھے۔

اس زمانے کے اخیر میں لوگوں کے اندر اخلاقی گراوٹ زور سے آرہی
تھی۔ اس کی ایک اعلیٰ تصویر مہابھارت کے شانتی پرب کے ۲۲۸ میں
وہی ہے "جب بدھی مان لوگ پرانے زمانے کے نیک آدمیوں کی کتھا
جاتے تھے۔ نکمے آدمی ان پر ہنسنے اور حسد کرنے لگے۔ نوجوانوں نے
بڑوں کا ادب چھوڑ دیا۔ آزاد آدمی نوکروں کا کام کرنے لگے اور ایسے

بے شرم کہ اس میں اپنی توصیف کرتے تھے۔ جو آدمی پاپ سے روپیہ کما کر دولتمند ہو گئے تھے۔ لوگوں کا آدرش بن گئے بیٹے باپ کے فرمانبردار نہ رہے۔ لوگوں نے ماتا پتا۔ آچاریہ۔ بوڑھوں اور اتیتھیوں کی عزت بھی چھوڑ دی لوگوں نے دان دئے بغیر اور دیوتاؤں کا حصہ نکالے بغیر کھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ایسے جانوروں کا گوشت کھایا جو کہ کھانے لائق نہیں مانے گئے تھے۔ کھانے بنانے کی صفائی جاتی رہی۔ سورج ہوتے سونا اور سورج چڑھنے کے بعد جاگنا شروع ہو گیا۔ پڑھے لکھے اور مورکھ ہرمنوں کی تمیز جاتی رہی۔ زیادہ تر لوگ کھیتی کرنے لگے اور مورکھ لوگ شراب کھانے لگے۔ دوستوں نے دوستی کے لئے مدد چھوڑ دی اور اپنے اپنے چھوٹے سوارتھ کے پیچھے پڑ گئے۔ ایک دوسرے کو لوٹنا اور بیوپار میں دھوکا دینا شروع کر دیا۔ بہوئیں اپنی ساس اور سسر کے درمیان نوکروں اور خاوندوں پر حکومت کرنے لگ پڑیں۔ آدمی ناشکر گذار۔ ناستک اور پاپی بن گئے

---

# بودھ کال

## تاریخ کی تقسیم

ہم نے تاریخ کو مختلف زمانوں میں تقسیم کرکے انکے مختلف نام رکھے ہیں۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تاریخ میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا جبکہ ایک زمانہ ختم اور اسیوقت دوسرا زمانہ شروع ہو جاتا ہے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ سپت سندھو میں آریوں کی پیدائش اور سماج بندی کا آغاز کوئی پچیس تیس ہزار سال سے شروع ہوا ہے۔ اس زمانے کی تہذیب کا آدھار وید کے اوپر ہونے سے اسے ہمنے ویدک زمانہ کہہ دیا۔ لیکن آگے آتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کونسا ایک خاص وقت تھا جبکہ ویدک زمانہ بند ہوگیا۔ اور مہابھارت کا زمانہ شروع ہوا۔ مہابھارت کے زمانہ کا شروع بھی کوروں اور پانڈوں کے یدھ سے لگانا بڑی غلطی ہوگی۔ آریہ سوسائٹی کی جو تصویر ہم مہابھارت کی کتاب میں کھچی ہوئی پاتے ہیں اور جسکا ہم نے مختصر سا خاکہ مہابھارت کے زمانہ کے حال میں بیان کیا ہے اس یدھ سے کئی صدیاں پہلے اسی طرح چلی آتی تھی۔ اور یدھ کے بعد بھی کئی صدیاں ویسے ہی قائم رہی۔ ہم اس زمانے کو مہابھارت کا زمانہ اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ اس دورنے میں ایک بڑا حادثہ "مہابھارت کا یدھ" واقع ہوا۔ جس طرح پر یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ آدمی کی عمر میں کونسے دن یا کونسے سال میں بچپن ختم ہو جاتی ہے اور جوانی شروع ہو جاتی ہے یا جوانی ختم ہوکر بڑھاپے کا آغاز ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے

ہمارے دلمیں نہیں - جوانی او بڑھاپے کا خصوصیت کے ساتھ جدا الفتہ آجاتا ہے بچپن آہستہ آہستہ جوانی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جوانی آہستہ آہستہ بڑھاپے میں بدل جاتی ہے یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس میں ہم شروع اور خاتمہ کا کوئی وقت مقرر نہیں کر سکتے - تاریخ کا بھی بعینہ یہی حال ہے ایک زمانہ آہستہ آہستہ دوسرے زمانے میں بدل جاتا ہے

مہابھارت کے بعد کے زمانہ کو ہم نے بدھ دور کا نام دیا ہے اس سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسکا آغاز مہاتما بدھ سے ہوا - اور اسکا سارا تعلق بدھ مذہب سے ہے - برخلاف اس کے جو تصویر ہمارے سامنے اب آئے گی وہ مہاتما بدھ کے جنم سے پہلے اسی شکل میں تھی اور بدھ مذہب کے زوال کے بعد بھی اسی قسم کی رہی - اگرچہ مہاتما بدھ نے اپنے بڑے تیاگ اور تپ کے بل سے ایک بڑا انقلاب پیدا کر دیا لیکن ہم جانتے ہیں کہ جسطرح مہاتما بدھ نے اپنے بھکشوؤں کی منڈلی بنا کر جگہ جگہ اپنی روشنی کی بابت تعلیم دینی شروع کی - اسی طریقے پر فلاسفی کے مختلف فرقوں کے آچاریہ اپنے اپنے شششوں کی منڈلیوں کو ساتھ لئے ہوئے گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھرا کرتے تھے اور اپنے مت کی تعلیم دیکر اپنے نئے نئے چیلے پیدا کیا کرتے تھے - اس زمانے کا بڑا واقع بدھ مذہب کی ابتدا اور پھیلاؤ ہے - لیکن اس کے ساتھ اس زمانے میں بدھ مذہب کے مقابلے پر ہندو جیون کا بڑا پر اتھان بھی پایا جاتا ہے - بدھ راجاؤں کے ساتھ ہی بڑے ہندو راجا پیدا ہوئے جنہوں نے ہندو قومیت اور تہذیب میں جان ڈال دی - ان دونوں طاقتوں کے درمیان کئی صدیوں تک جدوجہد ہوتی رہی - اس زمانے کے شروع یعنی اقوام کے حملے

ہوئے جن میں سکندر کا حملہ بڑا مشہور ہے۔ اس زمانے کے درمیان میں
تاتاریوں (ہونوں) کے حملے ہوئے۔ اس کے آخیر میں شمال مغرب سے
اسلام کے حملوں کی لہر شروع ہوئی یہ حملے بھی اسی زمانے کا ایک حصہ ہیں

## پنجاب میں بیرونی حملے

بودھ کال کے شروع میں پہلی دفعہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی غیر قوموں نے اس ملک پر حملے کئے اور اس کی دنیا سے علیحدگی کو دور کیا۔ ویدک زمانے میں ہم نے دیکھا کہ سپت سندھو کے آریوں کی ایک شاخ جن کو پنی کہتے تھے اور جن کا خاص کام سمندر کے ذریعے تجارت کرنا تھا۔ آریہ تہذیب کو دکن میں اور دکن سے لے کر بیبے لونیا اور مصر میں پھیلاتے رہے۔ مہابھارت کے زمانے میں ہمیں اتنا پتہ لگتا ہے کہ جب یدھشٹر نے راجسو یہ یگیہ کرنا چاہا تھا۔ تو چاروں بھائی ملک کے سب کونوں میں یدھشٹر کا گھوڑا پھراتے ہوئے راجوں سے نذرانے وصول کرتے رہے۔ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت ارجن وغیرہ ہندوستان کے ساتھ کے ملکوں میں بھی گئے ہوں کم از کم اتنا ضرور ہے کہ لنکا کے ساتھ۔ جاوا۔ بالی وغیرہ تمام ٹاپوؤں میں ہندو تہذیب پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ جب چوتھی صدی میں فاہیان جاوا میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں ہندو دہرم اور تہذیب زوروں پر ہے اس کے بعد اس ملک نے ایک قسم کی علیحدگی اختیار کر لی اور مدت تک بیرونی دنیا سے اسکا کوئی تعلق نہ رہا۔ اس زمانے کے شروع میں باہر کی اقوام تھیں جنہوں نے آکر ہندوستان کو تھوڑی بہت حرکت دی۔ چرچ کا مورخ یوسی بس کہتا ہے "۱۸۰۰ قبل مسیح میں مصر میں ایک بادشاہ سی آسٹرس ہوا۔ جو کہ بڑا فاتح تھا اس نے سارا ایشیا فتح۔ اس نے پنجاب پر

بھی حملہ کیا اور گنگا تک ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد پنجاب پر اسیریا کی ایک
ملکہ سیمی رامس کے حملے کا ذکر پایا جاتا ہے یہ ملکہ ۸۰۰ قبل مسیح میں نینوا کے
تخت پر بیٹھی۔ اسکا خاوند ننالی نس تھا جس نے سب سے پہلے دنیا کی سلطنت کو ایشیا
میں شامل کر کے نینوا شہر بسایا تھا"۔ اس کے حملے کا منہ و پہلو تو یہ ہے
کہ سندھ کے پاس ویرسین نامی ایک راجا تھا۔ اس نے نکوہ ستھان (مکہ)
کی بادشاہی اور کیشور سے خوش ہو کر اسے ستھاورپتی (یونانی سپڑا بے لس
ستیہ ملکسکہ دی) بنا دیا۔ اس نے سنا کہ ملکہ سیمی رامس پنجاب پر حملہ کرنا
چاہتی ہے اس لئے اس نے اسیریا پر حملہ کر کے اسے بڑی شکست دی
جس پر ملکہ نے اس کی اطاعت مان لی۔ لیکن یورپی بیان اور ہے اسمیں
پایا جاتا ہے کہ ملکہ نے پنجاب پر حملہ کیا اسے دریائے سندھ اور جنگلی ہاتھیوں کی
دو بڑی دقتیں پیش آئیں دریائے سندھ عبور کرنے کے لئے اپنے فنیشیا
سے جہاز بنوانے والے منگوا کر کشتیاں بنوائیں اور ان کے لئے لکڑی حاصل
کرنے کے لئے بلخ کا سارا جنگل کاٹنا پڑا۔ ستھاورپتی نے سندھ پر کشتیوں
اور ہاتھیوں کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا فنیشین لوگوں کا جہازی انتظام بہت
اعلیٰ تھا۔ راجہ دریا پر ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ملکہ پل بنوا کر پار ہوئی۔ اونٹ کے
اوپر چمڑے ڈال کر ہاتھیوں کے مقابلے میں جھوٹے ہاتھی بنا لئے۔
جب ہندوستانیوں کو یہ معلوم ہوا ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے
بڑے زور سے حملہ کیا۔ ملکہ خود بہادری سے لڑی۔ راجا نے اسکو بھالے سے
دو چوٹیں دیں۔ ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ ہزاروں دریا میں غرق ہوئے
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملکہ خود بھی وہاں ماری گئی۔
کہا جاتا ہے ۵۰۰ قبل مسیح فریدون بادشاہ کے وقت میں ایرانیوں نے

قنوج پر حملہ کیا۔ اور ۵۱۲ قبل مسیح میں دارا اول نے اپنے ایک جرنیل کو
جہاز دیکر سندھ کا دہانہ دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جسے دریافت کرکے
اڑھائی سال میں وہ سوسہ واپس پہنچا۔

تاتار کا پہلا بادشاہ اوغاز ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے خراسان۔
عراق۔ آزربائیجان۔ آرمینیا وغیرہ فتح کرکے پنجاب کا رخ کیا۔ کابل اور
غزنی فتح کرکے کشمیر پر حملہ کیا۔ جگما کشمیر کا ہندو راجا تھا۔ اس نے بڑی بہادری
سے مقابلہ کیا مگر ہار گیا۔ تاتاریوں کا یقینی حملہ ۰۵۶ قبل مسیح ہوا۔ تاتاری
وحشیوں کے گروہ سندھ کے کنارے پنجاب کی زمین پر قابض ہوگئے
ایران کے بادشاہ شنک سیرد ( [illegible] ) نے ان تاتاریوں
کو شکست دی۔ اور یہ ہارے ہوئے سپاہی بھی پنجاب کو آگئے۔

سنسکرت میں تاتاریوں کو ہون کہا ہے۔ پرانے کتبوں میں ان ہونوں
کے ساتھ مقابلے کا ذکر بھی آیا ہے۔ شمالی اور جنوبی لوگ انکو "جھٹی" کہتے
ہیں اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ پنجاب کے جاٹ اس نسل سے ہیں۔
اور سٹریبو یہ بھی کہتا ہے کہ راولپنڈی کے ٹیکسلا یا تکشیلا اسی نسل سے تھے
جو ۶۰۰ قبل مسیح وہاں آباد ہوئے اور جنہوں نے شہر کو اپنا نام دیا

## مہاتما بدھ کی پیدائش

ہم نے دیکھا ہے کہ مہا بھارت کے
زمانے کے آخیر میں ہندوؤں کے اندر
گراوٹ شروع ہوگئی تھی۔ برہمنوں نے اپنے آپکو ایک اونچی اور علیحدہ
ذات بنانے کے لئے سخت جدوجہد شروع کردی تھی دوسرے لوگ دوبارہ
بڑھ کر براہمن بننا چاہتے تھے اور برہمن انہیں اپنی ذات میں شامل
نہیں ہونے دیتے تھے۔ انہوں نے دھرم کو ایسی پیچ در پیچ رسموں میں

جگہ دیا کہ لوگوں کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ آیا رام کانند کا اصلی دھرم سے کچھ تعلق
بھی ہے یا نہیں۔ یگیوں کے اندر جانوروں کی قربانی اس حد تک ہونے لگی
کہ تمام لوگ اس سے متنفر ہوگئے۔ نیز گرہستھوں کا پرچار ہونے سے
نشہ خوری بہت بڑھ گیا۔ اور اصلی پاکیزگی دور ہوگئی۔ ہندوؤں کی یہ حالت
تھی جبکہ نیپال کے دامن میں کپل وستو کی راجدھانی میں شدھودھن راجا
کے ہاں ۶۲۲ قبل مسیح میں ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام انہوں نے
سدارتھ رکھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں اس لڑکے کی شادی کولی کے راجا کی
بیٹی یشودھرا کے ساتھ ہوئی۔ بچپن سے ہی اسکا دل فکر اور دھیان میں
لگا رہتا تھا۔ ایک قصہ ہے کہ وہ اپنے چچا کے ساتھ شکار کو گیا۔ ایک پرند
کی تڑپ کو دیکھکر اس کے دل پر بڑی چوٹ لگی۔ اسے یہی خیال رہنے لگا کہ
سنسار دکھ اور پاپ کا گھر ہے۔ زندگی پر یہ سوچتا ہوا کہتا تھا کہ یہ زندگی
ایک چنگاری کی طرح ہے جو لکڑی کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے اور پیدا
ہوتے ہی بجھ جاتی ہے۔ ۲۹ سال کی عمر میں اس نے ایک بوڑھے بیمار
اور مردہ آدمی کو دیکھا اس سے اس کے دل میں دنیا سے نفرت پیدا ہوگئی
اس نے کہا دھکار ہے اس دنیا کو جو دکھ کا گھر ہے اور دھکار ہے
اس زندگی کو جو سوچن کا گھر ہے۔ اسی وقت ہی اس نے تیاگ کا ارادہ
کر لیا۔ اور جس رات اس کی عورت نے ایک بیٹے کو جنم دیا اس نے باہر
سے ماں اور بچے کو سویا ہوا دیکھکر اور زیادہ پھنس جانے کے ڈر سے گھر
چھوڑ دیا۔ اسے اس کی زندگی میں مہا تیاگ کہا جاتا ہے۔ پہلے کاشی جاکر
برہمنوں سے ملا۔ اس کے بعد چھ سال سخت سے سخت تپ کیا۔ سب قسم
کی مصیبت بھوک پیاس گرمی سردی برداشت کی۔ ایک روز بیہوش ہوکر

کرتا۔ کچھ عورتیں پاس سے گیت گاتی ہوئی گذریں جسکا مطلب یہ تھا "اس رسی کو بہت مت کھینچو کہ ٹوٹ جائے گی۔" اس کو اس نے اپنے اوپر لگا کر تپ کرنا چھوڑ دیا۔ جس سے اس کے چھ ساتھی بے پرواہ ہو کر بنارس چلے گئے۔ گوتم سنسار کے دکھ کا کارن اور اسے دور کرنے کا سادھن ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ اسے اس بات کی فکر لگی ہوئی تھی کہ کس طرح دنیا میں لوگوں کو دکھ سے رہائی دی جائے۔ ٣٦ سال کی عمر میں اسے یہ گیان ہوا کہ یہ سادھن زندگی کی پاکیزگی اور انسانی پریم ہے۔ اسے آکاش بانی ہوئی کہ "تم اس صداقت کا دنیا میں پرچار کرو گے۔" اس پرچار کے لئے اس نے پیلے کپڑے پہن لئے سر منڈوا کر ایک پیالہ ہاتھ میں لے لیا۔ اپنے آپکو بدھ کہکر ۴۴ سال تک جگہہ جگہ پھر کر پرچار کیا راجاؤں اور پرجاؤں کو اپنے راستہ پر لانے کے لئے کوشش کی۔ اجودھیا۔ گیا اور راجگڈھ اس کے کام کے مرکز تھے۔ پانچ ماہ کے اندر اس کے ساٹھ چیلے بن گئے۔ جن میں ایک بڑے دولتمند کا بیٹا یش تھا۔ اس نے سب کو حکم دیا کہ جاؤ سچائی کا پرچار کرو۔ اس کی تعلیم یہ تھی۔ ذات پات کی پرواہ مت کرو۔ کرم کانڈ اور یگیوں کے سہارے کو چھوڑ دو۔ ان کی جگہہ خیال زبان اور فعل کی پاکیزگی کا پرچار کرو۔ لوگ محض اعتقاد سے ہی دھرماتما نہیں بلکہ ان کی زندگی دھرم کی ہو۔ زندگی کا آدرش نروان ۔ یعنی بار بار پیدا ہونے کو روکنا اور اس کے لئے خواہش کو ماردینا تھا۔ زندگی کا پورا پھل دنیا کو ترک کر دینے اور بھکشو بن جانے سے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ بھکشوؤں کی جماعت کو سنگھ کہا جاتا تھا۔ جو ایسا نہ کر سکے اس کے لئے درمیانی راستہ

تھا۔ جس کی آٹھ بڑی منزلیں تھیں۔ سچا وشواش۔ سچا خیال۔ سچا ویک سچا کرم۔ سچا ذریعہ معاش۔ سچا پرشارتھ۔ سچی سمرتی اور سچا دھیان۔ ایشور اور آتما کے وشئے میں بُدھ نے کوئی تعلیم نہیں دی۔ اس کی رائے میں یہ سب چرچے فضول تھے۔ کیونکہ ان کا اثر انسان کی زندگی پر کوئی نہیں پڑ سکتا وہ صرف نیک کام کا پیغمبر تھا۔ آخری رات بھی چیلوں کو اپدیش کرتا تھا اور ان کو الوداع کہکر دھیان میں مگن ہوگیا اور پران دیدیے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں "کوئی چیز قائم نہیں رہتی" اُسکی راکھ گورکھپور کے ضلعے میں کاسیا میں گاڑی گئی۔

**ملک کی حالت**

بدھ کی پیدائش کے وقت ملک میں کئی خود مختار ریاستیں تھیں جن میں سے کئی راجاؤں کے نیچے اور کئی بالکل جمہوری تھیں۔ جن میں لوگوں کا راج تھا۔ ان جمہوری ریاستوں میں مگدھ۔ کوشلوں کی۔ ولسوں کی۔ اونتی کی (اُجّین) مشہور تھیں۔ ان کے علاوہ انگ (بھاگلپور) کاشی۔ وجین (جنمیں آٹھ بڑے قبیلے لچھاوی اور ودیہن وغیرہ شامل تھے) کشی نرا۔ سیتی نیپال کورو ملکی (اندرپرستھ) دو پنچالوں کی (جن کے دار الخلافے کنپلا اور قنوج تھے) سوراسینو ملکی (متھرا) گندھارا (دار الخلافہ تکش شِلا) کمبوجوں کی (دار الخلافہ دوارکا) انکے علاوہ دس اور قبیلوں کا ذکر ہے جو بغیر راجا کے اور جمہوری اصولوں پر قائم تھے۔ ان میں سب سے بڑا شاکیہ تھا۔ اس کی انتظامی اور جوڈیشل کارروائی کا مجمع کپل وستو کے نزدیک عام ہوا کرتا تھا وہ اپنے پردھان آپ منتخب کرتے تھے۔ ان میں سے ایک اجین کو اجات شترو (مگدھ کا راجہ تباہ کرنا چاہتا تھا) اس نے اپنا منتری بُدھ

پھول بیچنے والے - ملاح - مصور وغیرہ پیشہ ور پائے جاتے تھے۔
بدھ کی پیدائش کے وقت مگدھ کی سلطنت بڑے عروج پر
تھی - مہابھارت کے وقت یہاں جراسندھ راج کیا کرتا تھا۔ اس کے
بعد ۱۸ راجاؤں نے حکومت کی ۶۰۰ قبل مسیح میں ششوناگ نے
ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جس کی چوتھی پشت میں بدھ کی پیدائش
کے وقت بمبسار راجا راج کرتا تھا۔
اس کے بیٹے اجات شترو نے بہت سا ملک فتح کیا - اس خاندان کے
آخری دو راجا نندی وردھن اور مہانند تھے - انہوں نے ۸۳ برس
حکومت کی - راجا مہاپدم نے نند خاندان کی بنیاد ڈالی اس کے آٹھ لڑکوں
نے سو سال حکومت کی - یہ نند خاندان نیچ ذات سے تھا - آخری نند بڑا
زبردست راجا تھا - اس کے پاس دو لاکھ پیادہ سپاہ بیس ہزار سوار
چار ہزار ہاتھی اور دو ہزار رتھ تھے - اس کے وقت میں سکندر نے
پنجاب پر حملہ کیا۔

## سکندر کا پنجاب پر حملہ

ایران کی سلطنت بڑی زبردست دریائے
سندھ سے لیکر بحیرہ روم تک پھیلی
ہوئی تھی - مصر بھی اس میں شامل تھا - اس کے ۱۲۰ صوبے تھے
دارا کے وقت سیریا - کوہ قاف کا علاقہ اور ایشیا کوچک کے یونانی
شہر اس کے ماتحت تھے - ۴۹۰ قبل مسیح اسکا یونانیوں کے ساتھ
جنگ ہوگیا اور اس نے یونان پر دھاوا کر دیا - میراتھان اور تھرماپلی
وغیرہ کی لڑائیوں میں یونانیوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے
جو کہ ہمیشہ کے لئے یادگار زمانہ ہیں - اسوقت یونانی ریاستوں میں

ایتھنز اور سپارٹا بڑی زبردست تھیں۔ بعد ازاں انکا باہمی نفاق ہوجانے سے ان میں لڑائیاں ہوئیں جن میں وہ برباد ہوگئیں اور ان کی جگہ مقدونیہ کی ریاست نے ترقی پکڑی۔ اسکا بڑا بادشاہ فلپ تھا۔ جسکا بیٹا سکندر اعظم ۳۵۶ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر کا اتالیق ارسطو تھا۔ جو اسے علیحدہ لے گیا اور اسے گورنمنٹ اور جنگ کے فن میں ماہر کر دیا۔ چھوٹی عمر میں ہی اس نے ایتھنز پر حملہ کرکے فتح پائی۔ اسکا باپ فلپ اس سے خوش ہوا۔ اور بغلگیر ہو کر کہا "میرے بیٹے اپنے لئے کہیں اور سلطنت ڈھونڈو یہ ملک تمہارے لئے بہت چھوٹا ہے"۔

۳۳۶ قبل مسیح میں فلپ کے قتل ہو جانے کے بعد سکندر اس کا جانشین ہوا۔ سکندر نے تھریس فتح کیا۔ تھیبز پر حملہ کرکے ۳۰ ہزار آدمی غلام بنا کے ھیلیاس پوانٹ کو عبور کرکے اس نے لاکھ سے زیادہ ایرانی فوج کو شکست دی۔ اور دارا کے داماد کو خود قتل کیا۔ ایشیا کو چک کو خود فتح کرنے کے بعد اوسا کے مقام پر دارا کو ایک اور شکست دی اسکا کنبہ اور بہت سا سامان سکندر کے ہاتھ آیا۔ دارا اس دریا سے فراط کا علاقہ دیکر اس سے صلح کرنا چاہتا تھا مگر سکندر سارے ایشیا کا دعویدار بنا۔ سکندر کے جرنیل پرمی نیو نے یہ کہکر صلح کی رائے دی "میں سلے منظور کر لیتا اگر میں سکندر ہوتا" سکندر نے اسکا جواب دیا "میں بھی ایسا ہی کرتا اگر پرمینیو ہوتا"۔ اس کے بعد سکندر نے سیریا فی نی شیا کی طرف جاکر دمشق پر قبضہ کیا اور سات ماہ کے محاصرہ کے بعد ٹائر کو فتح کیا جو کہ دنیا کی تجارت کا مرکز تھا۔ یروشلم پر قبضہ کیا مصر سے ایرانیوں کی حکومت ہٹا کر اپنے ساتھ ملایا اور سکندریا شہر آباد کیا۔ پھر شمال کی طرف عراق عرب یا میسوپوٹیمیا

کی طرف بڑھا۔ نینوا سے ساٹھ میل تربیلا کے مقام پر دارا کو ایک بڑی شکست دی اور وہ جنوں کی وجہ سے مرگیا۔ بختریا کا گورنر بیسی ایران کا بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ لیکن بخارا (Sogdiana) کے گورنر نے اُسے گرفتار کرکے سکندر کے حوالے کردیا۔ سکندر نے اُسکا ناک کان کاٹ کر تیسرے دن قتل کرڈالا۔ شراب کے نشہ میں صدر مقام پرسی پولیس کو آگ لگا کر ویران کردیا۔ اس کے بعد سیتھینز کو شکست دیکر دارا کے بھائی اکسی آرتیزا (Oxyartes) کی لڑکی (Roxana) سے شادی کی۔ سوسا کو فتح کیا۔ جہاں جاتا تھا اپنے شہر اور قلعے بناتا جاتا تھا۔ بیستان میں سے گذر کر غزنی اور گندھار کا علاقہ فتح کیا۔ ہند کی بابت اس نے بہت حالات جمع کر لئے تھے۔ دس دن کے اندر ہندوکش پہاڑ سے پار ہوا کابل اور پنجاب کے درمیان کے قبیلے بڑے جنگجو اور بہادر تھے۔ اُنہوں نے اطاعت قبول کر دا کر کابل دریا کے پاس پہنچ کر اس نے اپنے دو جرنیل روانہ کیے تاکہ ملک کی جانچ کریں اور دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل تیار کرائیں۔ خود ہندوکش کے بہادر قبیلے آباسی کی طرف بڑھا۔ سکندر کے جرنیل ٹالمی نے خوب جوانمردی دکھائی۔ لیکن اس قبیلے نے بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا اور چالیس ہزار آدمی کھو کر انکو مطیع ہوا۔ اس لڑائی میں سکندر کو دو لاکھ تیس ہزار بیل لوٹ میں ملے ان میں سے نہایت عمدہ اور خوبصورت چھانٹ کر اس نے مقدونیہ کو بھیجدیے۔ اس کے بعد سکندر گواری قبیلہ کے علاقہ (غزنی) میں سے گذرا۔ انہوں نے ڈر کر ہی اطاعت قبول کرلی۔ وہاں سے چلکر اس نے سندھ کے قریب رائے شی ٹی قبیلے کو مطیع کیا۔ ان کے دارالخلافہ کا نام مگا سا تھا۔ یہاں کی ملکہ اپنے بچے اور

ملک کی حفاظت کے لیے خوب لڑی۔ سکندر کی ٹانگ پر ایک تیر نے
ایسا زخم کیا کہ وہ چلا اٹھا اور کہنے لگا " اگرچہ میں خدا کی جگہہ اور سورج
کے بیٹے کے طور پر پوجا جاتا ہوں لیکن اس زخم کا درد مجھے صاف بتاتا
ہے کہ میں فانی آدمی ہوں " تین دن کے ہی صرے لئے بعد انکو باعزت شرائط
پیش کی گئیں ملکہ اپنی درباری عورتوں کے ساتھ بچہ کو ساتھ لئے ہوئے
سکندر کے پاس آئی اور سونے کے پیالے میں اسے شراب پیش کی۔

اس لڑائی میں سکندر کے برخلاف ایک بڑی دغا بازی کا الزام
لگایا گیا ہے۔ میگاسا کی فوج میں ۲۰ ہزار سوار اور تیس ہزار سپاہی تھے
ان میں سات ہزار کے قریب میدانوں سے آئے تھے شکست ہو جانے
کے بعد انہوں نے سکندر کی فوج میں شامل ہونے کا اقرار کیا۔ سکندر
نے انہیں ایک میل کے فاصلے پر ڈیرہ ڈالنے کی اجازت دی بعد
میں انہیں یہ خیال آیا کہ ان کیلئے ایک غیر ملکی حملہ آور کے ساتھ ملکر اپنے وطن
کے برخلاف لڑنا ٹھیک نہ ہوگا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اسپر سکندر نے
سوتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا انہوں نے ایک حلقہ بنا کر اپنی عورتوں
اور بچوں کو بیچ میں لے کر نہایت دلیری سے مقابلہ کیا اور سارے کے
سارے میدان میں کام آئے۔ اس مقابلہ میں عورتوں نے بھی اپنے
دھرم کو پورا کیا۔ اس کے بعد سکندر باورا اور بذیرا کی طرف بڑھا۔ اورا
پر ہندو شاہی راجہ ابھی سارس حکمران تھا اس نے جوانمردی سے
مقابلہ کیا۔ سکندر کے سپاہی فصیل پر چڑھ گئے اور قلعہ لے لیا جس کے
بعد بذیرا (باجوڑ) خود ہی مطیع ہو گیا۔ سکندر آگے بڑھا اور سندھ کی بائیں
طرف اورنس کا قلعہ لیا یہ جگہہ ہندوؤں کی مہا بادتی جو یوسف زئی

علاقہ میں اب کے قصبے کے قریب ہے۔
سکندر کی فوج نے پکھلی کے علاقہ میں بکلا شہر پر حملہ کیا ایک ماہ تک اسکے جرنیل وہاں مصروف رہے لیکن وہ لوگ سکندر کے آنے تک مطیع نہ ہوئے سکندر نے انکا ملک انکو واپس دیدیا سکندر نے نیارکس اور انٹی اکس کو فوج دیکر روانہ کیا تاکہ آگے کے حالات معلوم کریں اور اندرونی راستہ دریافت کرنے کے لئے جو آدمی انہیں ملیں انہیں گرفتار کریں اور وہ خود نیا سا شہر (سنگر گلناود) کو روانہ ہوا شہر کے لوگوں نے اپنے سردار اور اسکے ساتھ تیس بڑے آدمیوں کو سکندر کے پاس روانہ کیا اور کہا کہ انکا قصبہ بےکس ر ... Ba نی دیوتا کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ سکندر کو اسے پناہ میں لے لینا چاہیئے اور اپنے پورے اور کمزور سپاہیوں کے واسطے آرام گاہ بنا لینی چاہیئے۔ سکندر ان کی تقریر سے خوش ہوا اور انکی درخواست منظور کرلی لیکن یہ شرط پیش کہ وہ تین سوار اور شہر کے ایک سو اچھے آدمی بطور یرغمال اس کے حوالے کردیں۔ اسپر سردار انکا ہنس پڑا۔ سکندر نے اس کی وجہ دریافت کی جبر اس نے کہا تم قیاما میں سے ایک سو کیا دو سو بُرے آدمی حوالے کر سکتے ہیں لیکن اس شہر کی گورنمنٹ کیسے چل سکتی ہے جس میں سے سو اچھے آدمی نکال دیئے جائیں۔ سکندر بہت خوش ہوا اور اس نے وہ شرط بھی ہٹا دی۔
تکس شلا سندھ اور جہلم کے درمیان کا علاقہ تکش شلا کے راجہ کی حکومت میں تھا۔ دریا کابل پر پہنچ کر ہی سکندر نے اسکو اور دوسرے راجاؤں کو اپنے سفیر روانہ کئے کہ وہ اس کے آنے پر اُسے آگے آکر ملیں اٹک سے کچھ فاصلے پر پُل تیار کردیا گیا تھا۔ تکش شلا کے راجہ نے سندھ پار

سونا چاندی کے دو سو سکے، تین ہزار بیل، دس ہزار بھیڑیں، سو ہاتھی اور سات سو سوار سکندر کی نذر کئے اور ہر طرح سے مدد کے لئے تیار ہو گیا یہ راجا جہلم کے بادشاہ پورس اور پہاڑی راجا ابھی سار سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے سکندر سے کہا "تمہارے اور میرے درمیان جنگ کی کیا ضرورت ہے۔ اگر تم ہم سے روٹی اور دوسری ضروریات چھیننے نہیں آئے ہو؟ عقلمند آدمی صرف ان کے لئے لڑنا پسند کرتے ہیں باقی رہا سونا چاندی۔ اس کی بات یہ ہے کہ اگر میرے پاس زیادہ ہوگا تو میں حوالے کر دینے کو تیار ہوں اور اگر تمہارے پاس زیادہ ہوگا تو مجھے تم سے لینے میں کوئی عذر نہ ہوگا" سکندر نے کہا "ایسی نرمی کر کے تم لڑائی سے بچ نہیں سکتے۔ غلطی میں مت رہو میرے تمہارے درمیان لڑائی ضرور ہوگی۔ لیکن اب مہربانیوں کا مقابلہ ہے میں تم کو فیاضی میں بھی بڑھنے نہ دونگا" اس کے بعد اسے بہت سے تحفے تحائف دیے۔ فروری ۳۲۶ قبل مسیح میں سکندر نے ایک لاکھ دس ہزار پیادہ اور پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ سندھ پار ہو کر پنجاب کی سرزمین میں اپنا قدم رکھا۔ جنگ اور فتح کے دیوتاؤں کے لئے بڑی قربانیاں کی گئیں۔ ابھی سار کا پہاڑی راجا بھی مطیع ہو گیا پھر ٹیکسلا میں سکندر کا بڑا استقبال کیا گیا۔ یونانی لکھتے ہیں کہ یہ ملک مصر سے بھی زیادہ زرخیز تھا۔ یہاں پر گکھڑ وغیرہ کئی قبیلوں کے سفیر سکندر کو ملے اس نے ان سے نذرانے لیکر تحفے تحائف بدلے میں دیئے۔ اکیلا ایک پورس تھا جس نے اپنے ملک اور قوم کی آزادی کے لئے لڑنا مناسب سمجھا۔ اس نے سکندر کو کہلا بھیجا "میں اپنی

عدہ پر آپ سے ملونگا۔ ہتھیاروں کے ساتھ ہماری ملاقات ہوگی"۔ ساتھ
ہی اس نے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس کی فوج تیس ہزار سپاہ
سات ہزار سوار اور تین سو رتھ اور دو سو جنگی ہاتھی تھے۔ یونانی فوج
مئی میں جلالپور کے پاس جا پہونچی۔ سکندر کشتیوں کے ٹکڑے کر کے
اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ موسم برسات زوروں پر تھی۔ دریا میں طوفان
تھا۔ اس کے سارے گذرگاہ بڑے محفوظ تھے۔ پورس کو دھوکہ
میں رکھنے کے لئے سکندر ادھر ادھر پھرتا رہا۔ ورنہ یہ افواہ مشہور کر دی
کہ موسم برسات گذر جانے پر حملہ کیا جائیگا۔ پورس نے احتیاط کم کر دی
سکندر نے ایک اندھیری رات کو جہلم سے ۱۶ میل کے فاصلے پر دریا
کو عبور کیا۔ یہ خبر سنتے ہی پورس نے اپنے بیٹے کو فوج دیکر ادھر روانہ کیا
سکندر آگے آ چکا تھا لڑائی شروع ہو گئی جس میں پورس کا بیٹا مارا گیا
پورس خود آ پہونچا۔ لڑائی کا حال کرٹس روفس لکھتا ہے۔ جب مطلع صاف ہوتے ہی
پورس نے دشمن کو دیکھا تو اس نے سو رتھ اور پچاس ہزار سوار روانہ کئے
ہر ایک رتھ کو چار گھوڑے لے جاتے تھے۔ اس میں چھ آدمی تھے۔ دو
ڈھالوں والے دو تیر چلانے والے اور دو رتھوائی (جب لڑائی ہاتھو
ہاتھ ہوتی تھی۔ رتھوائی بھی گھوڑوں کی باگ چھوڑ کر لڑائی میں لگ جاتے
تھے) اسدن رتھوائی بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ غیر معمولی برسات سے
بن سنبھلنے والی ہوگئی۔ گھوڑے چل نہ سکتے تھے۔ رتھ کیچڑ میں پھنس
جاتے تھے۔ سکندر کے سپاہی بڑی تیزی سے حملہ کرتے تھے کیونکہ
ان کے ہتھیار بہت ہلکے تھے۔ پہلے سیتھین اور داہی سواروں نے حملہ
کیا اس کے بعد پرڈکاس (Perdiccas) نے داہنی طرف حملہ

گیا اور رتھوں نے جوش میں آکر دھاوا بول دیا اور مقدونیہ کی پیدل فوج کو کچل ڈالا۔ لیکن زمین کے پھسلنے والی ہونے کے سبب تھوڑی ہی نیچے آگرے۔ کئی گھوڑے گھبرا گئے اور سواروں کو دریا میں جا ڈبویا۔ کچھ بچ کر واپس ہٹ گئے۔

مہابھارت میں صاف ہدایت ہے کہ کونسے موسم میں کونسی فوج استعمال کرنی چاہیے۔ "ہاتھی قلعوں اور ناقابل گذر جگہوں کے لئے سوار اور رتھ خشک موسم میں خشک زمین پر کام آتے تھے"

پورس نے اسکا خیال مطلق نہ کیا۔ جہلم کی لڑائی عین موسم برسات میں تھی اور رتھوں کو ناہموار اور گڑھوں والی زمین پر چلنا پڑتا تھا ایک بڑی سخت لڑائی کے بعد جس میں بیس ہزار سے اوپر آدمی مارے گئے۔ پورس زخمی ہوگیا اور پکڑا ہوا سکندر کے پاس لایا گیا۔ سکندر نے بڑی عزت کے ساتھ اسکا استقبال کیا۔ اسکا قد سات فٹ چھ انچ اور جسم ایسا سڈول تھا کہ اس کی شکل دیکھکر سکندر پر بڑا اثر ہوا۔ اسکی دلیری بھی کمال کی تھی۔ جب سکندر نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے تو اس نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ وہ سلوک کرو جو بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں"! سکندر نے کہا "وہ تو میرا کام ہے تم اپنی خواہش بتاؤ" پورس نے کہا "میرے پہلے جواب میں سب باتیں آجاتی ہیں"۔ سکندر اس سے اتنا خوش ہوا کہ اسے اس کے ملک کے علاوہ اور بھی بہت سا علاقہ دیدیا۔ فتح کی یادگار میں سکندر نے دو شہر باسی رفلس اور نائس (موجودہ مونگ) آباد کئے۔

یونانیوں کی رائے میں دوابہ پنجاب بڑا خوبصورت اور زرخیز میدان

علاقہ تھا۔ اس میں سینتیس ۳۷ شہر تھے جن میں سے ہر ایک میں پانچ ہزار سے
زیادہ آبادی تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار گاؤں تھے۔ جولائی میں
سکندر نے چناب عبور کیا۔ چناب اور راوی کے درمیان کا علاقہ ایک
راجہ کے نیچے تھا جسکا نام بھی پورس کہا جاتا ہے۔ وہ سکندر کے ڈر
سے بھاگ گیا۔ لاہور سے قریب ہی سکندر راوی پار ہوا۔ جہاں پر
ایک قبیلہ کیتھی آباد تھا۔ جسکا صدر مقام سنگھالا (سانگلا) تھا۔ دوسرے
قبیلے ملی (ملتان یا مالی ستھان کے قریب رہنے والا قبیلہ) اور تیسرے
آکسی ڈرکی (کشودرک یعنی بیاس کے پاس رہنے والا) تینوں قبیلوں نے
سکندر کے خلاف سازش کی۔ سکندر نے سنگھالا کا محاصرہ کیا۔ لوگ
بڑی بہادری سے لڑے مگر ان کے ہتھیار صرف تیر کمان تھے جنکا اثر یونانیوں
کے زرہ بکتر پر کچھ نہ ہوا۔ سترہ ہزار ہندوستانی سپاہی مارے گئے اور ستر ہزار گرفتار
ہوئے۔ سنگھالا گرا دیا گیا۔ اور نزدیک کے شہروں میں قتل عام کیا گیا
اس لڑائی سے راوی اور بیاس کے درمیان کا سارا علاقہ مطیع ہو گیا
دریا کے ساتھ کے علاقہ میں ایک خوبصورت قبیلہ آباد تھا۔ جن کا اخلاق
اور قانون بہت اعلیٰ تھا۔ بادشاہ کا نام سوفائی ٹیس تھا سکندر کے
آنے پر اس نے دروازے کھول دئے اور اپنے دو خوبصورت بیٹوں کو
ساتھ لیکر اپنا تاج سکندر کے پاؤں پر رکھ دیا۔ تاج ہیروں سے
چمکتا تھا۔ راجہ نے ایک لمبا چوغہ پہنا ہوا تھا جو اس کے پاؤں تک
جاتا تھا۔ چوغہ پر زری کا کام تھا۔ اس کی کھڑاؤں پر موتی جواہرات
جڑے تھے اس کے کانوں میں دو گرانبہا خوبصورت ہیرے تھے
سکندر نے اس کی بڑی تعریف کی اور اسکا تاج اس کے حوالے

کر دیا۔

سکندر نے گنگا کے علاقہ کی دولت کی بڑی تعریف سُنی تھی وہ
آگے جانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے سپاہیوں نے مگدھ کی طاقت کی
بھی خبریں سُن لی تھیں اور پچھلے حملوں نے اُن کے ایسے دانت
کھٹے کئے کہ وہ گھبرا گئے۔ اور راستہ لمبا خیال کر کے آگے جانے سے
انکار کر دیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ معلوم نہیں سکندر انہیں کہاں لیجائیگا
سکندر نے ایک تقریر کی جس میں انکو بڑی اعلیٰ فتوحات یاد دلائیں
اور واپس جانے کی بے عزتی کا خیال دلایا۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا سکندر
نے تین دن رات اپنے آپکو اکیلا بند کر دیا اور کسی سے ملاقات نہ کی
جب اس نے دیکھا کہ اس کے سپاہی بضد تھے اس نے واپس ہونیکا
ارادہ کیا۔ اور خود دریا کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

واپسی راستے میں اس نے دیکھا کہ ملی ایک بڑا زبردست قبیلہ تھا۔ وہ
بڑے پکے ہندو تھے۔ ان کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں اور شہر و آباد
برباد کیا۔ ایک شہر کے برہمنوں نے بڑی مخالفت کی۔ سکندر کو خود
سب سے پہلے فصیل پر چڑھنا پڑا۔ بعد میں اس کے سپاہی بھی پہنچ گئے
برہمنوں نے عورتوں اور بچوں کو جمع کیا اور گھروں کو آگ لگا دی
اور خود ہزاروں کی تعداد میں جنگل کو بھاگ گئے۔ آخر کار سارے
قبیلے کے لوگ اپنے صدر مقام میں جمع ہوئے اور قلعے میں پناہ گزین
ہو گئے۔ سکندر نے قلعے پر دھاوے کا حکم دیا۔ جب ذرا دیر سی
ہوئی تو خود آگے بڑھا اور تین اور سپاہیوں کے ساتھ بڑی بہادری سے
دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ تیروں سے زخمی ہو کر گر پڑا لیکن اس کے ساتھی

اس کے ادپر پڑ گئے۔ اتنے میں اس کی باقی فوج قلعہ کی دیواروں کو توڑ کر اندر داخل ہو گئی اور اسے ڈھال پر اٹھا کر خیمہ میں لے گئے۔ حکیم نے تیر نکالا اور اس کی جان بچ گئی جس سے اس کی سپاہ نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

نیج ندی کے مقام پر اس نے ایک شہر سکندریہ آباد کیا۔ جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے جھکر کے راجا اور دوسرے کئی قبیلوں سے اطاعت قبول کروائی۔ اگسی اپنی قبیلے نے مقابلہ کیا۔ اور انکا راجا قتل ہوا۔ دوسرے قبیلے سندھوناتا کا راجا بھاگ گیا۔ لوگوں نے دروازے کھولدیے اور اطاعت قبول کرلی علاقہ کے تمام برہمنوں نے ملکر سکندر کے خلاف بڑی سازش کی۔ جس میں جھکر کا راجا بھی شامل ہو گیا۔ سکندر کو ایک بڑی لڑائی کرکے اس سازش کو توڑنا پڑا۔ اس کے بعد پٹالا (حیدرآباد دکن) کا راجا خود ہی اس کے پاس چلا آیا۔

موت سکندر فوج لیکر ایران کی طرف روانہ ہوا اور سوسا جا پہنچا اس نے انیس ہزار میل سفر طے کیا۔ بڑے راجے فتح کئے بڑے بڑے خاندانوں کو توڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے شہر آباد کئے اور تجارت کو فروغ دینے کا انتظام کیا۔ بہت شراب پیکر دریا میں نہانے سے اسے بخار ہو گیا اور ۱۳ جون ۳۲۳ قبل مسیح میں بتیس سال کی عمر میں بیبے لونیا کے محل میں مرگیا۔ جب اس کی جانشینی کی بابت پوچھا گیا تو اس نے کہا جو سب سے لائق ہو اس کی موت کے چند ہی سال بعد اس کی ماں عورت اور بچہ قتل کر دیئے گئے

اور اسکا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اسکا ملک اس کے جرنیلوں نے بانٹ لیا۔ سلوکس نے دریائے فرات تک ملک فتح کرکے ۳۰۵ قبل مسیح میں دریائے سندھ عبور کیا تاکہ چندر گپت سے طاقت آزمائی کرے۔ جس نے پنجاب سے یونانیوں کو نکال کر اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ سکندر کے چلے جانے پر پنجابی اٹھ کھڑے ہوئے اور یونانی سپہ سالاروں کو قتل کر ڈالا۔ یونانی سپاہی خود ہی تتر بتر ہوگئے سلوکس چندر گپت سے لڑ رہا تھا۔ کہ اسے بابل یونیا میں بغاوت ہو جانے کی خبر ملی۔ اس نے چندر گپت سے عہدنامہ دوستی کرکے ایشیا تک سارا ملک اس کے حوالے کر دیا۔ پانچ سو ہاتھی اور ایک سو رتھ نذرانے کر اپنی لڑکی کی اس کے ساتھ شادی کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ چندر گپت کے پوتے اشوک کے وقت سلوکس کے پوتے انیٹی آکس نے پنجاب پر حملہ کیا۔ اشوک کے ستون اور کتبے اڑیسہ سے لیکر کابل سے پرے تک پائے جاتے ہیں شاہباز گڑھی میں (ضلع پشاور) ایک بڑے چٹان پر ایک کتبہ ہے جس پر پانچ یونانی شہزادوں کے نام ہیں جن میں سے ایک انیٹی آکس کا نام ہے بکٹریا کے بادشاہ اینر نے ڈالی لس نے ۱۶۵ قبل مسیح سندھ پر حملہ کرکے اسے حیدرآباد تک فتح کیا۔ کچھ اور گجرات پر بھی ایک مہم روانہ کی اس کے جانشین میناندر اور اپالوڈوٹس ۱۲۶ سے ۱۱۰ قبل مسیح تک پنجاب پر حکومت کرتے رہے۔

**ٹکشِلا** راولپنڈی سے ۲۰ میل کے فاصلے پر ہیرو دریا اور اس کے نالوں سے سیراب ہوتی ہوئی ایک نہایت

ہی خوشگوار وادی کا صدر مقام تھا جس کے کھنڈرات اس سے بھی نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ ٹکشش شلا قدیم زمانہ سے ایک بڑی ریاست کا صدر مقام اور ایک بڑی مشہور یونیورسٹی تھی۔ ہندوستان اور وسط ایشیا کے تجارتی راستے پر قدرت سے محفوظ کیا ہوا یہ ایک بڑا شہر تھا ایرین کہتا ہے کہ "سکندر کے وقت میں ٹکشش شلا سندھ اور جہلم کے درمیان سب سے بڑا اور خوشحال شہر تھا" سٹریبو لکھتا ہے کہ اس کے گرد و نواح کا علاقہ بہت آباد اور نہایت سرسبز تھا یہاں سے پہاڑوں کا ڈھلوان شروع ہوتا ہے۔ اس وادی کے اندر ایک دوسرے جس سے ساڑھے تین میل کی دوری پر تین بڑے شہروں کے کھنڈرات ہیں عین جنوب میں بھیر مونڈ ہے جو کہ ٹکشش شلا کی سب سے پرانی جگہ ہے دوسری صدی قبل مسیح یونانیوں نے صدر مقام کو یہاں سے دوسری جگہ تبدیل کر دیا۔ جس جگہ اسوقت سرکپ کی دیواریں دکھائی دیتی ہیں۔ تیسرا شہر سرسکھ ہے جو غالباً کنشک کے عہد میں آباد کیا گیا تھا اس شہر کے اندر اسوقت تین گاؤں میرپور۔ ٹوپکیاں اور پنڈ گکھڑ پرانے شہر کے کھنڈرات کے اوپر آباد ہیں۔

ان تینوں شہروں کے علاوہ اس علاقے میں بہت سی یادگاریں ستوپ اور مٹھ پائے جاتے ہیں ٹکشش شلا کا مطلب کٹے ہوئے پتھر کا شہر ہے۔ یہ شہر اتنا قدیم ہے کہ اسکا ذکر مہاراجہ جنمے جے کے سرپ یگیہ کے سمبندھ میں پایا جاتا ہے خیال کیا جاتا ہے کہ مسیح سے ایک سو برس پہلے یہ ایرانی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ پرسی پولیس میں دارا کے کتبوں اور نقش رستم میں اس کے

مقبرے پر کندوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارا نے ایک نیا ہندوستانی صوبہ قائم کیا تھا جو کہ اس کی سلطنت کا بہت دولتمند اور آباد حصہ گنا جاتا تھا۔ یہاں پر چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح کا ایک آرمیک کندہ ملا ہے جو ایرانی اثر کی اصلی یادگار ہے۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک تکش شلا ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی شہرت رکھتا تھا اور اس زمانے میں علوم و فنون کے لئے مشہور تھا۔ بودھوں کے جاتکوں میں ایسا آتا ہے کہ تکش شلا قندھار ریاست کا صدر مقام تھا اس کے علاوہ سکندر کے آنے سے پہلے تکش شلا کا ہمیں بہت کم علم ہے سکندر یہاں پر کئی ہفتے رہا - اس کے ساتھیوں کی اور ہمعصروں کی تحریروں سے پتہ لگتا ہے کہ یہ شہر بڑی دولتمند آبادی اور عمدہ انتظام رکھتا تھا۔ اسکا علاقہ سندھ سے جہلم تک تھا۔ اس شہر میں بہت شادیوں اور ستی کا رواج پایا جاتا تھا۔ مُردوں کے جسم گدوں کے کھانے کے لئے پھینک دیئے جاتے تھے۔ اور یہاں پر منڈی تھی جہاں پر غریب لڑکیاں شادی کے لئے فروخت کی جاتی تھیں۔ سکندر کے وقت یہاں کے راجہ کا نام امبھی تھا جسے یونانیوں نے ٹیکس لکھا ہے۔ پورس اور ابھی سار کے ساتھ اُس کی لڑائی رہا کرتی تھی۔ اس لئے اس نے سکندر کی مدد حاصل کرنے کی اُمید میں اپنے قاصد اور تحائف کو روانہ کئے اور خود بھی فوج لیکر تکش شلا سے روانہ ہوا تاکہ اپنے آپکو سکندر کی خدمت میں پیش کرے۔ اپنے دارالخلافہ میں لاکر اس نے سکندر کی بڑی فیاضی کے ساتھ مہمان نوازی کی۔ اور پانچ ہزار کا ایک فوجی دستہ امداد میں دیا۔ ان دوستانہ کارروائیوں کے بدلے میں امبھی کو

اس کی حکومت میں مستقل کیا گیا۔ نیا علاقہ بھی دیا گیا۔ اور بعد میں پورس سے دوستی بھی کرا دی گئی۔ شمالمغربی ہندوستان کی فتح سکندر کی ایک بڑی بھاری کامیابی تھی مگر اسکا عہد حکومت بہت تھوڑی دیر تک رہا۔ سکندر کا ارادہ شمالمغربی علاقے کو اپنے ساتھ شامل کر لینے کا تھا اس لئے اس نے اپنی کالونی یعنی فوج پیچھے چھوڑی تاکہ وہ اس کی حکومت کو مستحکم کریں لیکن اسکی موت کے چھ سال کے اندر یونانی گورنر ایوڈی مس اپنی ساری فوج لیکر سندھ پار چلا گیا تاکہ وہ اینٹی اکس کے برخلاف یومی نیس کی امداد کرے اسی وقت یا اس سے پہلے ہی چندر گپت نے یونانی فوجوں کو سندھ پار بھگا دیا۔ ٹکشلا اور پنجاب کی دوسری ریاستوں کو مگدھ میں شامل کر لیا۔ جب ۳۰۵ قبل مسیح میں سلوکس نیکٹر نے سکندر کے مقبوضات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے حملہ کیا تو اسے چندر گپت سے ایک نہایت عاجزانہ صلح کرنی پڑی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی سلطنت کو مغرب میں اینٹی گونس سے بڑا بھاری خطرہ ہو گیا تھا۔

پنجاب کی ریاستوں کے لئے چندر گپت کا سخت ہاتھ یونانیوں کے عہد حکومت سے بھی زیادہ ظالمانہ ثابت ہوا۔ جب اسکا بیٹا بندو سار مگدھ کی گدی پر بیٹھا تو ٹکشلا موریا حکومت کو پرے پھینک کر آزاد ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد اشوک نے بحیثیت ولیعہد کے اس پر حملہ کر کے اسے پھر اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے باپ کے وائسرائے کے طور پر یہاں پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد موریا حکومت تمام شمالمغرب میں بڑی مضبوط قائم ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ بدھ دھرم کا زور اس علاقہ

بس بڑھنا شروع ہوا۔ ہیون سانگ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ختن کا شہر
ٹکشن شلا کے جلاوطن لوگوں سے آباد کیا گیا۔ جنکو اشوک نے اپنے بیٹے
کنال کو اندھا کرنے کے بعد جلاوطن کردیا تھا۔ ۲۳۱ قبل مسیح اشوک
کی موت کے بعد مگدھ کی سلطنت ٹوٹنے لگی۔ اور ٹکشن شلا پھر آزاد ہو
گیا۔ لیکن جلدی ہی بکٹریا سے یونانی حملہ آوروں نے اس پر حملہ کر
یونانی حکومت قائم کرلی۔ یہ یونانی حملہ آور ان سپاہیوں کی اولاد
تھے جنکو سکندر بکتریا میں چھوڑ گیا تھا۔ ایی آکس اعظم کا داماد
ڈمی ٹریئس بکتریا کا پہلا حملہ آور تھا جو کابل وادی میں سے فتح کرتا ہوا
۱۹۰ قبل مسیح میں ٹکشن شلا پہنچا اور اسے فتح کرلیا بیس سال کے بعد
یوکرے ٹی ڈیز نے پہلے بکتریا پر قبضہ کیا اور پھر ہندوستانی مقبوضات
پر ہاتھ مارا۔ ان دو یونانی فاتحوں کی نسل میں سے دو خاندان جاری
ہوئے۔ جو ایکدوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے رہے۔ ٹکشن شلا
کے یونانی بادشاہوں میں سے اپالوڈوٹس اور می نینڈر ڈمی ٹیری اس
کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور انٹی ایلکی ڈاس یوکرے
ٹی ڈیز کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔
ٹکشن شلا میں یونانیوں کی حکومت ایک سو سال سے زیادہ رہی جبکہ
مغرب کے وحشی گروہوں نے اسکا خاتمہ کردیا یہ وحشی سیتھین یا شک
تھے جو سیستان کے پارتھین صوبے میں آباد ہوگئے تھے اور وہاں پہ پارتھین لوگوں کیساتھ
شادی بیاہ کرکے گھل مل گئے سیستان سے انہوں نے اراکوسیا اور سانتہ کے علاقے کو فتح کرلیا۔ انکے ایک
گروہ نے ونیانس کی سرداری میں اراکوسیا میں حکومت قائم کرلی۔ ایک اور گروہ نے شک سردار مئیلیس کے
ماتحت مشرق کی طرف بڑھ کر ٹکشلا کو فتح کرلیا۔ اراکوسیا میں ۵۰ قبل مسیح میں ونینس حاکم بنا۔ اسکے ۲۰ سال بعد ٹکشلا

آ پہونچا اور ۵۰ قبل مسیح کے قریب اسکا بیٹا ایزز اوّل گدی پر بیٹھا۔ اس کی رگوں میں پارتھین اور شاک دونوں نسلوں کا خون تھا۔ اس کی حکومت لمبی اور خوشحال تھی۔ اور یہ اغلب خیال کیا گیا ہے کہ اس نے جمنا کے کنارے تک اپنی حکومت پھیلا لی تھی۔ اس نے صوبہ داروں کے ذریعے ایرانی طرز حکومت جاری کیا۔ اور یہی طریقہ اس کے جانشین ایزیلےسس اپیزس زدوم کے وقت جاری رہا۔ پچھلے بادشاہوں کی موت پر ایراکوسیا اور ٹکشلا ایک پارتھین گونڈافرنیس کے ماتحت ایک ہو گئیں جس کی شہرت مغربی دنیا تک جا پہنچی اور جس کے دربار میں کہا جاتا ہے کہ پہلا مشنری سینٹ تھامس آیا یہ الحاق ۲۰۔۳۰ سال مسیح کے بعد ہوا۔ گونڈافرنیس نے کابل وادی پر حملہ کر کے یونانی حکومت کا وہاں پر خاتمہ کر دیا۔ لیکن گونڈافرنیس کے بعد ہی اس کی سلطنت ٹوٹ گئی۔ مختلف صوبوں کے صوبہ داروں نے اپنے آپکو خود مختار بنا لیا۔ اس کا بھتیجا ایب ڈےگیس مغربی پنجاب پر قابض ہو گیا اور ارتھگنیز کو سیا اور سندھ لے لیا۔ دوسرے صوبے دوسرے سرداروں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ جب اپے پالونی اس ۴۴ عیسوی میں ٹکشلا آیا یہاں کا بادشاہ فرے اوٹس تھا۔ جو کہ بیبے لونیا کے پارتھین بادشاہ سے خود مختار تھا۔ اس کی حکومت گندھارا کے صوبے پر بھی تھی اگرچہ سرحد کے وحشی قبیلوں کو وہ روپیہ دیکر با امن رکھتا تھا۔ اپے پالونی آس کہتا ہے کہ ٹکشلا کا شہر (سرکپ) نینوا کے رقبہ کا تھا۔ یونانی شہروں کی طرح محفوظ تھا۔ ایتھنز کی طرح گلیاں اس کی تنگ اور بےقاعدہ تھیں مکانات ایک منزلہ معلوم ہوتے تھے زمین کے نیچے تہ خانے تھے شہر کے اندر بادشاہ

کی محل اور سورج کا مندر تھا۔ محل بہت سادہ تھا اور اس میں کوئی
شان و شوکت نہ تھی۔

جب اہل پارتھیا نے یونانی بادشاہ ہیرے میئر کو نکال دیا تو وہ
کوشان قبیلہ کے سردار کیڈفائسس کے ساتھ جا ملا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور اس کی مدد سے کابل واپس گیا۔ اور گندھارا اور ٹکسلا
کی فتح میں اس کی امداد کی۔ کوشان ایک قبیلہ تھا جسے چینی مورخ
یوئی چی (Yueh-chih) کہتے ہیں۔ جو کہ چین کے شمال مغرب میں سے
نکلے۔ ۱۶۰ قبل مسیح مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے بکٹریا یا وہاں سے
وادی کابل ہوتے ہوئے ۵۰ یا ۶۰ عیسوی کے قریب شمالی ہند پر
قابض ہو گئے۔ چند سال کے بعد کیڈفائسس کی جگہ ویما کیڈ
فائسس بادشاہ ہوا۔ اس خاندان سے دوسری صدی میں سب سے
بڑا اور مشہور بادشاہ کنشک ہوا۔ کنشک نے پرش پور (پشاور) میں
اپنا سرمائی کا صدر مقام بنایا اور اپنی حکومت وسط ایشیا سے لیکر
بنگال تک پھیلائی۔ اس کے جانشینوں نے اس سلطنت کو قائم رکھا
تیسری صدی کے پہلے نصف میں واسودیو کی موت پر اس خاندان
کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ اگرچہ یہ پانچویں صدی تک قائم رہا۔ ان کے سکے
مانکیالا کے مقام پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جرنیل ونتورا اور کورٹ کو ملے
تھے پانچویں صدی میں سفید ہونوں نے اس خاندان کو تباہ کر دیا۔

سنہ ۴۰۰ء میں چینی یاتری فاہیان نے ٹکسلا کی یاترا کی۔ اگر اس نے
کوئی لکھا ہوا حال نہیں چھوڑا ہے لیکن دوسری جگہ دئے ہوئے
اشاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمال مغرب میں بدھوں کے بڑے

مشہور منند رہتے اور یہ بھی کہ اس صدی میں تکشں شلا کی یادگاریں بڑی بے رحمی سے برباد کی گئیں تھیں یہ تباہی سفید ہونوں سے منسوب کی جاتی ہے۔ جنہوں نے ۵۰۰ء میں بڑی بھاری تعداد میں آکر تلوار اور آگ سے ہندوستان پر حملے شروع کر دیئے نہ صرف کوشان ریاست پر قبضہ کر لیا۔ بلکہ گپتوں کی بڑی سلطنت کو بھی برباد کر دیا۔ تکشں شلا اس صدمے سے کبھی نہ سنبھلا۔ جب ہیون سانگ ساتویں صدی میں یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ یہ ایک صوبہ بن چکا تھا اور اس کے سردار آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مصروف تھے اور بہت سے مٹھ تباہ اور ویران تھے۔

## موریا خاندان کی حکومت

موریا خاندان کا بانی چندرگپت تھا۔ جو لیاقت انتظام اور دلیری اور جنگ میں یکتائے زمانہ ہے اسکا باپ نند خاندان سے اور ماں (مورا) نیچ ذات کی کہی جاتی ہے۔ آخری بادشاہ نند نے چندرگپت کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور اس نے بھاگ کر تکشں شلا کے راج میں جا پناہ لی وہاں سے واپس آکر اپنے منتری چانکیہ کی مدد سے نند کو گدی سے اتار دیا اور خود تخت کا مالک بن کر خلیج بنگال سے بحیرہ عرب تک اور ہمالہ سے نربدا تک سارا آریہ ورت کو فتح کر لیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سلوکس نے اپنی لڑکی کے ساتھ کابل قندھار کا ملک بھی جہیز میں دیدیا۔ اس کے زمانے کی بڑی کتاب کوٹلیہ ارتھ شاستر ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چندرگپت کا انتظام سلطنت ایسا مکمل تھا کہ اس کی پرانی دنیا میں کوئی مثال

نہیں ملتی۔ اسکا زمانہ یونانیوں اور اکبر کے انتظام سے بھی اعلیٰ تھا۔
کوٹلیہ کا اٹلی کے میکاولی سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ یوروپ کے
مدبر اگرچہ میکیاولی کی تعلیم پر مضحکہ اڑاتے ہوں لیکن عملی زندگی میں
یوروپ کی پولیٹیکل فلاسفی میکیاولی کی تعلیم سے اوپر نہیں جاتی
میکاولی کی طرح کوٹلیہ کے وقت میں تمام شمالی ہند میں ڈیموکریٹک (جمہوری)
ریاستیں تھیں۔ شمالی ہند کے مشرق میں وجی کا لچھوکا اور ملی کا۔ درمیان میں
کورو اور پنچال۔ شمال مغرب میں مدرکا۔ جنوب مغرب میں ککرا۔ بہت طاقتور تھیں۔
کوٹلیہ ایک بادشاہ کی حکومت کا حامی تھا اور وہ ان سب کو تباہ کرکے بادشاہ
کی حکومت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ اسے ملک کی عظمت کو بڑھانے اور اسے غیر
حملہ آوروں سے محفوظ رکھنے کا یہی بڑا ذریعہ معلوم ہوتا تھا۔ ملک کی اس طرح
مختلف ریاستوں میں تقسیم اسے کمزوری کی بڑی وجہ معلوم ہوتی تھی وہ خود کہتا ہے
"ان میں سے ایک کارپوریشن کو توڑ کر ساتھ لے لینا کئی فوجوں کی مدد سے بڑھ
کر ہے"۔ اس کی ساری نیتی اور ذہانت ایسی نئی نئی تدابیر نکالنے میں
خرچ ہوتی تھی جن کے ذریعے وہ ان کے اندر پھوٹ کا بیج بوسکے وہ ایسے
ممبروں کا پتہ لگانے کی فکر میں تھا جو اسے کارپوریشن کے ممبروں کے باہمی
حسد کی خبریں دیں اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکا کر نفرت پیدا کریں
وہ کوشش کرتا تھا کہ کھیل اور جوئے کے موقعوں پر بحث مباحثہ
کراکے ان میں دشمنی پھیلا دی جائے تماشہ گاہوں میں چھوٹے لیڈروں
کی تعریف کرکے بڑوں کے خلاف بھڑکایا جائے۔ مختلف لیڈروں میں
حسد پیدا کرنے کے لئے شراب اور عورت کو استعمال کیا جائے یہاں تک
کہ مخبر عورت کو بھکاری بنا کر بڑے آدمی کے پاس روانہ کیا جائے جو کہ

اسے جھوٹ موٹ خبر دے کہ مجھے فلاں شخص نے تمہاری عورت کو بہکانے کے لیے بھیجا ہے۔

اس قسم کی تدابیر رکھنے میں اسکا ایک مدعا تھا کہ ان سب جمہوری حکومتوں کو تباہ کر کے اپنے آقا کو سارے ملک کا مالک بنا دے۔ موریا خاندان کے وقت ان ریاستوں کا کوئی پتہ نہیں ملتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن جونہی موریا خاندان کو زوال ہوا ایسی قسم کی ریاستیں ۔ یودھیہ ۔ مالوہ ۔ ورشنی ۔ ارجنینہ آڈمبر ۔ کننڈرس وغیرہ قبیلوں میں پیدا ہو گئیں ۔ مہابھارت کے شانتی پرب میں بھیشم نے بھی گنوں کو پھوٹ سے بچانے کے لیے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ ہمارے اندر برداشت اور شانتی کی عادت ہو ۲۰۔ چونکہ بھید کا رکھنا مشکل ہے اس لیے خفیہ معاملات پر چھوٹی سے چھوٹی کیبنٹ بنائی جائے۔

۲۱۔ قانون اور ریاست کا بغیر کسی کی رعایت کے نرکمش پربندھ ہو۔ جس گن میں یہ اندرونی کمزوریاں نہ ہونگی وہ ہر طرح کے بیرونی خطروں اور دشمن کا مقابلہ کر سکے گا۔

میکیاولی کی طرح کوٹلیہ کی تعلیم کا اصول ایک فقرے میں پایا جاتا ہے۔ بادشاہوں کا اخلاق رعایا کے اخلاق سے مختلف ہونا چاہیئے۔ جو باتیں رعایا کے واحد ممبروں کے لئے ناجائز اور جرم ہوتی ہیں وہ بادشاہوں کے لیے جائز اور قابل تعریف ہوتی ہیں۔ عام انسانوں کے لئے چوری اور ڈاکہ مذموم ہیں لیکن سلطنت کے لیے یہ سب جائز ہیں۔ پرائیویٹ اشخاص کے

لیے عہد شکنی بُری اور مکروہ ہے سلطنتوں کے لیے جائز اور ضروری ہے سلطنت کے لیے ہر قسم کا دھوکا فریب۔ رشوت۔ دشمن کے دوستوں کو ورغلانا۔ اس کی رعایا میں بغاوت پھیلانا۔ اس کے افسروں کو باغی بنانا سب کچھ جائز سمجھا گیا ہے"۔ کوٹلیہ جاسوسی پر بڑا زور دیتا ہے اس لیے چندر گپت نے کوئی ایسا محکمہ نہیں چھوڑا جس میں جاسوس نہ ہوں۔ استادوں اور لڑکوں سے جاسوسی کا کام لیا جاتا تھا۔

چندر گپت کے دربار میں میگستھنیز یونانی سفیر تھا۔ اس کی اصلی کتاب نہیں ملتی لیکن اس کی کتاب کے حوالجات دوسری جگہ پر درج ہوئے ملتے ہیں۔ میگستھنیز لکھتا ہے "ملک خوشحال تھا پیداوار کثرت ہوتی تھی زمین کا زیادہ حصہ آبپاش تھا۔ اناج اور پھلوں کی اسقدر بہتات تھی کہ اسوقت عام خیال تھا کہ آریہ ورت میں کبھی قحط نہیں پڑا اور نہ خوراک حاصل کرنے میں کبھی تنگی ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ ہندوؤں میں عام دستور تھا کہ وہ زراعت پیشہ لوگوں کی حفاظت کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ لڑائی میں کھیتیوں اور کاشتکاروں کے ساتھ کوئی دست درازی نہ ہوتی تھی۔ دستکاری اور ہنر میں بھی ہندوستانی اسوقت باہر تھے۔ اس وقت کے ہندوؤں کو اُس نے سات جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول فلاسفر دوم سفیر سوم سپاہی چہارم اوورسیر پنجم کاشتکار ششم دستکار۔ اور ہفتم گڈریے۔ فلاسفر وہ برہمن تھے جو مذہبی فرائض پورے کرتے تھے۔ بادشاہ کی نوکری نہ کرتے تھے۔ مشیر وہ برہمن ہوتے تھے جو بادشاہ کے نوکر ہوتے تھے فلاسفروں کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جو سینتیس برس علم حاصل کرکے

گرہستی بنتے تھے اور دوسرے وہ جو ہمیشہ جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ اس زمانے کے ہندو عموماً راستباز اور نیک کردار تھے۔ جھوٹ کبھی نہ بولتے تھے۔ ایکدوسرے کی نیکی اور راستی پر بیانتک بھروسہ تھا کہ تمام اقرار زبانی ہوتے تھے۔ تحریر کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ وہ مقدمہ باز نہ تھے وہ ہار کے درست اور معاملے کے صاف تھے۔ چوری بہت کم تھی عورتیں پاکدامن تھیں کا نشان بھی نہ تھا۔ شجاعت اور دلیری میں تمام ایشیائی قوموں سے بڑھ کر تھے۔ آزادی پسند تھے۔ اسوقت سوائے اہل ایران اور مقدونیہ کے خفیف حملوں کے ان پر کوئی حملہ نہ ہوا تھا اور نہ انھوں نے ہی کسی پر مہم اٹھائی تھی۔

میگیستھنیز نے چندرگپت کی گورنمنٹ کا۔ اس کی فوج کا اور باقی مختلف محکموں کا۔ اس کے طریقے آبپاشی اور نہروں کا مفصل حال لکھا ہے۔ پاٹلی پتر کی بابت کہا ہے کہ یہ شہر نو میل لمبا اور ڈیڑھ میل چوڑا تھا۔ اس کے گرد مضبوط لکڑی کی دیوار تھی جس کے چونسٹھ دروازے تھے اس پر ۵۷۰ برج بنے تھے شاہی محل لکڑی کا بنا ہوا تھا اور شاندار تھا بادشاہ کی سواری سونے کی پالکی میں نکلا کرتی تھی۔ بادشاہ جانوروں کی لڑائی دیکھا کرتا تھا۔ جن میں گاڑیوں کی دوڑ بھی ایک کھیل ہوا کرتی تھی۔ ان کی کابینیان جوان لڑکیاں ہوا کرتی تھی۔

چندرگپت کے بعد اسکا بیٹا بندوسار جانشین ہوا اس کے وقت میں دکن موریا سلطنت میں شامل کیا گیا۔ مصر کے ملک سے بھی سفیر اس کے دربار میں آئے۔ بندوسار کے وقت میں اُسکا بیٹا اشوک ٹیکسلا کا صوبہ دار تھا۔ ٹکسلا کی حکومت میں کشمیر

بنگال۔ پنجاب اور افغانستان شامل تھے۔ ٹکسلا کی یونیورسٹی آیوروید
کے لیے مشہور تھی۔ اُجین کی یونیورسٹی علم ریاضی کے لیے اور جوتش
کے لیے۔ ۲۷۳ قبل مسیح بندوسار کے مرجانے کے بعد اشوک گدی
نشین ہوا۔ اس نے کلنگ کے اوپر فوج کشی کی اور اس مہم میں ایک
لاکھ کے قریب آدمی مارا گیا۔ ڈیڑھ لاکھ پکڑے گئے اور ان سے
کہیں بڑھ کر قحط اور وبا کا شکار ہوئے۔ ان نظاروں کا اثر اشوک
پر یہ ہوا۔ کہ اس نے جنگ کے خلاف قسم کھائی اور اپنے وارثوں کو
ملکوں کی فتح کرنے سے بند کر دیا۔ اور بدھ دھرم اختیار کرکے ساری طاقت
اس کے پرچار میں لگا دی۔ اس لحاظ سے یہ شخص دنیا کے بادشاہوں
میں بے نظیر ہے۔ بدھ دھرم اختیار کرنے کے بعد ڈھائی سال تک
وہ بھکشو بنا۔ اس عرصے میں اس نے بدھ تیرتھوں کی یاترا کی۔
جہاں جاتا تھا غریبوں اور برہمنوں کو بہت دولت بانٹتا تھا۔ پہلے
وہ گوشت کا ماننے والا تھا۔ اور اس کے باورچی خانے میں ہزاروں
جانور مارے جایا کرتے تھے۔ اس کے اپنے لئے دو مور اور ایک ہرن
مارا جاتا تھا۔ پہلے اس نے شکار کا محکمہ بند کر دیا اور حکم دیا کہ رسوئی کے
لئے کوئی جانور نہ مارا جائے۔ اس کے دھرم پرچار میں ملک گیری کی
ذرا بھی بو نہیں آتی۔ اس کے پرچارک مصر شام سیریا۔ مقدونیہ ایشیا
اور افریقہ کے علاقوں میں پرچار کرتے تھے۔ اس کی لڑکی چارومتی
بھکشونی بن کر نیپال میں گئی اور اس کا لڑکا بھکشو بن کر لنکا میں پرچار
کرتا رہا۔ جگہ جگہ پرچار کے لئے اس نے بدھ مندر اور وہار بنائے
راج گرہی میں سنچی کے پاس اڑھائی سو جلا رہا کرتے تھے۔ ان کو

ستون کھڑے کئے جو خلیج بنگال سے لیکر درہ خیبر تک پھیلے ہوئے ہیں
ستونوں پہاڑ چٹانوں پر براہمی لپی میں اور شمال مغربی سرحد پر کھروشٹی میں لکھے ہوئے ہیں مختصر
لئے ابھی تعلیم اہنسا اور آواگون پر مبنی ہے۔ سب کے ساتھ محبت کرنا
دوسروں کے مذہب میں دخل نہ دینا وغیرہ فرائض ہیں جن کی ان
کتبوں میں تعلیم ہے ایک کتبہ پر یہ الفاظ ہیں "اصل فتح وہ
ہے جو انسان اپنی ذات پر دھرم سے حاصل کرے"
اور کتبوں سے اس کی بردباری اور انسانی محبت کا بڑا ثبوت ملتا ہے
"جو مذہب میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں وہ بھی اس کے ساتھ نروان
کو حاصل کریں"
دوسرا "تمام نہ ملنے والے ہر جگہ رہیں کیونکہ وہ بھی اخلاقی ضبط اور پوترتا
چاہتے ہیں۔ پرکرتی اور اچھا کے لحاظ سے منش جدا جدا ہیں" اسکی
سلطنت افغانستان۔ بلوچستان۔ سندھ۔ سوات۔ باجوڑ کشمیر اور نیپال
تک پھیلی ہوئی تھی اس نے کشمیر میں نیا دار الخلافہ سرینگر بنایا۔ نیپال میں کھٹمنڈو
کے پاس نیا دار الخلافہ للت پور بنایا۔ جنوب میں کلنگ اندھرا تک پھیلا
ہوا تھا۔ دکن میں چول کیرل اور پانڈیہ آزاد ریاستیں تھیں اس نے
اپنے ملک کو چار علاقوں میں بانٹ کر چار وائسرائے مقرر کئے
جن میں سے ایک کا صدر مقام ٹیکسلا تھا۔ اس کی ۴۱ سال کی
حکومت میں ایک بھی بغاوت نہیں ہوئی۔

اشوک کے بعد اس خاندان سے چار اور جانشین ہوئے ۱۲۷ سال کی
حکومت کے بعد ۱۸۵ قبل مسیح میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کی چار صدیاں
انقلاب کا زمانہ ہے جس میں کئی خاندان یکے بعد دیگرے راج کرتے رہے

ان میں کنشک بہت مشہور راجا ہوا۔

**کنشک** ۔ ۷۸ء میں کنشک گدی پر بیٹھا۔ اس نے سترا تک اپنی سلطنت کو پھیلا لیا۔ اس کے نام کے کتبے افغانستان۔ پنجاب اور سرحد میں ملتے ہیں۔ اسکا نام تبت چین اور منگولیا میں زبان زد خلائق ہے۔ اسنے تاسقند یارقند اور ختن کو فتح کیا۔ پشاور میں بدھ کی یادگار میں ایک بڑا مینار تعمیر کرایا۔ بدھ مذہب کی پہلی کونسل بدھ کی موت پر جمع ہوئی تھی دوسری کونسل کنشک کے عہد میں ہوئی۔ اسوقت بدھ مذہب میں اختلافات شروع ہو چکے تھے۔ شروع میں بدھ کی کوئی مورتی نہ تھی لوگ پوجا کے لئے کوئی نہ کوئی چیز چاہتے تھے۔ انہوں نے بدھ کی مورتیاں بنا کر پوجا شروع کر دیا ان میں بدھ کو دھیان کی حالت میں بتایا ہے آہستہ آہستہ بدھ کو بڑا تا یعنی برہما کی جگہ مل گئی۔ سنگھ کو وشنو کی اور دھرم کو شوکی۔ یہ فرقہ جس نے مورتیاں تھاپت کیں مہایان کہلاتا ہے۔ دوسرے فرقے کا نام ہین یان تھا۔ مہایان کا بانی کنشک سمجھا جاتا ہے اگرچہ اسکا بڑا پرچارک ناگا ارجن تھا جس نے بدھ مذہب میں بھگتی کو شامل کر کے اتنا ہر دلعزیز بنا دیا۔ اس کی دوسری مہاسبھا کنڈل بن میں کشمیر میں ہوئی جس میں پانچ سو بھکشو شامل ہوئے۔ انہوں نے دھرم اور دوسری رسوات پر بہت سی تفسیریں لکھیں۔ سدھانتوں کے فیصلے سرینگر کے متصل ایک بڑے ستوپ کے نیچے دفن کئے گئے کنشک کے وقت میں تکشا شلا کو بڑی رونق نصیب ہوئی۔ ساری مہذب دنیا کے طالب علم چین۔ ایشیا کوچک تاتار وغیرہ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہاں آنے لگے کنشک کے بعد تین جانشین ہوئے۔

درش تک۔ پوشنک اور واسدیو۔ پوشنک نے درمیانہ مولا میں پوشکاپور نام
سے ایک نیا دارالخلافہ قائم کیا جو چینی سیاح ہیون سانگ کے وقت قائم تھا
**گپت خاندان۔** ۲۲۰ء کے بعد سو سال تک کوئی بڑی حکومت
نظر نہیں آتی۔ ۳۲۰ء میں ایک پوٹیشیل طاقت ظاہر ہوئی جس کا بانی
چندر گپت تھا۔ پاٹلی پتر کے پاس لچھوی قبیلہ بڑا معزز گنا جاتا تھا۔
چندر گپت نے اس کی ایک شہزادی سے شادی کر کے پاٹلی پتر پر قبضہ
کر لیا۔ اس نے ۳۲۰ء میں اپنا سمت چلایا۔ پندرہ سال بعد اس کا
بیٹا سمدر گپت تخت پر بیٹھا جو بڑا مشہور اور نامور راجا ہوا ہے۔ یہ شخص
بڑا مدبر۔ بہادر۔ شاعر اور علم دوست تھا۔ پچاس سال کی حکومت کے
بعد وہ مرا اور اسکا بیٹا چندر گپت ثانی تخت پر بیٹھا جسے وکرم ادتیہ کہا
جاتا ہے۔ ہندو روایات اسکو ۵۷ قبل مسیح ظاہر کرتی ہیں اور اسوقت
سے اسکا سمت ظاہر کرتی ہیں۔ انگریزی مورخ اس کو ۳۷۵ء میں تخت
پر بٹھاتے ہیں۔ اس نے اپنا دارالخلافہ پاٹلی پتر سے اجودھیا میں بدل
لیا۔ اس نے مالوہ۔ گجرات۔ کاٹھیاواڑ وغیرہ فتح کئے۔ یہ علاقے ۱۲۶ء
سے شک قوم کے ماتحت چلے آتے تھے۔ اس نے اس کے آخری فرمانروا
رودر سنگھ کو قتل کیا۔ اس کے عہد کے نورتن بڑے مشہور ہوئے ہیں
جن میں سے ایک کالیداس تھا۔ جس کے ایک ڈرامے شکنتلا کو پڑھ کر
جرمنی کا مشہور فلاسفر اور شاعر گیٹے وجد میں آگیا۔

پنجاب مالوہ مشرقی راجپوتانہ جمہوری قوموں کے ماتحت تھے
کماؤں گڑھوال کانگڑہ ول کر کیرتی پور کی ریاست تھی ۱۰۰ قبل مسیح
کرنار کے ایک کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یودھیہ سب سے بہادر گنے

جاتے تھے اور ان کی حکومت بھرت پور۔ سونا پت۔ بہات (سہارنپور کے نزدیک) دیپالپور۔ بست گرہ۔ اجودھن۔ کرور۔ ملتان۔ مشرق کی طرف بھٹنیر۔ ابوہر۔ سرسا۔ ہانسی۔ پانی پت۔ سونی پت۔ ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ کانگڑہ اور جگادھری میں بھی ان کے سکے ملے ہیں۔ چوتھی صدی میں بھی یہ لوگ موجود تھے۔ اس کے پیچھے کمار گپت ۴۵۵ تک اور اس کے بعد سکند گپت نے راج کیا ان کے وقت شمال مغربی دروں سے ایک دشمن آ نمودار ہوا۔ یہ سفید ہون تھے جو آکر لوٹ مار مچانے لگے۔ سکند گپت نے ایک بار انکو بڑی شکست دی مگر ۴۷۰ میں وہ پھر آگئے۔ اب اس سے کچھ نہ بن سکا اس کے پیچھے چار اور راجے گدی پر بیٹھے۔ جن میں سے آخری بالادتیہ تھا۔ یہ گپت راجے براہمنوں کے پیرو تھے۔ مگر بودھوں کے خلاف نہ تھے۔ غالباً براہمنوں نے بدھ کو وشنو کا اوتار بنا کر اپنے دھرم کا ایک جزو بنا لیا تھا۔ جوں جوں بدھ مذہب کمزور ہوتا گیا توں توں پراکرت اور پالی کی جگہ سنسکرت زبان کی ترقی ہوتی گئی۔ گپتوں کے عہد میں پھر سنسکرت ہی دھرم اور نظم و نسق کی زبان بن گئی۔ اس کے ساتھ دوسرے علوم نے بھی ترقی کرنی شروع کی۔ آریہ بھٹ۔ وراہ مہر۔ برہم گپت بڑے ریاضی دان تھے۔ اس زمانے کی تصویریں اور دیگر ہنروں کے نمونہ جات سارناتھ میں پائے جاتے ہیں۔ دہلی کا قطب مینار سمندر گپت کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ اجنتا کی مصوری اور نقاشی اس کمال کی ہے کہ دور دور سے آرٹسٹ لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔

| فاہیان | وکرم آدتیہ کے عہد میں پہلا چینی سیاح فاہیان ہندوستان |
| --- | --- |

میں آیا۔ ۴۰۵ سے ۴۱۱ تک ملک کے مختلف حصوں میں پھرتا رہا۔ اس کے سارے سفر میں ۱۵ سال خرچ ہوئے۔ اس کے وقت میں پاٹلی پتر بھی رونق پر تھا۔ جس کے قریب مہایان اور ہینایان دونوں فرقوں کے مٹھ تھے جن میں بھکشو رہا کرتے تھے۔ اور سب طرف سے طالب علم وہاں آکر پڑھا کرتے تھے فاہیان نے بھی تین سال وہاں رہکر سنسکرت کا مطالعہ کیا۔

فاہیان مغربی چین سے ہوتا ہوا گوبی جنگل کے جنوب سے گذر کر ختن کے راستے ہندوستان کو آیا۔ ختن کے لوگ مہایان فرقہ کے پیرو تھے پامیر کے علاقہ کو مشکل سے عبور کر کے سوات سے ہوتا ہوا پشاور اور ٹیکشلا پہنچا۔ اس کی یاترا مذہبی کتب کی تلاش میں تھی۔ دریائے سندھ سے متھرا تک جگہ جگہ مٹھوں کو دیکھتا تھا۔ ان مٹھوں میں ہزاروں کی تعداد میں بھکشو رہتے تھے۔ متھرا میں تین ہزار بھکشو تھے اور سارے ملک میں کوئی شخص کسی جیو کو نہیں مارتا نہ شراب پیتا ہے نہ پیاز یا لہسن کھاتا ہے نہ سور یا مرغ رکھتا ہے۔ ہندوستان کے لوگ جانور نہیں بیچتے اور نہ منڈی کے پاس قصابوں کی دوکانیں ہیں نہ شراب بکتی ہیں چنڈال لوگ شہر سے باہر رہتے ہیں انکو شہر میں داخل ہوتے وقت ایک طرح نوٹس دینا پڑتا ہے تاکہ لوگ ان کو چھو کر ناپاک نہ ہو جائیں گورنمنٹ لوگوں کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی ہے جسکا جی چاہے رہے یا چلا جائے کوئی مداخلت نہیں۔ اکثر جرموں کے عوض میں صرف جرمانہ ہی دینا پڑتا ہے۔ موت کی سزا کسی کو نہیں دیجاتی اور نہ کسی کو شہادت دینے کے لیے عذاب دیا جاتا ہے۔ اگرچہ گپت خاندان سیدھا تھا تاہم بدھوں اور جینیوں کی بڑی حفاظت کی جاتی تھی۔ بھکشوؤں کو ہر جگہ

چارپائیاں بستر اور خوراک ملجاتے تھے دوسرے ماہ کے آٹھویں دن مورتیوں کے بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے تھے

**ہوناں اور مہر گل** ۔ چوتھی صدی عیسوی میں ایک اور خونخوار قبیلہ وسط ایشیا کے مرغزاروں سے اُٹھ کر ایشیا اور یوروپ میں پھیل گیا۔ اس کی ایک مغربی شاخ نے والگا عبور کر کے یوروپ کو تہ وبالا کر ڈالا۔ انکا سب سے بڑا سردار اٹیلا تھا جس کی بے رحمی اور خونخواری کے قصے یورپی لٹریچر میں بہت پائے جاتے ہیں۔ اس کی مشرقی شاخ نے دریائے جیحوں سے اُتر کر گندھارہ پشاور پنجاب اور گجرات کو لوٹا۔ اسکا پہلا حملہ سکندہ گپت کے وقت ہوا اسکے دس سال بعد انہوں نے گندھار پر قبضہ کر لیا اور ان کی لہر گنگا تک جا پہونچی۔ ان کے سردار کا نام تورمان تھا۔ سنہ ۵۰۰ء میں وہ مالوہ کا حاکم بن بیٹھا اور راجہ مہاراجگان کا خطاب اختیار کیا۔ سنہ ۵۱۰ء میں اس کی موت پر اسکا بیٹا مہر گل تخت پر بیٹھا۔ اس نے سیالکوٹ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اس کے سکے گوجرانوالہ اور جھنگ کے ضلع میں ملے ہیں یہ بھی اٹیلا کی طرح بڑا ظالم اور بے رحم تھا۔ اسی کیطرح اس کی شکل بھی بڑی بھدی اور بدصورت تھی۔ لوگوں کو قتل کرتا تھا۔ گاؤں کو جلا دیتا تھا فصلوں کو اجاڑ دیتا تھا۔ سنہ ۵۲۸ء میں مگدھ کے راجہ بالادتیہ نے مہر گل کو ایک بڑی شکست دی اور اس کی حکومت کو تتر بتر کر دیا لیکن بیوقوفی کر کے اس کی جان بخشدی۔ مہر گل پھرتا پھراتا کشمیر جا پہونچا راجہ کشمیر نے اسے مہربانی کر کے ایک چھوٹی سی جاگیر دی یہاں پر اس نے اپنی طاقت بڑھانی شروع کی اور پہلے اپنے مربی کو ہی شکست

دیکر اس کی گدی پر قبضہ کر لیا۔ پھر گندھار پر چڑھائی کی اور وہاں پر
قبضہ کرکے قتل کرتا ہوا دریائے سندھ تک آ پہونچا۔ اس نے بے شمار
مٹھوں اور مندروں کو مسمار کیا سنہ ۵۴۰ء میں وہ مر گیا۔ ہونوں کے
بہت سے لوگ پنجاب میں ہی رہ کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے ہندو
رسوم اور مذہب اختیار کر لئے۔ مہرگل بھی شیو کا اپاسک تھا۔ ہندو ازم
نے ایسے خونخوار اور ملیچھ لوگوں کو بھی اپنے اندر جذب کر لیا۔

**ہرش وردھن**

ساتویں صدی کے شروع میں پنجاب کی تاریخ
میں ایک اور بڑا راجہ پیدا ہوا۔ جسکا نام بلاشبہ ہندوستان کے بڑے
راجاؤں کی فہرست میں آنا چاہیئے کورو کھشیتر کے میدان میں تھانیسر
ایک بڑا مقدس مقام ہے۔ اس کے پاس ہی دریائے سرسوتی بہا کرتا
تھا۔ اور اس علاقہ کا نام برہمن رشی ویش قدیم سے چلا آتا ہے جب
ہون لوگ پنجاب پر حملے کر رہے تھے تو یہاں کے راجہ پربھاکر وردھن
نے انکا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور اپنے بڑے بیٹے راجہ وردھن کو
ان کو روکنے کے لئے شمال مغربی سرحد پر روانہ کیا اس کے ساتھ اسکا
چھوٹا بھائی ہرش وردھن بھی تھا وہاں پر ہی اسے خبر ملی کہ راجہ بہت بیمار
ہے۔ راجہ وردھن واپس آکر سنہ ۶۰۵ء میں گدی پر بیٹھا اس کی ایک بہن
راجیشوری مالوہ میں بیاہی تھی مالوہ کے راجہ نے اس کے بہنوئی سے ناراض
ہو کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کی بہن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالکر اسے
جیل میں ڈالدیا۔ راجہ وردھن یہ خبر سنتے ہی دس ہزار سوار لیکر بہن
کو چھڑانے کے لئے مالوہ کی طرف روانہ ہوا۔ راجہ کو اس نے بڑی بھاری
شکست دی لیکن اس کی مدد میں بنگال کا راجہ ساسنک بھی آیا ہوا

تھا اس نے دھوکے سے راجہ وردھن کو قتل کروا ڈالا۔ ہیون سانگ بتاتا ہے جب راجہ وردھن مارا گیا تو وزیر لوگ اکٹھے ہوئے ایک دھانڈی ہنے یہ کہا کہ میں ہرش وردہن کو تجویز کرتا ہوں وہ اپنے کنبہ کا بڑا پیارا ہے۔ سب اسپر اعتبار کریں گے۔ سب نے اپنی اپنی رائے دی تجویز مان لی گئی اور ہرش راجہ بنایا گیا۔ راجیشوری بھاگ کر مندھیا کے جنگلوں میں چلی گئی تھی ہرش وردھن کی عمر اسوقت پندرہ سولہ برس کی تھی۔ جب اسے اپنے بھائی اور بہن کے اس دردناک انجام کی خبر ملی سانسک سے بدلہ لینے کے لئے وہ فوراً روانہ ہوگیا اور کہا جاتا ہے کہ وہ عین اسوقت جا پہونچا جب اس کی بہن دوسری عورتوں کو ساتھ لئے ہوئے ستی ہونے پر تیار تھی۔ اسے بچا کر بعد ازاں اس نے سانسک کو بڑی شکست دی اور اس کے بعد ملک کو فتح کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ اسوقت اس کی فوج میں پچاس ہزار پیادہ اور بیس ہزار سوار تھے۔ ساڑھے پانچ سال تک لڑائیاں کر کے اس نے تمام شمالی ہند فتح کر لیا اور پینتیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی سزائیں بڑی سخت تھیں۔ سنگین جرائم کی سزا میں ناک کان ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جاتے تھے۔ قیدیوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوتا تھا۔ تعلیم بہت پھیلی ہوئی تھی اور سرکاری دفتر بہت مکمل تھے۔ ہرش نے اپنا صدر حکومت قنوج میں قائم کیا۔

اس کے وقت ہیون سانگ مشہور چینی یاتری ہندوستان میں آیا۔ ہرش نے اس کی خبر پاکر اسکو اپنے پاس بلا بھیجا۔

اتفاق سے ہرش دورہ پر جا رہا تھا کہ اسے راستے میں ہیون سانگ ملگیا۔ ہیون سانگ نے اس پہلی ملاقات کو بہت دلچسپ بتلایا ہے۔

ہیون سانگ ہرش کی زندگی اور چال چلن کی بہت تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسنے ہزاروں ستوپ اور مٹھ قائم کئے۔ وہ تمام فرقہ کے سادھوؤنکو فیاضی سے دان دیتا تھا۔ جہاں جہاں وہ ٹھیرتا تھا۔ ایک ہزار بھکشو اور پانچ سو برہمن کو کھانا دیتا تھا۔ راجہ ہرش ہین یان فرقہ کا ماننے والا تھا۔ ہر سال سنگھ کا اجلاس کرتا تھا۔ ہیون سانگ نے اسے مہایان فرقہ کی فضیلت کا قائل کرنا چاہا۔ راجہ نے دونوں کے مقابلہ کے لئے ۶۴۳ء میں بڑی سبھا بلائی۔ ایک بڑا بھاری کیمپ تیار کیا گیا۔ بیس راجے اس میں شامل ہوئے جن میں کامروپ اور ولبھی کے راجہ بھی تھے چار ہزار بھکشو آئے۔ تین ہزار براہمن اور جین پنڈت تھے۔ بڑے بڑے مٹھ دھاری ہاتھیوں اور پالکیوں پر سوار سبھا میں شامل ہوئے ایک شاندار پنڈال بنایا گیا۔ بیچ میں ایک اونچا مینار تھا جس پر بدھ کی تصویر رکھی گئی۔ اس تصویر کے جلوس میں راجہ نے اپنے ہاتھ میں چھتری پکڑی راجکمار چنور کرتے تھے۔ راستے میں سونا بکھیرتا ہوا گیا اور مورتی کو تخت پر جا رکھا۔ ہیون سانگ کو اس سبھا کا پردھان بنایا گیا۔ اس نے سبکو چیلنج دیا کہ اگر کوئی میری دلیل کو رد کردے اسکو میرا سر کاٹنے کا اختیار ہوگا۔ کسی کو اس کے ساتھ شاسترارتھ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اٹھارہ روز ایسا ہی ہوتا رہا۔ لیکن انجام اچھا نہ ہوا۔ کسی نے سازش کرکے منڈپ کو آگ لگادی اور راجہ پر بھی وار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچسو برہمن جلاوطن کئے گئے۔ اسی سال پریاگ میں ایک میلہ ہوا جس میں پانچ لاکھ کے قریب سادھو سنیاسی اور دوسرے لوگ اکٹھے ہوئے۔ یہ میلہ اڑھائی ماہ تک رہا۔ پہلے دن بدھ کی دوسرے دن سورج کی تیسرے دن شِو کی

سورج کی پوجا کی گئی۔ راجہ نے سرو میدھ یگیہ کر کے اپنی ہر ایک چیز دان کر دی۔ ہر ایک بھکشو کو سونے کی ایک ایک سو مہر دان دی گئی جین پوجاریوں کو بھی دان دیا گیا۔ ایک ماہ تک یتیموں اور غریب لوگوں کو دان دیا جاتا رہا۔ دوسرے راجاؤں نے ہرش کا سب سامان خرید کر اسے واپس دے دیا۔ اس میلہ کے دس دن بعد ہیون سانگ اپنے وطن کو روانہ ہوا۔ راجہ نے بہت سا سونا چاندی اور قیمتی اشیا اس کی نذر کیں۔ اس نے صرف ایک سمور کا کوٹ رکھکر باقی سب واپس کر دیں۔ چھ ماہ کے سفر کے بعد ہیون سانگ جالندھر پہنچا وہ اپنے ساتھ بیشمار مورتیاں اور کتابیں لے گیا۔ نمک کی کانوں کے پاس ہوتا ہوا پامیر اور ختن کے راستے سے گذر کر ۶۴۵ء میں چین جا پہنچا۔

مہاراجہ ہرش ۶۴۷ء میں مر گیا وہ بڑا عالم تھا اسکے لکھے ہوئے ڈرامے پائے جاتے ہیں ویاکرن پر بھی اس نے ایک کتاب لکھی ہے چین کے بادشاہوں سے اس کے بڑے تعلقات تھے۔

**بودھ مذہبی کارپوریشن** ویدک سوسائٹی کی بنیاد ورن اور آشرم پر تھی۔ ورن کے فرائض پر غور کرنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ویدک دھرم کا آدرش ساری سوسائٹی کو ایک سمجھنا تھا۔ سماج کا ہر ایک ممبر سب سے پہلے اپنی سماج کے بھلے کے لئے زندہ رہتا تھا۔ اس کی اپنی شخصی بھلائی اسی بات میں سمجھی جاتی تھی کہ اس کی ساری سوسائٹی بہیئت مجموعی ترقی کرے اور وہ اسکا ہی ایک حصہ ہونے کی وجہ سے خود ہی ترقی کرتا جائیگا۔ ورنوں کے نقطہ خیال سے سماج ہی سب کچھ تھا۔ ویکتی (شخص) کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ براہمن اپنی ساری بدھی اور ودیا کو

سوسائٹی کے ارپن کر دیتے تھے۔ جس کے بدلے میں انکو نہایت ہی سادہ
ضروریات مہیا کی جاتی تھیں کشتری ہر وقت سماج کو خطروں سے بچانے
کے لئے اپنے پران دینے پر تیار رہتے تھے۔ ویش اپنا دھن اور شودر
اپنی جسمانی خدمت سوسائٹی کے ارپن کرتے تھے۔ لیکن ویدک دھرم
میں ویکتی سے بالکل لاپرواہی نہیں کی گئی۔ چار آشرموں کے طریق اور
فرائض کو دیکھنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ہر ویکتی کو سوسائٹی کے لئے زندہ
رہنا ہوتا تھا وہاں ہر ایک ویکتی کے لئے اس کی زندگی بہتر اور بہت زیادہ
کارآمد بنانے کے لئے پورا موقعہ اور انتظام تھا۔ ہر ایک بچے کو پیشتر اس کے
کہ وہ کسی خاص ورن کے اندر شامل ہو کم از کم پچیس سال تک تعلیم حاصل
کرنا ضروری تھا۔ یہ تعلیم راجہ کی طرف سے غریب اور امیر کو ایک سی دی
جاتی تھی۔ گویا قوم کے سارے بچے قوم کی ہی جائداد سمجھے جاتے تھے۔
گرہستھ آشرم کے بیچ کے حصہ میں ورنوں کے فرائض کو پورا کرنا ہوتا تھا
گرہستھ آشرم سے چھوٹتے ہی بان پرستھ اور سنیاس پھر ویکتی کی اُنتی کے
لئے ہی مخصوص کئے گئے تھے۔ اگرچہ سنیاس میں وہ تمام طاقت سماج کی بھلائی
کے لئے خرچ کرنی پڑتی تھی جو بان پرستھ میں مخفی اکٹھی کرتا تھا۔
تیاگ اور تپ کی زندگی بسر کرنا ایک معمولی بات تھی اور اس کے لئے
خاص طرح کے قواعد اور ضوابط بنائے گئے تھے۔ اگرچہ ہر ایک شخص بان
پرستھ میں نہیں جاتا تھا مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خاص عمر تک گرہستھ
کے فرائض کو پورا کرنے کے بعد بہت سے لوگ اسے تیاگ کر بان پرستھ میں
چلے جاتے تھے۔ ان میں سے بہت سے آشرموں میں کہیں دو سو کہیں
کہیں چار پانچ سو تک اکٹھے رہا کرتے تھے۔ اُس وقت اُن کو جتلا کہتے تھے۔

نرگرنتھ یا اجیو کا بھی کہا جاتا تھا۔ مہاتما بدھ نے ورنوں کے مطابق فرائض
کی تقسیم کے اصول کو حقارت سے دیکھنا شروع کیا۔ اس کی تعلیم کی ساری
غرض ویکتوں (افراد) کو اونچا کرنا تھا۔ مہاتما بدھ نے قومی زندگی اور
قومی فرائض کی مطلق پرواہ نہیں کی اس کی نظر میں انسان کا کام صرف
اپنے فعلوں کو نیک بنانا ہے۔ کیونکہ ہر ایک انسان کو اس کے پیچھے
فعل ہی ترقی کی طرف لیجا سکتے ہیں اور انسان کے لئے اس کی ترقی
کا معراج نروان یعنی اپنے آپکو ناش کر دینا ہے۔ یہ دونوں باتیں ویکتی
کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں لیکن ہر ایک ویکتی کو اپنے اس آدرش پر
پہنچانے کے لئے مہاتما بدھ کو خاص سوسائٹی قائم کرنی پڑی جسے
اس نے سنگھ کا نام دیا اور بان پرستھ آشرموں کے قواعد اور ضوابط کو
لیکر انکو اپنے سنگھ کے لیے رائج کیا۔ اپوستھ (ایک سبھا میں اکٹھے بیٹھنا)
کی رسم اور برسات میں آرام کرنے کا دستور پرانے سادھوؤں کا قاعدہ
تھا۔ بودھوں کے سنگھ کے مطالعہ کے لئے ہمارے پاس مصالحہ
موجود ہے۔ اس سے ہمکو پرانی حالت کا نقشہ بھی پتہ لگ سکتا ہے پرانے
آشرموں اور مہاتما بدھ کے آشرموں میں بڑا اصولی فرق یہ ہے کہ پرانے
طریقہ کے مطابق انسان کی ترقی سوسائٹی کو آگے لیجانے کی غرض
سے تھی۔ لیکن مہاتما بدھ کے آشرموں میں ویکتی کی اُنتی کے لئے
خاص طرز کی سوسائٹی کو پیدا کیا گیا۔ اس لئے جبکہ بان پرستھ آشرم
میں جانے کے لئے عمر کی خاص حد مقرر تھی۔ مہاتما بدھ کے سنگھ
میں کوئی گرہستھ شاستری کسی عمر میں داخل ہو سکتا تھا۔ اس ناکمل
دنیا کے انسانوں کے لئے ایسی ایک سوسائٹی قائم کرنا جس میں سب

ممبر تیاگ کرکے نروان حاصل کرنے کے ایک ہی ادیش میں لگ جائیں دنیا میں ایک بے مثال تجربہ ہے جو کہ مہاتما بدھ نے اس ملک میں کیا اور یہی ایک ملک تھا جو کہ ایک نہایت قدیمی روحانی اور اخلاقی تربیت کی وجہ سے ہزاروں اور لاکھوں ایسے مرد اور عورتیں پیدا کرسکا جنہوں نے دنیا کی تمام نفسانی خواہشوں کو دباکر اپنی زندگیوں کو اس بڑے تجربے کے ارپن کر دیا۔

بعد کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ مہاتما بدھ کا یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔ وجہ اس کی صاف تھی۔ ایک تو انسانی فطرت کی تمام کمزوریاں اس کی کامیابی کے راستہ میں حائل ہوئیں لیکن اس سے بھی بڑھکر وجہ یہ تھی کہ دنیا اس عالیشان تجربہ کیلئے نہ اسوقت تیار تھی اور نہ اب بھی تیار معلوم ہوتی ہے۔ مہاتما بدھ نے ہندوستان کے لوگوں کو تلوار پرسے رکھکر بالا ہاتھ میں لے لینے کا اپدیش دیا۔ ہندوستان نے تلوار میان میں ڈالدی لیکن دنیا میں وحشی اقوام تھیں جو تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے ہندوستان پر چڑھ آئیں اور انکو اپنے وحشیانہ مظالم دکھاکر خبردار کیا کہ ابھی تک اس دنیا میں جسمانی طاقت کا ہی راج ہے اور تم لوگ جسمانی طاقت کو اسوقت تک حقارت سے نہیں دیکھ سکتے جبتک کہ باقی کی دنیا بھی تمہارے جیسی نہیں ہو جاتی دوسرے الفاظ میں کسی خاص ملک کے لوگ اپنے آپکو دیوتا نہیں بنا سکتے جبتک کہ باقی کے سارے انسان بھی دیوتا نہیں بنجاتے۔

سنگھ انسان مجموعی حالت میں ترقی کرسکتا ہے جیسے کہ ایک قوم قومی راہ پر چلنے سے ہی ترقی کرسکتی ہے۔ اس سوسائٹی یعنی سنگھ کی تصویر ہمارے لئے سبق سکھلانے والی ہوگی اور اگرچہ اسکا رواج مگدھ دیش

ہر ایک آدمی بلا لحاظ سنگھ کا ممبر بن سکتا تھا۔ شودر بھی۔ اس میں شامل ہو سکتے تھے جن کو پہلے کبھی اس قسم کا استحقاق نہ ملا تھا۔ شروع شروع میں جو کوئی جاتا تھا بدھ کے پاس آتا تھا وہ اسے اتنا ہی کہکر داخل کر لیتا تھا " آؤ بھکشو اچھی طرح شکشا حاصل کرو اور دکھ کا سرے نا‌ش کرنے کے لیے پوتر جیون بسر کرو" جب سنگھ بڑھ گیا دوسرے بھکشوؤں کو بھی اختیار دیا گیا کہ وہ اوروں کو اپنے اندر شامل کریں پھر شکل صورت میں بھی تھوڑی تبدیلی کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ جو داخل ہونا چاہتا تھا اس کے بال اور داڑھی کاٹی جاتی تھی۔ وہ پیلے وستر پہن لیتا تھا اوپر کے وستر سے ایک کندھا ڈھانپ لیتا تھا۔ سب بھکشوؤں کے پاؤں چھوتا تھا زمین پر بیٹھ جاتا تھا اور تین بار یہ منتر پڑھتا تھا " میں بدھ کی شرن میں آتا ہوں۔ میں دھرم کی شرن میں آتا ہوں۔ میں سنگھ کی شرن میں آتا ہوں" مندرجہ ذیل اشخاص شامل نہ ہو سکتے تھے۔

۱۔ جو ان پانچ بیماریوں میں سے کوئی بیماری رکھتا ہو۔ کوڑھ۔ خشک کوڑھ۔ پھوڑے۔ تپ دق اور مرگی ۲۔ جو سرکاری نوکر ہو۔ ۳۔ جو جیل سے بھاگا ہوا ہو۔ ۴۔ قرضدار ہو۔ ۵۔ داس ہو۔ ۶۔ پندرہ سال سے کم عمر کا ہو۔ ۷۔ ہیجڑہ ہو۔ ۸۔ جس کا کوئی اعضا بگڑا ہوا یا کٹا ہوا ہو۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا طریقے میں تبدیلی ہوتی گئی داخلہ کے لیے پہلے قواعد اور خاص تعلیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس لئے امیدوار پہلے دس بھکشوؤں کے سنگھ کے پاس جاتا تھا وہ اس کی سفارش کرتے اور سنگھ میں لے آتے۔ سب کے چرن چھوکر وہ بیٹھ جاتا اور ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتا " میں پرارتھنا کرتا ہوں کہ کرپا کر کے مجھے دکھ جیون سے نکالا جائے

پھر اس سے بیماریوں کے متعلق اور دوسری شرائط کے بارہ میں سوال کئے جاتے تھے جنکا جواب وہ ہاں یا نہ میں دیتا تھا اس کے بعد ایک بھکشو کھڑا ہو کر کہتا تھا۔ کہ یہ نیا آدمی سب عیبوں سے بری ہے اور شرائط پوری کرتا ہے اگر کسیکو کوئی اعتراض ہو تو بیان کرے۔ یہ الفاظ دوبارہ سہ بارہ کہے جاتے تھے۔ سب کے خاموش رہنے پر اس شخص کو اُپ سمپدا بنایا جاتا تھا۔ جو شخص پہلے تیرتھیا فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے چار ماہ انتظار کرنا پڑتا تھا۔

اس میں اس کے چرتر کی جانچ کی جاتی تھی اور اسے بڑے تپ کا جیون رکھنا ہوتا تھا۔ یعنی کسی پرانی کو مارنے۔ چوری۔ اپترتا۔ جھوٹ۔ نشہ بے موقعہ کھانے۔ گانے ناچنے۔ اونچے بستر سے پھولوں اور خوشبو سے۔ سونا چاندی لینے سے پرہیز کرنا ہوتا تھا۔ اگر وہ دہرم کے خلاف بولتا ہوا۔ یا کسی بھکشوں سے بُرا تعلق رکھتا ہوا پایا اسلئے سد صانت رکھتا ہوا پایا جائے اسے سنگھ سے نکال دیا جاتا تھا۔

بھکشو کو چار آسرے بتائے جاتے تھے ۱۔ دہرم کی زندگی میں بھیک کے ٹکڑے کھانے کے لئے ہیں ۲۔ دھرم کی زندگی میں چیتھڑوں کے کپڑے ملتے تھے۔ ۳۔ دہرم کی زندگی میں درخت کا تنا رہنے کے لئے ملتا تھا۔ ۴۔ دھرم کی زندگی میں دوائی کی جگہ پیشاب ملتا تھا۔ ان سے بہتر اگر اسے ملجائے تو وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھے۔ اس کے لئے چار بڑی بڑی باتیں یہ تھیں۔ ۱۔ اپ سمپدا حاصل کئے ہوئے بھکشو کو کسی قسم کا بھوگ نہ کرنا چاہیئے۔ ۲۔ اسے کسی چیز کو حتیٰ کہ گھاس کے پتے تک کو ہاتھ نہ لگانا چاہئے ۳۔ اسے

کسی جاندار کو بھا تنگ کر ایک چیونٹی کو بھی مارنا نہ چاہیئے۔ ۴۔ اپنے آپ کو کوئی غیر معمولی درجہ نہ دینا چاہیئے۔ ان باتوں کو اچھی طرح سیکھنے کے لیئے یہ ضروری تھا کہ ہر ایک نیا بھکشو دس سال تک اپنے آچاریہ کے پاس رہے دونوں کا باہمی رشتہ باپ اور بیٹے کا ہوگا۔ ششش کے فرائض یہ ہونگے:۔ سویرے اٹھکر گورو کو داتن اور پانی دینا۔ بھیک کے وقت اس کے ساتھ جانا۔ پانی پلانا۔ نہانے کے لئے پانی رکھنا۔ اسکا چونا لگانا۔ اس کی جگہ صاف کرنا۔ وغیرہ۔ اور کچھ ضرورت ہو تو اسے پورا کرنا۔ اگر گورو غصّہ میں آکر کوئی بُرا کام کرنے لگے تو ششش کو چاہیئے کہ اُسے روک دے۔ اگر گورو کو کوئی سخت سزا ملے تو ششش کو چاہیئے کہ وہ سزا وہ اپنے اوپر لینے کو تیار ہو۔ یا دوسری طرح سے کوشش کرے کہ سنگھ اس سے وہ سزا واپس لے لیوے۔

## گورو کے فرائض

ششش کی جسمانی اور آتمک بہتری کا خیال رکھے سنگھا ذکیہ پرشن پوچھ کر اور اسے اپدیش دیکر اگر اسکو پیالہ یا کُرتہ یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو اچاریہ کو مہیا کرنا چاہیئے اگر ششش بیمار ہو تو گورو کو سویرے اٹھکر اسے داتن وغیرہ دینا چاہیئے۔ گورو ششش کو نکال سکتا تھا اور اگر گورو سنگھ کو چھوڑ دے تو ششش کسی اور آچاریہ کے پاس جاسکتا تھا۔

دس سال گذر جانے پر وہ سنگھ کا پورا ممبر بنجاتا تھا۔ اسکا ہر ذرا ذرا سی بات تک قواعد سے بندھا تھا جنکو توڑنے سے اسکو سزا ملتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ بھکشو کو کونسا کرتہ پہننا چاہیئے۔ کون سا کمبل استعمال کرنا چاہیئے۔ کس چارپائی پر بیٹھنا چاہیئے۔ کونسا پیالہ لینا چاہیئے

اور کسطرح سے اشنان کرنا چاہیئے۔ ان تفصیلات پر کتنا زور دیا جاتا تھا اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ دہ کیا سوالات تھے جن کی وجہ سے پہلی بار ویہرم میں دو ٹکڑے ہو گئے۔ وہ سوال یہ تھے کہ آیا بھکشو کو سینگ میں نمک جمع رکھنا چاہیئے یا نہیں؟ کیا دوپہر کا کھانا اسیوقت کھانا چاہیئے جبکہ سورج کا سایہ دو انگل بھر ہو گیا کھانے کے بعد آدمی دہی کھا سکتا تھا یا نہیں؟ سایہ کیا کمبل کا ماپ جھالر کے ساتھ مقرر ہونا چاہیئے یا اس کے بغیر؟ غرضیکہ بھکشو کے جیون کا کوئی کام بھی بغیر اجازت اور قاعدے کے نہ ہوتا تھا۔ جس شخص نے ویدک کرم کانڈ کو اڑا دیا تعجب کا مقام ہے کہ ایک سو سال بعد اس کے پیروؤں میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے شروع ہو گئے۔

جبتک مہاتما بدھ زندہ تھا سارا قانون اسی سے نکلتا تھا۔ بدھ کے سوائے اور کوئی مرکزی طاقت نہ تھی۔ راج گریہہ کونسل میں بدھ نے آنند سے کہا "جب میں چلا جاؤں تو سنگھ اگر چاہے تو چھوٹے چھوٹے قانون بنا سکتا ہے" لیکن چھوٹے چھوٹے لفظ کے معنوں پر بحث شروع ہو گئی۔ آخر مہا کشیپ کی تجویز پر یہ فیصلہ ہوا کہ قانون وہی رہے جو مہاتما بدھ کے جیتے ہوئے تھا۔ اس میں کچھ گھٹایا بڑھایا نہ جائے۔ مہاتما بدھ کی زندگی میں ہی ایک شہر سے سنگھ نے ایک بھکشو کو نکال دیا۔ کچھ ممبر اس کے مددگار تھے۔ جب مہاتما بدھ کو یہ خبر ملی تو وہ چلا اُٹھا کر سنگھ ٹکڑے ہو گیا ہے۔ اس نے اس فساد کو مٹانے کی کوشش۔ لیکن اُسے مایوس ہو کر واپس ہونا پڑا۔ ایک مرکزی طاقت کا نہ ہونا جو انتظام قائم رکھ سکے سنگھ کی کمزوری کا بیج تھا۔ بھگوان کی مرن پیچھے جو کچھ طاقت تھی وہ بھی جاتی رہی بعد ازاں اگر سنگھ ٹکڑے ہو گئے

سے بچا رہا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ راجا لوگ بدھ دھرم میں داخل ہو جانے سے ان کے لیڈر امن جانے لگے

یہ سنگھ جگہ جگہ قائم ہو گئے۔ سب کے سب ڈیموکریٹک (جمہوری) نظام رکھتے تھے۔ ہر ایک بھکشو بولنے کا حق رکھتا تھا۔ اگر ایک بھی غیر حاضر ہو تو وہ سبھا ناجائز ہو جاتی تھی۔ مختلف کاموں کے لئے کورم کی تعداد جدا جدا تھی۔ کسی میں چار کسی میں بیس کی پہلے ایک بھکشو تجویز پیش کرتا تھا۔ ایسے نئی گیتے تھے۔ باقاعدہ ووٹ لی جاتی تھی۔ کثرت رائے سے یہ تجویز پاس ہوتی تھی۔ اگر معاملہ بہت سنجیدہ ہو تو ایک اور بڑے سنگھ نے پاس بھیجا جاتا تھا۔ پیچیدہ معاملوں پر چھوٹی کمیٹیاں مقرر کی جاتی تھیں جس کے ممبر مشہور بھکشو چنے جایا کرتے تھے۔ اگر رائیں دھرم و ردو دھ ہوں تو رائے لینے والا انہیں ناجائز قرار دے سکتا تھا۔

ہر ایک مٹھ میں مختلف فرائض کے لئے مختلف افسر مقرر ہوتے تھے خوراک تقسیم کرنے والا۔ کام بانٹنے والا۔ سامان رکھنے والا۔ کپڑے رکھنے والا۔ کپڑے تقسیم کرنے والا۔ برسات چوغے اور نہانے کے چوغے رکھنے والا۔ پیالے رکھنے والا۔ مالیوں کا نگہبان۔ یہ سب بھکشوؤں میں سے چنے جاتے تھے۔ سنگھ کو ممبر پر بڑا اختیار تھا۔ قصوروں کے لئے تنبیہ کرنا۔ پرائشچت کرانا۔ معطل کرنا۔ خارج کر دینا سزائیں دی جاتی تھیں بھکشو کوئی ایسی چیز نہ رکھ سکتا تھا جو اسے نہ دی گئی ہو۔ صرف ایک ہی پیالہ رکھ سکتا تھا اور اس کے پانچ جگہ ٹوٹ جانے پر دوسرا لے سکتا تھا بغیر کسی وجہ کے آگ جلانا بھکشو کے لئے پاپ تھا۔ ریشم لگانا پاپ تھا دو یا تین پیالے سے زیادہ سنبھال لینا پاپ تھا۔ بھکشو کی موت پر اس کی

سب چیزیں سنگھ کو جاتی تھی۔ بدھ نے حکم دیا کہ پانچ چیزیں ہمیشہ سنگھ کی رہینگی ان کا کوئی ایک شخص مالک نہ ہوگا۔ باغ کی زمین و بہار کی زمین بستر اکرسی یا کمیہ۔ چاندی کا برتن یا آستر یا کلہاڑا۔ گھاس یا لکڑی کی چیزیں مٹی کی چیزیں ہر ماہ کے نصف میں آٹھویں دن یا چودھویں پندرھویں دن لوگ سبھا اکٹھی ہوتی تھی۔ آخری دن البتہ کیا جاتا تھا جس میں پتی ٹکھ پڑھا جاتا تھا۔ اور لوگوں سے پوچھا جاتا تھا کہ انہوں نے کوئی ایسا پاپ تو نہیں کیا۔ اُپستھ کے لئے علاقہ مقرر کیا جاتا تھا جس کی حد دریا وغیرہ ہوتی تھی۔ ایک خاص جگہ مقرر کی جاتی تھی جہاں سب لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ پتی ٹکھ پڑھنے والا چنا جاتا تھا۔ اگر سنگھ میں نہ ہو تو دوسرے سنگھ میں جانا ہوتا تھا۔ اس میں ہر ایک بھکشو کی موجودگی ضروری تھی۔ کوئی بھی غیر حاضر نہ رہ سکتا تھا۔ بادشاہ اور ڈاکوؤں سے بھی بھکشو کو مانگ کر لایا جاتا تھا تاکہ اس پرارتھنا میں شامل ہو سکے۔ کیونکہ اگر کوئی بھی غیر حاضر ہو تو وہ رسم بند کرنی پڑتی تھی۔ برسات کے تین ماہ ایک مقام پر رہنا ہوتا تھا۔ بھیک مانگ کر جو پہلے آجاتا تھا وہ کھانے کی جگہ پانی وغیرہ تیار کرتا تھا۔ جو آخیر میں آتا تھا وہ رہا سہا کھا لیتا تھا یا اسے باہر پھینک آتا تھا۔ پاؤں دھونے کے لئے پانی اور تولیا رکھتا تھا۔ بھکشونیوں کے لئے علیحدہ سنگھ اور علیحدہ مٹھ تھے انکے لئے بھی اسی قسم کے قواعد تیار کئے گئے تھے۔

**بودھ پنڈت چین میں**

ہماری تاریخ میں ان سپوتوں کے نام کا ذکر نہیں ملتا جنہوں نے اپنے گیان کی روشنی پھیلانے کے لئے ہزاروں میل سفر طے کرکے اور چینی جیسی مشکل زبان سیکھکر

چین میں دھرم پرچار کیا۔ اگر کچھ ان کے حالات کے متعلق بیان موجود تھا تو وہ سب اسلامی حملوں کے طوفان میں تباہ ہو گیا۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان مہان آتماؤں کے جیون چرتر چینی زبان میں لکھے ہوئے چین کے شاہی ریکارڈ میں پائے جاتے ہیں ان کے کام اور جیون کو ملک کی تاریخ میں درج کرنا ایک بڑی کمی کو پورا کرنا ہوگا۔ چین میں روایت ہے کہ مسیح سے کچھ برس بعد ہان خاندان کے بادشاہ منگ ٹی کو حکومت کے چوتھے سال میں ایک خواب آیا۔ اس نے ایک فرشتہ صورت آدمی دیکھا جسکا جسم سونے کا تھا۔ جسکا قد ۱۶ انچ تھا۔ اس کے سر کے گرد سورج کی طرح روشنی تھی یہ ہستی دوڑتی ہوئی اس کے محل میں داخل ہو گئی۔ بادشاہ نے سب سے بڑے جیوتشی فوئی سے اس کی تعبیر پوچھی جس نے بتایا کہ ہندوستان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جسے پورا گیان حاصل ہوا ہے اور جسے فو یعنی بدھ کہتے ہیں یہ سنکر بادشاہ نے اپنے بڑے جنگی افسر سائی ان اور ملکی افسر وانگ سنگ اور ٹی رسن کنگ کو ہندو اور آدمی ساتھ دیکر روانہ کیا کہ وہ وسط ایشیا کے راستے ہندوستان میں جائیں اور محنت کے ساتھ بدھ دھرم کو سیکھ کر واپس آئیں

ان اور اُس کے ساتھی گیارہ سال کے بعد ہندوستان سے واپس آئے۔ بدھ کی تصویر اور اس کی سب کتابیں اپنے ساتھ لے آئے۔ انکے ساتھ دو پنڈت ماتنگ اور فالان بھی گئے۔ بادشاہ نے ماتنگ سے سوال کیا "بدھ نے ہمارے ملک میں جسمانی صورت کیوں نہ اختیار کی"؟ اسکا بروہت نے جواب دیا۔ کپل فو کا ملک بڑی تہذیب کا مرکز ہے۔ تین یگ کے سب بدھ اور دیوتا لوگ وہاں ہی پیدا ہوئے ہیں اور وہاں ہی پیدا ہونا

چاہتے ہیں تاکہ دھرم پر چلکر اس کے اثر سے انہیں پورا گیان حاصل ہو اور
ان کی مکتی ہو۔ ان کے گیان کی روشنی سب اطراف میں پھیلتی ہے۔ بادشاہ
کی تسلی ہو گئی۔ اس نے فوراً شہر کے مغربی دروازے کے باہر ایک مندر بنوایا
جسکا نام سفید گھوڑے کا مندر رکھا۔ جس میں بدھ کی تصویر رکھی گئی۔
ایک اور تصویر شہر کے پھاٹک پر رکھی گئی تاکہ لوگ درشن کریں اور پوجا کریں
کشیپ ماتنگ پنڈت اصل میں مگدھ کا ایک سرامن تھا۔ جب چینی قاصد
آئے تو وہ گندھار میں رہا کرتا تھا۔ قاصدوں نے اسے ساتھ جانے
کے لئے کہا۔ اس نے راستہ کے خطروں کی کوئی پرواہ نہ کی اور تیار ہو گیا
راستہ بڑا لمبا اور مشکل تھا۔ چینی ترکستان اور صحرائے گوبی میں سے ہو کر بڑی
اونچی اور جنگل گذرنے ہوتے تھے۔ کئی مقامات پر انہیں ایک ایک دو
دو ماہ ٹھیرنا پڑا۔ دوسرے پنڈت فالان کا اصلی نام دھرم رکشش معلوم
ہوتا ہے جسکو بادشاہ نے اپنے نئے بنائے مٹھ میں رکھا۔ بادشاہ کے
پرانے پروہت جو کہ تاؤ رکن فیوشی اس کے پیرو تھے اس کے برخلاف
ہو گئے۔ بہت عرصے تک جدوجہد جاری رہی۔ بادشاہ نے دونوں کے
درمیان مباحثہ کرایا۔ اور بدھ دھرم کی سچائی پر یقین کر کے اسکا چیلا بن
گیا۔ ماتنگ نے چینی زبان اچھی طرح سیکھ لی۔ چینی لوگ اس کے گرد
دھرم کی شکھشا کے لئے جمع رہتے تھے مگر وہ زیادہ موَن دھارن
کئے رہتا تھا۔ ہندوستان سے ختن تک جو کہ چینی ترکستان میں واقع ہے
سنسکرت بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ ختن سے آگے کوئی آدمی سنسکرت
نہ جانتا تھا۔ اس لئے راستے میں ہی اسکو چینی زبان کی ایک آدھ لفظ
سیکھنی پڑی تھی۔ چین میں پہونچنے پر لوگوں نے اتنا تنگ کیا کہ اس نے

اپنے ساتھی کی مدد سے بدھ دھرم کی سکھشا پر ایک دھرم پستک لکھی۔ یہ کتاب ۲۴۱ ادھیاؤں میں ہے اور بدھ دھرم پر یہ ایک بڑی اچھی پستک سمجھی جاتی ہے
تبت اور منگولیا کی زبانوں میں بھی پائی جاتی ہے اس طرح ہانگ پہلا پنڈت
تھا جس نے دونوں ہمسایہ قوموں میں باہمی تعلق پیدا کیا اور بدھ دھرم کی مشعل
کو قائم رکھا اسکا ساتھی دھرم رکھشک بھی ایک شرامن تھا۔ وہ دینا دھرم
شاستروں اور سوتروں کو اچھی پرکار جانتا اور ایک بڑا گورو سمجھا تھا۔ اسکا
پنارا جا اسکو چین کو نہ جانے دیتا تھا لیکن وہ چھپ کر چوری نکل گیا اور ہانگ
کے ساتھ چین جا پہنچا۔ ماتنگ نے اس کی لیاقت کا پورا فائدہ اٹھایا
اور اس سے سنسکرت کتابوں کو چینی زبان میں ترجمہ کرنیکا کام لیا۔ ان میں سے
ایک بدھ چرت سوتر تھی۔ جسکا چینی لوگوں پر بڑا بھاری اثر ہوا۔ اس نے
ماتنگ کے مر جانے کے بعد بھی کتابیں لکھنے کا کام جاری رکھا جن کی وجہ سے
چینی زبان میں بدھ دھرم کا ساہتیہ۔ فلاسفی اور کہانیاں عام پھیل گئیں۔
جب بدھ دھرم کا درخت چین میں لگ گیا تو بہتیرے ہندوستانی بھکشو دھرم
پھیلانے کے لئے چین میں جانے شروع ہوئے۔ چین کے بادشاہوں کو
بھی ان کی مدد کی بڑی ضرورت تھی۔ پہلے گروہ میں آریہ کال۔ ستھادیر۔ چلو۔
کاکشا۔ صرافی لا۔ سودینا۔ اور دوسرے میں دھرم کال اور اس کے ساتھی
مہابل اور دھرم پھل وغیرہ تھے۔ دوسری صدی کے آخیر میں ایک بھکشو
چو فا سو آیا۔ اور لویانگ کے وہار میں رہکر سنسکرت سے دو سوتر چینی زبان
میں ترجمہ کئے۔ مہابل بھی مٹھ میں رہا تھا۔ دھرم کال اندر دھرم ہتھ کا ایک
چینی کتاب میں پایا جاتا ہے۔
ان کے بعد کئی تبتی بھکشو چین میں پرچار کے لئے آئے جو کہ ہندوستان

میں جا بسے تھے۔ ان میں سے ایک تبت کے وزیر اعظم کا بیٹا تھا جو کہ ہندوستان میں بہت دیر تک رہا اور وہاں سے نان کن پہنچا۔ چین کا بادشاہ سن کگن اس پر بڑی مہربانی کرتا تھا اور اسے ایک علیحدہ مٹھ بنوا دیا۔ اس نے چودہ کتابیں چینی زبان میں ترجمہ کیں۔ اس زمانے میں کمار جیو اور اس کے ساتھیوں کی محنت سے چین کے بودھ ساہتیہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ کمار جیو کی شخصیت اور علمیت سب سے اعلیٰ تھی اور اس نے سو کے قریب خود کتابیں لکھیں اور ایک چینی بھکشوؤں کا گروہ تیار کیا جنہوں نے چین میں بدھ دھرم کا پرچار کیا۔ اس کے بڑے بڑے ساتھی دھرم رکھش۔ گوتم سنگھ۔ بدھ بھدرا سنگھ بھگت۔ دھرم پریہ۔ پن تراتا تھے۔ دھرم رکھش ۲۸۱ کے قریب چین میں آیا۔ تھوڑی دیر میں اس نے چینی زبان پر وہ کمال حاصل کیا کہ اس نے ۱۱۱ کے قریب کتابیں لکھیں۔ بدھ بھدر ۴۹۰ میں چین میں ہوا۔ یہ مشہور چینی سیاح فاہیاں کا ہمعصر تھا۔ اور کمار جیو کا شاگرد تھا۔ جب فاہیاں ۴۱۴ میں ہندوستان سے واپس آیا تو کمار جیو مر چکا تھا۔ بدھ بھدر نے فاہیاں کی مدد سے چینی زبان میں کئی کتابیں ترجمہ کیں اور ۳۰ سال چین میں کام کر کے ۷۱ سال کی عمر میں مرا۔

**کمار جیو**

بدھ بھدرا سے کچھ دیر پہلے سنگھ بھٹ کابل سے آیا چار سال کے اندر اس نے تین کتابیں ترجمہ کیں۔ لیکن ان سب میں سے بڑا جس نے ہندوستانی کلچر اور دماغ کو چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ کمار جیو تھا جو کہ اس گریٹر انڈیا کی پیداوار تھا جو چوتھی صدی میں وسط ایشیا تک پھیل چکا تھا۔ اسکا باپ ہندوستانی تھا اور ختن کے نزدیک کوث شاہ میں رہتا تھا۔ اسکا باپ موروثی وراثت کو چھوڑ

بھکشو بن چکا تھا۔ اور کوٹ شاہ کے بادشاہ نے اسے اپنا راج گورو
بنا لیا۔ وہاں اس بادشاہ کی بہن اس پر فریفتہ ہو گئی اور اس نے اس سے شادی
کر لی۔ اس شادی میں سے کمار جیو کا ایک بیٹا ۳۴۴ء میں پیدا ہوا
سات برس کی عمر میں اس نے ایک مٹھ میں جانا شروع کیا اور سب
سوتر یاد کر لئے۔ نو برس کی عمر میں وہ کشمیر آیا اور مشہور آچاریہ بندھودت
کے پاس تعلیم پائی تین سال کے بعد اس کی ماں اسے ساتھ لیکر واپس
جا رہی تھی۔ راستہ میں ایک ارہت نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا بڑا آدمی
بنیگا۔ کاشغر میں جا کر اس نے اور بھی دھرم کا مطالعہ کیا کاشغر کا بادشاہ
اسے اپنے دربار میں رکھنا چاہتا تھا۔ کوٹ شاہ کا بادشاہ اسے بلانے
کے لئے قاصد پر قاصد بھیجنے لگا۔ آخر بیس برس کی عمر میں وہ بھکشو
بن گیا۔ اس نے کشمیر سے گئے ہوئے ایک پنڈت وملاکس کے
پاس ونیا کا مطالعہ کیا جس کے بعد وہ چین کو روانہ ہو گیا اور بارہ سال
وہاں رہ کر سو سے زیادہ کتابیں ترجمہ کیں سنسکرت زبان پر اسے
پہلے ہی کمال حاصل تھا۔ چینی زبان میں اس نے ایسی لیاقت پیدا کی کہ
اس کے ترجمے ہیون سانگ کے ترجموں سے اچھے سمجھے جاتے تھے
اس کی مادری زبان نہ سنسکرت تھی نہ چینی۔ اس نے چینی ساہتیہ میں
ایک انقلاب پیدا کر دیا اور لکھنے کے طریقے کو ایسا خوبصورت بنایا
کہ ابھی تک اس کی کتابیں شوق سے پڑھی جاتی ہیں جاپانی سکولوں
میں یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ کمارجیو اور ہیون سانگ میں سے کس کا
طریقہ اچھا ہے؟ جواب یہی ہوتا ہے کہ کمارجیو کا۔ ترپتاکا کے
موجودہ مجموعہ میں ۹۴ کتابیں اس کے نام پر ہیں جو کہ زیادہ وہیان

اور سماؤھی کے متعلق ہیں اس کے ایک ہزار شش تھے جن میں کئی مشہور مصنف ہوئے۔ ان میں سے ایک فاہیان بڑا مشہور ہے۔ جب کمار جیوتر جمہ کر رہا تھا۔ تو فاہیان پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں سے گذرتا تھا تاکہ ہندوستان سے مسالحہ اکٹھا کرے۔ سب جگہ کی یاترا کرکے وہ سمندر کے راستے واپس آیا اور بدھ ریاستوں کا آکر حال لکھا کمار جیو کا گورو دل آکش بھی چین میں جا پہنچا۔ اس نے دو کتابوں کا ترجمہ کیا اور ۴۱۳ میں ۷۷ سال کی عمر میں وہاں ہی مرا۔ کمار جیو کا ایک اور ساتھی پن تراتہ تھا۔ جو کہ اس کے اثر میں آکر کشمیر سے چین کو آیا تھا۔ اس کے علاوہ کشمیر سے کئی اور پنڈت چین میں پرچار کے لئے گئے جن میں سے بدھ یاساس۔ دھرم یاشاس دھرمک سین۔ بدھ جیو اور دھرم متر بڑے مشہور ہیں۔ ان سب نے چینی زبان میں کئی کتابیں ترجمہ کیں دھرمک سین کو ۴۱۴ میں چین کے بادشاہ نے ترجموں کے لئے بلایا۔ سات سال وہ وہاں رہا جبکہ شمالی وی خاندان کے بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا بھیجا پہلا بادشاہ اس کے چلے جانے سے اتنا ناراض ہوا کہ قاتل بھیجکر راستے میں ہی قتل کرا ڈالا۔

## گن ورمن

سب سے بڑا پنڈت جو کہ کشمیر نے چین کو روانہ کیا گن ورمن تھا۔ جو کہ کشمیر کے شاہی خاندان میں پیدا ہوا۔ اسکا دادا سختی کی وجہ سے جنگل میں جلاوطن کیا گیا تھا اسکا باپ سنگھ نند جنگل میں ہی رہتا تھا۔ ایک دن اس کی ماں نے اسے ایک مرغی مارنے کو کہا اس نے مذہبی وجہ دیکر انکار کر دیا۔ ماں غصے ہو گئی اور کہنے لگی اگر تم اسکو پاپ سمجھتے ہو تو میں تمہاری جگہہ اس کی سزا بھگت لونگی"

ایک دن گن ورمن کی انگلی جل گئی۔ وہ فوراً ماں کے پاس دوڑا ہوا آیا اور کہا "ماں تم اس دکھ کو اٹھالو" ماں نے جواب دیا "دکھ تمہارے جسم میں ہے میں اسے کیسے اٹھاؤں؟" گن ورمن نے یاد دلائی کہ میرے گناہوں کی سزا کیسے بھگت سکو گی۔ بیس برس کی عمر جب وہ شرامن بن گیا۔ سب بدھ پستکیں یاد کریں۔ اس کے ساتھی اس کو ترپی پتاکا کا ماسٹر کہا کرتے تھے۔ جب اس کی عمر تیس برس کی تھی تو کشمیر کا بادشاہ لاولد مرگیا۔ وزیر اس کے پاس آئے تاکہ اسے بادشاہ بنا دیں اس نے انکار کر دیا اور کشمیر چھوڑ کر لنکا چلا گیا۔ وہاں پر دہرم پھیلا چکے بعد جاوا گیا۔ اس کے پہونچنے سے پہلے وہاں بادشاہ کی ماں کو خواب آیا تھا کہ ایک سادھو آرہا ہے۔ بادشاہ نے اس کا استقبال کیا اور اسکی تعلیم قبول کرلی اور حکم دیدیا کہ اس کی سلطنت میں سب لوگ اس کی عزت کریں۔ اسکا حکم مانیں۔ کوئی اہنسا نہ کرے۔ غریبوں کو خیرات دیجائے اسطرح اس بھکشو نے تمام ملک کو بدھ بنا لیا۔ اس کی شہرت تمام جگہہ پھیل گئی۔ چینی شرامن بادشاہ وین کے پاس گئے کہ گن ورمن کو دھرم شکشا کے لئے یہاں بلایا جائے۔ اس پر کچھ شرامن اسے لانے کے لئے چین کو روانہ ہوئے۔ ان کے پہونچنے سے پہلے ہی وہ ایک ہندو جہاز نندی نامی پر ایک تاجر کو روانہ ہوچکا تھا ہوا موافق ہونے پر وہ کانٹن میں اترا جب بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے صوبہ کو حکم روانہ کیا تاکہ وہ پنڈت کو صدر مقام میں بھیجدے۔ جی آنگ میں ایک سال تک رہا وہاں کے بڑے پروہت نے اس کے لئے بڑی عزت کا اظہار کیا۔ ۴۳۱ میں وہ نان کن گیا۔ بادشاہ خود اسے لینے کے لئے آیا اور ملنے پر یہ کہا۔ "میں چاہتا تھا

بدھ کی تعلیم پر چلنا چاہتا ہوں۔ کسی کو دکھ نہیں دیتا۔ لیکن کبھی کبھی میں اسپر چل نہیں سکتا۔ مجھے ان معاملات میں شکشا دو۔ اس کے لئے بدھ کا خاص مقام مقرر کیا گیا۔ جہاں پر اس نے دہرم شکشا شروع کردی سب بڑے آدمی اسے ملنے آتے تھے۔ ایک اور بھکشو ایشو نے ایک کتاب کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا مگر مشکل ہونے کی وجہ سے اسے بند کرنا پڑا تھا۔ گن ورمن نے اس ترجمے کو پورا کیا لیکن گن ورمن کا سب سے بڑا کام چین میں بھکشونیوں کے لئے سنگھ قائم کرنا تھا۔ چین میں پانسو سال تک بدھ دہرم نے عورتوں پر کچھ اثر نہ کیا تھا۔ ینگ فو کے مندر کی بھکشونیاں گن ورمن کے پاس آئیں اور کہا "چھ سال ہوئے لنکا کی آٹھ بھکشونیاں یہاں آئی تھیں۔ ان سے پہلے یہاں کوئی بھکشونی نہ تھی تم ہمارے لئے بھی قواعد بناؤ" گن ورمن نے اُن کے لئے قواعد بنائے مگر بھکشونیوں کی تعداد کافی نہ تھی اور عمر کم تھی۔ اس نے کہا تم دوسرے ملک کی بھکشونیاں اپنے ساتھ شامل کرلو۔ اس کے بعد انکو باقاعدہ بھکشونیاں بنایا گیا اُسے لوگوں کی روحانی ضروریات کے لئے اتنا کچھ کرنا ہوتا تھا کہ صرف دس کتابیں ترجمہ کیں اور ۶۷ سال کی عمر میں مرگیا۔

پانچویں صدی کے آخیر میں چار اور پنڈت گن بھدر۔ چاؤ فاکیو دہرم جات یا ساس۔ کیونہ تی لی چین کو آئے اور کتابوں کے ترجمے کئے چھٹی صدی میں بھی بھکشو برابر آتے رہے۔ پہلے حصہ میں سات پنڈتوں کے نام ملتے ہیں جن میں سے بودہی روسی شمالی ہند سے تھا۔ اس نے ۲۷ سال میں ۳۰ کتابوں کے ترجمے کئے۔ ایک بھکشو گیوتم

پرجا .شی بنارس شہر سے آیا تھا۔ اس نے تین سال کے اندر ۸ اکتابیں ترجمہ کیں۔ ایک اور آپ سوبیہ اودیان کے راجہ کا بیٹا تھا۔

## جن گپت

چھٹی صدی میں نریندریاساس جن گپت اور اس کے دو آچاریہ جن یاساس اور گیان بھدر ہوئے جنکی لیاقت اور شخصیت کا چین پر بڑا اثر پڑا۔ چین کے بادشاہ اسوقت بدھ دھرم کے پیرو نہ رہے تھے۔ اس لئے انکو بہت دکھ سہنے پڑے وہ چین کی سلطنت سے بھاگ گئے اور بدھ دھرم بحال ہونے پر واپس آکر اپنا کام جاری رکھا۔ جن گپت گندھار کی ریاست میں پرس پور (پشاور) کا رہنے والا تھا۔ اس کے باپ کا نام وجہ سہ تھا۔ اپنے آپکو کھشتری کہتا تھا وہ اپنے باپ کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور بچپن سے ہی بڑا پارسا تھا سات برس کی عمر میں وہ گھر بار چھوڑ کر بھکشو بننا چاہتا تھا ماں باپ نے اس کی مخالفت نہ کی اور اسے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی اجازت دیدی۔ وہ بھکشو بن گیا۔ جن یاساس اسکا اپادھیائے تھا۔ اور گیان بھدر آچاریہ۔ انہوں نے اسے سب علوم میں تعلیم دی جس کی وجہ سے وہ پیچھے اتنا ودوان بن گیا۔ جب وہ ۲۷ سال کا تھا اسنے اپنے آچاریوں کے ساتھ چین جانیکا خیال ظاہر کیا۔ دس آدمی اکٹھے چین کیطرف روانہ ہو گئے۔ ان کا راستہ بڑا لمبا اور مشکل تھا۔ راستہ میں گپی کا وہ ایک سال تک ٹھیرے رہے۔ برفانی علاقہ سے گذر کر ہیپ تھے لا شی کی ریاست میں پہونچے۔ ناقابل برداشت تکلیف اٹھاکر وہ چین پہونچے دس میں سے صرف چار زندہ بچے۔ جن گپت سے چینی بھاشا سیکھی بادشاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس کے لئے ایک نیا مندر بنوا دیا۔ یہاں پر

انہوں نے ترجمے کرنے شروع کئے۔ جن گپت اتنا مشہور ہو گیا کہ اسے
نئی منبع کے تمام بھکشوؤں کا بڑا بنا دیا گیا۔ شاہی خاندان میں انقلاب
ہونے کی وجہ سے اسے عرصہ تک جلا وطن رہنا پڑا۔ ۵۷۱ تا ۵۸۱ کے
عرصہ میں بہت سے چینی یاتری جو کہ ترکوں کے ملک میں تعلیم لے رہے تھے
وطن کو واپس آئے اور سنسکرت کی بہت سی کتابیں لائے[۱]۔ ان سب
کتابوں کے ترجمے کا بوجھ جن گپت پر آ پڑا۔ جن گپت اپنی جلا وطنی کے
وقت ترکوں کے ملک میں رہا تھا۔ اب ترجمے کے لئے وہاں سے بلایا
گیا۔ ترجمہ کرنے کے لئے ایک بورڈ مقرر کیا گیا۔ جبکا بیڈ اسے مقرر کیا گیا
جن گپت اور ایک ہندوستانی بھکشو دھرم گپت دو اور چینی سرامنوں کی
مدد سے ترجمہ کرتے تھے۔ دس اور شرامن مقرر کئے گئے کہ ترجمہ اصل
کے ساتھ درست ہو جن گپت نے ۳۰ کے قریب کتابیں ترجمہ کیں اور ۷۸
سال کی عمر میں ۶۰۰ء میں مرا۔ چھٹی صدی میں تین اور بھکشو چین میں آئے
ایک گوتم دھرم گیان بنارس کا رہنے والا تھا۔ اسے چین میں گورنر بنایا گیا
تھا۔ دوسرا وِنتارشی اور تیسرا دھرم گپت تھا۔ ساتویں صدی میں ہندوستان
سے پنڈتوں کے آنے میں کمی ہو گئی۔ اس زمانے میں ان دنوں چین میں کوئی
سختی تھی اور نہ ہندوستان میں ناموافق حالات تھے یہاں پر ہرش وردھن
حکومت کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں تین بڑے چینی یاتری ہیون سانگ
ہیون ات سی اور وات سنگ ہندوستان میں آئے۔ پربھا کارمتر ۶۲۷
میں چین میں پہونچا۔ ۶۹ سال کی عمر کا ہو کر وہاں پر مرا۔ اس کے جانے
کے دو سال بعد ہیون سانگ کو روانہ ہوا وہ تیرتھوں کی یاترا اور سنسکرت
زبان سیکھنے آیا تھا۔ نالندہ کی یونیورسٹی میں اسنے سنسکرت پڑھی

وہ اتنا لائق ہوا کہ واپس جانے پر اس نے ۷۵ کتابیں ترجمہ کیں۔ اس کے
بعد ہیون ات سی ہندوستان میں آیا ۶۵۲ میں ایک بھکشو اِی گت سار
ہندوستان اور لنکا کا سفر کر کے چین کو گیا اس نے ہمیں یہاں اور جاپان
کی ۴۰۰ سو کتابیں اکٹھی کی تھیں۔ ایک اور پنڈت رتن سنگت کشمیر کی
ریاست سے ۶۹۳ میں چین کو گیا سو سال کی عمر میں ۷۶۱ میں وہاں پر
مرا۔ ۷۰۱ میں ات سنگ کچھ چینی بھکشوؤں کو ساتھ لیکر ہندوستان
آیا اور یہاں سے سنسکرت پڑھ کر واپس جا کر اس نے ۵۹ کتابیں ترجمہ
کیں۔ ہیون سانگ اور ات سنگ کی کتابوں نے چینی ساہتہ کو بڑھا
دیا۔ ساتویں صدی میں ایک پنڈت دھرم رشی چین پہنچا بیس سال میں
اس نے ۵۳ کتابیں ترجمہ کیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ ۷۲۷ میں ہلا
ہو مرا تو اس کی عمر ۱۵۶ سال کی تھی۔ نالندہ یونیورسٹی نے ایک پنڈٹ
سوبھاکر کو چین میں بھیجا۔ جس نے چار کتابیں ترجمہ کیں اور مرتے ہوئے
جس کی عمر ۹۹ برس کی تھی

**اموگھ وجر**

آٹھویں صدی کے شروع میں اموگھ وجر ایک بڑا
بھکشو چین میں پہونچا جسے چھوڑ کر اس صدی
میں بھی بہت کم بھکشو چین کو گئے۔ اموگھ وجر شمالی ہند کا ایک براہمن
تھا اپنے گرو وجر بودھی کے ساتھ وہ ۷۱۹ میں چین پہنچا۔ وجر بودھی
۷۳۲ میں مر گیا اور مرتے ہوئے اس نے کہا کہ ہندوستان میں
جا کر وہ اور پستکیں اکٹھی کرے۔ اموگھ وجر ۷۴۱ میں ہندوستان آیا
اور پانچ سال ہندوستان اور لنکا پھرتا رہا اور بہت کتابیں اکٹھی کر کے
واپس گیا۔ بادشاہ اس سے اتنا خوش ہوا کہ اسے پرچار مکھش

کا خطاب دیا اس وقت ہندوستان میں تنتروں کا زمانہ تھا اور اس کے بہت سے ترجمے تنتر گرنتھوں کے ہیں۔ وہ واپس ملک میں آنے کا بڑا خواہشمند تھا لیکن اسے واپس جانے کی اجازت نہ ملی اور وہ مرتے دم تک کتابوں کے ترجمے میں لگا رہا۔ تنتر بیماریوں کو دور کرنے اور دوسرے نامعلوم مطلبوں کے پورا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔

اس کے بعد وجر کمار نے اس کام کو جاری رکھا۔ ڈیڑھ سو سال تک ہمیں یہ لہر بالکل بند نظر آتی ہے اور اس کے بعد دسویں صدی کے آخر میں بھکشوؤں کا ایک گروہ چین کو گیا۔ جن میں ایک دہرم دیو نامندا یونیورسٹی کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور بھکشو مشرقی اور مغربی ہندوستان میں دو راجوں کے بھیجے تھے۔ ۹۸۰ میں ایک بھکشو کشمیر سے آیا اور تین مگدھ سے۔

جب ہندوستانی بھکشوؤں کا باب ختم ہو رہا تھا ٹھیک اسی وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانی لہر ایک ملک کے بعد دوسرے کو اپنے قبضہ میں لا رہی تھی۔ اسی وقت پنجاب پر حملے شروع ہو گئے تھے۔ جب سرحد کے ممالک اور شمالی ہند فتح ہو گئے۔ تب ان پنڈتوں کی لہر بالکل بند ہو گئی فاتحوں کے ظلم نے بدھوں کے پرچارکی سپرٹ کو کچل ڈالا۔ اسقدر جوش استقلال۔ صبر اور محنت جو قریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان کے ان پرچارکوں نے ظاہر کی۔ دنیا میں بہت کم دیکھی گئی ہے۔

مسلمانی حملوں نے جوش کے چشمہ کو ایسا بند کیا کہ ہمیں افسوس سے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ جب قابلے خاں نے ہندوستان سے پنڈت منگوائے

تاکہ ساری تری پٹک کو منگولی زبان میں ترجمہ کر دیں اسے ہندوستان سے ایک بھکشو بھی نہ مل سکا

**ہیون سانگ** جب وہ چین سے چلا تو اس کی عمر ۲۹ برس کی تھی۔ مہایان کا بڑا فاضل اور فصیح پرچارک گنا جاتا تھا لیکن دھرم کی کتابیں اکٹھی کرنے اور یوگ سیکھنے کی غرض سے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا۔ جھیل اسک کل۔ تاشقند۔ سمرقند ہوتا ہوا۔ گندھار پہنچا۔ ۱۳ سال ہندوستان میں گھومتا رہا۔ سفر میں کئی بہت تکلیفیں ہوئیں۔ ایک دفعہ اسے ڈاکوؤں نے گرفتار کیا مگر جب وہ دھیان میں بیٹھا تھا تو ایک زور کی اندھی آئی اور وہ ڈاکو ڈر کر اس کے قدموں پر آگرے۔ اس نے دیکھا کہ ملک ۸۰ ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جن میں چھوٹی ریاستیں بڑے راجاؤں کے ماتحت تھیں۔

۱۔ شمالی ہند میں کابل۔ جلال آباد۔ پشاور۔ غزنی اور بنوں سب مہاراجہ کے سپاکے باجگذار تھے۔ جس کا دارالخلافہ چری کار تھا

۲۔ پنجاب ٹکشلا۔ سنگھاپور (کٹاس)۔ اُرسا۔ پونچھ۔ راجوری کشمیر کے ماتحت تھے

۳۔ تمام میدانی علاقہ ملتان اور سورکوٹ راجہ سنگلا کے ماتحت تھا جو لاہور کے نزدیک تھا۔

۴۔ مغربی ہند میں راجگان سندھ۔ ولبھی وغیرہ حکومت کرتے تھے

۵۔ وسط ہند میں تھانیسر سے گنگا کے دہانے تک۔ ہمالہ سے نربدا تک معہ ریاست جالندھر راجہ ہرش وردھن والئے قنوج کے ماتحت تھے

۶۔ جنوب مہاراشٹر۔ کوشل۔ کلنگ۔ اندھرا۔ کوکن۔ چوریا۔ دراوڑ یا

اور ل کوٹ وغیرہ کی نو ریاستیں تھیں۔ ہیون سانگ نے کشمیر میں دو سال گزارے

کشمیر کا پنجاب کے ساتھ آریوں کا پرانا وطن کشمیر بھی ابتدا سے چلا آتا ہے

کشمیر کی تاریخ ۵۰۰۰ قبل مسیح تک جاتی ہے۔ جب راجہ رادیو نے کشمیر

میں سب سے پرانا مندر مارتنڈ تعمیر کرایا۔ اس کے ساتھ اس نے ایک شہر

بابل آباد کیا۔ اور آبپاشی کے لئے نہر بنوائی۔ رادیو نے ۵۰۰۰ سے

۴۶۳۲ قبل مسیح تک راج کیا۔ ۲۶۲۹ قبل مسیح میں راجہ سندیمان نے

شنکر آچاریہ کے مشہور مندر کو تعمیر کرایا۔ یہ راجہ ۲۵۶۴ قبل مسیح تک راج

کرتا رہا۔ اس مندر کو راجہ گوپ آدتیہ نے مرمت کرایا جس نے ۴۲۶ سے ۳۶۵

قبل مسیح تک حکومت کی۔ راجہ سندر سین کے وقت ۲۰۴۱ قبل مسیح میں

ایک بھاری بھونچال آیا جس سے سندیمت نگر شہر کے درمیان کی زمین

پھٹ گئی اور اتنا پانی نکلا کہ شہر ڈوب گیا۔ بارہ مولا کے نزدیک ایک

پہاڑی گر کر جہلم دریا کو بند کر دیا۔ پانی اتنا چڑھا کہ ایک جھیل بن گئی

موجودہ سرینگر کو راجہ پرورسین نے آباد کیا جس نے ۷۰ء سے ۱۳۹ء

تک حکومت کی۔ اس سے پہلے سرینگر پوران ادھشٹان کے نام سے

۳ میل کے فاصلہ پر واقع تھا جو راجہ ابھی مینو (۱۵۹ء سے ۱۸۰ء) تک

کے وقت سب آگ سے جل گیا۔ ہرش کے زمانے میں ورچہ ودرمن نے

کرکوٹا خاندان قائم کیا۔ مہاراجہ للت ادتیہ ۶۹۷ء سے ۷۳۸ء تک

۳۶ برس تک حکمران رہا اس نے شنکر آچاریہ مندر کی مرمت کرائی اور

راجا والے قنوج کو شکست دی۔ اس کے بیٹے دینہ ادتیہ نے بہت شہرت

حاصل کی ۸۵۵ء میں ادنتی ورما کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے وزیر سویا

نے آبپاشی سکیم جاری کی۔ ۸۸۳ میں شنکر ورما نے جو بہت لالچی تھا

مندروں کو لوٹا۔ ابتدا میں کشمیر کی سب آبادی برہمنوں کی تھی۔ جب ہندوستان میں بدھ دھرم پھیلا تو کشمیر میں بھی اس کا غلبہ ہو گیا۔ جب ہندوستان میں اسکا زوال ہوا تو یہ کشمیر سے بھی جاتا رہا۔ ۱۲۴۰ء کے قریب پھر ہندو دھرم جاری ہو گیا۔ بدھ دھرم کے غلبہ کے وقت اس کے پھیلانے میں کشمیر کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ چین میں اسکے پرچارکوں کا حصہ کسی سے کم نہ تھا۔ محمود نے کشمیر پر حملہ کیا مگر اسکا بہت کم اثر ہوا۔ ذالقدر خاں نے ۱۳۲۲ء میں ساٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ حملہ کر کے اسلام پھیلانے کی کوشش کی۔ اگلے سال راجہ سہدیو کے وقت میں رینچان شاہ کشمیر پر قابض ہو گیا۔ اسے اپنے مذہب کا کچھ پتہ نہ تھا وہ ہندو بننا چاہتا تھا۔ لیکن کشمیر کے برہمنوں نے جنکا لیڈر دیو سوامی تھا اسے ہندو بنانے سے انکار کر دیا۔ ایک رات اس نے یہ فیصلہ کیا کہ سویرے اٹھنے پر جو کوئی اسے ملیگا وہ اسکا مذہب قبول کرے گا صبح بازار میں جاتے ہی اس کی نظر ایک مسلمان فقیر بلبل شاہ پر پڑی اسے اسنے اسلام کی تعلیم دینی شروع کی مسلمان بنکر اس نے ان برہمنوں کو جنہوں نے ہندو بنانے سے انکار کیا تھا زبردستی مسلمان بنا کر بدلہ لیا۔

**ہیونسانگ کا ہندوستان** لوگ تعلیم یافتہ۔ مہمان نواز۔ تنگ خیالی اور تعصب سے پاک تھے۔ مذہبی فرقے بے شمار ہوئے تھے۔ کچھ بدھ تھے دوسرے وشنو۔ شیو وغیرہ تھے برہمنوں اور کھشتریوں کی بابت وہ کہتا ہے "یہ لوگ ہاتھوں کے صاف سادہ اور پاکیزہ زندگی رکھتے تھے" بعض راجا بھی بدھ تھے۔ بعض ہندو۔ جنوبی ہند میں جینیوں کا بہت زور تھا۔ گیا اور پاٹلی پتر برباد ہو چکے تھے۔ برہمن کھشتری۔ ویش اور شودر سب طرح کے راجا تھے انہیں کھشتری

پڑھایا جاتا تھا۔ فاضلوں اور مہاتماؤں کا درجہ سوسائٹی میں راجاؤں اور مہاراجاؤں سے بڑا گنا جاتا تھا۔ اور یہ عام طور پر مانا جاتا تھا کہ کوئی ودوان دھرم آتا اپنی ودیا یا دھرم کو دولت کے معاوضے میں فروخت کرتا تھا۔

شمالی ہند میں قریباً دو لاکھ بھکشو تھے۔ یہ سب اور بے شمار برہمن تعلیم کا کام کرتے تھے۔ بڑے بڑے مٹھ اور وہار تعلیم کے مرکز تھے۔ کئی یونیورسٹیاں تھیں۔ مگدھ کی نالندہ یونیورسٹی ہمارا یا ان کا آکسفورڈ تھی۔ بنارس برہمنوں کے علم و ہنر کا مرکز تھا۔ نالندہ میں ۱۸ فرقوں کی درسگاہیں تھیں۔ وید شاستر آیورویدہ ریاضی کی تعلیم بھی بہت اعلیٰ تھی۔ دس ہزار پڑھنے والے اس یونیورسٹی میں تھے۔ ایک ہزار دس قسم کے سوتروں کے ودوان تھے۔ پانسو تیس قسم کے سوتروں کے اور شاستروں کے اور صرف ۱۰ پچاس سوتروں کے ماہر تھے۔ اسکا مہان آچاریہ شیل بھدر دھرم کی ہر ایک شاخ سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔ بچوں کی تعلیم کی بابت وہ کہتا ہے۔ حروف اور سدھی استو کے پڑھنے کے بعد سات برس کی عمر میں پانچ شاستروں کا مطالعہ شروع ہو جاتا تھا۔ پہلا ویاکرن۔ دوسرا شلپا۔ تیسرا آیور وید۔ چوتھا نیائے۔ پانچواں دھرشن۔ سب تعلیم زبانی دیجاتی تھی۔ نالندہ یونیورسٹی نے ہیونسانگ کا راجوں کا سا استقبال کیا۔ اور اسے یونیورسٹی کا مہمان بنایا۔ یہ یونیورسٹی بدھ کے وقت سے رونق پاتی گئی۔ اس کی اسوقت بڑی وسیع اور آراستہ عمارتیں تھیں۔ بڑے بڑے ہال تھے جن میں سنہری کام کیا ہوا تھا۔ اس کی زمین میں بیشمار بڑے درخت تالاب نہریں اور فوارے موجود تھے اس کے اخراجات کے لئے سو گاؤں معاف تھے تمام طالبعلم

اور بھکشوؤں کو ضروریات زندگی مفت ملتی تھیں۔ غیر ممالک کے طالب علم
وہاں پر پڑھنے آیا کرتے تھے ہیونسانگ خود وہاں پر لوگ شاستر پڑھتا رہا۔
جاتک کہانیوں میں پایا جاتا ہے کہ کس طرح گاؤں کے لوگ اپنے
خرچ سے ایک جھونپڑی اور گذارا دیکر استاد مقرر کیا کرتے تھے بنارس
میں بدھی سنو ایک بڑا مشہور آچاریہ تھا جو کہ پانچسو برہمن ودیارتھی پڑھاتا
تھا۔ بنارس کے لوگ ان ودیارتھیوں کو مفت خوراک دیتے تھے۔
ایک اور مثال پائی جاتی ہے جس میں ایک مشہور اچاریہ پانسو برہمنوں کو
پڑھایا کرتا تھا۔ ایکدن اسے خیال آیا جبتک میں یہاں رہونگا میرے دھرم
میں روکاوٹیں آئیں گی اور میرے شاگرد پوری طرح تعلیم نہ پا سکیں گے
میں ہمالیہ کے دامن میں چلا جاؤں اور وہاں جاکر اپنا کام جاری کروں
اس نے اپنے شاگردوں سے کہا اپنے لئے چاول۔ تیل کپڑے لے لو
جنگل میں جاکے اپنے لئے ایک کٹیا بنائی۔ اس کے ششیوں نے بھی
ہر ایک نے اپنے لئے پتوں کی کٹیائیں بنالیں۔ نزدیک کے لوگ
انہیں چاول وغیرہ بھیجنے لگے۔ جنگل میں رہنے والے ان کی
بھر طرح سیوا کرنے لگے۔ کوئی گائے اور کوئی دودھ لا دیتا تھا۔
ہیونسانگ کہتا ہے سڑکیں عمدہ تھیں دھرمشالائیں
بھی بہت اچھی تھیں۔ یہاں مسافروں کو خوراک اور دوا مفت دیجاتی
تھی۔ گورنمنٹ رعایا کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی تھی کوئی
بیگار نہ تھی۔ کاشتکار پیداوار کا چھٹا لگان ادا کرتے تھے سرکاری آمدنی
چار حصوں میں بانٹی جاتی تھی۔ ایک شاہی خرچ اور پوجا پاٹ کے
لئے دوسرے عالموں کو انعام اکرام دینے کیلئے جاتے تیسرے سے ٹکری

ملازموں کی تنخواہیں اور چوتھا حصہ مختلف فرقوں کے مذہبی دان کے لئے رکھا جاتا تھا۔

ملک کے مختلف قبیلوں اور ذاتوں میں سے برہمن سب سے پوتر اور معزز ہیں اُن کی شہرت اور نام سے ملک کا نام ہندوستان پڑ گیا ہے۔ گرمیوں میں گرمی بڑی سخت ہوتی ہے۔ شہروں کی دیواریں اینٹ کی بنی ہوتی ہیں۔ گھروں کی کھڑکیاں بانس کی۔ ان کے ہال چونے اور چکنی مٹی سے ڈھنپا ہوتا ہے۔ فرش پر گوبر کا چوکا دیا جاتا ہے۔ اپنے موسم کے پھول بچھائے جاتے ہیں۔ بیٹھنے کے لئے سب رسی سے بنے استعمال کرتے ہیں۔ راجہ کی جگہ بہت اونچی فراخ اور موتیوں سے جڑی ہوتی ہے جسے سنگھاسن کہتے ہیں۔ وہ خوبصورت کپڑے سے ڈھنپا ہوا۔ ایک ذری چوکی ہوتی ہے۔ شہروں کی بناوٹ کو نہ فصیل بڑی فراخ اور اونچی ہوتی ہے راستے تنگ اور پیچدار ہوتے ہیں۔ بوچڑ، ماہی گیر، تماشہ کرنے والے، جلاد اور بھنگی شہر سے باہر رہتے ہیں اور گھروں کو جاتے ہوئے بائیں پہلو پر دب کر چلتے ہیں۔

لوگوں کا اندرونی اور بیرونی لباس بالکل سیا ہوا نہیں ہوتا۔ تازہ سفید رنگ کی بہت قدر ہے۔ دوسرے رنگوں کی پروا نہیں کی جاتی مرد کمر کے گرد کپڑا لپیٹتے ہیں جو کہ بغلوں تک آتا ہے اور دائیاں کندھا ننگا رہنے دیتے ہیں۔ عورتیں ایک لمبا جھگلا پہنتی ہیں جو دونوں کندھوں کو ڈھانپ لیتا ہے اور کھلا نیچے تک آجاتا ہے چوٹی کے بالوں کا ایک گچھہ بنا لیا جاتا ہے باقی کے بال نیچے گرے رہتے ہیں۔ کئی لوگ اپنی مونچھوں کو کاٹ لیتے ہیں اور سر پہار رکھتے

میں مالا ڈالتے ہیں۔ جس سے کپڑے بنائے جاتے ہیں اسے کوشیا یا
ریشم۔ کوشبما یا دلسی۔ لمبالہ یا خوبصورت اون کہتے ہیں۔ راجوں
اور امرا کا لباس اور زیور غیر معمولی ہوتا ہے۔ ان کے جسم پر چھلے
بازوبند اور مالائیں ہوتی ہیں۔ امیر لوگ صرف بازوبند پہنتے ہیں
بہت سے لوگ ننگے پاؤں رہتے ہیں۔ جوتوں کا بہت کم استعمال
ہوتا ہے۔ دانتوں کو سرخ یا سیاہ رنگ دیتے ہیں۔ بالوں کو ہوا لگاتے
ہیں۔ کانوں میں سوراخ کرتے ہیں۔ انکی آنکھیں بڑی اور کان لمبا
ہوتا ہے۔ ہر ایک کے لئے کھانے سے پہلے نہانا ضروری ہے ٹکڑے
اور بچا ہوا دوبارہ کھانے کیلئے نہیں لایا جاتا۔ کھانے کے برتن سامنے
نہیں لائے جاتے۔ مٹی کے برتن پھینکدے جاتے ہیں سونے
چاندی تانبے یا لوہے کے پھر پالش کئے جاتے ہیں اپنے جسموں
کو خوشبو دار چندن یا کیسر سے معطر کرتے ہیں۔ پیشاب کرنے کے بعد وہ
ہاتھ دھوتے ہیں۔ صفائی وغیرہ کرنے سے پہلے وہ ایکدوسرے سے
نہیں ملتے۔ ان کے لکھنے کا طریقہ دیو برہما نے ایجاد کیا تھا۔ زبان میں
ان کے اندر ابتدا سے بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ مدھیہ بھارت کے
لوگ خاصکر واضح اور درست ہوئے ہیں اُن کے کلمات بہت اقوال اوروں کیلئے نمونہ تھے
ہیں انکے کتبوں اور ریکارڈ کے جدا جدا لفظ پڑھتے ہیں۔ برہمن لوگ چار وید کا مطالعہ کرتے ہیں پہلا یوروید
درازی عمر کے لئے۔ دوسرا یجروید بلیہ اور پوجا کے لئے۔ تیسرا البید ان
جو جیوتش اور جنگی ہنر سکھاتا ہے۔ چوتھا۔ منتر تنتر جو مختلف ہنر اور جادو
ٹونا بتاتا ہے۔ موروثی قبیلوں کی چار شاخیں ہیں۔ برہمن۔ کھشتری
ویش اور شودر۔ کھیتی کرنیوالوں کو شودر اور تجارت کرنیوالوں کو ویش

بنایا گیا ہے) بڑے اور چھوٹے ایکدوسرے سے علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں
ہر ایک شریمی کے ممبر اپنی شریمی کے اندر شادی کرتے ہیں۔
ماں کی طرف سے اور باپ کی طرف سے آپس میں شادی نہیں کرتے
کوئی عورت دوبارہ شادی نہیں کرتی۔ خلط ملت ذاتیں بھی ہیں
اپنی جنس کی وجہ سے بے شمار ذاتیں بن گئی ہیں جو بیان نہیں کی
جاسکتیں۔

فوج۔ پیدل۔ رسالہ۔ رتھ۔ اور ہاتھی میں منقسم ہے جنگی ہاتھی
پر زرہ بکتر لگایا جاتا ہے اور اس کے دانت تیز شاموں سے مڑھے
جاتے ہیں اسپر کمانڈر آفیف سوار ہوتا ہے دونوں طرف اسے حفاظت
میں رکھنے کے لئے سپاہی ہوتے ہیں۔ رتھ جس میں افسر ہوتا ہے چار
گھوڑوں والا ہوتا ہے اس کے گرد پیادہ فوج حفاظت کرتی ہے
پیادہ فوج بغیر زرہ بکتر کے لڑتی ہے اور بڑی بہادر ہوتی ہے۔ انکے
ہاتھ میں ڈھال اور لمبا بھالا ہوتا ہے۔ بعضوں کے پاس تلوار اور خنجر
ہوتا ہے وہ میدان کی پہلی قطار میں بڑھے ہوتے ہیں اور جنگ
کے تمام اوزاروں میں بہت ماہر ہوتے ہیں۔ نسلوں تک انکا کام انکو سکھایا چلا
آیا ہے۔ خاص بہادری رکھنے والے چنے ہوئے شخص قومی گارد میں ہوتے ہیں
چونکہ ان کا پیشہ موروثی ہے وہ جنگی ہنر میں ماہر ہوتے ہیں۔ امن کے وقت
وہ راجہ کے محلوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جنگ کے وقت وہ مستقل دین گارڈ
بنتے ہیں۔

ان کے مزاج میں جلد بازی اور تبدیلی پائی جاتی ہے۔ لیکن انکا
اخلاق بہتر ہے۔ کوئی شے بری طرح سے نہیں لیتے اور نہایت سب حد

سے زیادہ دب جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے باپ کی سزا دوسری زندگیوں میں ضرور ملتی ہے۔ خواہ اس زندگی میں مجرا اثر نہ بھی ہو۔ وہ کبھی دھوکہ نہیں دیتے اور اپنا اقرار پر پورے رہتے ہیں۔ چونکہ گورنمنٹ اعلیٰ اور لوگ اچھی حالت میں ہیں اس لئے مجرم بہت کم ہوتے ہیں جب پیٹیوٹ قانون توڑ دیا جاتا ہے اور راجہ کے خلاف سازش کی جاتی ہے جُرم معلوم ہونے پر مجرم کو عمر قید کر دیا جاتا ہے اور کوئی جسمانی سزا نہیں دیجاتی۔ اخلاقی برائیوں کی سزا ناک۔ کان یا ہاتھ کاٹ دینا یا مجرم کو جنگل میں جلا وطن کر دینا ہے۔ باقی قصوروں کے لیئے روپیہ دیکر سزا معاف کرائی جا سکتی ہے۔ جب کوئی بیمار ہو جاتا ہے اسے ہفتہ بھر خوراک نہیں دیجاتی۔ اس عرصہ میں یا تو وہ راضی ہو جاتا ہے ورنہ اسے دوا دیجاتی ہے۔ ان کی دوائیں اور علاج انکے ڈاکٹر کا ہنر اور پہچان مختلف طرح کی ہے۔ مرجانے پر رشتہ دار روتے ہیں پیٹتے ہیں چھاتی کوٹتے ہیں۔ کپڑے پھاڑتے ہیں اور بال نوچتے ہیں۔ مردہ کو ضائع کرنے کے تین طریقے ہیں۔ جلانا۔ جل پرواہ اور جنگل میں پھینک دینا تاکہ جانور کھالیں۔ ماتم والے کنبہ میں کوئی کھانا نہیں جاتا لیکن مردکا فیصلہ کرنے بعد حسب معمول معاملہ ہوتا ہے۔ جو لوگ مردہ کے ساتھ جاتے ہیں وہ اشدھ سمجھے جاتے ہیں اور وہ سب شہر کی دیوار کے باہر ہی نہاکر اور کپڑے دھوکر شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ جو کہ بہت بوڑھے ہوتے ہیں اور لا علاج مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا محسوس کرتے ہیں کہ ان کے خاتمہ کا وقت اب نزدیک آرہا ہے اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرکے اسے کھو دینا چاہتے ہیں انکو ایک

بڑی ضیافت دیجاتی ہے اور تب ایک کشتی میں ڈالکر دریا کے بیچ میں لیجاتے ہیں تاکہ وہ اپنے آپکو ڈوبا دیں۔

چونکہ گورمنٹ فیاض ہے اور سرکاری ضروریات تھوڑی ہوتی ہیں کنبوں کا کوئی رجسٹر نہیں رکھا جاتا اور شخصوں پر کوئی ٹیکس یا بیگار نہیں لگائی جاتی۔ راجا کی آمدنی میں سے ہی سرکاری خرچ کے لئے ملازموں کے لیے مذہبی خرچ کے لئے اور عالموں کی قدر کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ ٹیکس بھی کم ہونے سے اور بیگار نہایت کم ہونے سے ہر ایک آدمی اپنا موروثی کام کرتا ہے اور اپنی وراثت کا خیال رکھتا ہے راجا کے مزارع زمین کا چھٹا حصہ لگان دیتے ہیں۔ سوداگر لوگ ادہر اُدہر اجناس کو درخت اور تبدیل کرتے ہیں۔ انہیں کشتیوں پر یا پڑاؤں پر تھوڑا سا محصول دینا پڑتا ہے۔ سرکاری وزیر اور افسروں کو مقررہ زمین ملی ہوتی ہے شہر کے لوگوں کو انکا خرچ ادا کرنا پڑتا ہے۔ تجارت میں سونا چاندی کے سکے چھوٹے۔ موتی اور کوڑی تبادلے کے ذریعے ہیں۔

آم۔ امل۔ مدھوک۔ بدارا۔ کپتھا۔ موچہ (کیلا) پانسا۔ کشمیر سے لیکر سب جگہہ ناشپاتی۔ الوچہ۔ آڑو۔ اپری کاٹ اور انگور بوئے جاتے ہیں۔ انار اور نارنگی سب جگہہ پیدا ہوتے ہیں۔ لہسن پیاز بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ جو کوئی انہیں کھاتا ہے وہ برادری سے خارج کردیا جاتا ہے۔ دودھ۔ گھی۔ چینی۔ چینی کی مٹھائی۔ بھونا ہوا اناج میٹھا تیل۔ عام خوراک ہے۔ کبھی کبھی مچھلی اور گوشت بطور اصلی خوراک کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بیل۔ گدھے ہاتھی گھوڑے

سگنے۔ لومڑ۔ بھیڑیے۔ شیر۔ بندر وغیرہ کا گوشت منع ہے۔ انکو کھانے والا نیچ سمجھا جاتا ہے۔

شراب میں بھی ایسی ہی تمیز سمجھی جاتی ہے۔ کھشتری لوگ انگور اور گنّے کے رس کا بنا ہوا شراب پیتے ہیں۔ ویش تیز لگائے ہوئے سپرٹ پیتے ہیں۔ بدھ برہمن انگور کا شربت پیتے ہیں متفرق جاتیں کسی خاص کو نہیں پیتیں۔

پکانے کے لئے اور برتن اور کھانے کے لئے اور برتن۔ عام برتن مٹی کے ہوتے ہیں۔ کچھ پیتل کے۔ کھانا انگلیوں سے کھایا جاتا ہے۔ چمچہ اور کانٹے کا استعمال نہیں کیا جاتا۔

## ات سنگ

ہیون سانگ کی تحریر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت میں ہندو لفظ کا رواج جاری ہو چکا تھا اس نے ایک موقعہ پر بڑے فخر کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ اس دیش کے لوگوں کو ہندو کیوں کہتے ہیں؟ وہ لکھتا ہے کہ ہندو لفظ چینی زبان میں انتو ہے اور اس کے معنی چاند کے ہیں۔ جیسے رات اندھیری تھی لاکھوں ستارے آسمان پر چمکتے ہوئے۔ لیکن کسی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اچانک چاند نمودار ہو جاتا ہے۔ سب کچھ دکھائی دینے لگتا ہے اسی طرح اس زمین پر بالکل اندھیرا تھا۔ ستارے چمکتے تھے لیکن کسی کو کچھ راستہ نہ معلوم دیتا تھا۔ یہ دیش چاند کی مانند ظاہر ہوا اور اس کی روشنی نے سب زمین کو روشن کر دیا۔ اسی سبب سے اس دیش کا نام ہندو کہا جاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو لفظ آٹھویں صدی میں بھی اتنا عام نہیں ہوا کہ آریہ لوگ خوشی سے اسکا استعمال کرنا شروع کر دیتے

اقوام قدیم زمانے سے اس ملک میں اور اس کے لوگوں کے لئے
نام استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ اس معاملہ کے متعلق ہمارے پاس
ہیوں چینی یاتری ات سنگھ کی شہادت موجود ہے جو کہ ہیون سانگ
کے ۴۰ سال بعد ہندوستان میں آیا وہ بدھوں کے رواج کی بابت
ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-
" ہر ایک آدمی کے لئے اپنے فعلوں کی بابت اپنے آچاریہ کے
سامنے ذکر کرنا ایک رسم ہے جو کہ آریہ دیش میں سکھائی جاتی ہے
آریہ کے معنی شریشٹھ کے ہیں اور دیش کے معنی جگہ کے۔ یعنی شریشٹھ
دیس۔ جو لفظ کہ مغرب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اسے ایسا اس لئے
کہتے ہیں کہ شریشٹھ کیریکٹر کے آدمی لگاتار اس زمین میں پیدا ہوئے
ہیں۔ لوگ اسکو یہ لفظ کہکر اس کی تعریف کرتے ہیں اسکو مدھیہ دیش بھی
کہا جاتا ہے۔ یعنی مرکزی زمین۔ کیونکہ یہ کئی ہزاروں ملکوں کا مرکز ہے
سب لوگ اس نام سے بخوبی واقف ہیں۔ صرف شمالی قبیلے ہیو یعنی
مغل اور ترک اس شریشٹھ زمین کو ہندو کہتے ہیں۔ لیکن یہ نام بالکل
عام نہیں ہے۔ یہ صرف انکا ودیکار لفظ ہے اور کچھ وقعت نہیں رکھتا
بھارت کے لوگ اکثر کے اس لفظ کو جانتے بھی نہیں ہیں۔ اس لئے
اس دیش کے واسطے سب سے مناسب نام آریہ دیش ہے بعض کی
رائے ہے کہ اندو کے معنی چاند کے ہیں اور انڈیا کے لئے چینی نام اندو اسی سے نکلا ہے
اگرچہ اس کے یہ معنی صحیح ہونگے تاہم یہ عام مستعمل نام نہیں ہے جو یعنی جاننا کیلئے ہندوستانی
نام چین ہے یہ ایک رنڈی لفظ ہے جس کے کوئی معنی نام نہیں ہے اس کیساتھ ہی ہمیں یہ
جان لینا چاہئے کہ نام ملک جسمیں ہندوستان کے پانچ حصے شامل ہیں ہم راشٹر یعنی برہمنوں کا

# اسلام کا دور

جدوجہد کا نتیجہ — آٹھویں صدی کے اندر ہم بدھ مذہب کا چراغ ہندوستان میں گل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ بدھ مذہب کی تعلیم نے ہندوستان کے لوگوں کو شخصی طور پر نہایت اونچا لے جانے کی کوشش کی۔ یہ بدھ مذہب کی مساوات تھی جو کہ اس کی اشاعت کا بڑا بھاری سبب تھا۔ ایک نائی اپالی نام کو اور ایک بھنگی سونیتا کو بھکشو کی پدوی دی گئی لیکن جب بدھ مذہب زوروں پر تھا۔ تب برہمن اور کشتریوں کے درمیان تیز جنگ ہو چکی تھی۔ بدھ مذہب نے کشتریوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا برہمنوں کے مقابلے پر جدوجہد شروع کر دی۔ یہ جدوجہد اخلاقی اصول پر چلتی تھی۔ گپت خاندان کے وقت میں برہمنوں کا غلبہ پھر بڑھنا شروع ہوا اور انہوں نے ذات پات کے قلعے کے اندر داخل ہو کر اسے مضبوط بنایا اور دوسروں کے لئے شادی خوراک اور چھوت کی پابندی سے رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ جو پابندیاں آریوں نے دوسروں کے ساتھ لگائی تھیں وہی پابندیاں ہندوؤں نے اپنے اندر ایک دوسرے کے برخلاف لگا دیں۔ اگرچہ برہمن لوگ کشتری لڑکیوں کو لے لینا جائز سمجھتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کی شادی اُن کے ساتھ گوارا نہ کرتے تھے۔ مغرب کا ایک سیاح ابن خوردار جو کہ ۱۲۰۹ میں مرا لکھتا ہے کہ برہمن کشتریوں کی لڑکیاں لے لیتے ہیں لیکن اُنہیں اپنی نہیں دیتے۔ اس جدوجہد میں شنکر آچاریہ اور کمارل بھٹ جیسے برہمن ہی تھے جنہوں

نے بدھ مذہب کو مٹانے کا کام کیا۔ آٹھویں صدی میں جب ہیونسانگ آیا تو اُس نے دیکھا کہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں برہمن اور بدھ لوگ لوگوں کو اپنی اپنی طرف کھینچنے میں مشغول تھے اور اُس نے افسوس کے ساتھ یہ نوٹ کیا کہ جگہ جگہ برہمن لوگوں پر حاوی ہو رہے تھے اور بدھ مذہب کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ راجہ ہرش وردھن نے جو کہ آخری راجہ تھا اور جو ہیونسانگ کے مطابق برہمنوں کے غلبہ کو تسلیم کرتا تھا اُس نے بدھ کی یا شیو اور وشنو کی سواری نکالنا بھی ضروری سمجھا تھا۔ برہمنوں کی فتح کے کئی سبب تھے۔ ایک یہ تھا کہ بدھ مذہب کی فلاسفی اور گیان میں جو کچھ اعلیٰ باتیں تھیں وہ پرانی کتابوں سے لی ہوئی تھیں۔ اگرچہ یہ تعلیم غیر ممالک کے لوگوں کو اپیل کر سکتی تھی۔ برہمنوں کے لئے اس میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ دوسرا بدھ دھرم میں یہ بڑا نقص تھا کہ اس نے صرف مہاتما بدھ کو آگے رکھکر آریہ ورت کی گذشتہ عظمت سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔ لوگوں کے دلوں میں پرانے بزرگوں اور آریہ ورت کی محبت ابھی باقی تھی۔ برہمنوں نے مہاتما بدھ کے مقابلے پر لوگوں کے دلوں میں رام کرشن آدی ویروں کو ایشور کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر مہاتما بدھ کو ایک اوتار مان کر بدھ مذہب کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ بدھ مذہب سناتن دھرم کی ایک جزو بن گیا لیکن سب سے بڑی بات جس سے کہ برہمن لوگ بدھوں کو شکست دے سکے وہ یہ تھی کہ برہمنوں نے ان کے برخلاف مساوات کے مقابلہ پر ذات پات کا بڑا ہتھیار تیار کر لیا۔ بدھ دھرم نے اپنے مساوات سے او...ں کو اور اُن کے فرائض کو کچل کر قومیت کی سپرٹ کو ہی مار دیا۔ انسانوں میں اپنے آپ کو ایک دوسرے سے تمیز کرنے میں ایک قدرتی خواہش پائی جاتی ہے۔ ہندوؤں کی مری

سوئی توبیت کے زمانے میں یہ خواہش زور سے کام کرنے لگی اور چار ورنوں کی جگہ پر بے شمار ذاتیں جاری ہوئیں۔ جوں جوں کن کی جگہ جنم لیتا گیا جنم کے ساتھ علاقے کا خیال بھی پیدا ہونے لگا۔ قنوجی، گوڑ، کوکنتھ، تیلنگ، برہمنوں کی ذاتیں بن گئیں۔ جیسے پہلے رگ ویدی یجر ویدی وغیرہ بنی تھیں برہمنوں کے اندر بے شمار جدا جدا ذاتیں بن جانے سے کھشتریوں، ویشیوں اور شودروں میں بھی اُسی طرح کی تقسیم شروع ہو گئی۔ مختلف پیشوں سے اپنے اپنے گلڈ ہونے تھے ملنے تھوڑی دیر میں مختلف ذاتوں کے نام بن گئے۔ کرم راہ یعنی لوہار، کولال یعنی کمہار۔ کہ ساتا یعنی مچھلی پکڑنے والا۔ گنکس یعنی جیوتشی، گوپالی یعنی گوالا، تکشن یعنی ترکھان، ناپت یعنی نائی، ملاگ یعنی دھوبی، ویتری، یعنی جولاہا وغیرہ نسلی تمیز نے بھی ذاتوں کا اختلاف پیدا کرنے میں بڑی مدد کی۔ نشاد، رینا، چنڈال وغیرہ نام اسی وجہ سے ہیں ان کی ذاتیں اپنی نجینہ بن گئیں کہ جہاں کہیں ایک ذات کے مرد اور دوسری ذات کی استری میں تعلق ہو گیا ان کی اولاد سے ایک نئی ذات کا آغاز ہو گیا۔ نئے ہندو دھرم نے یہ نئی شکل اختیار کر کے بدھ مذہب کو اپنے اندر بالکل ہضم کر لیا۔ ہندو دہرم کی فتح تو ہو گئی لیکن اس کی نئی بناوٹ نے جس کی بنا محض علیحدگی پر تھی سوسائٹی کو نہائت کمزور کر دیا اور کوئی ایسی طاقت نظر نہ آتی تھی جو کہ کسی عام موقعہ پر بھی ان کے اندر ایک آرگینزیشن یا سنگٹھن پیدا کر سکے۔ ورن آشرم کے مطابق برہمن وہی ہوتے تھے جو قوم کے اندر گیان کے چراغ کو جلتا رکھیں۔ کھشتریوں کا یہ کام تھا کہ وہ خطرے کے وقت میں ملک کی حفاظت کریں۔ اب نئی شکل میں ورنوں کے فرائض کا اور سماج کو ایک سمجھکر اس کی حفاظت

اور بچاؤ کا کسی کو خیال بھی نہ آ سکتا تھا۔ ذاتوں کے غرور کے نشے میں لوگ صرف اپنی ذات کا فائدہ ہی دیکھ سکتے تھے۔ اس سے آگے ان کی نگاہ جا ہی نہ سکتی تھی۔ ہندوؤں کی بدقسمتی سے تھوڑی دیر کے بعد ایسا خطرہ ان کے سامنے آیا جس سے بچنے کے لئے ان کے سامنے ایک ہی علاج تھا کہ وہ اپنے سب تفرقات اور اختلافات کو دور کر کے ایک ہو جائیں لیکن ان کو ایک کرنے والی طاقت کہاں سے آتی۔ کھشتری جنہیں ملک کے لئے لڑنا اور مرنا تھا صرف چند ذاتوں تک محدود ہو چکے تھے۔ ان کی تھوڑی سی تعداد لڑ کر کروڑوں انسانوں کی کس طرح حفاظت کر سکتی تھی۔ کھشتری لوگ جب بھی انہیں موقعہ ملا اپنے دیش اور دھرم کے لئے لڑے اور اپنی جانیں قربان کیں۔ لیکن ملک کے عام لوگ نہ اپنی ہستی ایک سمجھتے تھے اور نہ اس ہستی کو کسی خطرے میں محسوس کر سکتے تھے۔ غرضیکہ ساری ہندو قوم صدیوں کی ایک بڑی جدوجہد کے بعد تھکی ماندی حالت میں تھی جبکہ اسے اسلام کے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

**لیبرولی کا نقشہ** اگلی صدی میں ہند پر مسلمانوں کے حملے شروع ہو گئے یہ حملے پہلے پہل خلیج فارس کے راستے سندھ پر ہوئے سندھ کے مشہور برہمن راجہ داہر نے ابوالقاسم کا خوب مقابلہ کیا۔ کئی مقامات پر عورتیں بھی تلواریں لیکر اپنے دھرم اور عزت کی حفاظت کے لئے میدان میں آئیں لیکن سندھ فتح ہو گیا۔ سندھ کے فتح ہو جانیکی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کی آبادی میں آدھے لوگ بودھ تھے اور یہ لوگ برہمن راجہ کے خلاف حملہ آوروں کی مدد پر تیار رہتے تھے۔ اس کے مقابلہ پر براہمن آباد کے راجہ کے ہاں ایک جرنیل الیفی نام تھا اس کے ساتھ چار پانچ سو عربی سپاہی تھے ان سب نے اپنے ملک کی فوج کے برخلاف لڑنے سے انکار کر دیا اور الیفی اور اس کے ساتھی راجہ کی نوکری چھوڑ کر کشمیر کو چلے گئے۔ اگرچہ اسلام کی حکومت سندھ میں برائے نام ہی رہی اور تھم گئے پھر سندھ پر کبھی حملہ نہیں ہوا۔ قریباً دو صدیاں اور ایسی ہی گذر گئیں جن میں ملک کے اندر

نہ کوئی قابل انسان پیدا ہوا جو کہ ملک کو آنے والے خطرے کے لئے
تیار کرتا اور نہ کوئی ایسا قابل راجہ ہوا جو کہ ہندوؤں کی بکھری ہوئی
طاقتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے مقابلے کے لئے مضبوط بناتا۔ ہم ان
صدیوں پر افسوس کی نظر سے دیکھتے ہوئے اُس زمانے تک آ جاتے
ہیں جبکہ سبکتگین اور محمود نے پنجاب پر حملے شروع کر دیئے۔ اُس وقت
تک پنجاب اور ملک کی حالت کا نقشہ ہم کو البیرونی کی کتاب سے نہایت
درست طور پر پتہ لگتا ہے۔

البیرونی بخارا کے شاہی حکمران خاندان سے تھا۔ محمود غزنوی نے
بخارا فتح کر کے اسے بھی گرفتار کر لیا تھا اور اُس پر نگرانی رکھنے کے لئے
ہمیشہ اُسے اپنے ساتھ رکھتا تھا اور حملوں کے وقت میں بھی اُسے اپنے
ساتھ ہی پنجاب کو لایا۔ البیرونی اگرچہ مسلمان تھا لیکن اُس کا فلاسفی اور
علم کا شوق مذہب سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا سب
علوم کو جاننے والا ایک بڑا عالم تھا۔ اُس نے پنجاب میں آ کر بڑی
مشکلات کے بعد سنسکرت زبان کا مطالعہ کیا اور گیتا آدمی شاستروں
کو خود پڑھ کر ہندوؤں کی فلاسفی اور گیان کو سمجھنے کے قابل بنا۔ اُس نے
عربی زبان میں ہندوستان کی سوشل اور پولیٹکل حالت اور علوم کی ترقی
پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔ چونکہ اس کا لکھنے والا بڑا سمجھدار اور غیر منصف
شخص تھا۔ اس لئے البیرونی کا عبارت اُس زمانے کے ہندوستان
کی [illegible] تصویر ہے۔ پچھلی صدی میں اس کتاب کا ایک جرمن عالم نے جرمن زبان
[illegible] میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا مطالعہ بذات ہی ہم اس سے ایک آئینے
[illegible] اُس کے چند مختصر سے نتائج کو درج کر سکتے ہیں

وہ گیارہویں صدی کے ٹھیک شروع میں پنجاب میں آیا۔ اُس وقت ہم
ایک بات صاف طور پر پاتے ہیں کہ پنجاب اور ہندوستان میں کہیں بدھ
دھرم کا کچھ اثر باقی نہ رہا تھا البیرونی نے جب ہندوستان کا ذکر کیا ہے
وہ ایک خاص ہندو قوم کا ملک معلوم ہوتا ہے۔ البیرونی ہندو فلاسفی
کو دل سے محبت کرتا تھا۔ اُس کا خیال ہے کہ ہندوستان اور یونان
کے فلاسفر ایک ہی قسم کے خیالوں کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ بھگوت گیتا
کی تعلیم میں جرمن فلاسفروں کی مانند وجد محسوس کرتا تھا۔ اُس نے دو بار
ویاس کی اس بات کو دہرایا ہے "پچیس تتوؤں کو اچھی طرح سے
پہچان لو پھر چاہے کوئی مت اختیار کر لو۔ تمہارا انجام مکتی ہوگا۔ ایک
جگہ پر اس نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "ہندو عالم جو لکھتے تھے اُس میں
خدا کا ہاتھ پایا جاتا ہے"۔ ایک مسلمان کے لئے ایسی بات لکھنا غیر معمولی
قدر شناسی ہے۔ اُس وقت میں یعنی دسویں صدی کے درمیان تک
کابل کے گرد نواح میں غزنی اور افغانستان کے دوسرے حصّوں میں
بھی ہندو آبادی تھی۔ مسلمانوں کی حکومت آجانے سے پہلے افغانستان
میں بھی ہندو راجا راج کرتے تھے جب وہ ہندوستان میں داخل ہوا
تو ہندوستانی دوداؤں کے ساتھ اچھا تعلق پیدا کرنا ناممکن ہو چکا تھا۔
ہندوستان کے لوگ ملیچھ کی چھوت سے ہی گھبرانے لگ پڑے تھے۔
پال خاندان جو کہ ہندوستان اور افغانستان پر حکومت کرتا تھا ختم ہو گیا
اور اُن کا ملک محمود کے ہاتھوں میں مضبوطی سے آگیا۔ شمال مغرب کے
باقی حکمران ایسے تنگدل اور اپنی خود غرضی میں ایسے اندھے تھے کہ وہ غزنی
سے آنے والے خطرے کی ماہیت کو سمجھ ہی نہ سکے۔ اور اُن میں اتنا بھی

تدبر نہیں تھا کہ وہ ایک مشترکہ خطرے کے وقت دشمن کو ہٹانے کے لئے اکٹھے ہو سکیں۔ آنند پال نے اکیلے اس کا مقابلہ کیا اور وہ ہار گیا۔ باقی کے بھی ایک ایک کر کے گرنے والے تھے۔ کشمیر ابھی تک آزاد تھا اور کوئی ابھی اُس میں دخل نہ دے سکتا تھا۔ آنند پال وہاں بھاگ گیا۔ محمود نے اُسے فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامیاب رہا۔ البیرونی کے وقت سنگرام دیو (۱۰۰۵ سے ۱۰۲۸ تک) اور اُس کی جگہ آنند دیو (۱۰۲۸ سے ۱۰۸۰ تک) راجہ تھا۔ مرکزی اور جنوبی سندھ پر محمود نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ وہاں پر چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بن چکی تھیں۔ مغرب میں گجرارہ کی سلطنت تھی جس کا دارالخلافہ انہلواڑہ پٹن تھا۔ اس طرف محمود نے سومناتھ مندر پر بھی حملہ کیا۔ گجرارہ (گجرات) میں پہلے پہل کلوکیہ خاندان راج کرتا تھا۔ ۹۰۰ میں سولانکی خاندان راج کرنے لگا۔ اس کا بادشاہ کا مونڈھ محمود کے آنے پر بھاگ گیا۔ محمود نے اس خاندان کے شہزادے دیوسارمان کو تخت پر بٹھا دیا۔ ۱۰۲۳ میں رسی کا مونڈھ کا بیٹا درلبھ حکومت کرتا تھا۔

مالوہ میں پرمار خاندان راج کرتا تھا۔ البیرونی کے وقت یہاں کا راجہ بھوج دیو (۹۹۷ سے ۱۰۵۳) راج کرتا تھا۔ اس نے کابل کے پال خاندان کے راجوں کو اپنے ہاں پناہ دی۔ اُس کا دارالخلافہ دھار میں تھا جو کہ عالموں کے لئے ایک بڑا بھاری مرکز تھا۔ قنوج جس وقت گوڑ یا بنگال کے پال بادشاہ کی حکومت میں تھا جنکا صدر مقام مُنگیر تھا۔ راجپال کے وقت محمود نے قنوج کو لوٹا۔ راجا مہی پال نے ۱۰۲۶ میں اپنی سلطنت بنانے کی کوشش کی۔ یہ دونوں راجا بدھ مذہب کے ماننے والے تھے۔ البیرونی کے ہندوستان آنے سے پہلے اُس نے ہندوستانی جیوتش۔ حساب۔ فلاسفی اور یوگ وغیرہ مضامین

بر عربی زبان میں کتابیں اچھی طرح مطالعہ کی ہوئی تھیں وہ کہتا ہے ۔
"بھارت کی دریا کے مرکز بنارس اور کشمیر تھے جہاں پر بیچھوں کی تباہی
ہاتھ نہیں پہنچا تھا"۔ ہندوستان کے علوم کا ذکر کرتے ہوئے ناتھ ہے کہ
ہندوستان نے بغداد پر دو راستوں سے اثر کیا۔ ایک حصہ ترجموں کا
ایرانی زبان کے ذریعے سے ہوا اور دوسرا براہ راست فارس سے کلیلہ
دمنہ اور چرک پہلے فارسی میں ترجمہ کئے گئے تھے اور فارسی سے عربی
میں۔ خلیفہ منصور (۷۵۴ء سے ۷۷۵ء تک) کے وقت میں سندھ خلیفہ
کے نیچے تھا۔ سندھ سے کئی پنڈت بغداد کو بلائے گئے اور وہ سنسکرت
کی کتابیں اپنے ساتھ لے گئے۔ برہم سدھانت ۔ کھنڈ کھادیکا کا ان پنڈتوں
کی مدد سے یعقوب ابن تارک نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ دوسری بار خلیفہ
(۷۸۶ء سے ۸۰۸ء تک) کے وقت میں آئی۔ اس کے وزیر بارمک کا
خاندان بلخ سے آیا تھا جہاں ان کے بڑے بزرگوں کے مندروں کے
افسر تھے۔ بارمک سنسکرت میں پارمک ہے جس کے معنی دھار یعنی مندر
کے افسر کے ہیں۔ اگرچہ بارمک (خاندان) مسلمان ہو گئے تھے لیکن وہ
اسلام کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے انہوں نے علم طب اور دوائیاں بنانا
سیکھنے کے لئے وید ڈنگائے۔ اور ان ہندو ویدوں کو اپنے بڑے بڑے
ہسپتالوں میں چیف فزیشن مقرر کیا اور ان پنڈتوں سے طب۔ فلاسفی
جیوتش وغیرہ تمام مضامین کی کتب عربی زبان میں ترجمہ کرائیں۔ ہندو ویدوں
میں ایک شخص ابن دھن کا ذکر آتا ہے جو کہ بغداد کے بڑے ہسپتال کا
بڑا ڈاکٹر تھا۔ دھن کا تعلق دھنونتری خاندان سے ہے۔ اس طرح
وید یا براہمن کا نام وید ویاس لفظ سے کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک نام

سدھرم ست ورمن نام کا مخفف ہے۔ عربی کی ایک کتاب کا نام باجر ہے جو کہ غالباً سنسکرت کا مصنف ویاگر تھا۔"

البیرونی کا ہندوستان برہمن ہندوستان تھا نہ کہ بودھ۔ گیارھویں صدی کے پہلے نصف میں بدھ مذہب تمام وسط ایشیا۔ خراسان۔ افغانستان اور شمال مغربی ہند سے بالکل خارج ہو چکا تھا۔ اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ البیرونی جیسا تحقیقات اور جستجو کا مادہ رکھنے والا شخص بدھ مذہب کی بابت کچھ بھی نہ جانتا تھا اور نہ اُسے اس مضمون کے متعلق کسی سے واقفیت ملی۔ بدھ مذہب کے متعلق اُس کی تمام واقفیت ایران شہری کی ایک کتاب سے تھی۔ بودھوں کی رسوم کی بابت وہ اتنا ہی کہتا ہے کہ بودھ لوگ اپنے مردوں کو پانی میں پھینک دیتے تھے اور اُس نے پشاور میں اُن کا ایک مکان دیکھا جیسے راجا کنشک نے بنوایا تھا۔

حروف بھیوں ( ) کا ذکر کرتے ہوئے وہ ایک بھی بھکشوکی کا ذکر کرتا ہے جو کہ پورب میں اُودان پور میں بولی جاتی تھی۔ غالباً اُس کا اشارہ مگدھ کے اُودان پور کے مٹھ کی طرف ہے۔ جسے ۱۲۰۰ء میں مسلمانوں نے تباہ کر دیا۔ وہ کہتا ہے۔ "مجھے کوئی بودھ نہیں ملا جس سے میں بودھ مذہب کے سدھانتوں کی بابت دریافت کرتا۔ برہمن لوگ بودھ مذہب کی بابت سب کچھ جانتے ہیں لیکن بتانا نہیں چاہتے۔" البیرونی کے وقت ہندوستان میں وشنو مت کا زور تھا وہ شیو کا یونہی ذکر کرتا ہے حالانکہ محمود سے پہلے کابلستان اور پنجاب پر حکومت کرنے والا خاندان شیو کا پجاری تھا۔ اُن کے سکوں پر شو کے بیل کی صورت پائی جاتی ہے۔ ہندو مسلمانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کی ہر ایک بات ہندوؤں کی ہر ایک بات کے

ٹھیک برعکس ہے اگر کوئی رسم ظاہرہ طور پر ایک سی دکھائی دیتی ہو تو ضروری طور پر اس کا مطلب ایک دوسرے کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی ذاتوں کی بابت وہ لکھتا ہے۔ "ہندو اپنی ذاتوں کو ورن کہتے ہیں۔ قدیم زمانے سے ہر ایک بڑے بادشاہ کی یہ کوشش رہی کہ اپنے لوگوں کو مختلف درجوں اور جماعتوں میں تقسیم کرے اور اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جانے سے روکے۔ پُرانے ایرانیوں کے درمیان چار بڑی ذاتیں تھیں۔ پہلے سادھو، پروہت اور وکیل۔ دوسرے راجا اور کھشتری۔ تیسرے جوتشی، وید اور سائنسدان۔ چوتھے کھیتی کرنے والے اور پیشہ ور۔ ہندوؤں میں شروع سے چار ورن چلے آتے ہیں۔ سب سے بڑے برہمن جو برہما کے مکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسرے کھشتری جو بازوؤں سے تیسرے ویش جو پیٹ سے چوتھے شودر جو پاؤں سے۔ یہ سب جماعتیں اگرچہ اختلاف رکھتی ہیں قصبوں میں سب ملے جلے اکٹھے رہتے ہیں۔ ان کے نیچے انتیج اور ہیں جو ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں اُن کی آٹھ قسمیں ہیں جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرتے ہیں دھوبی، موچی، مداری، ڈھیں اور ٹوکری بنانے والے۔ ماہی گیر، شکاری جولاہے یہ سب لوگ چاروں ورنوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ لیکن ہادی ڈوم، چنڈال کسی پیشہ میں شمار نہیں ہوتے۔ وہ ایک ورن شنکر جماعت ہے جو کہ صفائی کا کام کرتی ہے۔ اُن کا سوسائٹی میں کوئی درجہ نہیں۔

زبانوں کے متعلق لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "یونانی لوگ جانوروں کی کھالوں پر لکھا کرتے تھے۔ عرب کے لوگ بھی ہرن وغیرہ کی کھال پر اور مصری لوگ پیپرس درخت کی چھال کو لکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ جنوب کے ہندو تاڑی کے پتوں پر اور شمال کے

ہندو بھوج پتروں پر لکھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہندو پہلے کی سب ورن مالا بھول گئے اور ویاس نے ایشور کی کرپا سے اُن کے لئے یہ نئی ورن مالا بنائی۔ اس وقت ہندوستان میں کئی قسم کے حروف (لپیاں) مروج ہیں۔ سدھ ماترکا ہے جو کشمیر اور وارانسی (بنارس) میں استعمال ہوتی ہے۔ یہ دونوں ستھان ہندوؤں کے علوم کی جگہ ہیں۔ مگدھ میں بھی یہی استعمال کی جاتی ہے۔ مالوہ میں ناگرا استعمال ہوتی ہیں۔ بھاٹیہ اور سندھ میں اودھ ناگری۔ مالوہ شو اور جنوبی سندھ میں مارواڑی۔ کرناٹک میں کرناٹی۔ اندھرہ میں اندھری۔ اروڑ میں اروڑی۔ پورب دیش میں گوڑی بہت زیش میں لاری۔ اگوں پور میں بھکشوکی۔ جو کہ بودھوں کے حروف ہیں۔

## اسلام کی پیدائش و ترقی

ہندوستان میں بدھ مذہب کو زوال آگیا مغربی دنیا میں یونان اور روم کی سلطنتیں ختم ہو گئیں۔ ایران کی پرانی سلطنت گرنے کو تھی۔ جبکہ عرب کے متبرک مقام مکہ میں قریش کنبے سے حضرت محمدؐ پیدا ہوا۔ عرب میں اپنی پرانی تہذیب کا زمانہ گذر چکا تھا۔ عربی میں پرانا لٹریچر بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت عرب کی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اس کے مختلف بدو قبیلے ہمیشہ خانہ جنگی میں مشغول رہتے تھے۔ محمدؐ نے اپنے لوگوں کی اس حالت کو دیکھا۔ اُس کے دل میں اُن کے لئے پیار تھا۔ اُس نے ایک ایسی تحریک چلانے کا ارادہ کیا جس میں اُن کی دشمنیوں کو مٹا کر ایک نئی مضبوط قوم پیدا کرے۔ عرب کے لوگ دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ کعبہ میں ایک سیاہ پتھر رکھا تھا۔ لوگ آتے تھے دور سے ہی کپڑے اتار کر سات دفعہ اُس کے گرد پھرتے تھے۔ سات دفعہ اُسے بوسہ دیتے اور سات ہی دفعہ ساتھ کے پہاڑ کی پوجا کیا

کرتے تھے۔ اسکے بعد اونٹ یا بھیڑ کی قربانی کیا کرتے تھے۔ نہیں تو بال یا ناخن لٹکا کر وہاں گاڑ دیتے تھے قریش کا کنبہ مکہ کا حکمران خاندان تھا۔ اس خاندان میں ہاشم فیاضی میں بڑا مشہور ہوا۔ اس کے بیٹا عبدالمطلب کے تیرہ بیٹوں میں سے ایک عبداللہ تھا جس گھر ۵۷۱ء میں محمد پیدا ہوا۔ بچپن میں اُس کے ماں باپ اور دادا مر گئے۔ وہ اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہا۔ بچپن میں اُسے عبادت اور روزہ کا شوق تھا۔ مکے کے پاس اکیلا جنگل میں پھرا کرتا تھا۔ اُسے خاص فِٹ آتے تھے جبکہ وہ جن بھوتوں کو دیکھا کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر اُس نے جبرائیل کو دیکھا جس نے بتایا کہ تم خُدا کے پیغمبر ہو۔ پچیس سال کی عمر میں اُس نے ایک دولتمند بیوہ خدیجہ کی نوکری کر لی تھی جس نے بعد میں اُن کے ساتھ شادی کر لی۔ چالیس سال کی عمر میں اُس نے پیغمبری کا دعوےٰ کیا۔ اُس نے کہا خدا نے اپنی ہستی کو قدرت کے تمام کاموں پر اپنا قانون انسان کے دل پر لکھ دیا ہے۔ پہلے کا علم دینا اور دوسروں پر عمل کرانا پیغمبروں کا کام ہے۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسےٰ۔ عیسےٰ اور محمد چھٹا پیغمبر ہے۔ جو کسی کو نہ ملنے وہ کافر ہے۔ خُدا اور پیغمبر کے پیغام کو مریدوں نے کھجور کے پتوں اور بکرے کی کندھے کی ہڈی پر لکھا۔ اور حضرت کی عورت کے حوالہ کر دیا۔ اُس کے مرنے کے دو سال بعد ابوبکر نے شائع کیا۔ اُس نے اپنے پیرؤوں کے لئے چار بڑے فرائض قرار دیئے۔ حج۔ نماز۔ روزہ اور زکواۃ۔ ہاتھ۔ منہ اور جسم کا وضو۔ عربوں کی ایک پُرانی رسم تھی۔ پہلے اُس کی عورت اُس کی مُرید بنی۔ اُس کے غلام زید کو رہائی دے کر پیرو بنا لیا گیا۔ حضرت کا دوست ابوبکر تھا۔ جانشین بننے کی اُمید میں وہ بھی مُرید بنا۔ اپنے چچا کے بیٹے علی سے اُن کی بہت محبت تھی وہ بھی مرید ہو گیا۔ تین سال کے بعد حضرت نے ہاشم کے

قبیلے کے چالیس مہانوں کو بُلا کر ضیافت دی اور کہا۔ "خدا نے مجھے کہا ہے کہ تمہیں بلاؤں اور تم سے دریافت کروں کہ تم میں سے کون میرا وزیر بنیگا۔ میں ہی تمہیں اس دُنیا کی اور دوسری دُنیا کی بادشاہت دے سکتا ہوں"۔ علی جس کی عمر چودہ برس کی تھی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "میں تمہارا وزیر بنونگا۔ اور جو تمہارے ساتھ دشمنی کریگا اُس کے دانت اُکھاڑ ڈالونگا۔ اور آنکھیں نکال دُونگا"۔ دس سال تک حضرت کو کعبہ میں کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ ابوطالب نے سمجھایا کہ ایسا مت کرو جس پر محمدؐ نے جواب دیا۔ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج رکھدیں اور بائیں پر چاند تب بھی میں اپنے ارادہ سے نہ ٹلوں گا"۔ آخرکار کعبہ کے لوگوں نے اُنہیں قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ جس پر پیغمبر ابوبکر کو ساتھ لے کر ۱۹ اپریل ۶۲۲ء کو مدینہ کی طرف بھاگ گئے۔ مدینہ کے لوگوں کی مکہ سے مخالفت چلی آتی تھی۔ وہ حضرت کے پیرو بن گئے اور اُن کی مدد پر طیار ہو گئے۔ یہاں پر حضرت نے ایک یتیم کی زمین لے کر مسجد بنائی اور بادشاہ اور امام کا خطاب اختیار کر کے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ ترغیب سے کام نہیں نکلا اس لئے تلوار ہاتھ میں لینی چاہیئے۔ اور یہ مسئلہ نکالا۔ "تلوار بہشت اور دوزخ کی کنجی ہے۔ خدا کے کام میں ایک قطرہ خون دینا یا ایک رات ہتھیار کے ساتھ گذارنا دو ماہ کے روزہ۔ زکواۃ اور نماز سے بہتر ہے۔ جو میدان میں مرتا ہے اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے روز اُس کے زخم ہیرے کی طرح چمکینگے اور مُشک کی خوشبو دینگے۔ کسی اعضا کے کٹ جانے پر اُس کی جگہ فرشتوں کے پر لگ جائیں گے جو مذہبی جنگ میں مرتا ہے۔ سیدھا بہشت کو جاتا ہے جہاں حوریں اُس کا استقبال کرتی ہیں۔ وہ ہمیشہ

ں اور موج میں رہتا ہے ہزاروں غلام مکانات اور باغات آراستہ ملتے تھے
۔ پنجاب کا مؤرخ سید لطیف لکھتا ہے کہ "ایسے فیاض و عدول نے
پ نئے جنگی لوگوں میں جوش کی آگ پیدا کر دی۔ اُن کی نفسانی خواہشیں
رک اُٹھیں اور اُن میں جنگی روح پیدا ہو گئی"۔ اس مسئلہ نے سچ مچ عرب
ے لوگوں میں جان ڈال دی۔ حضرت نے کعبہ کے سردار ابوسفیان سے
ں بار لڑائی کی۔ آخر اُس کے بڑے سردار خلیہ اور عمرو حضرت کی طرف
گئے اور ابوسفیان نے بھی اسلام قبول کر کے اطاعت مان لی۔ حضرت اب
ے کا بادشاہ بن گئے اور ۳۰۰ بتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ نو لڑائیوں اور
مہموں میں حصہ لینے کے بعد ۴ ماہ میں بخار سے بیمار رہ کر ۶۳ سال کی
میں رحلت کی۔ حضرت کی پرائیوٹ زندگی بہت سادہ تھی۔ وہ خود جھاڑو
یتے تھے۔ اپنے کپڑے اور جوتا خود سیتے تھے۔ خود آگ جلاتے تھے کھجور اور
نی اُن کی خوراک تھی۔

محمدؐ کی فوج نے رومن بادشاہوں کی پالیسی کو کہ ایک وقت ایک طرف
جنگ کرنا چاہیئے ترک کر دیا۔ اُسی وقت ہی آگسٹس اور اردشیر کے
سلطنتوں پر حملہ بول دیا۔ ایران پر خسرو کی اولاد میں سے یزدی گرد
بادشاہ تھا۔ ایک ہی لڑائی میں ایران کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ اصفہان
شہر کو اجاڑ کر دارالسلطنت کوفہ میں تبدیل کر لیگئی۔ یزدی گرد جو کہ بھاگ گیا
تھا فوج لیکر پھر آیا۔ اُس کے اپنے ساتھی اُس کے برخلاف ہو گئے۔
اُس کے نوکر نے اُسے مارنا شروع کر دیا اور اُس کے منزت پامیون تھے
سے قتل کر ڈالا۔ اس طرح اس ایرانی ایمپائر کا جو کہ سب سے پرانی تھی
۶۵۰ میں خاتمہ ہو گیا۔ ایک سو سال کے اندر ایک طرف ایران اور سندھ

ملک دوسری طرف سیریا۔ مصر۔ افریقہ اور سپین پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا
سنہ ۶۴۹ء میں خلیفہ عثمان کا ایک جرنیل عبداللہ خراسان پر قابض
ہوگیا۔ تیرہ سال بعد اس نے کابل فتح کرلیا۔ خلیفہ عمر نے بصرہ شہر آباد
کیا۔ جہاں سے سندھ اور بلوچستان کی طرف مہمیں روانہ کی گئیں۔ سنہ ۷۱۰ء
میں بخارا اور سمرقند فتح کئے گئے۔ راجہ داہر والئے سندھ نے عربوں
کا ایک جہاز روک لیا تھا جس کو واپس لینے کے لئے ۷۱۱ء میں حجاز کے
گورنر نے قاسم کے ماتحت سندھ کو ایک مہم روانہ کی۔ راجا نے مقابلہ کے
لئے بڑی فوج جمع کی۔ مگر راجا میدان جنگ میں کام آیا اور اس کی فوج
پیچھے ہٹ گئی۔ قاسم دارالخلافہ برہمن آباد کی طرف بڑھا۔ جہاں رانی نے
اپنی راجپوت عورتوں کو ساتھ لیکر بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور میدان میں
کام آئی۔ قاسم نے ملتان پر چڑھائی کرکے اسے فتح کرلیا اور ایک دو اور
لڑائیاں جیت کر سارے سندھ پر قبضہ کرلیا۔ اس نے اپنی توجہ اب لوگوں
کے راضی کرنے اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی طرف مبذول کی۔ ایک
واقعہ نے معاملے کی صورت کو بدل دیا۔ قاسم نے راجا کی دو خوبصورت لڑکیوں
کو خلیفہ کے حرم کیلئے روانہ کیا۔ جب وہ خلیفہ کے پیش کی گئیں تو ان میں سے
ایک زار زار رو پڑی اور کہنے لگی کہ وہ اس اونچے درجے کے لائق نہیں۔
کیونکہ روانہ کرنے سے پہلے اسے بے عزت کردیا گیا تھا۔ خلیفہ کو اس سے
آگ لگ گئی اور حکم بھیجا کہ قاسم کو ایک تازہ اترے ہوئے چمڑے کے اندر
بند کرکے اسے سی کر واپس بھیجا جائے۔ جب مردہ جسم وہاں پہنچا تو
شہزادی نے اقرار کیا کہ اس نے یہ سب اپنے باپ کا بدلہ اتارنے کے
لئے کیا۔ دراصل ایسی کوئی بات نہ تھی۔ خلیفہ نے دونوں لڑکیوں کے قتل کا

حکم دیدیا۔ قاسم کی موت کے بعد اُس کے جانشین چالیس سال تک سندھ میں حکومت کرتے رہے لیکن سومیرا راجپوتوں نے اُن کو نکال دیا اور سندھ پر قبضہ کر لیا۔

عباس خاندان کے خلیفہ المنصور نے اپنا دارالخلافہ بغداد بنایا تھا اُس کے چالیس سال بعد خلیفہ ہارون الرشید کے وقت میں بغداد دُنیا کی تجارت اور علوم کا مرکز بن گیا۔ اِس کے بعد جلدی ہی خلافت میں ایسا تنزل آیا کہ باقی صوبوں نے اِس کی اطاعت چھوڑ دی اور اُس سے آزاد ہو گئے۔ صرف مذہبی معاملات میں خلیفہ بڑا سمجھا جانے لگا۔ اِن میں سے ایک طاہر کا خاندان خراسان میں حکمران ہو گیا ۸۲۰ء میں اِس کی جگہ سوفرادی خاندان حکمران ہوا ۸۹۰ء میں ایک شخص اسمعیل نے عثمانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ یہ خاندان ۱۱۰ سال تک حکمران رہا۔ اِن کا پانچواں بادشاہ عبدالملک بخارا میں مرا۔ اس کا بچہ منصور رہ گیا۔ بادشاہ کا ایک غلام الپتگین تھا جو خراسان کا حاکم تھا۔ اُس کے چچا کا طرفدار بن گیا۔ منصور نے تخت پر بیٹھ کر الپتگین کو بخارا جانے کا حکم دیا۔ الپتگین خراسان کے دارالخلافے غزنی کو چلا گیا اور وہاں ہی کچھ فتوحات حاصل کر کے اپنے آپ کو بادشاہ مشتہر کیا۔ اُس نے اپنے جرنیل سبکتگین کو کئی بار ملتان اور لمغان کے صوبوں پر چڑھائی کے لئے روانہ کیا۔ وہ ہزاروں غلام پکڑ کر لے جاتا تھا۔ پنجاب میں اِس وقت راجا جیپال راج کرتا تھا وہ بھٹنڈے کے قلعے میں رہا کرتا تھا۔ پنجاب کی حکومت سندھ سے لمغان اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ راجا جے پال نے بھٹنیر کے راجا کے ساتھ مل کر اِن حملوں کو روکنے کی کوشش کی۔ الپتگین ۹۷۶ء میں مر گیا۔ اُس کا بیٹا بھی فوراً ہی چل بسا۔ اِس لئے فوج نے سبکتگین کو جو پہلے اُس کا غلام تھا اور پھر جرنیل

بلکہ اُس کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ سبکتگین نے
بیٹھتے ہی پنجاب پر حملہ کیا۔ جے پال نے تنگ آکر بہت سی فوج جمع کی،
اور سندھ عبور کر کے لمغان پہنچا تاکہ وہاں ہی دشمن کا مقابلہ کرے۔ ایک
رات میں اولے اور آندھی کا ایسا طوفان آیا کہ اُس سے راجہ کی فوج
کو بہت نقصان ہوا۔ اپنی فوج کی تباہی کو دیکھ کر راجہ نے صلح کی خواہش
کی۔ سبکتگین صلح پر راضی تھا لیکن اُس کا بیٹا محمود صلح نہیں ہونے دیتا تھا۔
آخر جے پال نے اُسے کہلا بھیجا۔ "کھشتریوں کا یہ رواج ہے کہ جب وہ مایوس اور
تنگ ہو جاتے ہیں تو اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اپنے مکان
اور جائداد کو آگ لگا کر دشمن پر جا پڑتے ہیں۔ اور خون کے سُرخ دریا
میں اپنے آپ کو ڈبا دیتے ہیں"۔ سبکتگین نے یہ سُنا تو پچاس ہاتھی اور دس
لاکھ درم لے کر صلح پر راضی ہو گیا۔ چونکہ ساری رقم راجہ نہ دے سکتا تھا۔ اسلئے
معتبر آدمی اُس کے ساتھ روانہ کئے گئے تاکہ بقایا وصول کر کے لے آئیں۔
لاہور پہنچ کر راجہ نے وزیروں سے صلاح کی اور اُن آدمیوں کو جیل میں ڈال دیا
سبکتگین غزنی پہنچ چکا تھا۔ یہ سُن کر گھبرا گیا۔ کینہ کی آگ میں جلتا ہوا واپس ہوا
جیپال نے بھی دوسرے راجوں کی مدد مانگی اور بہت سی فوج اور دس
ہزار سوار لے کر سندھ عبور کر لمغان پہنچا۔ لڑائی میں جیپال کو شکست ہوئی
اور سندھ کے پار کا علاقہ سبکتگین کے ہاتھ چلا گیا۔

۹۹۷ء میں سبکتگین مر گیا۔ اُس کے دو بیٹوں محمود اور اسمعیل کے
درمیان تخت کے لئے کشمکش ہوئی جس میں اسمعیل کو شکست نصیب ہوئی
اور محمود تخت کا مالک بن گیا۔ محمود کو ہندوستان پر حملہ کر کے مذہب پھیلانے
اور دولت لوٹنے کا بڑا شوق تھا۔ مذہبی جوش ایک بڑی طاقت ہے

اور کئی کرشمے کر دکھاتی ہے۔ اس کے ساتھ جب لوٹ مار کی زبردست خواہش مل جائے تو دونو کے ملنے سے ایک بڑا زبردست انجن پیدا ہوتا ہے جو غائت درجہ کی تباہی پیدا کرسکتا ہے۔

## محمود کے حملے

اگست ۱۰۰۱ء میں دس ہزار سوار لیکر غزنی سے پشاور چڑھ آیا۔ یہاں پر جے پال نے بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار سپاہ لے کر اُس کا مقابلہ کیا۔ ہندو بڑی جوانمردی سے لڑے مگر راجہ پندرہ سرداروں کے ساتھ پکڑا گیا۔ محمود کو موتیوں کی سولہ مالائیں ملیں جن کی قیمت بیاسی ہزار پونڈ تھی۔ راجہ نے محمود کو سالانہ اخراج دینے کا اقرار کیا مگر اُس کے لئے یہ شکست ایسی بے عزتی تھی کہ اُسے وہ برداشت نہ کر سکا اور واپس آکر اپنے آپ کو چتا پہ جلا دیا۔ ۱۰۰۶ء میں محمود ملتان کے راستے بھاٹیہ پر چڑھ آیا۔ اس شہر کے گرد بڑی اونچی فصیل تھی جس کے گرد گہری خندق تھی۔ راجپوتوں نے ایسی بہادری سے حملے کئے کہ تین دن تک مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا اور میدان چھوڑنے کو طیار ہو گئے۔ محمود کو اس وقت ایک بڑی چالاکی سوجھی جس سے اُس نے اپنے آپ کو تباہی سے بچا ہی لیا۔ کعبہ کی طرف منہ کر کے وہ نیچے جھکا اور بلند آواز میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ پیغمبر نے مجھ کو فتح دی ہے۔ سپاہیوں میں اس سے خواہش پیدا ہو گیا۔ جب اُس نے آگے بڑھ کر دھاوا کیا تو اُس کے سپاہی اس جوش سے بڑھے کہ ہندوؤں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ محاصرہ شروع کرنے کئی دنوں کے بعد خندق کو بھر دیا گیا۔ راجہ بج راؤ اس سے گھبرا کر جنگل کو بھاگ گیا۔ اُس کا تعاقب کیا گیا۔ گرفتاری سے بچنے کے لئے اُس نے خنجر

سے اپنا کام تمام کر دیا۔ قلعہ سر ہو گیا۔ محمود کو ۲۸۰ ہاتھی اور بہت سا
سامان ملا۔ اگلے سال محمود نے ملتان پر حملہ کیا۔ ملتان سبکتگین کے وقت
سے غزنی کی حکومت کے نیچے تھا۔ شیخ حمید لودی سبکتگین کو خراج دیا
کرتا تھا۔ اس کے بعد ابو الفتح بھی محمود کو خراج دیتا رہا لیکن ۱۰۰۶ء میں
اس نے جے پال کے بیٹے راجہ انند پال سے مل کر اطاعت سے انکار کر
دیا۔ اس پر محمود نے ملتان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ انند پال پشاور
میں موجود تھا لیکن اسے شکست ہوئی اور وہ علاقہ چھوڑ کر کشمیر بھاگ
گیا۔ محمود پیش قدمی کرتا ہوا ملتان پہنچا اور قلعے کا محاصرہ ڈال دیا۔ ساتویں
دن ابو الفتح مطیع ہو گیا اور بیس ہزار سنہری درہم سالانہ خراج دینے کا اقرار
کیا۔ محمود نے پشاور کا علاقہ فتح کر کے سکھ پال کے سپرد کر دیا تھا۔ اگرچہ
وہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن بعد میں محمود کے چلے جانے پر وہ باغی ہو گیا اور
سب مسلمان افسروں کو نکال دیا۔ ۱۰۰۷ء میں محمود پشاور آیا اور اسے
ساری عمر کے لئے قید کر دیا۔ محمود انند پال سے الجھا ہوا تھا۔ اس نے
۱۰۰۸ء میں لاہور پر پھر چڑھائی کی۔ انند پال نے ہندو راجاؤں
کو مذہب کے نام پر اپیل کی۔ اجین۔ قنوج۔ دہلی۔ گوالیار۔ اجمیر
کالنجر کے راجاؤں نے امداد میں فوجیں روانہ کیں۔ ہندو عورتوں نے
زیور بیچ کر سونا اور چاندی قومی امداد کے لئے روانہ کر دیے۔ تیس ہزار
گکھڑ بھی لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اتنی بڑی فوج سندھ پار ہو کر
پشاور جا پہنچی۔ مسلمان فوج سب طرف سے گھری جا کر خندقوں میں
جم گئی۔ چالیس روز تک دونوں فوجیں پڑی رہیں۔ جب کہ مسلمانوں کے
چھ ہزار تیر انداز خندقوں سے باہر نکلے۔ گکھڑوں نے ان پر ایسے

زور سے حملہ کیا کہ محمود کی موجودگی کے باوجود بھاگ نکلے اور تھوڑی دیر میں سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہندوؤں کی امیدیں اس وقت بہت اونچی چڑھ گئیں۔ ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا جس نے اُن سب امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ جس ہاتھی پر راجہ اننگ پال سوار تھا۔ نیپھتا Naptha کے گولوں کی آواز سے ڈر کر بھاگ نکلا۔ ساری فوج میں ہل چل مچ گئی اور تتر بتر ہونے لگی۔ مسلمان فوج نے خندقوں سے نکل کر اُن کا مقابلہ شروع کر دیا۔ بہت سی لوٹ مار اور تیس ہاتھی محمود کے ہاتھ آئے۔ اس کے بعد محمود نے نگرکوٹ پر حملہ کر کے پہلی بار مورتیوں کو توڑا اور بھیم کے مشہور قلعے کا محاصرہ ڈال دیا۔ اس قلعے میں وید۔ شاستر کے مطالعہ کے لیے ایک بڑا مشہور کالج تھا۔ اس میں کچھ فوج نہ تھی۔ برہمنوں نے دروازے کھول دیئے اور رحم کی درخواست کی۔ بہت سا سونا۔ چاندی۔ جواہرات۔ موتی روپے محمود کے ہاتھ لگے اور وہ سب لے کر غزنی چلا گیا۔ ۱۰۱۱ء میں [illegible] نے تھانیسر کی فتح کا ارادہ کیا۔ یہ مقام ہندوؤں کا کعبہ سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ایک بڑی مورتی جگ سوم کی تھی جو کہ سرشٹی کے شروع سے وہاں پر موجود تھا۔ اننگ پال پچاس ہاتھی اور بہت سا روپیہ دینے پر طلیا۔ تھا لیکن محمود نے مندر پر قبضہ کر کے لوگوں کو لوٹا اور اُس مورتی کو توڑ کر اُس کے ٹکڑے بغداد۔ مکّہ اور غزنی کو روانہ کیئے تاکہ گلیوں کے فرش میں لگائے جائیں۔ بے شمار غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ ۱۰۱۳ء میں جیپال دوسرا جو اننگ پال کی جگہ راجہ بنا تھا کشمیر بھاگ آیا۔ اس لئے محمود نے ۱۰۱۵ء میں کشمیر پر حملہ کیا۔ لوگوں کو لوٹ کر اور کچھ مسلمان بنا کر واپس چلا گیا۔

اگلے سال پھر کچھ باغی سرداروں کو سزا دینے کے لئے چڑھائی کی ۔ لوہ
کوٹ کا قلعہ لینے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا اور سردی آنے پر واپس
ہو گیا ۔ سکندرہ میں ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیادہ فوج لے کر قنوج
پر چڑھائی کی ۔ راجہ کمار رائے مقابلہ کے لئے طیار نہ تھا ۔ وہ اطاعت
کے لئے راضی ہو گیا ۔ میرٹھ کے راجہ ہردت نے بھی اطاعت مان
لی لیکن جمنا کے کنارے مہاون کے راجہ نے موت کو اطاعت پر
ترجیح دی ۔ اپنی عورت اور بچوں کو قتل کر کے خود تلوار پر کھیل گیا ۔ اس
کے بعد محمود متھرا کو گیا ۔ شہر کو لوٹا ۔ مندر اور مورتیاں توڑیں ۔ بہت سا
مال ۔ متاع ۔ سونا ۔ چاندی لے واپس ہوا ۔ متھرا کے مکانات دیکھ کر محمود حیران
ہو گیا ۔ اُس نے واپس آ کر اِن کے نمونہ پر ایک بڑی عالیشان مسجد تیار
کرائی ۔ اُس کے ساتھ ایک بڑی درسگاہ اور کتب خانہ طیار کیا ۔ اس
کے ساتھ ایک عجائب گھر تھا جس میں آرٹ کے خوبصورت نمونے
تھے ۔ اُس کے اُمرا [illegible] جو بہت سا روپیہ لوٹ لائے تھے بڑے بڑے
مکانات اور مسجدیں بنانے لگے جس سے محمود کا دارالخلافہ ایک پُر فضا
اور خوبصورت شہر بن گیا ۔ کچھ ہندو راجاؤں نے مل کر قنوج کے راجہ پر
چڑھائی کر دی اور کالنجر (بندیل کھنڈ) کے راجہ نند رائے نے قنوج
کے راجہ اور اُس کے سرداروں کو قتل کر ڈالا ۔ اس کا بدلہ لینے کے
لئے محمود کالنجر پہنچا اور راجہ کو وہاں سے بھگا دیا ۔ واپس آتے ہوئے
اپنے دوست ملک عیاض کو لاہور کا گورنر مقرر کیا اور لاہور کا نام محمود پور
رکھ کر اپنے نام کا سکہ جاری کیا کیونکہ لاہور کا راجہ اُس کے آنے کی خبر پا

کر اجمیر کو بھاگ گیا تھا۔ ملک ایاز نے لاہور کی فصیل اور قلعہ بنوایا۔
اس کے وقت میں مخدوم علی شیخ گنج بخش غزنی سے یہاں آیا جس کا مقبرہ
داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۰۲۳ء میں گیارھویں دفعہ محمود
نے نند رائے کو سزا دینے کے لئے پھر چڑھائی کی۔ راجہ نے معافی
مانگ لی۔ ۱۰۲۵ء میں سومناتھ پر بارہواں حملہ کیا۔ سومناتھ میں سوم
دیوتا کا مندر تھا۔ مندر کے ساتھ دو ہزار گاؤں جاگیر تھے۔ گرہن کے
موقعہ پر دو تین لاکھ پجاری جمع ہوتے تھے۔ دن میں دو دفعہ بارہ سو
میل سے لاکر گنگا جل سے اس کا اشنان کرایا جاتا تھا۔ اس کی دو سو
من کی گھنٹی تھی جو کہ پوجا کے وقت بجائی جاتی تھی۔ دو ہزار برہمن پوجا
کے لئے۔ پانچ سو لڑکیاں ناچنے کے لئے۔ تین سو راگی اور تین سو نائی
اس کے ساتھ رہتے تھے۔ راجہ لوگ اپنی لڑکیاں دیوتا کے ارپن کر
دیتے تھے۔ محمود تیس ہزار ترکی جوان لے کر غزنی سے روانہ ہوا۔
ملتان کا صحرا عبور کر کے اجمیر پہنچا اور اجمیر [illegible] تیز کوچ کرتا ہوا سومناتھ
کو جا گھیرا۔ تین دن تک حملہ آور دل کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ محمود گھوڑے سے اترا
اور خدا سے مدد مانگی۔ اپنے سواروں سے یہ کہا۔ تمہارا ملک ہزاروں
میل دور ہے۔ بھاگو گے تو دشمن تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیگا
بہتر یہی ہے کہ میدان میں جان دو اور اس دنیا کا اور اگلی دنیا کا ثواب
حاصل کرو۔ سپاہیوں نے اتنے جوش سے حملہ کیا کہ پانچ ہزار آدمی مندر میں
قتل کر ڈالے۔ جو باقی بچے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر میں نکل گئے۔
محمود نے دیوتا کو توڑا۔ اس کے ٹکڑے غزنی اور مکہ کو روانہ کئے۔
کچھ گجرات، سندھ ہوتا ہوا ڈھائی سال کے بعد غزنی گیا۔ اس کا آخری

تھا۔ سندھ کے کنارے جاٹ قبیلوں کے برخلاف تھا جنھوں نے محمود کی فوج کو واپسی پر بہت تنگ کیا تھا۔ وہ پتھری کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور ۱۰۳۰ء میں اُس نے جان دیدی۔ مرنے سے دو روز پہلے اُس نے حکم دیا۔ اُس کی ساری لوٹ، جواہرات وغیرہ دکھائے جائیں۔ اُن کو دیکھتا تھا اور زار زار روتا تھا۔ دوسرے روز فوج، ہاتھی، گھوڑوں، اونٹوں اور رتھوں کی پیشی ہوئی۔ ایک چلتے تخت پر بیٹھ کر سب کا ملاحظہ کیا۔ جب سب کچھ دیکھ چکا تو اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا پھوٹ پڑا اور جگر غم و اندوہ سے بھر گیا۔

## غزنی اور لاہور

محمود کے دو بیٹے اکٹھے پیدا ہوئے تھے۔ محمد تخت پر بیٹھا۔ ابھی پانچ ماہ ہی گذرے تھے اُس کا بھائی مسعود اصفہان سے آیا اور اُس کی آنکھیں نکال کر تخت سے اُتار دیا۔ ۱۰۳۶ء میں اُس نے پنجاب پر چڑھائی کر کے ہانسی کا قلعہ لیا۔ سونی پت کا گورنر دیپال بھاگ گیا۔ واپس لاہور آ کر اُس نے اپنے بیٹے مودود کو گورنر مقرر کیا۔ غزنی پہنچنے پر سلجوقی ترکوں نے اُسے ایسا تنگ کیا کہ اُس نے غزنی کی جگہ لاہور کو دارالحکومت بنانے کا ارادہ کیا۔ خود لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ مودود کو بلخ کا گورنر مقرر کیا۔ جہلم کے کنارے پر اُس کی فوج اُس کے برخلاف ہو گئی اور انہوں نے اُسے مقید کر کے اُس کے اندھے بھائی محمد کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی مودود غزنی پہنچا اور سلطان بنکر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ محمد اُس کے مقابلے کے لئے گیا لیکن اُسے شکست ہوئی اور وہ خود اور اُس کے بیٹے پکڑے گئے۔ مودود سب مخالفوں کو کچل کر لاہور کا گورنر بن گیا۔ اُس کی غیر حاضری

سے فائدہ اُٹھا کر شمال کے ہندو راجاؤں نے ایک سازش کرکے پنجاب
میں غزنی کی حکومت کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ تھانیسر اور ہانسی اُن کے قبضے
میں آگئے۔ نگرکوٹ کا مندر از سرِ نو قائم کیا اور دس ہزار سوار اور بہت سی
پیادہ فوج لے کر لاہور کا گھیراؤ ڈال دیا۔ سات ماہ تک مسلمان لوگ اپنی
حفاظت کرتے رہے۔ گلی گلی میں اپنی جان و مال اور بچوں کے لئے جانبازی
سے لڑتے تھے۔ آخر اُنہوں نے مرنے مارنے کا ارادہ کرلیا اور ایسی
دلیری دکھائی کہ دشمن کو لاہور چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ۱۰۴۹ء میں مودود مرگیا اور کچھ
مہینے بعد دیگرے کئی شہزادے غزنی کے تخت پر بٹھائے گئے اور قتل
کئے گئے۔ ۱۰۹۹ء میں مسعود سوم تخت پر بیٹھا جس نے طغتگین کو لاہور کا
گورنر مقرر کیا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ خود ایران و غیرہ کا علاقہ کھو کر لاہور
میں آکر رہنے لگا۔ اس طرح لاہور غزنوی خاندان کا دار الخلافہ بن گیا۔ مسعود
۱۱۱۵ء میں مرگیا۔ اُس کا بیٹا ارسلان غزنی کے تخت پر بیٹھا اور دوسرے
بھائیوں کو قید کرلیا۔ سلجوق سلطان سنجار نے دوسرے بھائیوں کی مدد
کرنی چاہی۔ ارسلان لاہور بھاگ آیا اور یہاں سے فوج اکٹھی کرکے واپس
گیا۔ لاہور کے گورنر محمد بھائی لم نے بہرام کی اطاعت سے انکار کیا۔ ۱۱۱۸ء
کے آخیر میں بہرام لاہور پر آیا اور ایک لڑائی میں بھائی لم کو شکست دی۔
بھائی لم نے اطاعت تو مان لی مگر شوالک میں ایک قلعہ بنا کر اپنے دس
بیٹوں کو پنجاب کے مختلف حصوں کا حاکم مقرر کردیا۔ بہرام کو پھر آنا پڑا۔
ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں بھائی لم اور اُس کے سارے بیٹے مارے
گئے۔ بہرام سالار حسن کو وائسرائے بنا کر واپس چلا گیا۔ واپسی پر اپنے
ایک داماد قطب الدین کو جو غور کا افغان تھا پھانسی دے کر غور کے سردار

سیف الدین سے جھگڑا ڈال لیا۔ غزنی کی فوج ظاہرا طور پر سیف الدین سے مل گئی اور اُسے گرفتار کر کے بیرام کے پاس لے آئی۔ بیرام نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اس پر اُس کا بھائی علاؤ الدین بدلہ لینے کے لئے روانہ ہؤا۔ ایک لڑائی کر کے غزنی پر قابض ہو گیا۔ شہر میں لوٹ اور قتل عام کر دیا۔ بیرام بھاگ کر پنجاب آیا۔ راستے میں ۱۱۵۲ء میں مر گیا۔ اُس کا بیٹا خسرو لاہور پہنچا اور فوج لیکر غزنی کی طرف روانہ ہؤا۔ راستہ میں اُس نے سُنا کہ غزنی پر ترکوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ واپس لاہور آ گیا اور ۱۱۶۰ء میں مر گیا۔ اس کا بیٹا خسرو ملک تخت پر بیٹھا۔ اس کے وقت میں شہاب الدین نے غزنی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ غیاث الدین کا بھائی تھا جو سیف الدین کے قتل کے بعد غور کے تخت پر بیٹھا تھا۔ شہاب الدین نے پشاور۔ افغانستان۔ ملتان۔ سندھ پر حملے کئے۔ ۱۱۸۰ء میں لاہور آ گھیرا لیکن لاہور کا قلعہ نہ لے سکا۔ آخر خسرو ملک کے ساتھ اُس کی صلح ہو گئی اور اُس کا چار برس کا بیٹا یرغمال کے طور پر ساتھ لے گیا۔ چار برس کے بعد پھر اُس نے لاہور پر حملہ کیا۔ پھر بھی ناکام رہا۔ مگر سیالکوٹ میں اپنی فوج رکھدی۔ خسرو ملک نے گکھڑوں کی مدد سے اس فوج کو نکالنا چاہا مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۱۸۶ء میں محمد غوری پھر آیا اور مشہور کیا کہ وہ سلجوک ترکوں کے خلاف جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بھروسہ دلانے کے لئے اُس لڑکے کو لاہور روانہ کر دیا۔ خسرو ملک اپنے بیٹے کو دیکھنے کے شوق میں آگے بڑھا۔ یہ خبر سنتے ہی غوری نے بیس ہزار سوار اُس کے پیچھے ڈالدیئے۔ خسرو ملک نے صبح کے وقت اپنے آپ کو قیدی پایا اور لاہور غوری کے قبضے میں چلا گیا۔ محمد غوری نے ۱۱۷۵ء میں ملتان اور اُچ پر حملہ کیا تھا۔ اُچ کا راجہ قلعے میں محفوظ ہو گیا

مگر اُس کی رانی نے اُس کے ساتھ بڑی دغابازی کی۔ غوری کو سندیسہ بھیجا کہ اگر اُسے مالک بنا دیا جائے تو وہ راجہ کو قتل کرا دیگی اور اپنی خوبصورت لڑکی شادی کے لئے دیگی۔ رانی نے اپنے خاوند کو قتل کرا دیا۔ غوری قلعے پر قابض ہوگیا اور لڑکی سے شادی کر لی اور رانی کو قید کر کے غزنی بھیجدیا۔ لڑکی بہت جلدی ہی دُکھ سے مرگئی۔ ۱۱۹۳ء میں سرسوتی کے کنارے وہ بدقسمت لڑائی ہوئی جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اس میں اجمیر کا راجہ پرتھی راج قید ہو کر قتل کیا گیا۔ دہلی کا راجہ چاوند رائے اور بہت سے راجہ مارے گئے۔ اِسی سال قطب الدین ایبک نے میرٹھ اور دہلی فتح کئے۔ دہلی مسلمانوں کی حکومت کا دارالخلافہ بنگیا۔ اِسی اثنا میں جہلم اور چناب کے درمیان گکھڑ قوم نے بڑی آفت مچادی اور غوری گورنر کو نکال کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ مُلتان اِس سے پہلے ہی باغی ہوگیا تھا۔ غوری پہلے مُلتان آیا بعد ازاں قطب الدین ایبک کی مدد سے گکھڑوں پر حملہ کیا۔ وہ بہت سے قتل ہوگئے اور باقیوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ واپس جاتے ہوئے غوری سندھ کے کنارے رہتک مقام پر ٹھہرا تھا۔ خیمہ میں دو غلام پنکھا کر رہے تھے۔ دروازہ ہوا آنے کے لئے کھُلا تھا۔ کچھ گکھڑ اپنی قوم کے دشمن کو قتل کرنے کے ارادے سے خیمے میں گھس آئے اور خنجروں سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ اُس کے جسم پر بیس زخم آئے تھے۔ اُس کا بھتیجا محمود جانشین ہوا۔ محمود نے دیکھا کہ وہ قطب الدین کو ماتحت نہ رکھ سکیگا فوراً بادشاہی ساز و سامان قطب الدین کو روانہ کر دیا۔ ۲۴ جولائی ۱۲۰۶ء کو اُس نے لاہور میں اپنے آپ کو پہلا مسلمان بادشاہ مشہور کیا۔

**لاہور اور دہلی** ۔ قطب الدین ایک ترکی غلام تھا۔ بچپن میں ایک سوداگر

اُسے نیشاپور لے آیا اور ایک قاضی کے پاس بیچ دیا۔ وہاں پر وہ علم حاصل
کرتا رہا۔ قاضی کے مر جانے پر ایک اور سوداگر نے اُسے خرید لیا اور محمد غوری
کے پاس لا کر فروخت کر دیا۔ اُس کی چھنگلی انگلی ٹوٹی ہونے کی وجہ سے غوری نے
اُس کا نام ایبک رکھا۔ لیاقت کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے وہ فوج کا جرنیل
بن گیا۔ وہ دہلی میں تھا جب اُس کے خسر تاج الدین نے لاہور پر چڑھائی
کر کے قبضہ کر لیا۔ قطب الدین نے اُسے شکست دی اور وہاں سے کرمان
واپس گیا۔ بعد ازاں ۱۲۱۰ء میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اُس کا
بیٹا آرام تخت پر بیٹھا مگر وہ ایسا کمزور تھا کہ سب صوبے باغی ہونے لگے۔ سب
امیروں نے اکٹھے ہو کر شمس الدین التمش سے درخواست کی کہ وہ تخت سنبھالے۔
اُس نے آرام کو ایک لڑائی میں شکست دے کر تخت پر قبضہ کر لیا۔ التمش بھی
ایک غلام تھا جسے بچپن میں ایک سوداگر خرید کر بخارا لے آیا تھا۔ اُس نے ایبک
کے پاس بیچ دیا۔ اور قطب الدین نے اُسے پچاس ہزار چاندی کا سکہ دے کر
خرید لیا اور اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کر دی۔ چار سال کے بعد خوارزم کے
بادشاہ خوارزم شاہ نے تاج الدین کو غزنی سے بھگا دیا جس نے آکر لاہور
اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔ التمش نے اُسے شکست دی اور قید کر لیا۔ ۱۲۲۱ء
میں چنگیز خاں کے تاتاریوں نے خوارزم کو لوٹا۔ جلال الدین وہاں سے لاہور
آ پہنچا۔ التمش اُس کے برخلاف ہو گیا۔ اُسے شکست دی اور ۱۲۲۸ء میں
اپنے بیٹے رکن الدین کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا۔ سندھ کے صوبہ دار ناصر الدین
کو بھی سر کیا۔ ۱۲۳۳ء میں ملتان جاتے ہوئے بیمار ہو کر واپس آیا اور مر گیا۔
رکن الدین دہلی کے تخت پر بیٹھا اور اپنے آپ کو عیاشی میں ڈال دیا۔ اُس
کی ماں نے حرم کی سب عورتوں کو قتل کروا ڈالا۔ لاہور کے صوبہ علاؤ الدین اعو

ملتان کے صوبہ قبر خاں سے بل کر اُسے تخت سے اُتارنا چاہا۔ اُمرا بھی اُس پر ناراض تھے اِس لیئے اُنھوں سے اُسے اُتار کر اُس کی بہن رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھا دیا۔

رضیہ بیگم عجیب و غریب عورت تھی۔ بڑی دلیر عقلمند اور قابل تھی۔ مردوں کا سا دل اور دماغ رکھتی تھی۔ وہ خود دربار اور شاہی کام کرتی۔ بعد میں ایک حبشی غلام سے بہت مہربانی کرنے لگی یہانتک کہ وہ اُسے اُٹھا کر گھوڑے پر چڑھایا کرتا تھا۔ سب اُمرا اُس سے جلنے لگے۔ ملک قبر خاں جو کہ لاہور کا گورنر بنایا گیا تھا ناراض ہو کر باغی ہو گیا ۱۲۳۸ء میں ملک التونیا بھٹنڈہ کا گورنر بھی باغی ہو گیا۔ رضیہ بیگم اُس کے برخلاف فوج لے کر گئی۔ امیروں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ اُس کے دوست کو قتل کر دیا اُس کے بھائی بہرام کو تخت پر بٹھلا دیا۔ بہرام نے ملک کاراغوس کو لاہور کا وائسرائے مقرر کیا۔ اِس کے عہد میں چنگیز خاں کے مغل پنجاب پر ٹوٹ پڑے اور ۲۲ نومبر ۱۲۴۱ء میں ملک کو بھگا کر لاہور پر قابض ہو گئے۔ شہر میں لوٹ مار کی اور کئی ہزار قیدی پکڑ کر لے گئے۔ وزیر اختیار الدین جو اُن کے برخلاف بھیجا گیا تھا باغی ہو گیا اور بادشاہ کو آ کر قتل کر دیا۔ رکن الدین کا بیٹا علاؤ الدین تخت پر بیٹھا۔ وہ بھی بڑا عیاش اور ظالم نکلا۔ اُمرا نے اُس کے چچا نصیر الدین کو تخت پر بٹھا کر اُسے قید کر دیا۔ نصیر الدین نے غیاث الدین بلبن کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اُس کا بھتیجا شیر خاں لاہور۔ بھٹنیر اور سرہند کا صوبہ مقرر کیا گیا۔

مغلوں نے اِس وقت غزنی۔ کابل اور قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔ گکھڑوں نے مغلوں کی امداد کی تھی۔ بادشاہ فوج لیکر سندھ تک آیا اور ہزاروں گکھڑوں کو قید کر کے لے گیا ۱۲۴۸ء میں بادشاہ ملتان آیا اور

فیض الدین بلبن کو ملتان اور اُچ کا گورنر مقرر کیا۔ پنجاب کا گورنر شیر خاں فوج لے کر غزنی پہنچا۔ اور مغلوں کو وہاں سے نکال کر غزنی کو پھر دہلی میں شامل کیا۔ ۱۲۵۷ء میں مغل فوج پنجاب پر چڑھ آئی لیکن بادشاہ کے آنے کی خبر سُن کر واپس چلی گئی۔ اگلے سال چنگیز کے پوتے ہلاکو خاں نے اپنے قاصد پنجاب کو روانہ کئے ۱۲۶۶ء میں نصیر الدین بیمار ہو کر مر گیا۔ یہ شخص بڑا نیک اور سادہ مزاج تھا۔ خود ہاتھ سے قرآن لکھ کر روٹی کماتا تھا۔ اپنی بیوی کے سوائے کوئی عورت اپنے پاس نہیں رکھی۔ گھر کا سب کام اپنی بیوی سے لیتا تھا۔ ایک دن روٹی سینکتے ہوئے اُس کی اُنگلیاں جل گئیں اور اُس نے ایک لونڈی کے لئے درخواست کی۔ اِس پر بادشاہ نے کہا "پبلک کا روپیہ لوگوں کے بھلے کے لئے ہے۔ اُسے نوکر رکھنے میں ضائع نہیں کیا جاسکتا"۔ بلبن بھی ایک ترکی غلام تھا جسے بصرہ کا ایک شخص دہلی لایا تھا۔ التمش نے اُسے خرید کیا۔ آہستہ آہستہ وہ شاہی بازخانہ کا سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو گیا۔ رکن الدین نے اُسے پنجاب کا حاکم مقرر کیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اُس نے اپنے بیٹے محمد کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا۔ محمد کو شعروں کو بہت شوق تھا عالموں کی قدر کرتا تھا۔ شاہی شاعر امیر خسرو اور خواجہ حسن کو اپنے ساتھ لاہور لایا اور سعدی کو لاہور آنے کی درخواست کی۔ ۱۲۷۹ء میں مغلوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ محمد نے جا کر اُن کو شکست دی اور بہت نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹا دیا۔ اگلے سال تیمور خاں جو کہ چنگیز خاں کی اولاد میں سے مشرقی ایران کا حاکم تھا۔ بیس ہزار سوار لیکر لاہور آیا۔ اور لاہور اور دیپالپور کے علاقے میں لوٹ مار مچا دی۔ محمد اِس وقت ملتان میں تھا۔ خبر پاتے ہی وہ لاہور پہنچا۔ تیمور خاں کی فوج راوی کے دوسرے کنارے پر تھی۔

نہ اُن کو برابر موقعہ دینے کے لئے پار اُتر نے دیا۔ دونوں میں لڑائی شروع
غل گھبرا گئے اور بھاگ نکلے۔ ہندوستانی سپاہ نے مغلوں کا پیچھا کیا
لک کہ پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ایک جگہ ٹھہر گیا کہ اتنے میں پیچھے
ایک مغل گروہ آپہنچا۔ لڑائی ہوئی اس میں محمد مارا گیا اور امیر خسرو
رفتار کر لیا گیا۔ بوڑھے بادشاہ کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ تھوڑے دن
بیا۔ اُس کا پوتا کیقباد دہلی کا بادشاہ بنا۔ وہ عیاشی میں پڑ گیا اور ساری
جلال الدین خلجی کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اُس نے ۱۲۹۰ء میں بادشاہ کو قتل کر کے
ست پر قبضہ کر لیا۔

حکومت

یہ خلجی لوگ خاص قبیلہ (ترک ہزارگیبہ) سے تھے۔ جو
غنیج خاں (چنگیز خاں کا داماد) کی سرداری میں
کے مغربی پہاڑوں میں آباد ہو گئے تھے اور غزنی اور دہلی کے
ہوں کی فوج میں بھرتی ہوتے رہے۔

۱۲۹۲ء میں ہلاکو خاں کا پوتا عبداللہ ایک لاکھ سوار لے کر پنجاب پر
یا۔ جلال الدین خود اُس کے مقابلے پر گیا۔ اُن کے بہت سے
رفتار ہوئے۔ چنگیز کے پوتے اُلغو خاں کو بادشاہ نے اپنی لڑکی
ں اور وہ اور اُس کے تین ہزار سپاہی مسلمان ہو گئے۔ اپنے
رکلی خاں کو لاہور کا صوبہ بنا کر واپس چلا آیا۔ ۱۹ر جولائی ۱۲۹۶ء کو
کے بھتیجے علاؤالدین نے اُسے قتل کر ڈالا اور خود بادشاہ بن
ملکہ جہان اپنے بیٹوں اور چند امیروں کو ساتھ لے کر ملتان بھاگ گئی
الدین نے ملتان کے خلاف فوج روانہ کی۔ دو ماہ تک محاصرے
بعد فوج نے اس شرط پر کہ شہزادوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے

شاہی فوج کے حوالے کر دیا۔ لیکن علاؤ الدین کے حکم سے شہزادوں
کو ہانسی میں بند کر کے پہلے اُن کی آنکھیں نکالی گئیں پھر اُنہیں قتل کر
دیا گیا۔ اگلے سال بادشاہ کو خبر ملی کہ ماوراء النہر کا بادشاہ امیر داؤد ایک لاکھ
مغل لئے پنجاب پر آ رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنے بھائی الف خاں کو لاہور
روانہ کیا۔ یہاں پر مغلوں کو بڑی بھاری شکست ہوئی۔ اُن کے بارہ
ہزار آدمی مارے گئے۔ بہت سے عورتیں، مرد اور بچے گرفتار ہوئے
جو قتل کر دیئے گئے۔ ۱۲۹۹ء میں مغل دو لاکھ سوار لئے جمنا کے کنارے
تک آپہنچے۔ بادشاہ خود لڑنے کے لئے گیا اور اُن کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب
علاؤ الدین چتوڑ کی طرف گیا ہوا تھا ۱۳۰۳ء میں بارہ ہزار مغل سوار آئے
اور دہلی تک لوٹ مار کر واپس چلے گئے۔ اگلے سال ۱۳۰۴ء میں پھر آئے۔
لاہور کے صوبہ دار تغلق خان نے اُن کو ایک شکست دی۔ سات ہزار
تو لڑائی میں مارے گئے نو ہزار گرفتار ہو کر دہلی آئے وہاں سب قتل
کر دیئے گئے۔ ۱۳۰۵ء میں پھر چڑھائی کر آئے اور ملتان لوٹ لیا۔
غازی بیگ تغلق نے سندھ میں اُن کو شکست دیکر تین ہزار قیدی دہلی
روانہ کئے۔ اُن کو قتل کر دیا گیا اور اُن کی عورتیں اور بچے غلامی میں بیچ
دیئے گئے۔ اگلے سال پھر انہوں نے حملہ کیا اور سات ہزار قیدی پکڑے۔
تغلق نے ان حملوں کو روکنے کے لئے غزنی، کابل، قندھار کو فوجیں روانہ
کیں تا کہ اُن کو اپنے گھر کا خیال ہو۔ ۱۳۱۶ء میں وہ مر گیا۔ خواجہ سرائے
ملک کافور نے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا اور اُس کی ماں سے
خود شادی کر لی۔ دو شہزادوں کی اُس نے آنکھیں نکلوا ڈالیں اور تیسرے
مبارک کو قتل کرنے کے لئے قاتلوں کو روانہ کیا۔ مبارک نے اُن کے

آگے جواہرات پھینک دیئے جس سے وہ لڑنے لگ گئے جاگتے میں ہنگامہ
کو خبر تک نہ تھی۔ وہ آگئی اور انہوں نے خواجہ سرا سے کو قتل کر کے مبارک
کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ شخص ۱۳۲۰ء تک راج کرتا رہا لیکن ایسا بدمعاش اور
عیاش تھا کہ فوج بھی سب عیاشی میں پڑ گئی۔ ایک ہندو ملک خسرو نے
رات کو اسے قتل کر دیا اور خضر خاں کی عورت دیول دیوی سے شادی
کر کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے شاہی خاندان کے سب ممبروں کو
قتل کروا ڈالا۔ یہ خبر سنکر غازی بیگ تغلق پنجاب سے فوج لے کر روانہ
ہوا اور سیدھا دہلی میں داخل ہو گیا۔ ہزار مینار کے پاس پہنچکر اس طرح
تقریر کی۔ "میں بادشاہ بننے کے لئے نہیں آیا۔ تم کو صرف اس ظالم سے
چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔ تم جس کو چاہو بادشاہ بناؤ۔ میں فرمانبرداری
کرونگا"۔ سب نے نعرے لگائے "تم ہی بادشاہ ہو"۔ اٹھا کر لے گئے
اور تخت پر بٹھا دیا۔

## تغلق حکومت

غازی بیگ کا باپ تغلق تھا جو کہ بلبن بادشاہ کا ایک ترکی غلام تھا۔ اس نے لاہور کے پاس
ایک جاٹ کی لڑکی سے شادی کی تھی جس سے یہ پیدا ہوا۔ جب وہ لاہور
کا صوبہ دار تھا اس نے مغلوں کو کئی بار شکست دی۔ کابل کی حدود پر
اس نے قلعے بنوائے اور اس میں فوجیں رکھیں تاکہ مغلوں کے حملے بند
ہو جائیں۔ چار سال کے بعد چھت سے گر کر وہ مر گیا۔ اس کا بیٹا محمد تغلق
تخت پر بیٹھا وہ بڑا فیاض اور صلح کن پالیسی کا تھا۔ بڑا فصیح بولتا تھا۔
تاریخ، منطق، ریاضی میں دسترس رکھتا تھا۔ اس نے ہسپتال اور یتیم خانے
بنوائے اس کے عہد میں ۱۳۲۸ء میں مغلوں نے ہندوستان پر چڑھائی کی

ملتان لمغان فتح کرکے دہلی تک آپہنچے۔ بادشاہ لڑائی کے لئے طیار نہ تھا ایک
بڑی رقم نذرانہ میں دے کر انہیں واپس کر دیا لیکن اس کے بعد ہی اس کو چین
فتح کرنے کا خبط سمایا۔ ایک لاکھ سوار نیپال کے ذریعے روانہ کئے۔ چین فوج
نے سرحد پر مقابلہ کیا۔ راستے میں ایسا طوفان اور برسات آئی کہ کوئی آدمی
بچکر واپس نہ آیا۔ اس نے دولت آباد بسا کر اسے صدر بنایا اور اہل دہلی کو
وہاں رہنے کا حکم دیا۔ اس کے عہد میں ایک پہاڑی پٹھان بڑھا ہوتے ملتان
پر حملہ کرکے گورنر کو شکست دی اور سارا ملک ویران کر دیا۔ بادشاہ خود اس کے
برخلاف گیا مگر وہ پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ گکھڑوں نے لاہور پر حملہ کرکے [illegible]
لاہور کے گورنر کو قتل کر دیا۔ ۱۳۵۱ء میں بادشاہ سندھ کو گیا اور ٹھٹھہ میں زیادہ
پھل کھانے سے بیمار ہو گیا اور جان دیدی۔ اس کی جگہ فیروز تغلق تخت پر
بیٹھا۔ اسے نہریں بنوانے کا شوق تھا۔ ۱۳۵۵ء میں ۴۸ کوس کی نہر بنوانے
کے لئے دیپال پور آیا۔ اس نے ایک اور نہر کے ذریعے جمنا کا پانی ہانسی
اور حصار کے علاقے میں پہنچایا اور ایک نہر سرستی اور گھاگرا کے درمیان
بنوائی۔ اس نے سرائیں، کالج، مسجدیں، پلیں، ہسپتال اور کنوئیں بھی بنوائے
۱۳۸۸ء میں اس کی موت پر اس کا پوتا غیاث الدین تخت پر بیٹھا۔ پانچ ماہ
بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ دوسرا ابوبکر جلدی اتار دیا گیا اور فیروز کے بیٹے محمد کو
لوگوں نے تخت پر بٹھایا وہ ۱۳۹۴ء میں مرگیا۔ محمد کا بیٹا محمود تخت پر بٹھایا
گیا۔ پنجاب میں گکھڑوں نے بغاوت مچا دی۔ دیپالپور کے حاکم سارنگ خان نے
لاہور اور ملتان سے فوج اکٹھی کرکے اجودھن میں گکھڑوں کو ایک بڑی شکست
دی۔ گکھڑوں کا سردار شیخا بھاگ گیا۔ سارنگ خاں اور ملتان کے صوبیدار
میں جھگڑا ہو کر لڑائی شروع ہو گئی۔ سارنگ خاں نے ملتان لیلیا۔ اسے اتنی

دلیری ہوئی کہ دہلی پر چڑھ آیا لیکن راستے میں پانی پت کے گورنر تاتار خاں نے اُسے شکست دے کر واپس بھگا دیا۔ اتنے میں تیمور کا پوتا پیر محمد تینوں کا پل باندھ کر سندھ پار ہوا اور اُس نے اُچ کا محاصرہ کیا۔ سارنگ خاں اس کے برخلاف روانہ ہوا۔ پیر محمد پیچھے ہی بیاس جا پہنچا اور اُس کے سپاہیوں پہ جا پڑا۔ سارنگ خان ملتان میں آ کر بند ہو گیا۔ پیر محمد نے چھ ماہ تک محاصرہ رکھا۔ جب سارنگ خان کو اطاعت ماننی پڑی۔ ۲۱ ستمبر ۱۳۹۸ء کو تیمور خود سندھ پار ہو کر لاہور کی طرف بڑھا اور کچھ فوج کو آگے روانہ کیا۔ اِدھر سے لاہور کا صوبہ دار مبارک خاں بھی مقابلے کے لئے چناب تک آیا۔ تیمور کے آ جانے پر مبارک خاں تو گنگبہ کو سے واپس آیا اور فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔

تیمور چناب کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ تلمبا کے مقام پر کشتیوں کا پل باندھ راوی پار ہوا۔ بیاس پہنچ کر بیس ہزار کمک اپنے پوتے کو روانہ کی۔ بھٹنیر میں بہت سے لوگ مقابلے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ تیمور نے قصبے پر قبضہ کر لیا اور گلی گلی لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ لوگ اس سے گھبرا گئے اور خود ہی اپنے بچوں کو قتل کر کے مغلوں پر ٹوٹ پڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ تیمور کو اتنا غصہ آیا کہ اُس نے بھٹنیر کا ایک آدمی زندہ نہ چھوڑا۔ اور شہر کو خاک میں ملا دیا۔ اس کے بعد سرسوتی۔ اجیوڑہ۔ آہوری۔ ٹوہانہ کی لوٹ مار کی۔ اُدھر اُس کی فوج لاہور اور ملتان کے قلعوں کو لوٹ رہی تھی۔ پانی پت کے راستے جمنا سے گذر کر لونی کا قلعہ جا لیا۔ محمود پانچ ہزار سوار لے کر شہر سے باہر آیا اور ایک لڑائی میں شکست کھا کر واپس چلا گیا۔ تیمور کے پاس اُس وقت ایک لاکھ قیدی تھے۔ جس دن دہلی کا بادشاہ حملہ آور ہوا وہ خوشی کا اظہار کرنے لگے کہ اب چھوٹ جائیں گے۔ تیمور نے سب کو قتل کا حکم دے دیا

۲۰ جنوری ۱۳۹۹ء کو تیمور کی فوج نے بادشاہی فوج کو بڑی بھاری شکست دی اور دہلی میں داخل ہو کر جمعہ کے دن اپنے آپکو ہندوستان کا بادشاہ مشتہر کیا۔ اور لوگوں سے روپیہ وصول کرنے کے لئے اپنے افسر مقرر کئے۔ کچھ امیروں نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔ تیمور نے ان کی امداد میں سپاہی روانہ کئے۔ ان سپاہیوں نے لوٹنا اور عورتوں کو بے عزت کرنا شروع کیا۔ مسلمان بھی اپنے ساتھ ہندوؤں کا سا سلوک ہوتا دیکھ کر اُن کے ساتھ مل گئے۔ سب نے اپنی عورتیں قتل کر کے مغلوں پر حملہ بول دیا مگر بیچارے کیا کر سکتے تھے۔ اتنا کشت و خون ہوا کہ شہر کی گلیوں میں مُردوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ۱۸ دن دہلی رہنے کے بعد مُلتان ہوتا ہوا جموں پہنچا۔ اس عرصہ میں شیخا گکھڑ نے لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیمور نے جموں سے فوج روانہ کی جو اُسے گرفتار کر کے لے آئی۔ تیمور نے اُسے قتل کرا دیا اور ملتان کے صوبہ خضر خاں کو لاہور کا حاکم مقرر کر کے خود سمرقند کو چلا گیا۔ محمود دہلی واپس آکر مر گیا لوگوں نے دولت خاں لودھی کو بادشاہ بنایا مگر خضر خاں نے دہلی کا محاصرہ کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور سید خاندان کی بُنیاد رکھدی۔

## گکھڑوں کا لیڈر جسرت

خضر خاں نے تیمور کے نام کا سکہ جاری کیا تاکہ سب امیر اس سے ڈرتے رہیں۔ سات سال حکومت کر کے وہ مر گیا۔ ۱۴۲۱ء میں اس کا بیٹا مبارک تخت نشین ہوا۔ اس وقت پنجاب میں گکھڑوں نے پھر سر اُٹھایا اور اپنے سردار جسرت کے ماتحت کشمیر کے بادشاہ علی شاہ کو شکست دے کر قید کر لیا۔ جسرت نے لاہور اور جالندھر

پر قبضہ کرکے دہلی لینے کی ٹھان لی۔ جب جسرت نے سرہند لے
لیا تو مبارک فوج لے کر وہاں پہنچا۔ جسرت نے دریائے ستلج
سے اِدھر ہٹ کر وہاں سے کشتیاں ہٹالیں۔ برسات گذر جانے
پر بادشاہ دریا پار ہوا۔ لڑائی میں گکھڑوں کو شکست ہوئی۔ اور جسرت
چناب عبور کرکے پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ بادشاہ لاہور آکر کچھ دیر وہاں
رہا اور محمود حسن کو گورنر مقرر کرکے واپس ہوگیا۔ جونہی بادشاہ گیا۔
جسرت پہاڑوں سے اُترا۔ لاہور کا محاصرہ ڈالدیا۔ چونکہ اس میں چھ
ماہ سے زیادہ عرصہ ہوگیا اس لئے محاصرے کو ہٹا کر کلانور پہنچا۔ اور
وہاں سے جموں پر چڑھائی کردی۔ جب اُدھر بھی بہت کامیابی نہ ہوئی
تب بیاس کی طرف فوج بھرتی کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ دہلی سے
سکندر فوج لے کر آیا جس سے جسرت کو چناب پار بھاگنا پڑا۔ بادشاہ
نے سکندر کو لاہور کا وائسرائے مقرر کردیا۔ اتنے میں جسرت نے
بارہ ہزار گکھڑ اکٹھے کئے۔ لاہور اور دیپال پور کو لوٹا۔ ملک سکندر کے
آنے پر پہاڑوں کو بھاگ گیا اور پھر ۱۴۲۸ء میں نکل کر کلانور کا
محاصرہ شروع کردیا۔ ملک سکندر کو شکست دے کر واپس بھگادیا۔
بادشاہ کو سامانا اور سرہند کے صوبوں سے لئے فوج روانہ کرنی پڑی۔
۱۴۲۹ء میں کابل کے حاکم شیخ علی نے پنجاب پر حملہ کیا۔ گکھڑ اس
کی مدد میں جمع ہوگئے اور پنجاب میں لوٹ مار شروع کردی۔ شیخ علی نے
لاہور پہنچ کر ملک سکندر سے ایک سال کی آمدنی بطور تاوان وصول
کی۔ دریائے راوی کے کنارے خیرآباد پہنچا اور وہاں سے ۲۹ مئی
۱۴۳۰ء کو ملتان پر چڑھائی کی۔ ملتان لینے میں کامیابی نہ ہوئی اسلئے

اُس نے محاصرہ ڈال دیا لیکن دہلی سے شاہی فوج امداد کو آپہنچی۔ ہندوستانیوں
نے مغلوں کو ایسی شکست دی کہ وہ بھاگ پڑے اور ان کا تعاقب
کر کے بہتوں کو قتل کر دیا جو بچے وہ جہلم میں ڈوب گئے۔ شیخ علی صرف
چند ہمراہیوں کے ساتھ کابل پہنچا۔ اگلے سال ۱۴۳۲ء میں جسرت اور
شیخ علی نے مل کر لاہور پر حملہ شروع کیا لیکن اُن کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ جنوری
۱۴۳۴ء میں مبارک شاہ نماز پڑھتا ہوا قتل کر دیا گیا۔ اور اُس کا بیٹا
سید محمود تخت پر بیٹھا۔ اگلے سال سرہند کا گورنر اسلام خاں مر گیا اور
اُس کے بھتیجے بہلول لودھی نے اُس کی جگہ بیٹھ کر لاہور پر بھی قبضہ کر لیا۔
دیپال پور بھی اُس کے قبضے میں آگیا۔ بہلول کی طرح جون پور اور مالوہ
کے صوبہ دار بھی خود مختار ہونے لگے۔ بادشاہ نے بہلول کو راضی کر لیا
بیس ہزار سوار دے کر مالوہ کی طرف روانہ کیا۔ بادشاہ گھبرایا ہوا تھا
لیکن بہلول نے اپنی طرف سے مالوہ کے سلطان محمد کو شکست دے کر
بھگا دیا جس پر بادشاہ ایسا خوش ہوا کہ اُسے خان جہان کا خطاب دے کر
اپنا بیٹا بنا لیا اور ۱۴۴۱ء میں پنجاب کا گورنر مقرر کر کے جسرت پر حملہ
کرنے کی اجازت دے دی لیکن بہلول نے جسرت کے ساتھ دوستی
پیدا کر لی اور اپنی طاقت مضبوط بنا لی۔ سید محمود کے مر جانے پر ۱۴۴۵ء
میں اُس کا بیٹا علاؤالدین تخت پر بیٹھا۔ اُس نے دہلی کی بجائے بدایوں
اپنا صدر مقام بنا کر وہاں ہی باغ اور عیش گاہ بنا دیئے اور وہیں رہنا
شروع کر دیا۔ امیروں سے بادشاہ اور وزیر کے درمیان جھگڑے شروع
کرا دیئے۔ اس حالت میں بہلول دہلی آیا اور تخت پر قابض ہو گیا۔
علاؤالدین آپ ہی بدایوں چلا گیا۔ بہلول ۱۴۸۸ء میں مر گیا اور اُس کے

بعد اُس کا بیٹا سکندر لودھی تخت پر بیٹھا۔ ۱۴ دسمبر ۱۵۱۰ء کو اُس کی موت واقعہ ہوئی۔ یہ شخص بڑا شاعر اور نیک سمجھا جاتا تھا مگر ہندوؤں کے بہت برخلاف تھا۔ اُسنے متھرا میں مندر گرا کر مسجد بنوائی اور یاترا کے موقعہ پر ڈاڑھی اور بال کٹوانا بند کر دیا۔ اِن دونو کے عہد میں پنجاب میں کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا جو ذکر کے قابل ہو۔ اُس کے بعد اِس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا۔ وہ ایسا ظالم تھا کہ بعض نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ امیر لوگ اِس سے ناراض ہو گئے۔ دولت خاں لودھی پنجاب میں خود مختار ہو بیٹھا اور اُس کے چچا علاؤالدین نے کابل سے چالیس ہزار سوار لے کر دہلی پر حملہ کیا۔ پہلے دن تو اُسے کامیابی ہوئی لیکن اُس کے سپاہی لوٹ مار میں لگ گئے۔ بادشاہ نے فوج اکٹھی کر کے علاؤالدین کو شکست دی۔ وہ بھاگ کر پنجاب چلا آیا۔ اِس پر دولت خاں نے تیمور کے پوتے بابر کے پاس کابل میں قاصد روانہ کئے۔

## مغل حکومت

بابر نے ۱۵۲۶ء میں حملہ کیا۔ ۲۱ اپریل کو پانی پت کے مشہور میدان میں لڑائی ہوئی۔ جس میں بابر کو فتح نصیب ہوئی۔ ابراہیم میدان میں مارا گیا اور ایک نیا خاندان تخت پر آیا۔ بابر تیمور کی چھٹی پیڑھی میں تھا جب وہ بارہ برس کا تھا۔ تب اُس کے باپ نے اُسے جودھی جان کا علاقہ دیا تھا۔ باپ کے مر جانے پر تخت پر بیٹھا۔ پندرہ برس کی عمر میں اُس نے سمرقند فتح کیا۔ اُس کے بعد اپنی سلطنت کھو دی۔ اور اُس کی زندگی میں ایسے انقلاب آئے کہ وہ کبھی جنگلوں میں اکیلا بھاگا پھرتا تھا۔ کہیں سر ٹکانے کو جگہ نہ ملتی تھی اور کئی دن بھوکوں

گذارنے پڑتے تھے۔ دولت خان کے بُلانے سے پہلے
ہی اُس نے پنجاب فتح کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ ۱۵۱۹ء
میں اُس نے بھیرہ پر پہلا حملہ کیا۔ وہاں سے چار لاکھ شاہ رُخی
تاوان وصول کیا اور مولانا مُرشد کو ابراہیم لودھی کے پاس روانہ کیا
بتا کر پنجاب ہمیشہ سے غزنی کے ساتھ رہا ہے۔ لڑائی کو روکنے
کے لیے وہ پنجاب کو چھوڑ دے۔ اس کے بعد چناب پہنچ
کر اُس نے گکھڑوں کے قلعہ پرہالا کو گھیرا۔ اور بہت سامان
لے کر واپس ہوا۔ دوسری بار یوسف زئی لوگوں کو شکست
دی۔ تیسری بار سیالکوٹ فتح کیا۔ سیدپور نے مخالفت کی۔
سب قلعہ والے قتل کرائے گئے۔ اور لوگ غلام بنائے
گئے۔ ۱۵۲۴ء میں دولت خاں کے بُلانے پر وہ لاہور آیا۔
شاہی فوج کو شکست دے کر شہر میں داخل ہوا۔ گھروں کو
آگ لگا دی۔ چار دن کے بعد دیپال پور فتح کر کے سب
قلعہ والوں کو تہ تیغ کیا۔ یہاں پر دولت خاں جسے
لاہور سے نکلوا دیا گیا تھا۔ اُسے آ کر ملا۔ بابر نے اُسے
جالندھر کا صوبہ دار مقرر کیا۔ لیکن دولت خاں گھبرا کر پہاڑوں کی طرف
کو بھاگ گیا۔ اس سے بابر کو مایوسی ہوئی۔ اور وہ واپس
چلا گیا۔ پانچویں بار اُس نے دہلی پر چڑھائی کی۔ اُس کے
پاس تیرہ ہزار سوار تھے۔ ابراہیم لودھی کے پاس ایک
لاکھ سوار اور ایک سو ہاتھی تھے۔ پانی پت کے میدان
پر ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی۔ بابر دہلی میں داخل ہوا۔

خزانہ کھول کر لاکھوں روپے اپنے سرداروں کو دیئے۔ بڑی بڑی رقمیں مکہ، مدینہ وغیرہ مقامات کو بھیجیں۔ چار سال راجپوتانہ، بنگال وغیرہ میں لڑائیاں کرتا رہا اور ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء میں آگرہ آکر اس دُنیا سے چل دیا۔ اُس کا بیٹا ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ دوسرا بیٹا کامران غزنی سے فوج لے کر پنجاب روانہ ہوا۔ ہمایوں نے خود ہی اُسے پنجاب پشاور، لمغان کا علاقہ دے دیا۔ ہمایوں بُندیل کھنڈ، گجرات میں لڑ رہا تھا جب شیر خان پٹھان نے بنگال میں خودمختار حکومت قائم کی۔ ہمایوں کو اُس کے خلاف کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ آخر ۱۵۴۰ء میں شیر خاں نے ہمایوں کو ایسی شکست دی کہ وہ بھاگ کر لاہور آیا۔ شیر خان پیچھا کر رہا تھا۔ ہمایوں بھکر کو چلا گیا اور آگے صحرا میں سخت تکلیفات کا سامنا کرنا پڑا۔ نہ پانی نہ سایہ۔ کوئیں اتنے گہرے تھے کہ بیل کھینچنے والے کو نقارہ سے آواز دینی پڑتی تھی۔ چار دن کے سفر کے بعد وہ اور اُس کے ساتھی ایک کوئیں پر پہنچے۔ لیکن جب وہ ڈول نکلا تو سب کے سب اُس پر ٹوٹ پڑے۔ رسّی ٹوٹ گئی اور ڈول کوئیں میں جا پڑا۔ اُس کے ساتھ کئی آدمی بھی مر گئے۔ ان حالات کے اندر اکبر پیدا ہوا ۔ ہمایوں اپنے کُنبہ کو امرکوٹ کے رانا کے پاس چھوڑ خود سیستان کو چلا گیا۔

## شیر خان

پشاور کے ضلع میں رَو کے سُور قبیلے میں سے تھا۔ اُس کا دادا بہلول کے وقت دہلی آیا۔ اس کا اصلی نام فرید تھا۔ باپ کے سلوک سے تنگ آکر وہ جون پور کے صوبہ دار کے پاس جا نوکر ہوا۔ اُسے نظم و تاریخ کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ وہاں

سے بہار کے گورنر کے پاس چلا گیا۔ ایک شکار کے موقعہ پر خنجر کی ایک ہی چوٹ سے اُس نے شیر کو مار ڈالا اور شیر خاں نام حاصل کیا۔ محمد شاہ کے مرجانے پر اُس کی بیگم نے اُسے وزیر مقرر کیا۔ تھوڑی دیر بعد چنار کے حاکم کی بیوہ سے شادی کر کے اُس قلعے کا مالک بن گیا۔ جب ہمایوں گجرات میں تھا تو اُس نے بہار اور بنگال پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں کو شکست دینے کے بعد اپنے آپ کو بنگال کا بادشاہ مشہور کیا۔ آگرہ پر قبضہ کر ہمایوں کو ایک اور شکست دی اور اُسے پنجاب سے بھگا دینے کے بعد خواص خاں کو اپنا جرنیل مقرر کیا۔ ہمایوں کے چلے جانے کے بعد، چتوڑ، کالنجر وغیرہ کی ہندو ریاستوں سے لڑائی کرتا رہا اور کالنجر کے قلعے میں ۱۵۴۵ء میں مر گیا۔ اُس نے گنگا سے سندھ تک دو ہزار میل سڑک بنوائی جس کے کنارے پر درخت لگوائے اور چوکیاں اور ہرکارے مقرر کئے۔ فوج کے افسروں نے اُس کے چھوٹے بیٹے سلیم کو اُس کی جگہ مقرر کیا۔ لیکن لاہور کے گورنر ہیبت خان نے اُسے منظور نہ کیا۔ جرنیل خواص خاں بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ سلیم شاہ فوج لے کر لاہور روانہ ہوا۔ انبالہ میں سازشی فوج کے ساتھ اُس کا مقابلہ ہوا۔ بادشاہ کی خوش قسمتی سے اُن کے درمیان تفرقات پیدا ہو گئے۔ خواص خان عادل شاہ کے حق میں تھا۔ اور ہیبت خان اپنے ارادہ رکھتا تھا اور کہتا تھا۔ "بادشاہت کسی کی نہیں ہے۔ صرف اُسی کی ہے جس کی تلوار زیادہ تیز ہو"۔ خواص خان ہٹ گیا اور بادشاہ کو آسانی سے فتح حاصل ہو گئی لیکن وہ ۱۵۵۳ء میں مر گیا اور اُس کا بارہ برس

کا بیٹا تخت پر بٹھایا گیا۔ اُس کے ماموں محمد شاہ عادل نے محلوں میں داخل ہو کر بچے کو قتل کر ڈالا۔ اور خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ایک ہندو ہیموں کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ہیموں بڑا قابل آدمی ثابت ہوا۔

جب ابراہیم خان نے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ عادل چنار کی طرف بھاگ گیا۔ اور احمد خان سُور نے سکندر شاہ کا خطاب لے کر پنجاب پر بادشاہی شروع کر دی اور دہلی پر حملہ آور ہوا۔ ابراہیم مقابلے پر آیا۔ اُس کے ساتھ دو سو سردار اور افسر مخملوں کے خیمے میں تھے۔ ہر ایک کے ساتھ اپنا اپنا نوبت خانہ تھا۔ لڑائی میں ابراہیم کو شکست ہوئی اور سکندر شاہ دہلی اور آگرہ کا مالک بن گیا۔

ہمایوں ایران کے بادشاہ کے پاس مہمان تھا۔ بادشاہ نے اُسے شیعہ بنانے کے خیال سے دس ہزار سوار امداد میں دیئے۔ قندھار میں اُس کے پُرانے افسر اُسے جا ملے اور لڑائی کے بعد ہمایوں افغانستان کا مالک بن گیا۔ اُس کے بھائی جو اُس کے مخالف تھے ان لڑائیوں میں کام آئے۔ جب سُور خاندان کے لوگ آپس میں لڑنے لگ گئے تو لوگ اُن سے تنگ آ گئے۔ لوگوں نے آگرہ اور دہلی سے واپس بُلانے کے لئے ہمایوں کو چٹھیاں لکھیں اور ہمایوں نے بیرام خاں کو فوج کا افسر مقرر کیا۔ رہتاس میں لاہور کے گورنر تاتار خاں سے مقابلہ ہُوا۔ تاتار خاں بھاگ گیا اور ہمایوں لاہور میں آ داخل ہوا۔ آگے بڑھ کر بیرام خاں نے سکندر شاہ کی

پچیس ہزار فوج کو ماچھی واڑے کے مقام پر شکست دی لیکن اُس کے پیچھے ہی سکندر خود اسی ہزار فوج لئے آرہا تھا۔ سرہند کے مقام پر ۱۸ جون ۱۵۵۵ء کو لڑائی ہوئی جس میں سکندر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اکبر نے بڑی بہادری دکھائی اور ہمایوں پندرہ سال کی جلاوطنی کے بعد شاہی مسند پر بیٹھا۔ نماز سے مکان کے نیچے آرہا تھا۔ بانگ کی آواز آنے سے زینے پر ہی ٹھیر گیا۔ عصا کے سہارے اُٹھا۔ اُس کا پیر اپھسل گیا اور بادشاہ زمین پر گرا اور جان بحق ہوا۔

**اکبر** اکبر اس وقت بیرام کے ساتھ تھا۔ ۱۳ سال ۹ ماہ کی عمر میں اُسے کلانور کے قلعے میں مسند نشین کیا گیا۔ اکبر کے سامنے کئی خطرے تھے۔ سُور بادشاہ ابھی میدان میں تھا۔ ہندو راجاؤں میں سے کوئی ساتھ نہ تھا۔ پنجاب کا حاکم ابوالمعالی باغی ہوگیا تھا۔ اُسے گرفتار کرکے پہلوان گلزار کوتوال کی حراست میں رکھا گیا۔ اُس کے بھاگ جانے پر پہلوان نے بے عزتی کے ڈر سے خودکشی کرلی۔ اکبر نے پہلے انبالہ کے نزدیک سکندر کو شکست دی اور اُسے پہاڑوں کو بھگا دیا۔ خضر خان کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ اِدھر ہیموں نے آگرے پر قبضہ کرلیا تھا اور دہلی پر چڑھائی کرکے مغل گورنر تاردی بیگ خان کو نکال دیا اور بکرماجیت کا خطاب لے کر پنجاب کی طرف بڑھا۔ اکبر کی فوج بہت تھوڑی تھی اُس کو نصیحت کی گئی کہ وہ کابل کو چلا جائے۔ اُس سے ایک بڑی ٹڈی دل کا مقابلہ مشکل سے ہوگا لیکن بیرم خان اس کے برخلاف

تھا۔ پانی پت کے مقام پر ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو لڑائی ہوئی۔ یہ مقام فیصلہ کن لڑائیوں کے لئے ہمیشہ سے مشہور ہے۔ ہیموں ہشت سے ہاتھی لایا تھا۔ یہ سب ڈر کر بے قابو ہو گئے۔ اور پٹھانوں میں اُتھل پُتھل پڑ گئی۔ ہیموں بڑی دلیری سے ہاتھی کو اِدھر اُدھر لے جاتا تھا کہ ایک تیر اُس کی آنکھ میں لگا اور وہ ہٹ گیا۔ اُس کے ساتھی یہ سمجھ کر کہ وہ مر گیا ہے بھاگنے لگے۔ باوجود سخت درد کے بہادر ہندو اُٹھا! اور اپنے ہاتھ سے آنکھ سے تیر نکالا۔ اور سر پر رومال باندھ کر لڑائی کے لئے طیار ہو گیا۔ لیکن اُس کا ہاتھی گر گیا اور وہ گرفتار ہو گیا۔ بیرم چاہتا تھا کہ اکبر اُسے اپنے ہاتھ سے مار کر غزا حاصل کرے لیکن اکبر نے اُس کا سر تلوار سے چھوا دیا اور بیرم نے اُسے قتل کر ڈالا۔ یہ پہلا ہندو تھا جو اتنی چھوٹی سی پوزیشن سے ترقی کر کے اس رتبہ پر پہنچا تھا۔ اُس کی لیاقت اور انتظام کی وجہ سے پٹھان بادشاہ مغلوں کا مقابلہ کر سکے۔ اتنے میں سکندر نے خضر خان کو شکست دے دی۔ اکبر یہ سُنکر پنجاب آیا اور سکندر کو کلانور سے نکال دیا۔ وہ یہیں تھا جب اُس کی ماں اور دوسری عورتیں کابل سے اُسے آکر ملیں۔

اپریل ۱۵۵۸ء میں بیرم خان نے ہمایوں کی بھتیجی سے شادی کی اور اس کے بعد اُس کی گستاخی یہاں تک بڑھ گئی کہ بادشاہ کو اُسے حکم دینا پڑا کہ وہ مکہ چلا جائے اور بقیہ دن نماز روزہ میں گذارے۔ بیرم خان مکہ جانے کے ارادہ سے ناگور تک گیا۔

یہاں پر آ اُس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور پنجاب میں آکر بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ پیر محمد نے اُس کا پیچھا کر کے اُسے بٹھنڈہ تک بھگا دیا۔ دیپال پور ہو کر۔ وہاں سے جالندھر ماچھی واڑہ پھرتا تھا۔ اکبر خود پنجاب کو روانہ ہوا۔ اُس نے لُودھیانہ میں آکر سُنا کہ بیرم کو بھی شکست ہوئی ہے۔ بیرم خاں نے معافی مانگی۔ اکبر نے اُسے معاف کر کے پچاس ہزار پنشن لگا دی۔ وہ مکہ کو روانہ ہُوا مگر راستے ہی میں ایک پٹھان نے اُسے قتل کر دیا۔

سنہ ۱۵۶۱ء میں اکبر نے راجہ پُورن مل کی لڑکی سے شادی کی اور دس سال بعد راجہ کلیان مل کی لڑکی سے۔ سنہ ۱۵۶۶ء میں اکبر کے سوتیلے بھائی حاکم مرزا نے کابل سے لاہور آکر لاہور لینے کی کوشش کی لیکن اکبر کے آنے پر وہ واپس بھاگ گیا۔ سنہ ۱۵۷۹ء میں راجہ مان سنگھ لاہور کا گورنر تھا جس سال پھر حاکم مرزا نے لاہور پر ایک اور کوشش کی اور اُس کا محاصرہ ڈال دیا۔ راجہ مان سنگھ نے شہر کی بڑی بہادری سے حفاظت کی۔ بادشاہ خود پنجاب کو آیا۔ حاکم مرزا پشاور کی طرف واپس چلا گیا اور راجہ مان سنگھ نے آگے بڑھ کر اُسے ایک شکست دی۔ اکبر نے کابل میں داخل ہو کر حاکم مرزا کو معافی دی اور وہاں کی حکومت اُس کے ہی سپُرد کر دی۔ واپسی پر اٹک کا قلعہ تعمیر کرانے کا حکم دیا اور راجہ بھگوان داس کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا اور جب سنہ ۱۵۸۶ء میں حاکم مرزا مر گیا تو اُسکی جگہ مان سنگھ گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی سال اکبر خود لاہور آیا اور وہاں سے کشمیر۔ سوات اور باجور کی طرف

بھیجیں روانہ کیں۔ سوات اور باجور کے پٹھان بڑی دلیری سے لڑے۔
اور شاہی فوج کو شکست دی۔ اس لڑائی میں راجہ بیربل مارا گیا مگر چہ
مان سنگھ نے درۂ خیبر میں روشنائی پٹھانوں کو شکست دیکر بھگا دیا۔
۱۵۸۶ء میں کشمیر مطیع ہو گیا۔ ۲۷ اپریل ۱۵۸۹ء کو اکبر لاہور سے بھمبر کے
راستے سری نگر پہنچا۔ کئی دن قیام کے بعد کابل کو گیا۔ وہ یہاں ہی تھا۔
جب اسے لاہور میں راجہ ٹوڈرمل کی موت کی خبر ملی۔ واپس آکر ۱۵۹۸ء
تک حملوں کے ڈر کی وجہ سے لاہور میں ہی دربار کرتا رہا۔ ۱۵۹۰ء
میں کشمیر کا گورنر یوسف خاں مشہدی اپنے بھائی یادگار مرزا کو پیچھے
چھوڑ لاہور کو گیا۔ اس نے ایک امیر زمیندار کی لڑکی سے شادی کر لی اور
خود بادشاہ بن بیٹھا۔ جن سرداروں نے اس کی مخالفت کی انکو قتل کروا دیا
اکبر نے یہ خبر سنکر شاہی فوج روانہ کر دی۔ یادگار مرزا مقابلے کے لیئے آیا
لیکن دھوکے سے گرفتار ہو گیا۔ بادشاہ کشمیر گیا اور چالیس روز وہاں رہا
اگلے سال سندھ پر مہم روانہ کر کے اسے مطیع کیا۔ روشنائی فرقہ کے سردار
جلالا نے بغاوت کی وہ اور اس کے بھائی گرفتار کر کے دربار میں بھیجے
گئے۔ اکبر کے دو اور کارنامے چتوڑ کی فتح اور احمد نگر کا محاصرہ تھے چتوڑ
مدت سے ایک ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اکبر کے مقابلے پر تیس ہزار
راجپوتوں نے اپنی جانیں دیں۔ اسیطرح احمد نگر کے محاصرے میں
حسین نظام شاہ کی لڑکی چاند بی بی کی بہادری کا قصہ ہے جو کہ اس عورت
کو غیر معمولی لیاقت راج نیتی جاننے والی ظاہر کرتا ہے۔ اکبر نے ایک نیا
مذہب جاری کیا جو کہ سورج کی پوجا اور وحدت پر مبنی تھا جس کی رسوم زیادہ
تر زرد اشٹر کے مذہب سے لی ہوئی تھیں جب ۱۵۸۲ء میں اکبر اپنا دین

فتح پور سیکری سے لاہور سے آیا تو اس کے ساتھ تین عیسائی پادری بھی آئے۔ ان کو بڑی امید تھی کہ بادشاہ کو عیسائی بنا لینگے۔ یہ انگریز پادری لاہور کو ایک بڑا خوبصورت شہر بیان کرتا ہے۔ ایک اور مشن ۱۵۹۵ء میں لاہور آیا جس میں زیویر اور کئی پادری تھے۔ وہ کئی سال تک شہنشاہ بادشاہ کے ساتھ کشمیر گئے۔ زیویر نے مسیح کا جیون چرتر لاہور کے قاضی ابو الضیاء س کی مدد سے فارسی میں لکھا۔ اکبر نے مذہبی بردباری کے اصول بھی یہیں جاری کئے۔ جن کی وجہ سے اُسے بہت شہرت حاصل ہوئی۔ سنیچر شام کو عبادت خانہ میں مذہبی بحث مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ بادشاہ اُدہر دربار میں موجود ہوتے تھے۔ ابوالفضل بحث شروع کرتا اور اپنے ماسٹر کے خیالات کی تشریح کرتا تھا۔ ہر مذہب کے عالم بادشاہ کے دربار میں جاتے تھے اور تاریخ کے تجربات اور الہام کے بھیدوں وغیرہ مذہبی مضامین پر بحث کی جاتی تھی۔ بادشاہ بڑے غور اور سنجیدگی کے ساتھ سب کچھ سنا کرتا تھا۔ اسی مطلب کے لئے دو مکانات شہر کے باہر بنوائے گئے۔ ایک خیر پورہ۔ میاں میر کو جاتے ہوئے دارانگر کے پاس مسلمانوں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے تھا اور دوسرا دھرم پورہ ہندوؤں کے لئے۔ ان مباحثوں کے نتائج کبھی بہت مُہلک ہوتے تھے۔ ایک موقعہ پر ایک شیعہ مُلا احمد کو مرزا فلا نے قتل کر ڈالا۔ قاتل کو ہاتھی کی ٹانگ کے ساتھ زندہ باندھ دیا گیا۔ اکبر نے ہندوؤں سے جزیہ ہٹا دیا۔ مسلمانوں میں زیادہ شادیاں نہ کرانے کی کوشش کی۔ گائے کا گوشت کھانا منع کر دیا۔ اِسے چھوٹا گناہ قرار دیا۔ ہندوؤں میں

ستی کو بند کرنے کے لئے افسر مقرر کئے۔ ڈاڑھی منڈوانا دوستی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ جسمانی طاقت کے لئے شراب کا استعمال جائز تھا مگر نشہ کے لئے ناجائز۔ اس کا مذہب دین الٰہی قدرتی طاقتوں کی پوجا تھی۔ اس نے پانچ پانچ کوس پر گھوڑ سوار مقرر کرکے ڈاک کا طریقہ نکالا۔ اُسے بولیوں کا بھی شوق تھا۔ پہلی زبان دریافت کرنے کے لئے بارہ بچوں کو گونگی دائیوں کے پاس پرورش دلائی۔ سب لڑکے بھی گونگے ہو گئے۔ سنسکرت لٹریچر میں سے فارسی زبان میں ترجمے کرائے۔ ترجمہ کرنے والا فیضی تھا۔ اس کے وقت میں راجہ ٹوڈرمل نے مالگزاری کا طریقہ نکالا۔ بہت سے ٹیکس جو صنعت پر بوجھ ڈالتے تھے دُور کر دیئے گئے۔ اس سے پہلے طریقہ یہ تھا۔ صوبہ کا صوبہ دار شاہوکار کو ہر گاؤں میں ٹھیکہ دیتا تھا۔ ٹھیکہ دار زمینداروں کو اچھی طرح نچوڑ لیتا تھا۔ روپیہ سے وہ فوج کو تنخواہ دیتا تھا اور جو کچھ بچ جاتا سرکاری خزانہ میں بھیجدیتا تھا۔ اکبر نے یہ سب بدل کر صوبہ داروں کے نام حکم لکھا کہ سارا لگان سرکاری خزانہ میں بھیجدیا جائے۔ اور وہاں سے سپاہیوں کو تنخواہ دی جائے۔ ساری مزروعہ اور غیر مزروعہ زمین کی پیمائش کرائی گئی۔ خالصہ زمین اور جاگیروں کے ٹیکس وصول کرنے والے دستورالعمل کے مطابق لگان اور رجہات وصول کرتے تھے یہ لوگ عامل کہلاتے تھے۔ ان کے ماتحت ایک کارکن (مینیجر) اور ایک خاص نویس (پٹواری) ہوتا تھا۔ عامل کو پٹیل بھی کہتے تھے۔ پٹواری زمین کی تقسیم کر دیتا اور عامل نقد روپیہ وصول کرکے روانہ کرتا تھا۔ جو کیدار بھی ہوتا تھا۔ وہ تمام زمین جو ایک کروڑ روپیہ سالانہ لگان ادا کرتی تھی ایک افسر کے نیچے ہوتی تھی جسے کروڑی کہتے تھے۔ ہر گاؤں میں ایک ملا یا اُستاد ہوتا۔

جس کو کام تعلیم دینا ہوتا تھا۔

اکبر کا دربار بڑا عالیشان اور شاندار تھا۔ اُس کے دربار میں بارہ ہزار گھوڑے۔ پانچ ہزار ہاتھی شکاری جانوروں کے علاوہ تھے۔ اُس کا ڈیرہ چلتا ہوا بڑا شہر تھا۔ جس سے جنگل میں ہی ایسے سب سامان اور شان و شوکت حاصل تھی۔ دربار کے لئے۔ آرام کے لئے۔ نوکر چاکروں کے لئے۔ مجلسوں کے لئے خیمے شامیانے سب پانچ میل کی جگہ گھیر لیتے تھے۔ بادشاہ کے جنم دن بڑی رونق ہوتی تھی۔ بادشاہ اُمراء سے سجدہ حاصل کرتا تھا اور انعام اکرام بانٹتا تھا۔ سنہری ترازو پر سونے چاندی وعطر کے ساتھ علیحدہ علیحدہ تولا جاتا تھا۔ اور یہ سب بانٹ دیئے جاتے تھے۔ بادشاہ اپنے ہاتھ سے سونے اور چاندی کے بادام پھینکتا تھا۔ جن کو امیر تک لینے کے لئے دوڑتے تھے۔ ہندو شہروں اور مندروں کو لوٹ کر مسلمان حکمرانوں سے بادشاہ نے بیشمار دولت جمع کر لی تھی۔ سلیم کہتا ہے کہ تیمور کے پاس اس کا دسواں حصہ بھی نہ تھا۔ آگرہ میں چار سو ترازو سونے اور جواہرات کو تولنے ہی میں لگے رہتے۔ پانچ ماہ تک یہ کام ختم نہ ہو سکا۔ تاج کی قیمت بیس لاکھ پونڈ کے قریب ہوگی اور تخت کی تیس کروڑ پونڈ۔ اگرچہ آخیر وقت میں اکبر کو اپنے بیٹے سلیم کی عیاشی سے بہت دکھ ہوا۔ مرتے وقت سب اُمرا کو بلا کر اُسنے نصیحت کی۔ اپنے قصوروں کے لئے معافی مانگی۔ سلیم کی طرف اشارہ کر کے تخت پر بٹھانے کے لئے کہا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ سلیم جہانگیر کا خطاب لے کر تخت پر بیٹھا۔ باپ کے وزیروں کو قائم رکھا۔

مگر مذہبی تبدیلیاں کرنے والوں کو ہٹا دیا اور مسلمانی مذہب کا خیال رکھتے ہوئے شراب کا استعمال قانوناً منع کر دیا۔ اگرچہ وہ خود پیا کرتا تھا۔ بچپن میں پادریوں نے اُسے یہ عادت ڈال دی تھی۔ صبح جھروکھا میں بیٹھکر سجدہ حاصل کیا کرتا تھا۔ ایک انصاف کی زنجیر محلوں میں لٹکا دی گئی جسے کھینچ کر کوئی مظلوم اپنی فریاد بادشاہ تک پہنچا سکتا تھا۔

جہانگیر نے سعید خاں مُغل کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔ ابھی اُسے تخت پر بیٹھے چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ شاہزادہ خسرو نے بغاوت کی اور پنجاب میں آکر دس ہزار سپاہ اکٹھی کر لی اور لاہور کا محاصرہ کر کے ایک دروازے کو آگ لگا دی۔ شاہی افسروں نے شہر کی حفاظت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ بادشاہ خود بھی آ پہنچا۔ باقاعدہ ایک لڑائی ہوئی۔ جس میں خسرو کو شکست ہوئی۔ شہزادہ چناب سے گذر رہا تھا جب وہ ریت پر چڑھ گیا اور وہ پکڑا گیا۔ شاہزادہ کانپتا تھا اور روتا تھا۔ اُس کے دو ساتھیوں حسین بیگ اور عبدالعزیز کو گائے کی کھال اور گدھے کی کھال میں سی دیا گیا۔ پہلا چوتھے اور دوسرا پانچویں دن مر گیا۔ گورو ارجن کو بھی اسی قصور کے بدلے جان قربان کرنی پڑی۔ بادشاہ قلعے میں داخل ہوا۔ مرزا کامران کے باغ کے دروازے تک لکڑیاں جمع کی گئیں اور سات سو باغیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ لاہور میں بادشاہ کو خبر لگی کہ قزلباشیوں نے بغاوت کر دی ہے۔

کچھ سرداروں کو لاہور چھوڑ کر خود کابل روانہ ہوا۔ راوی پار دل آمیز باغ میں وہاں سے ہری پور۔ چاندوالہ۔ حافظ آباد گجرات۔ رہتاس حسن ابدال اور وہاں سے پشاور خیبر ہوتا ہوا کابل پہونچا۔ سال بھر کابل ٹھہر کر کشمیر کی سیر کرتا ہوا ۱۶۰۷ میں لاہور پہونچا ۱۶۱۶ میں دو سال تک برسات نہ ہوئی اس سے ایک ایسی وبا پھوٹ پڑی جو آٹھ سال تک جاری رہی پنجاب سے سرہند اور دہلی تک پھیلی۔ لاہور میں اس نے ایسی تباہی کی کہ مکانات مُردوں سے بھر گئے۔ تالے لگ گئے کوئی ڈر کے مارے انہیں کھولتا نہ تھا۔ اس سال شہزادہ خورم (شاہجہان) نے دکن پر فوج کشی کی۔ ملک امبر کو شکست دی اور بیجاپور سے اطاعت منظور کروائی ۱۶۲۲ء میں خسرو قید میں مر گیا شاہجہان کی تخت نشینی یقینی ہو گئی

## نور جہاں

اکبر سلطنت بنانے والا ایک معمار تھا اس کا بیٹا سلیم یا جہانگیر عاشق مزاج شخص تھا۔ جس نے بادشاہی کو عشق میں تبدیل کر کے اس پر مستی کا رنگ چڑھا دیا۔ جہانگیر کے بعد شاہجہان کے زمانہ کو امن میں سلطنت پر جشنوں کی موج کا رنگ چڑھا۔ دربار اور فوج سب اسی میں رنگے گئے۔ جہانگیر کہتا تھا کہ اس نے ایک پیالے کے بدلے سلطنت نور جہان کے ہاتھ بیچ دی ہے۔ جہانگیر نام کا بادشاہ تھا۔ حکومت اصل میں نور جہان کے ہاتھ میں تھی۔ نور جہان کا باپ غیاث مرزا۔ ایران کا ایک امیر زمانے کے انقلاب کے نتیجے میں آکر اپنے ملک سے نہایت غریبی کی حالت میں روانہ ہوا راستے میں اس کی عورت ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے وہ جنگل میں ہی چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے ایک قافلہ آتا تھا۔ ایک سوداگر نے لڑکی کو اٹھا لیا اور اس کی

ماں کو ہی پرورش کے لئے سپرد کر دیا۔ اکبر کے دربار میں مرزا غیاث
کی عزت بڑھنے لگی نور جہاں بھی شروع سے ہی خوبصورتی میں
مشہور ہو گئی۔ جہانگیر اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اکبر کو جب اس کی خبر لگی اس نے
نور جہاں کی ایک پٹھان سردار سے شادی کر کے اسے بنگالے کا
حاکم مقرر کر دیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد جہانگیر کو نور جہاں کا خیال نہ
بھولا تھا اس نے ایک ایسا انتظام کیا کہ ایک مقابلے میں نور جہاں کا
خاوند شیر افگن خاں قتل ہو گیا اور نور جہاں کو بادشاہ نے محلوں میں
داخل کر لیا۔ نور جہاں اپنے باپ کے صلاح مشورہ سے سلطنت کا کاروبار
کرتی تھی لیکن جب ۱۶۲۲ میں وہ مر گیا تو نور جہاں ایسی سازشوں میں
لگ گئی جس سے بادشاہ کی آخری زندگی تلخ ہو گئی۔ نور جہاں چاہتی تھی
کہ اسکا بیٹا شہریار بادشاہ کے بعد تخت پر بیٹھے شاہجہان کو یہ خبر
لگ گئی اس نے بغاوت کی بادشاہ کو اس کے برخلاف جانا پڑا اور وہ
تلنگانہ کو بھاگ گیا۔ نور جہاں کی دوسری سازش بڑے سردار مہابت
خاں کے برخلاف تھی۔ مہابت خاں بادشاہ کی ناراضگی کو معلوم کر کے
جب وہ کابل جاتے ہوئے جہلم سے گذر رہا تھا اپنا دستہ لے کر
بادشاہ کے خیمہ پر جا پڑا اور اسے گرفتار کر لیا۔ نور جہاں نے بادشاہ کو
چھڑانے کی کوشش کی مہابت خاں کے راجپوت بہادری سے لڑے
جب نور جہاں کو کوئی امید نظر نہ آئی تو وہ بھی بادشاہ کے ساتھ گرفتاری
میں رہنے کو تیار ہو گئی۔ مہابت خاں دونوں کو کابل لے گیا۔ نور جہاں
کی ان تھک منت اور خوشامد نے اس سے بادشاہ کو رہائی دیدی
واپس آتے ہوئے بادشاہ نے آصف خاں کو لاہور کا گورنر مقرر کیا

اور لاہور سے کشمیر کی سیر کو روانہ ہوا۔ راستہ میں دمہ کی بیماری نے آ دبایا۔ اور ہرنوں کا شکار کرتے ہوئے شکاری کے گر جانے سے ایسا صدمہ ہوا کہ بادشاہ کی طبیعت بگڑ گئی اور ۲۸۔ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو جان بحق ہوا۔ لاش لاہور میں لائی گئی اور اس کے مقبرے پر ایک عالیشان عمارت بنائی گئی نورجہاں نے لاہور میں ۱۷ سال باقی زندگی کے گذارے جہاں پر اسے پچیس لاکھ سالانہ پنشن ملا کرتی تھی ۷۰ سال کی عمر میں لاہور میں اس کی موت ہوئی اور یہاں ہی اسکا مقبرہ پایا جاتا ہے۔ ویرانے میں یہ ایک مکان اس بڑی عورت کی یادولاتا ہے جو کسی زمانہ میں سلطنت کو انگلی پر نچایا کرتی تھی۔

## شاہ جہان

شہریار نے لاہور میں اپنے آپکو بادشاہ مشتہر کیا لیکن اس کے ساتھیوں کو شکست ہو جانے پر اس نے اپنے آپکو قلعہ میں بند کر لیا آخر قلعے میں سے نکالکر اسے اندھا کر دیا گیا۔ شاہجہان تخت پر بیٹھا اور اس کے خاندان کے کئی شہزادوں کے سر کاٹ کر اس کے پاس بھیجدئے گئے۔ اگرچہ اس کی ماں مارواڑ کی شہزادی تھی لیکن اس میں اسلام کی طرفداری پائی جاتی تھی۔ ہگلی سے کرچھ سو پرتگیزوں کو قید کر لیا اور ان کو مسلمان بنا کر ان کی عورتیں کچھ حرم میں ڈالی لیں اور کچھ مسلمان امیروں کو بانٹ دیں شاہجہان نے شاہجہان آباد نام سے نئی دہلی آباد کی اور اس میں عالیشان مسجد اور عمارتیں بنوائیں۔ جمنا کے پانی میں بہت شورہ کی وجہ سے دور سے دو نہریں لاکر پانی مہیا کیا گیا۔ شاہجہان کو تماشوں اور عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ اس کی بڑی عمارت تاج محل دنیا کا ایک عجوبہ ہے جس کی

تعمیر کے لئے شہر پور نیر کہتا ہے۔ ۲۰ ہزار آدمی روزانہ بائیس سال تک کام کرتے رہے۔ بادشاہ گرمی میں کشمیر اور سردی میں لاہور رہتا تھا ۱۶۳۸ء میں علی مردان خاں ایران کے بادشاہ کا گورنر لاہور میں شاہجہان سے ملا اور قندہار جسپر کہ مغلوں کا قبضہ برائے نام تھا بادشاہ کے حوالے کیا۔ شاہجہان نے اسے امیرالامرا کا خطاب دیکر پنجاب کا گورنر مقرر کیا ۱۶۴۴ء میں علی مردانخاں نے مغل فوج لیکر بخارا پر حملہ کیا سردی کی وجہ سے اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ راجا مان سنگھ کا بیٹا جگت سنگھ راجپوتوں کی فوج لیکر اس کی مدد کو پہنچا۔ ان راجپوتوں نے مذہبی توہمات پرے رکھدے اور بڑی بہادری سے پہاڑوں میں راستے بنائے۔ برفوں میں سے گذر کر قلعے بنائے جاتے تھے۔ انہوں نے ازبکوں پر کئی فتوحات حاصل کیں بادشاہ خود کابل گیا مگر یہ دیکھکر کہ ان پہاڑوں میں جانیں ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا وہ صوبہ نظر محمد کو دیکر واپس چلا آیا۔ ۱۶۴۹ء ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اسپر بادشاہ نے اورنگ زیب کو فوج دیکر روانہ کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ خود ساٹھ ہزار سوار لیکر کابل گیا۔ کئی ماہ تک قندھار کا محاصرہ جاری رکھا مگر ناکام لاہور واپس آنا پڑا۔ اگلے سال بادشاہ نے لاہور سے تبت پر ایک مہم روانہ کی اور اسکردو فتح کیا۔ اورنگ زیب نے پھر قندہار کا محاصرہ کیا لیکن پھر بھی کامیابی نہ ہوئی دارا شکوہ کو فوج دیکر مدد کے لئے بھیجا گیا مگر کچھ نہ بنا۔ اسوقت ایک اطالین ڈاکٹر منوچی بادشاہ کے دربار میں آیا جس نے بادشاہ اور اس کے چار بیٹوں اور لڑکیوں کا حال لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو کشمیر کا اور لاہور

کا بہت شوق تھا۔ کشمیر سے واپس آکر لاہور میں دربار کیا کرتا تھا۔ اسنے قلعے میں سمن برج بنایا جہاں پر ہر روز کھڑکی سے صبح درشن دیتا تھا۔ امیر لوگ احکام کو سنا کرتے تھے۔" ۱۶۵۷ء میں دہلی میں اچانک بیمار ہو گیا کئی دن تک بے ہوش رہا دارا شکوہ نے سب انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ شاہجہان نے لاہور اور کشمیر کے شالامار باغ بنائے۔ ٹیورنیر کہتا ہے کہ اسکی حکومت زیادہ تر اپنے کنبے پر باپ کی حکومت کے ساتھ ملتی تھی۔ اس کی سول گورنمنٹ ایسی باقاعدہ اور اچھی تھی کہ کبھی کسیکو شاذ و نادر ہی میں پھانسی کی سزا نہیں دی گئی اس کے وقت میں ملک میں امن اور خوشحالی تھی۔ برنیر نے ۱۶۵۵ء سے ۱۶۶۷ء تک ملک میں سفر کیا وہ شہروں کی خوبصورتی اور دولت کا ذکر کرتا ہے اور ملک کی خوشحالی کی تعریف کرتا ہے۔

**اورنگ زیب**

ایک بھائی شجاع بنگال سے فوج لیکر روانہ ہوا مراد نے اپنے آپکو گجرات میں بادشاہ مشہور کیا اورنگ زیب نے جو کہ مکاری کے ہنر کا پکا استاد تھا۔ مراد کو لکھ بھیجا۔ " میں تو اس ناپائدار اور ناہنجار دنیا میں کچھ حصہ نہیں لینا چاہتا۔ میں نے تو حج کو جانے کا پکا ارادہ کر لیا ہے" مراد نے اپنی فوج اس کے ساتھ شامل کر دی۔ اس فوج کی مدد سے اس نے پہلے دارا کو پھر شاہ شجاع کو شکست دیکر بھگا دیا اور ایک بہانہ سے مراد کو پکڑ کروا لیا اسکے قلعے میں بند کر دیا۔ شاہجہان اچھا تو ہو گیا مگر اس بغاوت کے شعلوں کو روک نہ سکا۔ دارا چنبل کے مقام پر شکست کھا کر دہلی بھاگ آیا اورنگ زیب نے آگرہ پر قبضہ کر کے شاہجہان کو قید کر لیا۔ دارا لاہور پہونچا اور فوج جمع

کرنے لگا اورنگ زیب بھی ادہر روانہ ہو گیا۔ دارا وہاں سے بھاگ کر ملتان سے ملتان سے سندھ اور بھکر ہوتا ہوا۔ گجرات جا پہونچا۔ اورنگ زیب نے اسے ایک شکست دی اور اسے سندھ کو واپس بھگا دیا۔ ایک افغان نے جسکا نام بختیار خاں تھا۔ دھوکے سے دارا کو پکڑوا دیا۔ دارا کی عورت جلا وطنی میں ہی مرگئی۔ ہتکڑی اور بیڑی پہنے ہوئے دارا کو شاہجہان آباد لایا گیا۔ قاضیوں نے دارا پر شرع کا فتویٰ لگا کر قتل کا حکم دیا۔ لیکن کوئی شخص اس کو قتل کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ مدت بعد انہیں ایک شخص ملا اور جب وہ مکان میں گیا تو دارا اور اسکا بیٹا مسور کی دال پکا رہے تھے۔ چھری لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن زخموں سے مارے گئے۔ شاہجہان نے آٹھ سال اور قید میں گذارے ایکدفعہ اورنگ زیب نے ایک یوروپین ڈاکٹر کو علاج کے لئے بھیجا۔ دوسرے دن شاہجہان کی موت مشہور ہوگئی۔ یہ ڈاکٹر کئی بار زہر دینے کے لئے استعمال کیا جا چکا تھا۔

۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب تخت پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اس نے نوروز کی رسم۔ شراب۔ جواخانے بند کر دیے۔ گانا۔ ناچنا۔ تماشا موقوف کرنے اس نے گانے بجانے کے سب ساز جلا دینے کے لئے افسر مقرر کر دیئے شاہی شاعر۔ شاہی نجومی۔ اور شاہی راگی سب موقوف کر دیئے گئے۔ لیکن اسکا مخبروں کا طریقہ ایسا اعلیٰ تھا کہ اسے ہر ایک بات کی خبر رہتی تھی وہ شیعہ مسلمانوں سے بھی نفرت کیا کرتا تھا۔ اس نے ہندوؤں کی تعلیم بند کر دی۔ بنارس میں وشواناتھ کا اور متھرا میں ڈیرا کیشورائے کا گرا دیئے گئے۔ متھرا کے مندر پر ۳۳ لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کے

گئی۔ آگرے سے بنکر آیا کرتے تھے۔ اس لئے مندروں کی جگہ پر مسجدیں
بنوائیں۔ مورتیوں کو لیجا کر آگرہ کی نواب بیگم کی مسجد کی سیڑھیوں کے
نیچے رکھدیا۔ متھرا کا نام سرکاری کاغذات میں اسلام آباد رکھنے کا حکم
دیا۔ اس نے حکم دیا کہ سب مندر گرادئے جائیں۔ ہندو شوالے بند کرا
دیئے۔ یہ حکم لکھ بھیجا کہ کسی ہندو کو سرکاری عہدہ نہ دیا جائے تمام
نوکر مسلمان ہونے چاہئیں ورنہ وہ موقوف کئے جائیں وہ اسلام کو
ہندوستان کا ایک مذہب بنانا چاہتا تھا۔ سنہ ۱۶۹۰ء میں اسنے
اعلان کیا کہ کوئی ہندو پالکی پر یا عربی گھوڑے پر نہ سوار ہو۔ جوگی
سنیاسی سلطنت سے باہر نکالدئے جائیں۔ تجارتی مال پر ہندوؤں سے
مسلمانوں کی نسبت دوگنا ٹیکس لیا جائے۔ ۲۲ ویں سال میں اسنے
جزیہ پھر ہندوؤں پر جاری کیا۔ دہلی کے تمام ہندو جھروکے کے نیچے
اکٹھے ہوئے اور بادشاہ سے جزیہ دور کرنے کی درخواست کی مگر وہ
کب سنتا تھا۔ ہندوؤں نے ہڑتال کردی اور تمام کاروبار بند ہوگیا
ایک جمعہ کو وہ محل سے مسجد تک بازاروں میں جمع ہوگئے بادشاہ کا راستہ
مجمع سے رکنے لگا اس لئے کچھ ان کی بات نہ سنی اور جنگی ہاتھیوں کو
آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ بیشمار آدمی ہاتھیوں اور گھوڑوں تلے کچلے
گئے۔ اس کے بعد دہلی کے ہندو تو خاموش ہوگئے لیکن مہاراشٹر
اور پنجاب کے ہندو جاگ اٹھے۔ اسکا قصہ ہم آگے چلکر لکھیں گے
یہی متقی بادشاہ جب گرمیوں میں کشمیر جاتا تھا۔ دہلی سے بالکل مختلف
ہوتا تھا۔ یہاں عورتوں کی صحبت میں رہتا تھا اور ہر طرح سے
طبیعت خوش کرتا تھا۔

۱۶۶۲ میں خیبر کے افغان باغی ہو گئے۔ میر جملہ کا بیٹا امین خاں جو کابل کا گورنر تھا پشاور میں رہا کرتا تھا۔ پشاور سے فوج لیکر چڑھا اس کی ساری فوج کٹ گئی اور ماں بہن اور لڑکیاں غلام بنائی گئیں بادشاہ خود فوج لیکر ادھر گیا مگر دہلی کے پاس ست نامیوں کی بغاوت کی وجہ سے اسے واپس آنا پڑا۔ شاہی فوج نے بڑی بے رحمی سے یہ بغاوت فرو کی۔ عورتوں اور بچوں کو بڑی سختی سے قتل کیا۔ بادشاہ نے امید خاں کی جگہ قاسم خاں کو اپنی چالاکی سمجھا کر بھیجا۔ اس نے جاتے ہی دوستی کی باتیں کرکے افغانوں کے دل نرم کر دئے اور اپنے بیٹے کی سُنت کے موقعہ پر سب کو ضیافت میں بلایا۔ شہر کے میدان میں گھوڑ دوڑ ہاتھیوں کی لڑائی اور دوسرے تماشے ہوئے۔ قاسم خاں آہستہ سے اُٹھکر چلا آیا مسلح فوج نے افغانوں کو گھیر لیا اور ان سب کو گولیوں کا شکار بنا دیا۔ اس قتل سے ایسا رعب بیٹھا۔ کہ پٹھانوں نے پھر کبھی کوئی تکلیف نہ دی۔

بادشاہ کا کیمپ ایک سفری شہر تھا۔ بادشاہ زیادہ تر سفر میں رہتا تھا۔ بیگمات ہاتھیوں پر سوار ہوا کرتی تھیں ان کے ساتھ بیشمار نوکرانیاں ہوا کرتی تھیں۔ خوراک کا سب سامان ساتھ ہوتا تھا پینے کے لئے گنگا کا پانی اونٹوں پر پہونچایا جاتا تھا۔ رسالے۔ پلٹنیں۔ ہاتھی۔ شکاری کتے سب ساتھ ہوتے تھے۔ اورنگ زیب کی پالیسی ہندوؤں کے برخلاف تو سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس سے وہ ہندوستان میں ایک مذہب کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑھکر اس کی ملکی پالیسی تھی جس سے وہ دکن کی مسلمان سلطنتوں

کو مٹا کر سارے ملک میں ایک حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کی
عمر کے پچھلے بیس پچیس سال بیجاپور اور گولکنڈہ کی مسلمان ریاستوں
کے برخلاف اور دکن میں مرہٹوں کی ہندو طاقت کو دبانے میں
گذرے۔ اورنگ زیب نے مسلمان ریاستوں کو کچلنے سے مرہٹوں کو
طاقتور بننے کا موقعہ دیا۔ جب اورنگ زیب کی حکومت دکن میں بھی
ایسی ہی قائم ہو گئی جیسی شمال میں تھی تو یہ عمارت اپنے بوجھ سے
ہی گرنے لگی۔ دکن کے سب مرہٹے شیواجی کے آزاد راج ہم کی
حفاظت کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اورنگ زیب اور اسکی
ساری فوج کا ناک میں دم کر دیا۔ جب وہ مرہٹوں کے ساتھ جنگ
کر رہا تھا۔ دکن میں ہی اس کی موت ہوئی اور اس کی آخری چٹھیاں
اس کی زندگی کی پشیمانی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ایک چٹھی میں اس نے
لکھا ہے ”میں اکیلا دنیا میں آیا۔ اکیلا جاتا ہوں۔ لیکن اپنی بابت کچھ
نہیں جانتا۔ کہ میں کیا ہوں اور میرا کیا بنے گا“ ایک اور میں کہتا ہے
جو کچھ اچھا یا برا میں نے کیا ہے وہ تمہارے لئے کیا ہے۔
ہرچہ باد باد ما کشتی در آب انداختیم الوداع۔ الوداع۔ الوداع“
اپنی وصیت میں اس نے اپنی سلطنت کو تین حصوں میں بانٹا
لیکن اس کی وصیت کی کسی نے پرواہ نہ کی مارچ ١٧٠٧ء میں
وہ مر گیا

**پچھلے بادشاہ**

اسکا بڑا بیٹا معظم کابل سے لاہور آیا۔ موت کی خبر
سن کر لاہور میں ہی اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا
اور فوج جمع کر کے آگے کو بڑھا۔ دوسرا بیٹا اعظم جنوب نے فوج

لئے آیا۔ تاجو کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ جس میں اعظم اور اس کے دو بیٹے مارے گئے اور معظم بہادر شاہ کا خطاب لیکر تخت پر بیٹھا اس خبر کو پاکر کام بخش نے بھی لڑائی کی تیاری شروع کی۔ بادشاہ نے اُسے بہتیرا سمجھایا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ حیدرآباد کے پاس لڑائی ہوئی جس میں کام بخش زخمی ہو گیا۔ اسکو لاکر ایک یوروپین سرجن کے علاج میں رکھا گیا۔ شام کے وقت بادشاہ اس کے پاس گیا اور کہا۔
"افسوس! میں اپنے بھائی کو ایسی حالت میں نہ دیکھنا چاہتا تھا" معذور مرتے ہوئے جوان نے جواب دیا "اور نہ میں کبھی تم کو ایسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہوں" اس نے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا اور اسی رات مر گیا۔

**بہادر شاہ لاہور میں**

اس وقت پنجاب میں سکھوں نے اپنی حالت بدل لی۔ سرہند، سہارنپور اور مظفر نگر میں حملے شروع کئے انکی فوج ستر ہزار تک پہونچ گئی۔ ان کی طاقت دیکھکر بہادر شاہ کو اپنا صدر مقام لاہور لانا پڑا۔ اور یہاں سے سکھوں کے برخلاف فوجیں بھیجنی شروع کیں سکھوں کے لئے لاہور میں آنا بند کر دیا گیا لیکن وہ رات کو راوی سے تیر کر آتے تھے۔ اور پار چلے جاتے تھے۔

بہادر شاہ کا خیال شیعہ تھا۔ اس نے علما کو اکٹھا کیا اور بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ خطبہ میں علی کے ساتھ لفظ وصی ایزاد کیا جائے۔ اسپر لاہور میں بڑی ہل چل ہوئی۔ بادشاہ کے اپنے دونوں بیٹے سنی تھے جب شیعہ ملا مسجد میں خطبہ پڑھنے گئے تو لوگوں نے وہ لفظ بولنے سے پہلے اُسے کھینچکر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ شورش اتنی بڑھی کہ بادشاہ کو حکم دینا پڑا کہ

یہ لفظ نہ پڑھا جائے ۱۲ ، ۱۷ ایں اُسے خبط ہو گیا اور بیہوشی طاری ہونے لگی - اس نے یہ حکم دیا کہ شہر کے سارے کتے مارے جائیں - ۱۹ فروری کو اس کی موت واقع ہوئی - شاہ عالمی دروازہ اس کے نام پر ہے اس کی موت پر اس کے چار بیٹوں میں جدوجہد شروع ہو گئی - عظیم الشان نے اپنے آپکو لاہور کا بادشاہ مشتہر کیا - امیرالامرا ذوالفقار خاں دوسرے بیٹے معزالدین کے ساتھ ہو گیا - رفیع الشان خجستہ اختر دونوں معزالدین کے ساتھ مل گئے اس خیال سے کہ فتح ہو جانے پر وہ تین برابر حصوں میں بانٹ لیں گے انہوں نے قلعے سے سب توپخانہ نکال لیا - عظیم الشان نے دریا کی طرف پیٹھ کر کے میدان میں ڈیرہ لگا دیا - چار دن فوجیں اسیطرح پڑی رہیں پانچویں دن عظیم الشان نے لڑائی شروع کی اس کے دو مددگار محکم چند کھتری اور راج سنگھ جاٹ بہادری سے لڑکر مارے گئے لیکن عظیم الشان کو شکست ہوئی - دوسرے دن وہ پھر تیار ہوا - لیکن ہاتھی نے بیٹھنے سے انکار کر دیا - دوسرا ہاتھی لایا گیا اتنے میں اس کی فوج بہت کم ہو گئی - شہزادہ تیروں کے زخم سے گر پڑا - ہاتھی کو ایک ایسا گولا لگا کہ وہ دریا میں گھس گیا اور شہزادہ دریا میں ڈوب گیا - خجستہ اختر سب مال و دولت کے تین حصے کرنا چاہتا تھا - ذوالفقار خاں چالاکی سے دو بھائیوں کو پہلے دیکر سب معزالدین کے لئے رکھنا چاہتا تھا خجستہ اختر اس کے برخلاف ہو گیا مگر لڑائی میں مارا گیا - رفیع الشان کا امیرالامرا پر بڑا بھروسا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ وہ اسکا درد کرے گا - اُسے مایوسی ہوئی اور شکست کھا کر قتل کیا گیا - اس کے تین بیٹے زخمی ہو گئے

نگران کی جان بچ گئی۔ معزالدین دہلی جاکر جہاندار شاہ کا خطاب لے کر تخت پر بیٹھا۔ بیٹھتے ہی تیمور خاندان کے سب شہزادے اس نے قتل کرا دیئے۔ وہ ایک کمزور طبیعت کا شخص تھا۔ دہلی میں ایک عورت لال کور کے ہاتھ پڑ گیا اور اپنی عزت اور رتبے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ یہانتک کہ ایک رات بادشاہ نے شرابخانہ میں گذاری۔ گاڑی والا واپس آ گیا۔ صبح لال کور محلوں میں موجود تھی۔ لیکن بادشاہ کا پتہ ہی نہ تھا۔ تلاش شروع ہوئی معلوم ہوا کہ بادشاہ دومیل کے فاصلے پر لال کور کی ایک سبزی بیچنے والی دوست زہرا کی گود میں سوئے پڑے ہیں۔ ذوالفقار خاں کو معلوم ہوا کہ عظیم الشان کا بیٹا فرخ سیر بہار کے صوبہ دار عبداللہ اور الہ آباد کے صوبہ دار حسن علی دو سید بھائیوں کی مدد سے تخت لینے کی تیاری کر رہا ہے اُنکی فوج آگرہ پر آ پہونچی۔ ۳۰ دسمبر ۱۷۱۲ء کو ایک لڑائی ہوئی جس میں بادشاہ پکڑا گیا اور قید کر دیا گیا۔ فرخ سیر نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے خاندان کے سب شہزادوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے عہد میں سکھ بہت طاقتور ہو گئے تھے۔ بعد میں دونوں سید بھائی اس کے دشمن ہو گئے ۱۷۱۸ء میں اسے اندھا کر دیا گیا اور اگلے سال اسے کھینچ کھینچ کر مار دیا گیا جبکہ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے جدوجہد کرتا رہا۔ رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھایا گیا۔ تین ماہ کے اندر وہ تپ دق سے مر گیا۔ اسکا بھائی رفیع الدولہ بھی اتنے ہی عرصہ میں ہیضہ سے مر گیا ۱۷۱۹ء میں محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ ۱۷۲۳ء میں اُسے اپنے آپکو سید بھائیوں کی غلامی سے آزاد کیا اس کے عہد میں نادر شاہ

نے ۱۷۳۹ء میں دہلی پر حملہ کیا۔ اس حملے نے مغل بادشاہی کی نشانی روشنی کو بجھا دیا۔

**نادر شاہ**

نادر شاہ ۱۶۸۸ء میں پیدا ہوا۔ مشہد کے حاکم کے پاس رسالے کا ایک افسر تھا۔ انسے اُزبک تاتاریوں نے گرفتار کر لیا۔ چار سال بعد ان سے بھاگ کر لوٹ مار کی زندگی شروع کر دی ۱۷۲۲ء میں ترکوں اور روسیوں نے ایران کے بادشاہ تہماشپ کے برخلاف سازش کر کے اسکا علاقہ لینا چاہا۔ بادشاہ وہاں سے بھاگ پڑا اور نادر سے ملا۔ نادر نے اسکی امداد کر کے اس کی طاقت کو قائم کیا ۱۷۳۱ء میں بادشاہ سے ناراض ہو گیا کہ اس نے ترکوں سے نامناسب صلح کی ہے اسے اندھا کر کے اس کے بیٹے کے سر پر تاج رکھدیا وہ بیٹا ۱۷۳۶ء میں مر گیا۔ نادر نے سب افسروں کو اکٹھا کر کے ظاہرا طور پر انکار کرتے ہوئے تاج کو منظور کر لیا اور اپنے بڑے بیٹے کی بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر دی۔ ترکوں سے علاقہ واپس لے لیا۔ قندھار، بلخ اور بخارا کو فتح کیا۔ اس نے محمد شاہ کو دوبارہ قاصد روانہ کیا کہ وہ افغانوں کو اپنے ہاں پناہ نہ دے۔ پہلی بار بادشاہ نے اقرار کیا مگر اس کی پروا نہ کی دوسری بار قاصد کو سال بھر ٹھہرائے رکھا۔ اس سے نادر کو آگ لگ گئی۔ اودھر سے نظام الملک اور سعادت خاں نے نادر کو چٹھیاں لکھیں کہ وہ آکر مغل حکومت کا خاتمہ کر دے وہ ۱۷۳۸ء میں قندھار سے روانہ ہوا۔ غزنی کے صوبہ نے آسکی اطاعت مان لی۔ کابل بھی فتح ہو گیا۔ جہاں سے اسے بہت سامان

اور روپیہ ملا۔ جلال آباد کو فتح کر کے پشاور پہنچا۔ پشاور کے صوبہ نے دہلی بہتیرا لکھا مگر کچھ جواب نہ ملا اسے اطاعت ماننی پڑی اٹک پہنچکر نادر نے محمد شاہ کو ایک چٹھی لکھی کہ اسے امید نہ تھی کہ اگر دکن کے ہندو دہلی پر حملہ کریں تو وہ اس کی مدد نہ کرے۔ اٹک میں اس نے ہندوستانی لباس پہن لیا اور ہندوستانی طریقہ پر تخت پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ پنجاب میں داخل ہوتے ہی فوج کو حکم دیا کہ لوٹ مار کرتی ہوئی بڑھتی چلی جائے۔ جہلم۔ چناب ہوتا ہوا۔ امین آباد بستا لاہور جا پہنچا۔ زکریا خاں صوبہ دار نے لاہور میں لڑائی کی جہاں پر نادر کو فتح حاصل ہوئی اس نے شالامار میں خیمے لگائے۔ صوبہ دار نے بیس لاکھ روپے نذر کئے اور لاہور کو لوٹ مار سے بچا لیا۔ نادر لاہور میں اپنا سکہ چلا کر دہلی کو روانہ ہوا۔ ۱۳ فروری کو کرنال کے میدان میں دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔ ہندوستانی فوج میں ڈیڑھ لاکھ سوار تھے۔ لیکن انہیں شکست ہوئی نادر نے بادشاہ کے ڈیرے کا محاصرہ کر لیا۔ بادشاہ تاج چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ نادر سے ملاقات کی۔ نادر شاہ بڑے اخلاق سے پیش آیا اور مرہٹوں کی چوتھ لگانے پر بڑا افسوس کیا۔ اس پر محمد شاہ نے کہا "اگر میں حضور کی رائے پر چلنے میں دیر نہ کرتا تو مجھے آج آپ کی ملاقات نصیب نہ ہوتی" نادر اس پر مسکرا پڑا۔ بادشاہ نے دہلی کے خزانے اور اسلحہ خانے کی چابیاں نادر کے حوالے کر دیں۔ نادر دہلی میں داخل ہوا سب جگہ اپنے سپاہی کھڑے کئے اور پچیس کروڑ روپیہ تاوان طلب کیا اور خزانے سے سب قیمتی اشیا لے لیں۔ اتنے میں ایک حادثہ ہو گیا۔ ایک سپاہی نے کچھ کبوتر پکڑے۔ جس

شخص سے کبوتر چھینے گئے وہ چلا اٹھا کہ نادر نے قتل کا حکم دیا ہے۔ نادر
نے قتل کا حکم دیا۔ اس سے مجمع کی آگ بھڑک اٹھی وہ سب ایرانی
سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ کہیں سے آواز آئی کہ نادر مارا گیا ہے
پھر کیا تھا سارے لوگ ایرانیوں کے پیچھے پڑ گئے۔ نادر نے بہتیرا
سمجھانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ بنا۔ ایک گولی نادر کے پاس سے
جا نکلی اس پر اس نے قتل عام کا حکم دیا۔ دوپہر تک گلیوں میں
خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ سب مکانات جل گئے۔ نادر مسجد میں
بیٹھا تھا دریبہ بازار میں ساہوکار اور سوداگروں کا خون بہہ رہا تھا۔
نہ عورت کا لحاظ تھا نہ عمر کا بادشاہ اور امرا نادر کے پاس گئے اور
کہا کہ شہر پر رحم کرو۔ نادر نے درخواست مان لی اور جونہی اس نے
تلوار میان میں کی قتل بند ہو گیا۔ شاہجہان کا تخت طاؤس لے
لے لیا۔ اپنے بیٹے کی شادی تیموری خاندان کی لڑکی سے کر دی
اور محمد شاہ کو بحال کر کے واپس چلا گیا۔ دریائے چناب پہنچ کر اس نے
سب سپاہیوں کی تلاشی لی اور ان سے سب قیمتی جواہرات لے لئے
تمام ہندوستانی قیدیوں کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے گھروں کو واپس
چلے جائیں۔ حسن ابدال کے راستے واپس ہو گیا واپس جا کر پاگل
ہو گیا اور اپنے بیٹے کو اندھا کر دیا ۱۷۴۷ء میں اسے قتل کر دیا
گیا۔

# ہندو بیداری

**پچھلا ایک ہزار سال**

پچھلے باب میں ہماری نظر ایک ہزار سال کی تاریخ کے اوپر گذر گئی ہے ان صدیوں کے واقعات پر غور کرتے ہوئے ہماری توجہ دو مختلف امور کی طرف کھنچ جاتی ہے ان میں سے پہلا تو ان صدیوں کے واقعات کا اس سے پہلے ہزار سال کے واقعات کے ساتھ عجیب مقابلہ ہے۔ پچھلے ہزار سال وہ ہیں جب بدھ دھرم ہندوستان میں اور پنجاب میں بھی زور پر تھا جگہ جگہہ پر بدھ بھکشوؤں کے مٹھ تھے وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا کو تیاگ کر اس زمین پر ایک نئی قسم کی دنیا قائم کرنیکا ارادہ کیا تھا وہ لوگ تھے جن کے گروہ کے گروہ صدیوں تک غیر ممالک کو جاتے رہے تاکہ اپنے دھرم اور گیان کے امرت سے غیر ممالک کے لوگوں کی پیاس کو بجھائیں قوم کے اندر کس قسم کے جوش اور فخر کا وہ زمانہ ہوگا جب اس میں سے بڑے بڑے امیر اور شاہی خاندانوں کے لڑکے لڑکیاں اپنی دنیاوی خواہشات کو لات مار کر اس گیان کے پھیلانے میں زندگی کو صرف کر دیتی تھیں جس نے ان کی زندگیوں کو اتنا اونچا بنا دیا تھا اس کے مقابلے پر دوسرے زمانہ میں تصویر کا دوسرا پہلو دکھلائی دیتا ہے لوگوں میں نہ ہمت ہے نہ استقلال ہے۔ نہ ملک اور قوم کے لئے ہمدردی ہے اور نہ انہیں اپنے دہرم کا پریم قربانی کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چشمہ جو کہ پہلی سوسائٹی کو اپنے بے مقدار پانی سے سوسائٹی کے دلوں کو سیراب کرتا تھا بالکل بند ہو گیا اور ساری

زمین خشک ہو گئی اس خشکی کی حالت میں ان خوبیوں کا جو کسی سوسائٹی میں پائی جاتی ہیں اور جو اس سوسائٹی کو زندہ رکھتی ہیں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایکدفعہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچکر ایسے گرے کہ انکا اس زمین پر کہیں کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ مہاتما بدھ کی دھارمک تعلیم بڑی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اس نے انسانوں کو دیوتا بنانے کا یتن کیا۔ لیکن نہ معلوم اس تعلیم میں ہی کوئی نقص تھا جس کی وجہ سے وہ انسانوں کے موزوں نہ تھی یا انسانی سوسائٹی کی فطرت میں ہی کوئی ایسا نقص تھا کہ اس تعلیم کا اثر الٹا ہونے لگ گیا۔ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ وہ انسان دیوتا بنتے بنتے معمولی انسانی فرائض کو بھی بھول گئے۔

ان صدیوں پر نظر ڈالنے سے دوسری بات دو متضاد قسم کی سوسائٹیوں کا مقابلہ نظر آتا ہے۔ ایک تو حملہ آور ہیں جو کہ پہلے زمانے میں بدھ دھرم کے پیرو تھے اور اسوقت ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جسے یہ چھوٹا سا شعر اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

تھے تو تُرت پٹھان کے دیتے دلکو موڑ
شرن پڑے سے رگھوناتھ کی سکیں نہ تنکا توڑ

لیکن جونہی اسلام کی تلوار نے ان سے بدھ دھرم کو چھڑا کر اپنے اندر جذب کیا تو پھر وہ ویسے کے ویسے ہی خوفناک اور خونخوار دشمن بن گئے۔ اسلام مذہب کو اختیار کرنے سے روحانی یا اخلاقی لحاظ سے ان میں کوئی اعلیٰ تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ پہلے جہاں وہ شانت اور اپنے کرموں کے پھل پر صابر تھے اب انہیں دنیا

پر حملہ کرتے تھے اور لوٹ مار کرنے میں خوشی معلوم ہونے لگے۔ ان کے مقابلے پر وہ لوگ ہیں جو ہر سال حملوں کی لہر کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن نہ اس لہر کو روکنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اس طاقت کو پیدا کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کی نظروں میں طاقت کا استعمال اور طاقت کا ہونا ہی ایک گناہ ہو گیا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے انکی حالت اپنے حملہ آوروں کی نسبت بدرجہا اونچی ہے۔ یہ سنتوش کے ساتھ اپنے ملک میں بیٹھے ہیں انکو دوسرے کو دکھ دینا اور اس پر حملہ کرنا غضب کا پاپ معلوم ہوتا ہے وہ دنیا کو ایک جھوٹا کھیل سمجھتے ہیں۔ جس میں دل لگانا بچوں کا کام ہے۔ انہیں اپنے سر پر آنے والی مصیبتیں بھی مایا کا کھیل اور جھوٹی معلوم ہوتی ہیں جیسی یہ آتی ہیں ویسے ہی گذر جائیں گی۔ انکو ان کا دھیان ہی نہ کرنا چاہئے۔ ممکن ہے یہ اعلیٰ روحانی تعلیم ہو لیکن اس میں حیوانی اندھکار کا بھی بڑا بھاری ثبوت دکھائی دیتا ہے۔ کئی ایسے حیوانوں اور پرندوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ جب ان کو کھانے والا دشمن سامنے آتا ہے تب وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ انکا دشمن اب نہیں رہا۔ روحانی فلاسفی کی یہ وہ انتہا ہے جہاں پر سنیاس آکر نہایت گہرے تموگن کو پیدا کر دیتا ہے یہ وہ لوگ تھے جو کہ اہنسا کا پرم دھرم پالن کرتے ہوئے کسی پرانی کو دکھ دینا پاپ سمجھتے تھے جن کی نظروں میں دکھ دینے والے جانوروں کا شکار کرنا بھی برا ہو گیا تھا۔ اور جو دریاؤں کی مچھلیوں کو آٹا ڈالکر اور لوٹے کتوں کو روٹیاں دیکر اپنی آتماؤں کو پرسن کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ انکو

فعلوں سے غرض ہے وہ کسی کا بُرا نہیں کرنا چاہتے اور اگر کوئی دُوسرا اگر اُن کا بُرا کرے گا تو اسے کرم کے قانون کے مطابق آپ ہی سزا مل جائے گی اور اگر یہ سزا اس دنیا میں نہ ملے گی تو بُرا کرنے والے اگلی دنیا میں تو ضرور دُکھ اٹھائیں گے۔ اس لئے انہیں نہ اپنا جان و مال بچانے کے لیے نہ عورتوں اور بچوں کے بچانے کے لئے اور نہ اپنی عزت کو بچانے کے لیے دشمنوں کے مقابلہ پر ہاتھ اُٹھانا چاہیے۔ بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھکر رام بھروسے بیٹھ رہنا چاہیئے۔ نہ یہ ساری اخلاقی خوبیاں اور نہ کرموں کا اونچا مسئلہ ان لوگوں کو بیعزتی اور تباہی سے بچا سکا ان کے حملہ آوروں میں یہ خوبیاں نہیں تھیں۔ ان کی نظروں میں وہ سب سے اونچے تھے۔ اور باقی سب دُنیا کافر تھی۔ دوسرے کے مذہب کو تباہ کرنا ان کے لئے سب سے بڑا ثواب تھا۔ دوسروں کا مال اور دوسروں کی عورتوں کو کسی طرح لے جانا ان کے لئے جائز تھا۔ ان میں اہنسا تھی نہ ستو تھا نہ راستبازی تھی اور نہ وہ فعلوں کے مسئلوں کو مانتے تھے۔ دونوں میں جدوجہد ہوئی اچنبہ یہ ہے کہ اس جدوجہد میں جو لوگ ظالم اور لٹیرے تھے وہ تو فتحیاب ہوتے رہے اور جو نیک اور پارسا تھے وہ رُسوا ہوتے رہے۔

کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ دُنیا میں نیکی دھکے کھاتی ہے اور بدی غالب رہتی ہے؟ یا یہ سمجھا جائے کہ یہ اخلاقی خوبیاں اصل میں نیکیاں نہیں بلکہ بدیاں ہیں۔ ایسا نہیں ہے! بلکہ بات یہ ہے کہ یہ سب اخلاقی خوبیاں اچھی اور ان کا موجود ہونا بڑی بڑائی ہے

لیکن یہ سب خوبیاں ایک ہی ساماجک حالت میں اچھی ہو سکتی ہیں جب ان پر عمل کرنے والے لوگوں کے اندر ساماجک زندگی موجود ہو جن کے معنی طاقت کے ہیں۔ کمزوری گمراہیوں میں سے وہ ایک برائی ہے جس کے آجانے پر یہ ساری خوبیوں کو برا بنا دیتی ہے۔ چلنا۔ پھرنا سیر کرنا۔ اچھا کھانا۔ ورزش کرنا۔ جسمانی طاقت بڑھانے کے لئے بہت اچھے ہیں۔ لیکن جب جسم میں بہت کمزوری آجاتی ہے تو یہ ساری باتیں اس جسم کے لئے نقصان دہ اور مہلک ہو جاتی ہیں۔

جسمانی طاقت ہونے پر اگر آدمی ان میں سے کسی پر عمل نہ کرے تو اسکا گذارہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے اندر ساماجک طاقت پائی جاتی ہے ان میں اخلاقی خوبیاں نہ بھی ہوں تو بھی کم از کم کچھ عرصہ کے لئے خوشحال اور سرسبز ہو سکتے ہیں۔ لیکن کمزور کے لئے تو اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہندوؤں میں ساماجک جیون غائب ہو چکا تھا اور بدھ اور جین دھرم کے اہنسا اور تیاگ نے ان کے اندر اعلیٰ شخصی خوبیاں پیدا کر دی تھیں لیکن قومیت کی سپرٹ کو بھی کچل دیا تھا۔ ویدک زمانے کے ہندو اپنے ایشور سے تمام دنیادی نعمتوں کے لئے پرارتھنا کیا کرتے تھے۔ ویدک پرارتھنائیں صرف سوسائٹی کی مجموعی خواہشوں کا اظہار تھیں اور انکی اصلی غرض لوگوں کے سامنے اس معراج کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھنا تھا جس کے لئے کہ لوگوں کو کوشش کرنی چاہیئے۔ ان پرارتھناؤں میں ایشور۔ دولت۔ آزادی۔ بادشاہت۔ بچے۔ گھوڑے۔ ہاتھی گوئیں۔ نیچے مانگے گئے ہیں اور ان سے بھی بڑھ کر دشمنوں کی

تباہی کے لیے بل مانگا گیا ہے۔ اس زمانے کے آریوں کو ان باتوں
کو ایشور سے مانگنے میں شرم نہ آتی تھی۔ لیکن وقت آیا جب بدھ کے
اثر سے یا بدھ مت کے مقابلے پر ویدانت کی تعلیم کا غلبہ ہوگیا تو ہندو
اس دنیا سے اتنی نفرت کرنے لگے کہ انہیں ان دنیاوی چیزوں
کے لیے ایشور سے مانگنے اور ان کے لیے کوشش کرنے میں شرم
محسوس ہونے لگی۔ نئی مذہبی تعلیم کا اثر یہ تھا کہ اب بجائے بہادری
دلیری اور پرشارتھ کے محض تیاگ۔ صبر اور اہنسا کا ہی ہر وقت
دھیان رہنے لگا۔ پہلی خوبیاں ساماجک بل پیدا کرنے والی تھیں
اگر ہندوؤں میں ایک آرگنیزیشن یا سنگٹھن ہوتا تو وہ بچ جاتے اور اپنے دھرم اور خوبیوں کو
بھی بچا لیتے۔ ایک آرگنیزیشن کی عدم موجودگی میں یہ سب خوبیاں ان کو نہ بچا سکیں انکے
حملہ آوروں میں خوبیاں نہ تھیں لیکن مذہب پر اندھے وشواش
نے ان میں ایسا سنگٹھن پیدا کر دیا تھا کہ ایک اکیلی طاقت کی وجہ سے
انہوں نے سارے ملک کو تہ وبالا کر ڈالا اور ہندوؤں کی ساماجک
دھارمک اور پولیٹیکل زندگی میں عجیب و غریب انقلاب پیدا کردئے

## برعکس عمل

لوہار کی بھٹی میں آہرن گڑا ہوتا ہے تمام دن اس پر
ہتھوڑے کی چوٹیں پڑتی ہیں ان چوٹوں کو
سہتے ہوئے اسے دن مہینے اور سال گذر جاتے ہیں۔ ایک سبق
تو ہمیں ملتا ہے کہ آہرن وہاں موجود رہتا ہے اور اس پر چوٹیں کرنے
والے کئی ہتھوڑے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہندو آہرن کی طرح ہتھوڑوں
کو سہتے رہے۔ ہتھوڑوں کی چوٹیں صدیوں تک پڑتی رہیں۔ کئی
ہتھوڑے اس آہرن پر ٹوٹ گئے اور آہرن برابر اپنی جگہ پر قائم رہا

یہ اسطرح ہوتا ہے کہ ہر بار جب ہتھوڑے کی چوٹ آہرن پر پڑتی ہے
تو آہرن کیطرف سے بھی ایک قسم کا برعکس عمل ہوتا ہے جو ہتھوڑے
کو پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ قوموں کی تاریخ میں جب کبھی ایک قوم کی
دوسری قوم سے رگڑ ہوتی ہے تو انکا ایک دوسری پر اثر ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ ایک نظر سے دیکھنے پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ
مسلمان حکومت کا قصہ ہندو قوم کی تاریخ پر ایسا ہے جیسا سمندر
کے پانی کی سطح پر تیل تیرتا ہو۔ اس کے باوجود بھی ہمیں یہ ماننا پڑتا
ہے کہ حملوں کی آندھی اور طوفان کا ہندوؤں پر بڑا اثر ہوا انہو
بعد آوروں میں مذہبی سنگھٹن تھا اسلئے جب پہلے حملوں کا
زور گذر چکا اور اچانک گھبرائے ہوئے لوگ ان حملوں سے عادی
ہو گئے۔ تو ہندوں میں نئی مذہبی لہر پیدا ہو گئی۔ جسے ہم اس رگڑ کا
نتیجہ یعنی برعکس عمل کہہ سکتے ہیں اس مذہبی زندگی کے پیدا کرنیوالی
کئی تحریکیں تھیں۔ ایک تو گورکھنا تھ نے کن پھٹے جوگیوں کا ایک
فرقہ نکالا جسکا مدعا اپنے اندر یوگ بل پیدا کر کے سوسائٹی میں دہرم
کی طاقت کو قائم رکھنا تھا۔ بنارس میں رامانند نے بیراگی سادھوؤں
کا فرقہ نکالا جسکا اردیش یہ تھا کہ وہ دنیا سے ورکت ہو کر ایک رام
کی اپاسنا میں زندگی خرچ کر دیں۔ رامانند کے بعد بنارس میں ہی کبیر
پیدا ہوا جس نے مورتی پوجا کے خلاف پرچار کرتے ہوئے ہندوں
اور مسلمانوں کے توہمات پر حملے کئے اور انسانی برابری پر زور دیا
بنگال میں چیتن نے اسی ادرش کو لیکر کرشن کی بھگتی میں لوگوں کے اندر
خاص قسم کا وجد پیدا کر دیا۔ گو سوامی تلسی داس نے ہندی بھاشا

میں اپنی وہ کمال کی نظم لکھی جس کے ہر شبد سے رام کی اگادھ بھگتی کی خوشبو آتی ہے اور جس نے گرو سوامی کا نام غیر فانی کرکے ہندی زبان کا درجہ بہت ہی اونچا کر دیا۔ گجرات میں ولبھ آچاریہ نے اس دنیا سے بھوگوں کو پوتر ظاہر کرتے ہوئے کرشن کی زندگی کی پوجا کو سب سے اونچا آدرش بنایا۔ مہاراشٹر میں سوامی رام داس نے اس بڑے راشٹریہ اور مذہبی اصلاح کو شروع کیا جس کا نتیجہ ہم شواجی کے کارناموں اور مرہٹہ ایمپائر کے عروج میں دیکھتے ہیں۔ سوامی رامداس نے سارے دیش میں دورہ کیا اور دیش پریم کی اگنی سے بھرے دل سے ان خیالات کا پرچار کیا جنہوں نے شواجی کو مہاراشٹر کا اور ہندو قوم کا رکھشک بنا دیا۔ ہندو قومیت اور دھرم کا پریم شواجی کے اتالیق دادا جی میں اور شواجی کی ماں میں ایسا تھا کہ انہوں نے شروع سے ہی شواجی کو بڑے کام کے لئے تیار کر دیا شواجی کی ماں نے تو اسے یہ بتایا کہ دیوی نے سوپن میں اسے خبر دی ہے کہ شواجی ایک بڑے راج کا مالک اور ہندو دھرم کا رکھشک ہوگا۔ دادا جی نے مرتے ہوئے اسے یہ نصیحت کی کہ گئو برہمن کی رکھشا کرو اور ہندو دھرم کی عزت کو قائم کرو۔

پنجاب میں گورو نانک پیدا ہوئے جن کی تحریک اس بڑی مذہبی تحریک کا ایک حصہ ہے جو کہ کچھ عرصہ سے ہندو قوم میں نئی بیداری پیدا کر رہی ہے۔ گورو نانک کی مذہبی اصلاح میں سکھ مذہب کی بنیاد ہے سکھ مذہب کی تعلیم کو دیکھ کر کئی اصحاب نے یہ رائے قائم کی ہے کہ گورو نانک ہندو اور مسلمان مذاہب کو ملا کر نیا مذہب بنانا چاہتے تھے

ہوا ہے ایک بڑی بھاری غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جیسا ہم نے اوپر کہا ہے اسلام کا اثر ہندوؤں پر بہت ہوا بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر ہندوستان پر اسلامی حملے نہ ہوتے تو گورو نانک کی تحریک سے پیدا ہونیکا شاید کوئی موقع نہ ہوتا کیونکہ دنیا کی ساری تاریخ ایسے سلسلے میں بندھی ہوئی ہے کہ ایک واقع کا دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق پایا جاتا ہے لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ گورو نانک اسلام سے کچھ بھی لینا چاہتے تھے۔ گورو نانک کی تحریک کا اسلام کے ساتھ جو تعلق ہے وہ گورو نانک کے جانشینوں میں خود ہی اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ گورو نانک کوئی نیا مذہب نہیں بنانا چاہتے تھے انکے دل میں ہندو قوم اور ہندو دھرم کو بچا نیکا ہی خیال کام کرتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہندو دھرم کو بیچ کے زمانے کے توہمات سے صاف کرکے اسے بچانا چاہا اور اسی غرض سے اپنی اصلاح کو جاری کیا۔ انہیں اپنے کام کو جاری رکھنا بہت ضروری معلوم ہوتا تھا اور اس کے لئے انہوں نے اپنی جگہہ ایسا جانشین مقرر کرنا ضروری سمجھا جو ان کے کام کو جاری رکھ سکے۔

**گورو نانک کی تحریک**

پنجاب کی تاریخ میں گورو نانک صاحب یوں ہی بیچ میں کوئی بڑا ابھر دکھائی دیتا ہے اور نہ کوئی پیدائش دکھائی دیتا ہے پہلا آدمی ہوا جس کی طرف سارے پنجاب کی آنکھیں لگ گئیں۔ پنجاب کے مستقبل کی ساری تاریخ گورو نانک کی تحریک سے شروع ہو جاتی ہے یہ تحریک ہی تھی جس نے پنجاب کے ہندوؤں کی زندگی میں ایک پلٹا دیدیا۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ یہ تحریک ملک کی مذہبی بیداری کا نتیجہ تھی لیکن ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر گورو نانک پنجاب میں اس تحریک کی بنیاد نہ رکھتے تو ہم پنجاب کی تاریخ کے صفحوں پر کیا لکھتے۔ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ گورو نانک کے

بغیر پنجاب کا مستقبل کیا ہوتا ؟ لیکن جیسا کہ ہوا ہے یہ ہے کہ ہمیں ایک ہزار سال کی آمد ہی کے بعد اس تحریک میں وہ شعاع دکھائی دیتی ہے جس سے ہماری اس زمانے کی تاریخ بنتی ہے۔ اسی کا نتیجہ گورو ہرگوبند ہوئے۔ اسیکا نتیجہ گورو گوبند سنگھ ہوئے۔ اسی کا نتیجہ بیراگی بیر ہوا اسیکا نتیجہ خالصہ کا عروج اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت ہوئی جس نے پنجاب کو پھر انہی حدود تک پہونچا دیا جہانتک یہ ویدک زمانے میں پھیلا ہوا تھا۔

سکھوں کا عروج نہ صرف پنجاب کی تاریخ میں بلکہ دُنیا کی تاریخ میں ایک بڑا بھاری معجزہ ہے جسکا ثانی دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اور اگر ہم اس معجزے کو اچھی طرح سمجھہ لیں تو ہمیں خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ گورو نانک اور اُن کے جانشینوں کے کام کی اصلی غرض کیا تھی ہمنے دیکھا ہے کہ برابر آٹھ نو سو سال تک شمالمغرب سے پنجاب پر حملے ہوتے رہے۔ ان حملوں کی لہر ہمیں اسطرح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ایک بڑا بھاری دریا ایک طرف سے بہتا ہوا برابر چلا آتا ہے۔ ایسے دریا کو کسی قسم کا بند باندھ کر روک دینا ہی معجزہ سے کم نہیں ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اتنی صدیوں تک بہتا ہوا دریا صرف رُک ہی نہیں جاتا بلکہ پنجاب میں ایک ایسی طاقت پیدا ہوئی جس نے اس دریا کو روک کر اُس کے رُخ کو اُلٹا کر دیا۔ جو دریا شمالمغرب سے بہتا تھا وہ پنجاب سے شمالمغرب کی طرف بہنے لگا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جرنیلوں کے حملے اس طاقت کو ظاہر کرتے ہیں جس نے اس دریا کا رُخ پلٹا دیا۔

ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ اس معجزے کو پیدا کرنیوالی غیبی
طاقت کہاں سے آئی؟ اسکا جواب ہمیں دسویں گورو گوبند سنگھ کے
ایک شبد میں ملتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے

"سوا لاکھ سے ایک لڑاؤں چڑیوں سے میں باز مراؤں
تب ہی نام گوبند سنگھ پاؤں" وغیرہ

حملہ آور پنجاب کے لوگوں کو چڑیوں سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔
اور اپنے آپکو بازوں سے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جیسے باز چڑیوں کو کاٹتا
اور کھاتا جاتا ہے ویسے ہی وہ ہندوؤں کو کاٹ کر کھا سکتے ہیں۔ گورو
گوبند سنگھ نے اس کو محسوس کیا اور اسکا جواب دیا کہ میں تب گوبند سنگھ
کہلاؤں گا جب انہیں چڑیوں میں وہ طاقت پیدا کر دونگا جو بازوں کو
مار کر کھانے لگ جائیں گی اور سکھوں کے ایک ایک آدمی میں وہ طاقت
ہوگی کہ وہ سوا لاکھ کا مقابلہ کر سکے۔ گورو گوبند سنگھ نے اپنی زندگی
میں اپنے بچن کو پورا کر دکھایا۔ ~~ان کے بچن کی پوری تکمیل ویراگی~~
~~بیراگی بندہ بہادر کے عہد میں ہوئی۔~~ گورو گوبند سنگھ نے
کھشتریوں کی ایک نئی جماعت پیدا کی جسکو انہوں نے سکھوں سے
سنگھ بنا دیا۔ گورو گوبند سنگھ کے خالصہ پنتھ میں اسوقت بھی وہ مذہبی
سنگٹھن پایا جاتا ہے جو ان بازوں کے سنگٹھن کو توڑنے کی طاقت
رکھتا ہے۔ گورو گوبند سنگھ کی اس طاقت کی جڑ میں قربانی کا وہ
سپرٹ تھا جسکا ثبوت انہوں نے اپنے سکھوں سے درگا کی پوجا کے
وقت اسے پرسن کرنے کے لئے مانگا۔ گورو جی کے وقت میں پنجاب
میں آہستہ آہستہ درگا کی پوجا ہونے لگ گئی تھی عالم لوگ مدد گا

کو کوئی خاص دیوی سمجھتے تھے لیکن سمجھدار اور عقلمند لوگ درگا کو اس
شکتی سے تشبیہ دیتے تھے جو ہاتھ میں ننگی تلوار لیے ہوئے شیر پر سوار
ہوتی ہے اور اسے اپنے قابو میں رکھتی ہے۔ یہ درگا جنگ کی
دیوی ہے۔ جب کبھی کسی مردہ ہوئی قوم میں زندگی ڈالنے کی
ضرورت ہو تو اسکا علاج یہی ہے کہ اس قوم کو درگا کی پوجا سکھائی جا
اس درگا کی پوجا محض منتر جاپنے سے نہیں ہو سکتی اسے پرسن
کرنے کے لئے یگیہ کرنا ضروری ہے وہ یگیہ بھی ایسا جس میں انسان
اپنے سر کو بلیدان کر سکے۔ اغلب ہے کہ اس خیال کو لیکر یگیوں میں جانوروں کا
بلیدان کا رواج پھیل گیا۔ پیشتر اس کے کہ لوگ دوسرے جانوروں کو بلیدان
کریں درگا کا یگیہ تبھی سپھل ہو سکتا ہے جب انسان اس کی پوجا کے
لئے اپنے آپکو بلیدان کرنے پر تیار ہو۔ گورو گوبند سنگھ نے وہ
یگیہ بھی کیا اور سچے معنوں میں بلیدان کا رواج ڈالکر سچے کھشتری پیدا کئے

## مذہبی آزادی

کسی بڑے آدمی کا قول ہے کہ تمام مذہبی تحریکیں
اصل میں پولیٹیکل تحریکیں ہوتی ہیں" یوں بھی
اگر دیکھا جائے تو مذہب اور پولیٹکس کو ایک دوسرے سے علیحدہ
کرنا بڑا مشکل ہے اسلام مذہب تو شروع سے ہی پولیٹیکل تحریک ہے
خلیفہ ہی اسلامی دنیا کا بادشاہ تھا اور وہی مذہبی دنیا کا سید تھا
لیکن مذہبی تحریکوں کا پولیٹیکل شکل اختیار کر لینا تو تاریخ میں ایک
معمولی بات ہے۔ یوروپ کی ریفارمیشن (مذہبی اصلاح) کی تحریک
تھی جس نے یوروپ کے ممالک میں پولیٹیکل آزادی کا بیج پھیلایا
انگلینڈ کی پیورٹن تحریک غایت درجہ کی مذہبی تحریک تھی جس کا

۲۔ پہلے پانچ پیاروں میں سے چار اچھوت جاتی کے تھے کھشتری بنے پر جب

نتیجہ امریکہ کے براعظم میں ایک آزاد جمہوری حکومت کا قائم ہونا تھا۔ جہاں کہیں بڑے زور کا پولیٹیکل وباؤ موجود ہوتا ہے اس وباؤ کو اٹھانے کے لئے بڑی بھاری قوت ارادہ اور بلوان آتما کی ضرورت ہوتی ہے یہ دونوں اوصاف اعلیٰ روحانی تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور یہ تعلیم مذہب کے بدولت ہی دیجا سکتی ہے۔ یہ روحانی طاقت رکھنے والے لوگ بھی پولیٹیکل آزادی کی جدوجہد میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جس مذہبی تحریک کے اندر ایسے آدمی موجود ہوں وہ موقعہ آنے پر پولیٹیکل شکل اختیار کر لیتی ہے اور جو مذہبی تحریک ایسے آدمی نہیں پیدا کر سکتی وہ مذہبی طور پر بھی زندہ نہیں رہتی۔ ہندوستان میں مذہب اور پالٹیکس شروع سے ہی ایک چلے آتے ہیں۔ پالٹیکس کھشتریوں کے راج دھرم کا ہی نام ہے۔ ویدک دہرم کے مطابق کھشتری نہ ہوں تو کوئی دہرم نہیں اور جہاں راج دھرم نہیں وہاں کھشتری کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہندوؤں کی بڑی لیپنک بھگوت گیتا میں گیان اور پالٹیکس ایک کر کے دکھایا گیا ہے۔ بھگوت گیتا کو پڑھ کر اگر کوئی ہندو یہ نہیں سمجھتا کہ پالٹیکس میں ہی روحانی گیان کی جڑھ پائی جاتی ہے تو اس نے گیتا کو یا تو پڑھا ہی نہیں اور اگر پڑھا ہے تو اسکا پڑھنا اکارتھ ہوا ہے اور ہندوؤں کی جو مذہبی سوسائٹی پالٹیکس سے علیحدہ رکھنا چاہتی ہے اس نے ہندو دہرم کے سار کو سمجھا ہی نہیں۔ پنجاب میں اسلامی حکومت کے پیچھے ہندو ایسے دب گئے تھے کہ ان میں بہادری اور دھیریہ (ریزسٹنس) کا مادہ ہی گم ہو چکا تھا۔ اس بہادری روح کے اندر میں ہی زندگی

پائی جاتی ہے۔ پنجاب کی محنت اور کھیتی کرنیوالی جماعت تعدی کے
اثر سے زیادہ تر مسلمان ہو چکی تھی ہندو مندر مٹی میں ملا دیئے
گئے تھے۔ ہندو پاٹھ شالائیں اور ودیا پیٹھوں کی جگہ مسجدیں
اور مکتب بن گئے تھے اور جو لوگ ہندو دھرم میں موجود تھے
ان میں اصلی دھرم تو گم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ توہمات اور
بیکاری نے لی تھی۔ لوٹ کھانے کے مختلف طریقوں اور خاص
طرح کے چوکوں اور ماتھے پر خاص طرح کے نشان لگانے کو ہی
مذہب سمجھتے تھے۔ تعلیم ایسی کم ہو گئی کہ براہمنوں کو بھی سوائے
ان باتوں کے کچھ نہیں آتا تھا۔ ہندوؤں کو اپنی ہستی بچانے کا صرف
ایک ہی طریقہ سوجھا اور وہ یہ تھا کہ برہمنوں نے ذات پات کو ایک
مستحکم اور محفوظ قلعہ سا بنا لیا۔ اور اپنے آپکو اس کے اندر بند کر کے
برادریوں میں ایسے قواعد اور پابندیاں رائج کیں کہ لوگوں کے دلوں میں
ہر وقت انکا خوف طاری رہنے لگا۔ ذرا سا کوئی قصور کرتا کہ اُسے
برادری سے خارج کرنے کی دھمکی دیجاتی تھی۔ اس خوف سے
بلاشبہ ہندوؤں کو بچانے میں بڑی مدد ملی۔ لیکن اس نے اس سچی
قومیت کے جذبے کو کچل کر سچا قومی سپرٹ پیدا ہونے سے روک دیا
ان صدیوں میں وہ ذات پات جو کہ آہستہ آہستہ ہندو سوسائٹی
میں خاص تشکل اختیار کر رہی تھی ہندو دھرم کا ایک لازمی خواص بن گئی

**نانک**

پنجاب میں اس جہالت اور اندھکار کا زمانہ تھا جبکہ ۱۴۶۹ء میں لاہور کے
نزدیک تلونڈی نام کے ایک گاؤں میں ایک کھتری کنبہ
میں گورو نانک نے جنم لیا۔ ان کے باپ کا نام کالو تھا جو اس گاؤں

گاؤں کا پٹواری تھا نانک کو پاٹھ شالا میں پڑھنے کے لیے بھیجا لیکن انہوں نے پڑھائی کی طرف بہت توجہ نہ کی۔ نانک پیدائش سے ہی مہا پرش پیدا ہوا اسے کسی قسم کے علم کی ضرورت نہ تھی اس کے سامنے سب سے بڑا کام ہندوؤں کو اٹھانا دکھائی دیتا تھا۔ گورو نانک نے اسکا راستہ ایک ہی دیکھا کہ ہندوؤں کو جھوٹے مذہبی توہمات کی غلامی سے آزاد کرے اور انہیں سچے ایشور کی بھگتی کا اُپدیش کرے۔ اس مذہبی آزادی میں ہی اسے ہندوؤں کی نجات دکھائی دیتی تھی۔ جہاں پر گورو نانک کو اسبات کی ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ وہ ملک کے اندر پولٹیکل ظلم اور تعدی کے برخلاف آواز اُٹھائے اس نے اس سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ پنڈتوں اور ملاؤں کی جماعت کے برخلاف آواز اٹھائے جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے پنجے میں پھنسا رکھا تھا ان کی ابتدائی زندگی میں ہی ایسی کئی کہانیاں پائی جاتی ہیں جو کہ یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسطرح نانک نے خاص قسم کے عمل سے لوگوں کو ان پھندوں سے چھڑانا چاہا تھا۔ گورو نانک نے جو کچھ تعلیم دی اس کے لیے اسکا اپنا سامانیہ بدھی (سمجھ) محض ایک رہنما تھی اس نے کسی دوسری کتاب کا بھروسا نہیں رکھا اور نہ کسی دوسرے بڑے آدمی کے حوالے سے اپنی تعلیم کو شروع کیا۔ لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس کی دلیلیں بھی ایسی تھیں جو کہ عام لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھیں۔ اس کی تعلیم بھی ایسی تھی جو کہ عام لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھی اور اسے سمجھ کر ہی وہ مذہبی آزادی کے راستے پر چلنے کے قابل بن سکتے تھے۔ نانک ستر برس کی عمر تک زندہ رہا اس نے سارے ملک کا اور ملک سے

باہر بھی عرب وغیرہ میں جاکر اپنے خیالات کا پرچار کیا اور اپنی زندگی کے آخری حصے میں کرتار پور میں آکر رہنے لگ گیا۔ اس گاؤں کی اس نے خود ہی بنیاد رکھی تھی۔ جہاں پر پرچار کرنے کے لئے ایک دھرم شالا بنوائی یہاں پر پنجاب کے سب حصوں سے لوگ جمع ہوا کرتے تھے ۱۵۳۸ء میں اس نے اس دنیا سے کوچ کیا اپنی موت سے پہلے ہزاروں آدمیوں کی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کر دی اور پنجاب میں خیالات کا ایک نیا کرۂ ہوائی پیدا کیا۔ جس کے اندر رہ کر پنجاب کے ہندو اپنے آپکو اونچا اور بہتر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ نانک نے بیج بو دیا۔ بیج ایک اچھی زمین میں بویا گیا تھا۔ ہم دیکھیں گے کہ کسطرح یہ بیج گورو نانک کے جانشینوں کے وقت میں ایک بڑا بھاری درخت بن گیا

## تین پہلے جانشین

ہمنے دیکھا ہے کہ سرشٹی کے شروع سے پنجاب آریہ نسل کی بھومی چلی آتی ہے۔ ہم نے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا ہے کہ پنجاب کے ہندوؤں میں باوجود اتنے بیرونی حملوں کے جس کی مثال کسی اور تاریخی ملک میں نہیں پائی جاتی۔ آریہ نسل کا خون خالص چلا آتا ہے۔ جب دنیا اندھیرے میں تھی تو پنجاب کے آریہ برہمنوں نے تہذیب کی روشنی کو پرانی دنیا میں پھیلایا۔ بودھ کال کے اندر کشمیر اور پنجاب نے غیر ملکوں کے اندر پرچار کرنے میں اپنا برابر حصہ لیا۔ اب جبکہ ہزاروں سالوں کی تبدیلی کے بعد ہندو قوم اور ہندو دھرم ایک مردہ اوستھا میں تھا پنجاب کے کھتریوں میں سے ایک بڑے لیڈر پیدا ہوئے جن کے کام کی عزت کو دیکھکر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح اس جہالت اور گراوٹ کے زمانے میں معمولی

اُن پر لوگوں میں سے اتنے اونچے دماغ رکھنے والے آدمی پیدا ہوسکے تھے
گورو نانک کی خاص بزرگی اس میں پائی جاتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں
گرہستھ اور تیاگ کو ملا دیا۔ گورو نانک با قاعدہ گرہستی تھا گرہستھ میں رہتے
ہوئے اس کے سامنے مہاراج جنک کا وہ پُرانا آدرش تھا کہ آدمی کسطرح
کنول کے پتے کی طرح گرہستھ میں رہتا ہوا دُنیا کو دل سے تیاگ سکتا ہے
گورو نانک نے دنیا داروں کی زندگی کو اپنی مثال سامنے رکھکر اونچا بنانے
کی کوشش کی۔ اُن کی مثال کا اس سے بڑھ کر اور کیا اثر ہو سکتا ہے کہ
ان کے جانشین بھی گرہستھ میں رہتے ہوئے اتنی اعلیٰ روحانی طاقت
رکھنے والے انسان تھے۔ گورو نانک کے دو بیٹے تھے ایک کا نام
شری چند تھا دوسرے کا نام لکھمی چند۔ ان دونوں میں گورو نانک کے
ملائے ہوئے گن پھر جدا جدا ہو گئے۔ لکھمی چند نے دو شادی کر کے
دنیا داری اپنے حصے میں لے لی اور سری چند نے دُنیا کو تیاگ دیا اور
سادھو بن گیا اور اس نے سادھوؤں کے ایک فرقے کی بنیاد رکھی۔ جنکو
اُداسی کہتے ہیں اور سری چند کا تپ اور تیاگ اتنا زبردست تھا کہ اسکی
اپنی لمبی زندگی میں ہی اداسی پنتھ کو خاصہ عروج حاصل ہو گیا۔ گورو نانک
نے اپنے کام کو جاری رکھنے کے لیئے اپنے ایک چیلے اور سچے بھگت
لہنا کھتری کو پسند کیا۔ اس کی یوگتیا کا سب سے بڑا ثبوت اس کی زندگی کی
پاکیزگی اور شردھا میں پایا جاتا تھا۔ لہنا نے اپنا نام انگد رکھا گویا کہ وہ
گورو نانک کے جسم کا ایک انگ تھا۔ گورو انگد نے اس بات کو محسوس
کیا کہ ان کا پرچار صرف اسی حالت میں ویسا ہو سکتا تھا۔ جبکہ ان کے
پیچھے چلنے والوں کی ایک خاص جماعت پیدا کی جائے۔

بغیر ایک مضبوط جماعت کے یہ اغلب تھا کہ گورونانک کی تحریک اور کلام
ایسے ہی ہوا میں اُڑ کر ضائع ہو جاتے۔ ایک جماعت کے پیدا کرنے کے
لئے گورو انگد نے اپنے سکھوں کے لئے تین بڑی چیزیں پیدا کیں
ان میں سے ایک گورمکھی لی پی (حروف) کی ایجاد تھی۔ اسوقت کئی
صاحب ایسے ہونگے جو کہ قومی نقطہ خیال سے پنجاب میں نئے حرفوں کو
ایجاد کرنا غیر ضروری بلکہ نقصان دہ سمجھتے ہوں۔ لیکن ہم اتنے زمانے
کے بعد بالکل مختلف حالات میں بیٹھے ہوئے اس زمانے کی مشکلات
کو بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ پنجاب میں عام ہندو اسوقت ان پڑھ تھے
جو کوئی سرکاری چھوٹی موٹی نوکری کرنا چاہتا تھا اسے مکتب میں فارسی
پڑھنی ہوتی تھی جو برہمن ودیا حاصل کرنا چاہتے تھے وہ شروع سے ہی
سنسکرت ویاکرن (گرامر) کو پڑھتے تھے۔ عام لوگوں کی زبان میں کوئی
کتب نہ تھیں۔ اور نہ لوگوں میں پڑھنے کا کچھ خیال تھا۔ خیالات کو قلمبند کرنے
کے لئے ایک زبان کا ہونا ضروری ہے ہندی زبان ابھی اس درجہ تک
نہ پہونچی تھی کہ سارے ملک کی ایک زبان بن سکے مختلف صوبوں
میں مختلف پراکراتیں بولی جاتی تھیں اور پنجاب کے لوگ اگرچہ ہندی
سے زیادہ ملتی ہوئی زبان بولتے تھے لیکن پھر بھی پنجابی ایک قسم
کی پراکرت بولی بن چکی تھی۔ براہمن لوگ دیوناگری اکھشروں کو پڑھنا
متبرک سمجھتے تھے اور عام لوگوں کو سنسکرت پڑھنے کی اجازت ہی
نہ تھی ان حالات میں اپنی تحریک کے لئے ایک مستقل لٹریچر بنانے کی
ضرورت کو محسوس کر کے گورو انگد نے دیوناگری حروف کی شکلوں
میں چھوٹی چھوٹی نہایت معمولی تبدیلی پیدا کر کے گورمکھی حروف بنائے

تاکہ وہ پنجاب کے عام لوگوں کی زبان کے لئے خاص لی پی بن جاوے دوسرے صوبوں کی حالت میں بھی گورو انگد نے یہ دیکھا ہوگا کہ یہی طریقہ برتا گیا ہے اس لئے اسے ایسا کرنے میں کوئی خاص سمجھ نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسکا نام گورمکھی اس لئے رکھا گیا کہ یہ ان لوگوں کے لکھنے کی لی پی تھی جو گورو کے ششش بن چکے تھے۔ جو دوسرے لوگ گورمکھی استعمال کرتے تھے وہ گورو کے شردھالو بنجاتے تھے۔ ممکن ہے اس ایجاد سے برہمنوں کے غلبے کو کم کرنا بھی مقصود ہو۔ بدھوں کا زور تھا تو سنسکرت کی جگہ پالی مقدس زبان بن گئی اور پڑھے لکھوں کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ گورو انگد بھی اپنے پنتھ کی خاص زبان بنا کر پنجاب کی عوام کو پڑھنے لکھنے کا سادھن مہیا کرنا چاہتا تھا۔ زبان کے بچانے کے بعد دوسرا قدم قدرتی طور پر سکھوں کے لئے خاص لٹریچر پیدا کرنا تھا۔ اس لئے گورو انگد نے بالا سے جو کہ گورو نانک کے تمام سفروں میں ہر وقت ساتھی تھا۔ گورو نانک کی ساری باتیں اور کتھائیں سنیں اور انکو قلم بند کر لیا۔

گورو نانک شاعر تھے اور ان کے وچن زیادہ شعروں میں تھے یہ کتاب پنجابی زبان میں سب سے پہلی کتاب تھی اور فوراً ہی یہ سکھوں کی ایک مذہبی کتاب بن گئی۔ گورو انگد نے تیسری بات یہ کی کہ اپنے ڈیرے کے ساتھ ایک کھلے لنگر کا انتظام کر لیا۔ اس میں جو کوئی ہندو آتا تھا کھانا کھا سکتا تھا۔ یہ لنگر اول تو پرچار کا بڑا ذریعہ تھا۔ اس لنگر کی وجہ سے سکھوں نے دان دینا بھی اپنا فرض سمجھا اور اس لنگر کی وجہ سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عملی طور پر کھانے پینے کی بندشیں دور ہو گئیں

کیونکہ اس میں امیر و غریب برہمن اور شودر بغیر کسی تمیز کے کھا سکتے تھے یہ تین بڑی خصوصیتیں تھیں جن کی وجہ سے پنجاب میں سکھ ایک نئی جماعت بننے لگی اور ان میں آپس کے سنگھٹن کا بیج مضبوط کیا گیا۔ گورو انگد نے اپنی جگہ اپنے ایک سکھ امرداس کو گدی کے لئے مقرر کیا۔ گورو انگد بہت بوڑھے تھے گورو امرداس کی عمر بھی بہت بڑھی تھی۔ لیکن یہ روایت ہے کہ وہ ہر روز علی الصبح پانی کا گھڑا لایا کرتا تھا۔ ایک دن گھڑا اُٹھائے آ رہا تھا کہ ایک جولاہے کے مکان میں سے گذرا۔ کھڈی کے پاس اسکا پاؤں پھسل گیا اور وہ گر پڑا۔ جس سے جولاہا چونک اُٹھا اور کہنے لگا کون ہے؟ اس کی عورت بولی، ورکون ہوگا وہی نکھیا امر ہوگا! یہ بات گورو انگد کے کانوں تک پہونچی اور انہوں نے اس نکھسے امر کو ہی اپنا جانشین مقرر کیا۔

گورو امرداس کو گدی پر بیٹھتے ہی بڑی مشکل پیش آئی کہ اسوقت کئی لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ سری چند کو گدی پر بٹھایا جائے سری چند کے تیاگ اور تپ کی وجہ سے ان کے چیلے دن بدن بڑھ رہے تھے اور وہ سب سادھو ہونے کی وجہ سے اس بات پر زور دینے لگے کہ گدی کا مالک بھی کوئی ایسا ہی تیاگی ہونا چاہئے۔ سکھ جماعت کے لئے یہ پہلا امتحان کا موقعہ تھا۔ گورو امرداس اس موقع پر بڑے مدبر اور سچے نیتا ثابت ہوئے انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ گورو نانک کا راستہ اس قسم کے تیاگ کا نہیں تھا۔ بلکہ گورو نانک نے ایک ایسا بیچ کا خوبصورت راستہ چنا تھا جس سے آدمی دنیا میں رہتا ہوا بھی دنیا کا غلام نہ بنتا تھا۔ گورو نانک کے دل میں نفرت نہ تھی۔ وہ لوگوں کی اس دنیاوی زندگی کمل کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ لوگوں کا پرلوک سُدھر سکے۔ گورو امرداس نے اپنی دانائی سے

سکھ جماعت کو ایک سادھوؤں کا فرقہ ہونے سے بچا لیا۔ ان کی اس
کامیابی کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ سری چند ایک سچا تیاگی تھا اور وہ خود
دنیادی جھگڑوں میں پڑنا چاہتا ہی نہ تھا۔ اسوقت سے اُداسی سکھوں سے
علیحدہ ہو گئے۔ گورو امرداس کے وقت سکھوں کی تعداد بہت بڑھ گئی
تھی اس لئے ذکر آتا ہے کہ گورو امرداس نے انکو باقاعدہ سنگھٹن میں لانے
کے لئے سارے علاقوں کو بائیس حصوں یعنی منجوں (پنجابی میں منجا چارپائی
کو کہتے ہیں) میں تقسیم کیا۔ اور ہر ایک حصہ کو منجا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہر
ایک حصہ میں ایک علیحدہ پرچارک تھا جو چارپائی کو بطور گدی کے استعمال
کیا کرتا تھا۔ گورو امرداس نے بیاس کے کنارے پر ایک گاؤں گوندوال
کی بنیاد رکھی اور وہاں پر چوراسی سیڑھیوں والی ایک باولی بنوائی یہ مقام
سکھوں کے لئے پہلا تیرتھ قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب گورو امرداس
اس باولی کی سیڑھیاں بنوا رہے تھے تو اسوقت اکبر نے چتوڑ پر حملہ
کیا۔ لاہور کے صوبہ دار مرزا جعفر بیگ کا بیٹا فوج لیکر وہاں پہنچا ہوا تھا
اس نے اکبر سے گورو کی ادیائی کی بڑی تعریف کی۔ اکبر نے سرہند
کے ایک کھتری بھگوانداس کو گورو کے پاس بھیجا تاکہ چتوڑ میں اسکی
کامیابی کے لئے ایشور سے دعا کرے۔ گورو امرداس کی شہرت پہاڑی
راجاؤں میں بھی پھیل چکی تھی۔ لیکن ان کی عزت بہت زیادہ بڑھ گئی
جبکہ اکبر خود گورو امرداس کے پاس آیا اور اس کے ساتھ دوستی کا اظہار
کیا۔ گورو امرداس کی موت کے بعد اکبر گورو رامداس سے بھی ملنے
آیا اور ان کی بھی ویسی ہی عزت کرتا رہا۔ اکبر کی ملاقات کا گورو
کو دو طرح سے فائدہ ہوا۔ ایک تو ہندوستان کے بادشاہ کا گورو

کے پاس آنا ہی لوگوں کی نظروں میں گورو کے رتبے کو بہت بڑھاتا تھا اس سلئے جماعت کے اندر بھی گوروؤں کے پیرو بننے شروع ہوئے۔
دوسرے گوروں نے اس دوستی کا فائدہ اٹھا کر لوگوں پر ظلم کم کرانے کی کوشش کی۔ ایک موقعہ پر جب گورو بہت سے یاتریوں کے ہمراہ ہردوار جارہے تھے تو ان سب کو ٹھیرایا گیا کہ وہ ہر ایک شخص کے واسطے سوا روپیہ ٹیکس ادا کریں۔ گورو نے اس کے ادا کرنے سے انکار کر دیا جب اس معاملے کی خبر اعلیٰ افسروں کو ملی تو انہوں نے یاتریوں پر ہمیشہ کے لئے یہ ٹیکس معاف کر دیا۔ ایک اور بات جس کو کر کے گورو امرداس نے اپنی جماعت کو زیادہ سنگھٹ کر دیا وہ گوریائی کو اپنے خاندان میں موروثی بنا کر اپنے جانشینی کے تفرقوں سے ہمیشہ کے لئے بچانا تھا۔ اس کے موروثی ہو جانے کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے۔
گوندوال میں ہر سال سکھوں کی سنگت آیا کرتی تھی۔ ایک بار سنگت کے کچھ آدمی لاہور سے گذر رہے تھے۔ کہ انہیں ایک لڑکا گھنگنیاں بیچنے والا ملا۔ وہ بھی ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ گورو امرداس کی لڑکی شادی کے قابل ہو چکی تھی اور انہیں لڑکی کے لئے ور کی تلاش تھی۔ لڑکی کی ماتا کی نظر اس لڑکے پر پڑی اس نے گورو سے کہا کہ "ہمیں اگر کوئی ایسا لڑکا مل جائے تو اچھا ہو" گورو نے کہا اچھا یہی سہی اور رامداس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی یہ رامداس گورو کا ایسا بھگت اور دھرم کا ایسا پکا ہوا کہ گورو نے اپنے پیچھے اسکو گدی کے لئے تجویز کیا۔ ان کا اپنا بیٹا موہن وندات تنہائی میں اور یوگ سادھن میں ہی لگا رہتا تھا۔ گورو کی بوڑھی عمر میں بیٹا کرنے

والی ان کی لڑکی ہی تھی۔ ایک دن چوکی پر بیٹھے گورو اشنان کر رہے تھے کہ چوکی کا ایک پایا ٹوٹ گیا۔ اور اس لڑکی نے اپنا ہاتھ اسکے نیچے رکھدیا اور گورو کو اشنان کراتی رہی۔ چوکی کی میخ لڑکی کے ہاتھ میں گھس گئی اور اس سے خون کی دھارا بہ نکلی۔ جب گورو نے پانی کو خون سے ملا ہوا دیکھا تو انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لڑکی نے شانتی سے جواب دیا۔ "کچھ نہیں"۔ جب گورو کو یہ بات معلوم ہوئی تو محبت سے متاثر ہوکر انہوں نے کہا۔ "مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو۔"؟

لڑکی نے کہا گدّی کو میری اولاد کے لئے موروثی کر دیا جائے" گورو نے وچن دیدیا تھا اب وہ پیچھے نہ ہٹ سکتے تھے گدی گورو رامداس اور اس کی اولاد کے لئے مخصوص ہو گئی اس سے گورو کا رتبہ دنیاوی طور پر بھی زیادہ بڑھ گیا۔ گورو رامداس نے گدی پر بیٹھتے ہی امرتسر شہر کی بنیاد رکھی۔ جہاں پر اسوقت امرتسر شہر ہے وہاں پر پانی کا ایک قدرتی چھپڑ تھا یہ جگہہ کہا جاتا ہے۔ گورونانک کو بہت پسند تھی اس چھپڑ کے کنارے گورو رامداس نے اپنے لیئے ایک جھونپڑی بنالی اور ۱۵۷۷ء میں تنگ کے زمینداروں کو ۰۰، اکبری روپے دیکر ۵۰۰ بیگھہ زمین خرید لی۔ آہستہ آہستہ اس چھپڑ کی شہرت ہونے لگی اور کئی سکھوں نے وہاں پر آکر رہنا شروع کردیا اور گورو نے اسکا نام رامداس پور یا گورو کا چک رکھدیا اور چھپڑ کو بہتر بنا کر ایک تالاب کی شکل دیدی یہ جگہہ ہندو زمیندار آبادی کی مرکزی جگہہ تھی اس وجہ سے زمیندار لوگ وہاں پر آنے لگ گئے اور گورو کے مریدوں میں داخل ہونے لگے جس سے سکھوں کی ایک مضبوط اور طاقتور جماعت بننے لگی۔

گورو رامداس کی اکبر سے دوستی تھی۔ اکبر بڑی فوج لیکر لاہور میں ایک سال تک ٹھیرا رہا۔ اس سے اشیاء کی قیمتیں بہت بڑھ گئیں اور بیچارے زمینداروں کو اناج کے نہ ملنے سے بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ گورو نے اسباب کو دیکھ لیا کہ بادشاہ کے چلے جانے پر قیمتیں گر جائیں گی اور مقروض زمیندار اور بھی تباہ ہو جائیں گے۔ اکبر گورو سے ملنے کے لئے آیا اور جانے وقت جب اس نے پوچھا کہ وہ گورو کی کیا خدمت کر سکتا ہے تو گورو نے غریبوں کی مصیبت کو بادشاہ کے سامنے رکھا اور کہا کہ وہ ایک سال کا لگان لوگوں پر معاف کر دے۔ لوگ آنیوالی مصیبت سے بچ گئے اور اس سے ماجھا اور مالوہ کے زمینداروں میں گورو کا اتنا زور بڑھا کہ وہ سب کے سب گورو کے پیروں میں داخل ہوتے گئے یہی لوگ تھے جنہوں نے گورو گوبند سنگھ کے زمانے میں سکھوں کو ایک جنگی طاقت بنا دیا۔

**مذہبی جماعت پولیٹیکل شکل میں**

گورو رامداس کے بعد اسکا بیٹا گورو ارجن گدی پر بیٹھا جو کہ اونچے درجے کا گیانی اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا منتظم اور مدبّر تھا۔ گورو ارجن کو سب سے پہلی ضرورت یہ محسوس ہوئی کہ اسے اپنی جماعت کے لئے ایک ایسی کتاب تیار کرنی چاہیے جو کہ ان کی مذہبی کتاب کا درجہ رکھ سکے۔

اسوقت تک بالا کی بتائی ہوئی گورونانک کی زندگی کے حالات ہی ایک کتاب تھی۔ گورو ارجن نے موہن سے پہلے تین گوروؤں کی بانیوں کو حاصل کیا جو کہ گورو رامداس کے گٹکون اس کے اپنے پاس موجود تھے۔ ان کے ساتھ گورو ارجن نے اپنی تصنیفات اور مشہور بھگتوں

کی تحریروں کو اور گوروں کی تعریف میں جو دوسرے شاعروں نے بیان کیا تھا۔ اکٹھا کیا۔ ان سب کو جمع کرنے میں گورو ارجن کے کئی سال خرچ ہوئے لیکن تیار ہو جانے پر ایک وید یا قرآن کی مانند سکھوں کے لئے ایک مذہبی کتاب بن گئی مذہبی کتاب کے ساتھ ساتھ گورو ارجن کو سکھوں کے لئے ایک تیرتھ بنانا تھا۔ گورو رام داس پور کو اس مطلب کے لئے نہایت موزوں مقام سمجھا۔ اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر یہاں تبدیل کر لیا۔ یہاں پر تالاب کے اندر ایک بڑا مندر تیار کروایا جسکا نام ہر مندر رکھا اور اپنے بڑے بڑے سکھوں کو ترغیب دی کہ وہ وہاں پر آکر آباد ہو جائیں۔ ... جس وقت گورو نے دیکھا کہ سکھی خیال ماجھے اور مالوہ کے اندر زور سے پھیل رہے ہیں تو اسے ایک اور ایسا مقدس مقام قائم کرنے کی ضرورت ہوئی اس مطلب کے لئے اس نے ترنتارن کا قصبہ آباد کر کے وہاں پر ایک تالاب بنوایا۔ امرتسر حقیقت میں سکھ جمہوریت کا صدر مقام بن گیا۔

گورو ارجن کو خزانے کے لئے روپیہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ روپیہ کے بغیر کوئی کام نہ ہو سکتا تھا۔ اور سال کی بجٹ کا پورا اندازہ بھی نہ لگایا جا سکتا تھا۔ گورو نے دینے والوں کی رضامندی سے ہر ایک کے لئے رقم مقرر کر دی اور اس کے لئے پنجاب کے بائیس علاقوں میں بائیس مسند مقرر کئے جنکا کام یہ تھا کہ وہ روپیہ وصول کر کے بیساکھی کے دن امرتسر میں حاضر کر دیا کریں۔ بیساکھی کا دن سالانہ دربار کے لئے مقرر کر دیا۔ اس کے ساتھ گورو نے اپنے سکھوں کو ترغیب دی کہ وہ ترکستان وغیرہ میں جا کر گھوڑے لانے اور بیچنے کی تجارت میں لگ

جائیں۔ اس سے ہندوؤں کی پرانی تنہائی کی مرض دور ہوگئی اور ان لوگوں نے دوسری قوموں سے تعلقات پیدا کرکے دیکھا کہ باہر والوں کے اطوار کیا ہیں۔ اور ان سے ملنے پر ان کا خوف بھی جاتا رہا اور ساتھ ساتھ گھوڑوں کی تجارت سے انہیں گھوڑوں پر چڑھنے کا شوق بھی ہوتا گیا۔

اسطرح ہم دیکھتے ہیں کہ گوروارجن کے وقت میں سکھوں کی مذہبی جماعت باقاعدہ ایک ہیڈ کے نیچے آنے اور باقاعدہ ایک خزانہ ہونے اور باقاعدہ آرگنیزیشن ہونے سے ایک پولیٹیکل طاقت بن گئی اگرچہ گورو ارجن خود پہلے گوروؤں کی طرح سادہ لباس میں رہا کرتا تھا۔ لیکن اُنہوں نے اپنے دربار کو بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال سے لگانا شروع کیا۔ شاہی مکانات خیمے اور گھوڑے یہ سب اس کے دربار کو راجا کا دربار ظاہر کرنے لگے۔ جب یہ تبدیلی ہو رہی تھی ایک دو واقعات ایسے ہوئے جن کی وجہ سے گورو کو شاہی حکومت کے ساتھ ٹکر میں آنا پڑا۔ ایک بات تو یہ تھی کہ جب شہزادہ خسرو اپنے باپ کے برخلاف باغی ہوکر پنجاب میں آیا تو گوروارجن نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ بہت سے روپے سے بھی امداد کی۔ جہانگیر کو یہ بات بھولی نہ تھی لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری ایک اتفاقیہ بات اسطرح ہوئی کہ لاہور کے دیوان چندو نے اپنا پروہت اپنی لڑکی کا ور تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ اس پروہت نے گوروارجن کے جاہ و جلال کو دیکھکر اور ان کے بیٹے گورو ہرگوبند کی خوبصورتی اور قابلیت دیکھکر اسے لڑکی کیلئے پسند کیا۔ دیوان یہ ناطہ کرنے پر راضی تو ہوگیا

لیکن ساتھ یہ بات بھی کہہ دی کہ اگر بیچ ایسا کرنا محلوں کی اینٹ کو موری میں لگانا ہوگا۔" گورو کو اس بات کی خبر لگ گئی اور اس نے ناطہ لینے سے انکار کر دیا۔ چندو نے اسے اپنی ہتک سمجھا اور بندو خیال کے زیر اثر بار بار ناطہ پیش کیا لیکن گورو راضی نہ ہوئے چندو نے اس سے ناراض ہوکر گورو کے برخلاف ایک شکایت کی کہ گورو ارجن نے جو کتاب تیار کی ہے اس میں مذہب اسلام پر حملے کئے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے گورو کو بلا کر پوچھا جس پر گورو نے کہا کہ گرنتھ کو کسی جگہ سے نکالکر دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جونہی ایک جگہ سے نکالکر دیکھی گئی تو اس میں ایشور کی تعریف میں بھجن نکلا۔ لیکن بادشاہ نے اب یہ کہا "اگر گورو اسلام کے مذہب کو برا نہ سمجھتا تھا تو وہ ایسا ہی ایک بھجن حضرت محمدؐ کی تعریف میں درج کروے" گورو کے لئے یہ ایک بڑے کڑے امتحان کا موقعہ تھا۔ اس امتحان میں یہ فیصلہ ہونا تھا کہ سکھی تاریخ کا مستقبل کیا ہوگا۔ گورو ارجن اس بات کو خوب سمجھتے تھے انہوں نے دنیاوی طاقت کے سامنے اس لیے خوفی کا اظہار کیا جو کہ ان کی پوزیشن کے شایاں تھا۔ انکا جواب یہ تھا کہ گرنتھ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ واہگورو کی پریرنا سے کہا گیا ہے کسی کے کہنے پر اس میں کوئی ایزادی نہیں کیجا سکتی۔ اب چندو کو موقعہ ملا۔ اس نے گورو پر سرکار کے برخلاف اس بنا پر مخالف ہونے کا الزام لگایا کہ گورو اپنے آپ کو سچا بادشاہ کہتا ہے اور انہوں نے اپنے ماتحت ایک بڑی جماعت کی تنظیم کر لی ہے۔ اس کی سزا میں گورو پر دو لاکھ روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ سکھوں نے فوراً چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ لیکن گورو نے ان کو

جرمانہ ادا کرنے سے منکر دیا اور حوالات میں رہنے کو ترجیح دی۔ چندو نے پھر انکو ٹالنے لینے کی درخواست کی لیکن گورو ارجن اسطرح سے دب جانیوالا شخص نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انکو پہلے ابلتے ہوئے پانی میں بٹھایا گیا۔ پھر ان کا جسم گرم ریت میں جلایا گیا۔ اور آخر میں حکم ہوا کہ ان کو گائے کے چمڑے میں سی دیا جائے۔ گورو نے نہانے کی اجازت مانگی اور دریائے راوی میں وہ غوطہ لگایا کہ پھر باہر نہ نکلے اس طرح گورو ارجن پہلا شخص تھا۔ جس نے اپنے دھرم کو رکھکر جان کو دیدیا۔ سکھ تاریخ میں قربانی کا آغاز شروع ہوتا ہے۔

کوئی گورنمنٹ کسی آرگنیزیشن کو وہ خواہ کیسی ہی نیک اور بے ضرر ہو پسند نہیں کرتی۔ آرگنیزیشن کا ہونا ہی گورنمنٹ کے لئے خطرناک ہوتا ہے۔ گورو ارجن نے اس ارگنیزیشن کو قائم کر دیا۔ ۱۶۰۶ء میں اس کی موت کے بعد اسکا بیٹا ہرگوبند گدی پر بیٹھا۔ اس کی عمر ابھی گیارہ برس کی تھی کہ اسنے اپنی کمر کے گرد دو تلواریں باندھنی شروع کر دیں ایک اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے اور دوسری محمدؐ کے معجزے تباہ کرنے کے لئے ٹوپی اور سیلی کے ساتھ جوکہ فقیری کی علامتیں تھیں۔ اس نے تلوار۔ چھتر۔ کلغی وغیرہ بادشاہی کی علامتیں رکھنی شروع کر دیں اور اپنا وقت کشتی۔ سواری اور شکار میں خرچ کرنا شروع کر دیا۔ یہانتک کہ گورو ہرگوبند کی طرف سے کوئی بھجن یا پارتھنا لکھی ہوئی نہیں پائی جاتی۔ جہاں پر پہلے بھگتی اور شردھا کو پسند کیا جاتا تھا۔ گورو ہرگوبند نے جسمانی طاقت اور مضبوط جسم کو پسند کرنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ خوراک میں بھی تبدیلی آگئی۔ گوشت کھانے کی نہ صرف اجازت دی

گئی بلکہ اسے اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔ اُسنے اپنے تمام سکھوں کو ہتھیار رکھنے کا حکم دیا اور ہدایت کر دی کہ موقعہ پڑنے پر دہرم سے دشمنوں کے ساتھ لڑنے مرنے پر تیار رہیں جب ایسی ضرورت ہو گی انہیں جنگ میں آنے کے لئے بلایا جائیگا۔ اس نے اب ڈاکوؤں اور لیٹروں کو گورو منتر دیکر اپنے سکھوں میں شامل کرنا شروع کیا تاکہ وہ اس کی فوج کی طاقت اور تعداد کو بڑہا سکیں اس نے گھوڑوں کا اصطبل رکھنا رکھنا شروع کیا جس میں آٹھ سو سے زیادہ گھوڑے تھے اور وہ تین سو سوار اور ساٹھ توپچی المعروف باڈی گارڈ کے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

یہ سب باتیں ظاہر کرتی تھیں کہ گورو ہرگو بند نے گوروؤں کے آدرش کو اپنے لئے بالکل بدل لیا ہے اور وہ اب اپنے آپکو ہر طرح سے کسی کے مقابلے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اب جو کار بھینٹ بھی اُسے آتی تھی وہ گھوڑے اوزار اور دوسرے جنگی سامان کی شکل میں وصول ہونے لگی گورو اپنا وقت دورے یا شکار میں گذارتا تھا۔ امرتسر میں رہ کر وہ باقاعدہ طور پر دربار لگاتا تھا جس میں لوگوں کے مقدموں کو سنکر سزا دیا کرتا تھا۔ بہتیرے ڈاکو اس کے اثر میں ایسے آگئے جو اپنی لوٹ کا مال لاکر بھی اس کے آگے بھینٹ کر دیتے تھے۔ ان میں سے بدھی چند ایک بڑا مشہور ڈاکو تھا۔ جہاں پر وہ بیٹھکر دربار لگایا کرتا تھا اُسے تخت اکال بنگا کہلوانا شروع کیا اور سب کو حکم دیا کہ اُسے سچا بادشاہ کہا کریں۔ جس کے یہ معنی تھے کہ لوگوں کو دوسرے بادشاہ کو جھوٹا بادشاہ سمجھنا چاہیئے ان سب باتوں کی شکایت ہونے پر بھی جہانگیر نے اسے نالہ گڈھ کے باغی راجا تارا چند کو سر کرنے کے لئے

بھیجا۔ جس میں گورو ہرگوبند کو پوری کامیابی ہوئی اس کے بعد بادشاہ نے گورو کو ایک ہزار پیادہ سات سو سوار اور سات سو توپوں کا چارج دیکر پنجاب میں سرکاری افسران کے اوپر نگہبان مقرر کیا۔ اس عرصہ میں گورو نے دیوان چندو سے اپنے باپ کا بدلہ اسطرح لیا کہ اس کی ٹانگوں کے ساتھ رسی باندھ کر شہر کی گلیوں میں اسے گھسیٹ کر بڑے عذاب سے مروا ڈالا۔

۱۶۲۰ء میں جہانگیر گورو کو اپنے ساتھ لیکر کشمیر کی سیر کو گیا۔ راستے میں اسکے طریقے اور بادشاہ کے حکم کی لاپروائی سے بادشاہ ایسا خفا ہوا کہ اسے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ اس قید کی میعاد بارہ سال تک بتائی جاتی ہے مشہور مسلمان ولی میاں میر کی سفارش پر جہانگیر نے اسے رہا کر دیا اس قید کے دوران میں گورو کی عزت اور شہرت بہت زیادہ بڑھ گئی اور سکھوں کے دلوں میں ان کے درشن کرنے کی پیاس اتنی زبردست تھی کہ کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں سکھ ہر سال گوالیار جاتے تھے اور اس قلعے کی دیواروں کے ساتھ جس میں ان کا گورو قید تھا ماتھا رگڑ رگڑ کر واپس چلے آتے تھے۔

رہائی کے بعد گورو ہرگوبند کا تیسرا حصّہ شروع ہوتا ہے جبکہ ان کو بادشاہی فوج سے لڑائیاں لڑنی پڑیں کچھ سال تک تو گورو بالکل چپ چاپ رہے۔ لیکن ایک ایسا واقعہ ہوا جبکہ انہیں اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیار اٹھانے پڑے۔ ۱۶۲۸ء کا ذکر ہے کہ ایک سکھ ترکستان سے گورو کے لئے خاص قسم کے گھوڑے لے آیا۔ لاہور کے ناظم نے لاہور سے گذرتے ہوئے ان گھوڑوں پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کے لئے رکھ لئے بادشاہ نے انہیں سے ایک گھوڑا لاہور کے قاضی رستم علی

کو دیدیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس قاضی کی ایک لڑکی تھی جس کے دلمیں گورو ہرگوبند کے لئے بہت شردھا اور محبت ہوگئی وہ گھر سے نکل کر پناہ کے لئے فقیر میانمیر کے پاس جا پہونچی اور یہ خبر پاکر گورو ہرگوبند اسکو اپنے پاس لے گئے۔ اور اس کے نام پر امرتسر میں کنول سر بنوایا۔ لاہور کے قاضی نے اسے بڑی بے عزتی سمجھی اور فوج روانہ کی اجسکا افسر لاہور کا نائب ناظم مخلص خاں تھا۔ قاضی کے اپنے دو بیٹے بھی ساتھ تھے گورو نے پانچہزار سپاہی اکٹھے کرکے امرتسر سے چار میل وڈالی کے مقام پر ایک لڑائی کی جس میں مغل فوج کو شکست ہوئی اس شکست کے دو ہفتے بعد پہلے سے دوگنی فوج پندرہ ہزار سپاہی آ پہونچے اور امرتسر پر حملہ کر دیا۔ گورو کچھ دیر تک لڑائی کرتا رہا۔ لیکن یہ بہتر سمجھا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے پہاڑی قلعے میں چلا جائے۔ سال بھر اور گذر گیا جب گورو ہرگوبند اپنے بسائے ہوئے قصبے سری ہرگوبند پور میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ کہ جالندھر کے ناظم نے علی بخش اور امام بخش کو پانچہزار مغل سپاہی دیکر گورو کے برخلاف روانہ کیا۔ لڑائی میں گورو اور اسکے ساتھیوں نے مغلوں پر فتح پائی اور ناظم خود جو کہ بعد میں آگیا تھا اس لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے ساتھ پہلی جنگ ختم ہوگئی۔ دوسری جنگ کا آغاز گورو کیطرف سے اسطرح ہوا۔ گورو کو دل سے دو گھوڑے ابھی نہیں بھولے تھے جو کہ ناظم نے بادشاہ کے لئے رکھ لئے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مشہور اور دلیر سکھ بدھی چند کو روانہ کیا تاکہ وہ کسی طرح سے گھوڑے اڑا لائے۔ بدھی چند نے ایک گھسیارے کا روپ بنالیا اور شاہی اصطبل میں نوکر ہوگیا۔ ایک اندھیری رات کو گھوڑے پر سوار ہوکر دریا میں

اور گھوڑا لیکر گورو کے پاس آپہونچا۔ گورو کے دلمیں یہ خواہش باقی تھی کہ اسکا ساتھی دوسرا گھوڑا بھی لایا جائے۔ بدھی چند نے پھر جانے کا ارادہ کیا اور اس دفعہ ایک کھوجی کا روپ بنا لیا۔ دربار میں جاکر یہ ظاہر کیا کہ وہ چوری گئے گھوڑے کا کھوج نکال لائیگا۔ اس بہانے سے وہ قلعے میں داخل ہوا۔ اور وہاں اکیلا چھوڑے جانے کی اجازت مانگی۔ موقعہ پاکر وہ دوسرے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوا اور دریا میں کود پڑا۔ لیکن کودنے سے پہلے اُنکو بلند آواز سے یہ بتلا دیا کہ پہلا گھوڑا بھی اسی طرح سے چوری گیا تھا۔ اگر کسی کے اندر ہمت ہو تو آکر لے لیوے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور سے ایک بڑی مہم عبدالصمد خاں۔ سلیم خاں اور بہلول خاں کے ماتحت بھیجی گئی اور دسمبر ۱۶۳۱ء میں مالوہ میں لادا کے مقام پر ایک لڑائی ہوئی جس میں گورو کو فتح نصیب ہوئی اس کے بعد گورو بھٹنڈے کے جنگلوں میں چلا گیا اور وہاں پر اپنے دہرم کا پرچار اور سکھوں کی تعداد کو بڑھانا شروع کیا۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے گورو نے امرتسر کو چھوڑ کر کرتارپور اپنی جائے رہائش بنالی تھی۔ کبھی کبھی سال دو سال بعد امرتسر کو دیکھ جاتا تھا۔ اتنے میں گورو کا کوکا سوتیلے بھائی پیندے خاں سے جھگڑا ہوگیا۔ پیندے خاں نے بڑی بہادری سے ان فتوحات میں گورو کا ساتھ دیا تھا اور اسے اس بہادری کا گھمنڈ بھی بہت ہوگیا۔ اس کے داماد نے گورو کے گھر سے کچھ قیمتی چیزیں چُرالیں اس سے گورو اور پیندے خاں میں بگاڑ ہوگیا اس کے علاوہ دو اور پارٹیاں گورو کے خلاف کام کرتی تھیں ایک تو دیوان چندو کا بیٹا تھا اور دوسرا اس کے اپنے چچازاد بھائی

دھیرمل کی اولاد تھی گورو ارجن کے بھائی پرتھی چند کا بیٹا تھا اور جن کی گورو ارجن کو گدی ملجانے کی وجہ سے ان کے ساتھ سخت دشمنی چلی آتی تھی۔ ان دونوں نے پیندے خاں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سب ملکر بادشاہ کے پاس گئے کہ اگر انکو کافی فوجی امداد ملجائے تو وہ گورو کو تباہ کر دیں گے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل ۱۶۳۴ء میں گورو کو کرتار پور میں اپنے دشمنوں کے ساتھ لڑائی لڑنی پڑی جس میں اس نے پیندے خاں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ مغل فوج کو شکست دی اور چندو کا بیٹا بھی وہیں مارا گیا۔ اگرچہ گورو کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے اب ادھر رہنا مناسب نہ سمجھا اور پہاڑوں میں کیرت پور کو چلے گئے جہاں ۱۶۴۴ء تک امن کے ساتھ جیتے رہے۔

گورو ہرگوبند نے سکھوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا اس نے انہیں بتایا کہ دھرم کے لئے لڑنا اور جان دینا محض بھجن پاٹھ اور جاپ کرنے کی نسبت بدرجہا اچھا ہے سکھوں کا اس زمانے میں سب سے بڑا دھرم یہ تھا کہ وہ اپنے بال بچوں اور گھروں کی حفاظت کے لئے ہتھیار باندھ لیں۔ گورو ہرگوبند کی کامیابیوں نے سکھوں میں حوصلہ اور دلیری پیدا کر دی۔ اس حوصلہ نے سکھوں کی آنیوالی بڑائی کے لئے بیج کا کام کیا۔ سکھی روایات میں گورو ہرگوبند کو ایسا خوبصورت جوان اور بہادر بتلایا ہے کہ جو کوئی انکے تعلق میں آتا تھا ان سے محبت کرنے لگ جاتا تھا۔ ان کے چیلے تو انپر ہر وقت جان سے فدا رہتے تھے۔ ان کی خوبصورتی تو ایسی شہرہ آفاق تھی کہ کہا جاتا ہے کہ جہانگیر کی بیگموں نے صرف درشن

کرنے کے لئے گورو کو اپنے محل میں بلوایا تھا وہ شکار کے ایسے بہادر تھے کہ اکیلے ہی اپنے ہاتھ سے چیتے اور شیروں کو مارا کرتے تھے۔ ان کی تیر اندازی اس کمال کی تھی کہ انکا تیر کبھی نشانے سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا تھا۔ اس جسمانی طاقت اور ہنر کے کمال کے ساتھ ساتھ ان کی گفتگو میں بھی جادو پایا جاتا تھا۔ ان کے چرچے اور باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ وہ بھگوان کرشن کے اوتار ہو کر گیتا کے گیان کا اُپدیش کر رہے ہیں۔

جو لوگ ان کے پاس رہتے تھے ان کے ساتھ محبت کا جذبہ اتنے دور کار رکھتے تھے کہ ان کے لئے جان قربان کرنے کو تیار تھے۔ اسکی بڑی مثال ان کی وفات کے وقت میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ عورتوں کے لئے مرے ہوئے پتی کے ساتھ چتا پر جل کر مر جانا ہندوستان میں کوئی غیر معمولی بات نہیں لیکن جب گورو ہرگووند کا شریر چتا پر رکھا گیا تو ان کے کئی چیلے ایسے تھے جو چتا کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے تھے کہ اپنے آپکو ان کے ساتھ ہی جلا دیں۔ لیکن ان میں سے دو شخص ایک جیسلمیر کا بھاگا ہوا راجپوت سنگھ لوا سکا بیٹا رام سنگھ جنہوں نے گورو کے پاس آکر پناہ لی تھی اس کے ساتھ جل مر گئے مردوں میں اس قسم کی جاں نثاری کی مثال کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

## پولیٹیکل جماعت جنگی شکل میں

گورو ہرگووند کا بڑا بیٹا گوردِتا ان کے جیتے جی ہی مر چکا تھا انہوں نے اسکے بیٹے گرو ہر رائے کو چودہ برس کی عمر میں گدی کے لئے تجویز کیا گورو ہر رائے ۱۶۴۵ء سے ۱۶۶۱ء تک گدی پر بیٹھے گورو ہر رائے بہت ہی

نرم طبیعت کے تھے انکی نسبت ایک کہانی ہے کہ باغ میں سیر کرتے
ہوئے انکا چوغا پھولوں کے ساتھ لگا اور کچھ پھول زمین پر گر پڑے
ان کے دل پر پھولوں کے گرنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ جب کبھی وہ باغ
میں جایا کرتے تھے ہمیشہ اپنا چوغا ہاتھ سے سنبھال کر ٹہلا کرتے تھے
جو شخص پھولوں کو دکھ نہیں دے سکتا وہ انسانوں کے دکھ کی برداشت
نہیں کر سکتا۔ گور و ہر رائے نے صرف ایک ہی بار لڑائی میں تھوڑا بہت
حصہ لیا اور وہ ۱۶۵۸ء میں تھا۔ جب دارا شکوہ نے بھاگتے ہوئے
گورو سے امداد مانگی۔ دارا شکوہ نام کو چھوڑ کر پورا ہندو تھا اور گورو پر
بھی اس کی بیعت شروع جاتی۔ ۱۶۵۴ء میں گورو کی دوائی سے اس کی
جان بچ گئی تھی اور اسوقت سے وہ گورو کا بھگت ہو گیا تھا۔ اب جبکہ
اورنگ زیب کی فوج اسکا تعاقب کر رہی تھی اس نے گورو سے مدد
چاہی۔ گورو کے آدمیوں نے اورنگ زیب کی فوج کو دریا سے
بیاس عبور کرنے سے روکے رکھا۔ جبتک کہ دارا ایک پناہ کی جگہ
میں نہ پہنچ گیا۔ اورنگ زیب ایسے واقع کو بھولنے والا شخص نہ تھا
جب وہ اپنے تخت پر مستحکم ہو گیا تو اس نے گورو ہر رائے کو دہلی بلا بھیجا
گورو ہر رائے نے خود جانا مناسب نہ سمجھکر اپنے بڑے بیٹے رام رائے
کو دہلی روانہ کیا۔ اورنگ زیب نے اس کے ساتھ سلوک تو اچھا کیا لیکن
اسے بطور یرغمال اپنے پاس رکھ لیا۔ گورو ہر رائے کا دوسرا بڑا کام یہ تھا
کہ اس کے وقت میں کیتھل کا بھائی بھگتو۔ بگھریاں کا بھائی دھرم سنگھ
پٹیالہ۔ جیند۔ نابھہ وغیرہ کا بزرگ پھول سنگھ پنتھ میں شامل ہو گئے
اورنگ زیب نے رام رائے سے کہا کہ گرنتھ میں ایک جگہ لکھا ہے

مٹی مسلمان کی پیڑے پئی گھمار
گھڑ بھانڈے اناں کیاں جلدی کرے پکار

یعنی مسلمان کی مٹی کو لیجا کر کمہار نے اس سے برتن بنائے (عموماً کمہار لوگ قبرستان کی مٹی سے ہی زیادہ چکنی ہونے کی وجہ سے برتن بناتے ہیں) اور پھر اسے آوے کی آگ میں ڈالکر پکایا۔ اس وقت مسلمان سے جلتے ہوئے چیخ پکار کی آواز آئی۔ اس شبد سے گورو کا مطلب مسلمانوں کے مشہور مسئلے کو رد کرنا تھا۔ جس سے وہ کہتے ہیں کہ ہندو لوگ مردوں کو جلاتے ہیں اس سے وہ ہمیشہ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ شبد کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے جسم بھی مٹی کے ساتھ ملکر آخر آگ میں پڑتے ہیں اورنگ زیب نے یہ کہا کہ تمہاری مذہبی کتاب میں مسلمانوں کو کیوں گالی دی گئی ہے۔ رام رائے نے جھٹ پٹ چالاکی سے جواب دیا "وہاں پر لفظ مسلمان نہیں ہے بلکہ بے ایمان ہے" اورنگ زیب اس سے خوش ہوگیا۔ لیکن رام رائے کی چالاکی اس کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوئی۔ جب گورو کو اس بات کی خبر لگی کہ ان کے بیٹے نے بادشاہ کے خوف سے گورو کے شبد میں تبدیلی کی ہے تو وہ اس کی بزدلی سے ایسے ناراض ہوئے کہ اسے گدی کے حق سے محروم کر دیا اور دیکھنے سے بھی انکار کر دیا۔ گورو ہر رائے سنہ ۱۶۶۱ء میں پرلوک سدھارے۔ گدی پر اپنے چھوٹے بیٹے ہرکشن کو مقرر کیا جس کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی۔ رام رائے نے اورنگ زیب سے اپیل کی کہ کس طرح اسکے بزرگوں کا بنا بنایا کھیل ایک بچے کی گدی نشینی سے بگڑ جائیگا۔ اور اسکے ساتھ گدی سے محروم کرنے میں بڑی بے انصافی کی گئی ہے۔ اورنگ زیب

نے گورو ہرکشن کو دہلی بلا بھیجا۔ گورو ہرکشن چھوٹی عمر کے باوجود بہت ذہین
اور سمجھدار تھے۔ گورو ہرکشن دہلی میں چیچک سے بیمار ہو گئے اور وہیں
[illegible] میں پرلوک کو سدھار گئے۔

مرتے ہوئے اس نے اپنے دادا کے چھوٹے بھائی تیگ بہادر
کو گورو آئی کا نشان بھیج دیا۔ تیگ بہادر بکالا کے گاؤں میں چپ کی
زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایسی نرمی اور مہمان نوازی
پائی جاتی تھی کہ وہ اپنے آپکو دیگ بہادر کہلانا پسند کرتے تھے لیکن
رام رائے دہلی میں اورنگ زیب سے ان کے برخلاف شکایتیں
کرتا تھا۔ اورنگ زیب گورو کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا تاکہ انکی
طاقت بڑھنے نہ پائے اورنگ زیب نے اس مطلب کے لیے گورو
کو دہلی بلا بھیجا وہاں پہونچنے پہ جے پور کا راجا اورنگ زیب سے سفارش
کر کے گورو کو بنگال آسام کی طرف لے گیا۔ ادھر سے واپس آنے
پر گورو پنجاب کو چلے آئے اور کہلور کے راجا سے زمین خرید کر مکھووال
گاؤں آباد کیا۔ اور وہاں رہنے لگے۔ کننگھم کہتا ہے کہ گورو تیگ بہادر
بھی اپنے باپ کے پیچھے چلکر سکھوں کو لوٹ مار کی ترغیب دیتے تھے
اور ایک مسلمان حافظ آدم کے ساتھ ملکر تمام دولتمند ہندوؤں اور مسلمانوں
سے زبردستی روپیہ وصول کرتے تھے اس سے اورنگ زیب ناراض
ہو گیا اور گورو کو پھر دہلی بلا بھیجا۔ سکھ مصنفوں کا بیان اور ہے وہ
لکھتے ہیں کہ جب اورنگ زیب نے ہندوؤں پر ظلم کرنے کی کمر باندھی
اور ہندو دھرم کے لیے زبردستی جینو اتروانے شروع [illegible]
[illegible] گورو تیگ بہادر کے پاس [illegible]

کی کمشٹ کا کوئی علاج کریں۔ گورو نے انکو جواب دیا کہ اس کے لیے کسی مہاتما
بلیدان کی ضرورت ہے۔ جسپر انکے بیٹے گورو گوبند سنگھ نے کھڑے ہو کر
کہا آپ سے بڑھ کر اور کون مہاتما ہوگا؟ اسپر انہوں نے اورنگ زیب
کو کہلا بھیجا کہ وہ بجائے غریبوں کو ستانے کے اکیلے گورو تیغ بہادر
کو مسلمان بنالے کیونکہ اس کے پیچھے سب پنجاب آپ ہی مسلمان ہو جائیگا
رام رائے بھی اورنگ زیب کے پاس موجود تھا۔ اورنگ زیب اسپر
اتنا خوش تھا کہ ٹیہری کے راجا کو لکھکر اسے بہت سی زمین بطور
جاگیر دلادی جہاں کہ ڈیرہ دون واقع ہے اور جہاں پر رام رائے
کا مشہور ڈیرہ ہے۔ جسپر ہر سال رام رائے کے سکھوں کا میلا لگتا
ہے۔ رام رائے کی شکایت تھی یا کوئی دوسری وجہ تھی کہ اورنگ زیب
نے گورو تیغ بہادر کو گرفتار کر لانے کا حکم دیا۔ آگرے میں پانچ
ساتھیوں کے ساتھ پکڑے جاکر دہلی لائے گئے۔

اورنگ زیب ان کے پاس بحث کرنے کے لئے قاضیوں کو
بھیجتا تھا اور انہیں کہتا تھا کہ کوئی کرامات دکھائیں یا مسلمان ہو جائیں
ان بحثوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورو تیغ بہادر سے پہلے ہی ان کے دو
ساتھیوں کو دھرم کے لئے شہید ہونا پڑا۔ ایک بھائی متی داس کے
سر پر آرا رکھکر آرے سے چرا دیا گیا اور دوسرے بھائی دیالا کو
تیل کے ابلتے ہوئے کڑاہ میں پڑ کر جان دینی پڑی۔ گورو تیغ بہادر
نے ایک کاغذ پر کچھ لکھکر کہا اسے ان کے گلے میں باندھ دیا جائے
اس پر تلوار کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ اورنگ زیب کے حکم سے تلوار
چلائی گئی۔ سر کٹ گیا۔ کاغذ کھولا گیا اس میں لکھا ہوا تھا [illegible]

نہ دیا۔ گرو تیغ بہادر کی شہادت پنجاب کی تاریخ میں اس مرحلے کو شروع کرتی ہے جبکہ سکھوں کی جماعت کو ایک جنگی فرقہ میں تبدیل کرنیکا بیج پڑ گیا۔ گورو گوبند ان کا بیٹا گدی پر بیٹھا یہ وہ وقت تھا جبکہ اورنگ زیب نے کھلے طور پر ہندوؤں کے برخلاف اپنی تعدی کی پالیسی شروع کر دی تھی۔ جیسا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اورنگ زیب کی حکومت ایک بالکل مطلق العنان شخصی حکومت تھی اور بادشاہ کی مرضی ہی ایک قانون سمجھی جاتی تھی نہ کوئی گورنمنٹ کا کانسٹیٹوشن تھا اور نہ کوئی باقاعدہ گورنمنٹ تھی۔ بادشاہ کے صوبیدار مختلف صوبوں میں اپنی اپنی جگہہ پر بادشاہی کا نمونہ تھے۔ انکا کام مختلف راجاؤں اور رئیسوں کو ایکدوسرے کے برخلاف رکھکر اپنی حکومت کو جاری رکھنا تھا۔ اور جب کبھی کوئی گورنمنٹ کے خلاف جرم کرتا تھا اس کے لئے نہ تو کوئی قانون تھا اور نہ کوئی انصاف۔ گورو گوبند کو اورنگ زیب کی حکومت میں اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اورنگ زیب کو دکن کی مسلمان ریاستوں کے فتح کرنیکا خبط سا پایا ہوا تھا اور اسے یہ بھی خیال تھا کہ اسکا کوئی جرنیل یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہے وہ خود دکن کی مہموں پر چلا گیا اور پنجاب کو خالی چھوڑ گیا۔ گورو گوبند سنگھ اپنے باپ کی شہادت کے وقت پندرہ سال کی عمر کا تھا۔ اس کے اپنے کنبے کے لوگ رام رائے اور دھیرمل اس کے برخلاف پارٹی بنا کر ہر قسم کی مخالفت کرنے پر تیار تھے اور سکھوں کی جو فوج اس کے دادا گورو ہرگوبند نے تیار کی تھی اورنگ زیب کی مختلف پالیسی کی وجہ سے تتر بتر ہو گئی تھی۔ اورنگ زیب کی تعدی اور تعصب کی وجہ سے پنجاب پر

عجیب قسم کا خوف طاری تھا۔ اور نگ زیب نے ہر ایک گاؤں پر
سوار مقرر کر رکھے تھے جنکا کام یہ تھا کہ کوئی ہندو اپنی [illegible]
کرے۔ ان سب مشکلات میں گورو گوبند سنگھ نے اپنے آپکو ایک بیبس
بے کسی کی حالت میں پایا۔ وہ کرتا تو کیا کر سکتا تھا؟ لیکن ایک سچے
مہاپرس کے طور پر اتنی چھوٹی عمر میں ہی اس نے ان بڑی تدبیروں
کی بنیادیں رکھنے کا فیصلہ کیا جو کہ اس کے دلکو ہلا رہی تھیں اور جنکی
بدولت وہ اپنے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور اس کے ساتھ وہ اپنی
پاؤں سلے کچلی قوم کی زنجیروں کو کاٹنا چاہتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ
وہ کسی پہاڑی جگہ میں پناہ گزین ہو اور اپنی تدبیروں کو پکا کرنے کا
انتظام کرے۔ وہاں پر اس نے پٹنہ اور بنارس سے سنسکرت کے پڑھے
پنڈت اور پنجاب سے فارسی کے عالم اور شاعر جمع کئے تاکہ وہ اس عمر
میں اپنی محنت سے جو کچھ ان سے سیکھ سکتا تھا اپنے اندر جذب کرے
باون ساتھ آدمیوں کے نام موجود ہیں جو کہ گورو گوبند سنگھ کے پاس
رہا کرتے تھے۔ وہ سنسکرت کی ساری لٹریچر سے گذر گیا۔ مہابھارت
اور پرانوں کی دوسری کتھاؤں میں جن میں دیوتاؤں اور اسروں کے
یدھوں کا ذکر پایا جاتا ہے اور جن میں ایسی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں
کہ سطرح درگا نے تکہ اندر اور دوسرے اسروں کی کھوپڑیوں کو توڑا
اور انکا خون پیا۔ لنکا کے راکھش راون کو رام نے اور کنس کو کرشن
نے کسطرح ناش کیا ان کتھاؤں نے گورو کے دل پر گہرا اثر کیا۔ گورو گوبند
نے اپنی مشہور نظم وچتر ناٹک میں اس خیال کو دوہرایا کہ کسطرح ایسے
نازک موقعوں پر جب دھرم کا ناش ہو رہا ہوتا ہے ایشور آپ اپنا [illegible]

کی شکل اختیار کر کے دھرم کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ اسکا
بھی مشن یہی ہے کہ وہ بھی اس اُدویش کے لئے پیدا ہوا ہے۔
بیس سال کے عرصہ میں اس ساری واقفیت کے علاوہ گورو گوبند سنگھ
نے جنگی نظم لکھنے میں خاص مہارت پیدا کر لی۔ سواری اور تیر چلانے
کے ہنر میں کمال پیدا کر لیا۔ شیر چیتوں کا جنگلوں میں شکار کر کے اپنے
آپ کو بڑے کام کے لئے تیار کیا۔ اُسے اپنے سامنے سوال ایک ہی نظر
آتا تھا کہ کسطرح ہندوؤں کے سب اختلافات کو مٹا کر ان میں اتحاد
پیدا کر دے اور ان کی مری ہوئی ہڈیوں میں نئی روح پھونک دے
۔ گورو کو یہ محسوس کیا کہ ہندو مدت سے ایک نرم اور صابر
قوم بن چکے ہیں ان کی ملکی خواہشات مر چکی ہیں وہ نہ خود تکلیف
اٹھانا چاہتے ہیں نہ کسی کو تکلیف دینے کے لئے تیار ہیں۔
انکا یہ خیال بنا ہو گیا تھا کہ وہ ... بات سے ... ہو جاتے
تھے اس لئے یہ بھی محسوس کہ ذات پات قوم کے بنانے میں ایک
بڑی رکاوٹ تھی اس لئے انہوں نے سب سے پہلے ان کو ذات کے
بندھن سے چھڑانا چاہا اور کہا کہ چاروں ورن پان سپاری۔ کتھا
اور چونہ کی طرح ہیں جو سب ملکر ہی پان کا ذائقہ پیدا کر سکتے ہیں۔
خالصہ ایک دن کیش گڑھ کی پہاڑی پر جہاں سب سکھ جمع تھے۔
گورو نے ان کے سامنے ایک تقریر کی اور خاص طور پر کہا کہ دیوی
پربعد اس سے سر مانگتی ہے کیا تم میں سے کوئی ایسا سکھ ہے جو سر
دینے کے لئے تیار ہو۔ ایک منٹ کے لئے خاموشی سی چھا گئی۔ گورو
نے اپنے سوال کو پھر دوہرایا۔ لاہور دیا رام ایک سکھ نکلا۔ گورو اسے

پکڑ ساتھ کے خیمے میں لے گئے اور وہاں پر ایک بکرے کا جھٹکا کر
ڈالا۔ اپنی خون سے بھری ہوئی تلوار لیکر باہر نکلا۔ پھر اپیل کی ایک
اور سکھ میدان میں آیا اسی طرح دو اور تین پانچ سکھ سر دینے
کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ان پانچوں کو جیتے جاگتے
لیکر خیمے سے باہر نکل آیا۔ جس سے سب لوگ حیران ہو گئے ان
پانچوں میں سے ایک کھتری تھا باقی کے سب شودر کہلانے والی
ذاتوں سے تھے۔ گورو نے انکو پانچ پیارے کہکر امرت چکھایا
پھر ان پانچوں کے ہاتھ سے تیار کیا ہوا امرت خود پیا۔ اس طرح
اس بڑی جمہوریت کی بنیاد رکھی جو کہ بعد میں خالصہ کے نام سے
مشہور ہوئی۔ خالصہ کے اندر مضبوط سنگٹھن پیدا کرنے کے لئے ایسے
طریقے ایجاد کئے جنکا اثر عام لوگوں کے دلوں پر جادو کا سا ہوتا
تھا۔ یعنی سب سکھوں کو چاہئے کہ وہ ملتے وقت "واہگورو جی کا خالصہ
واہگورو جی کی فتح" بولا کریں۔ سب سکھ پانچ ککے یعنی کیس۔ کڑا۔ کنگھا
کچھا۔ کرپان دھارن کریں اور سب کے نام کے آخیر سنگھ ہونا چاہئے
ان کے اندر سپرٹ پھونکنے کے لئے انہیں یہ تعلیم دی کہ خالصہ براہ
راست ایشور کی آگیا میں ہے اور انہیں یقین رکھنا چاہئے کہ جہاں پر
خالصہ ہوگا وہاں پر ایشور آپ ہوگا اسطرح ایک ہی [illegible]
بیچارے سیدھے سادھے سکھوں کو سنگھ بنا دیا۔ جس سے
نیچے سے نیچا آدمی بڑے سے بڑے کھتری کے ساتھ برابری کا دعوٰی
کر سکتا تھا اس سے پہلے سنگھ کا لفظ صرف کھتریوں کے نام کے
ساتھ لگایا جا سکتا تھا۔ اب جو کوئی شخص گورو گوبند سنگھ کے خالصہ

میں شامل ہو اور خواہ نائی تھا۔ خواہ جلد سنگھ بن جاتا تھا۔ اس برابری کے جادو کا اثر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی ذاتوں کے لوگ خالصہ میں داخل ہو کر بڑی بڑی فوجوں کے سردار اور جرنیل بن گئے۔

پرانے زمانے میں بھی جب ضرورت پڑی تو نئے کھشتری پیدا کرنے کے اسی قسم کے ذریعے اختیار کئے گئے اس کی ایک مثال تو وہ ہے جب برہمنوں نے کوہ آبو کے پہاڑ پر یگیہ کر کے راجپوتانہ کے جنگل میں رہنے والے لوگوں میں سے اگنی کل راجپوت پیدا کئے۔ جوں جوں اونچی ذاتوں کے اندر بہت عرصہ گذر جانے پر اخلاقی گراوٹ آجاتی ہے اسوقت چھوٹی ذاتوں سے جو کہ بالکل نئی اور تازہ زمین کی مانند ہوتے ہیں کھشتری پیدا کئے جاتے ہیں۔ سیواجی کے مرہٹے جنہوں نے آزادی کی جنگ کو کامیاب بنانے اور مرہٹہ سلطنت کو قائم رکھنے میں سب کچھ کیا۔ شودر جماعت سے گنے جاتے تھے۔ اور ان شودروں میں سے ہی مرہٹہ سلطنت کے بڑے بڑے جرنیل اور راجا پیدا ہوئے جنکا درجہ کسی حالت میں کھشتریوں سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ گورو گوبند سنگھ کا خالصہ بھی کھشتریوں کی ایک نئی جماعت تھی۔

اس زمانے میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں شکتی کی پوجا کا عام رواج تھا۔ گورو گوبند سنگھ نے بھی چاہے لوگوں کی شردھا پوری کرنے کے لئے چاہے اپنے دل کی شردھا کے سبب سے یگیہ کرنا ضروری سمجھا۔ یہ یگیہ ایک سال تک ہوتا رہا اور آخیر میں سب سامگری آگ میں ڈال دینے سے اونچی پہاڑی پر سے آگ کے اونچے شعلے نکلے۔ ان شعلوں میں سے ننگی تلوار پھراتے ہوئے گورو باہر آئے۔ لوگوں نے یہ سمجھا

کہ یہ تلوار گورو کو درگا سے فتح کی نشانی کے طور پر ملی ہے گورو گوبند سنگھ تلوار کے سچے پجاری تھے۔ انہوں نے تلوار کی دیوی کی پوجا میں نہایت ہی خوبصورت کویتائیں لکھی ہیں۔ گورو کا یہ خیال تھا کہ اس ظالم حکومت کو اسوقت تک اٹھا نہیں جا سکتا جب تک ہندو روئی کی طرح نرم رہیں گے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ اب ہل اور ترانو کو پرے رکھدیں۔ تلوار ہاتھ میں لے لیں اور جو ظالم مغل یاد ہو کہ باز ہندو ان کے قابو چڑھیں انہیں سیدھا کریں کیونکہ شٹھ کے ساتھ شٹھوں کا برتاؤ کوئی پاپ نہیں ہے اور دھرم شاستروں کی آگیا کے مطابق ہے۔

اس نصیحت پر عمل کر کے خالصہ کے ممبروں نے لوٹ مار کرتے ہوئے

## اعلان جنگ

ایک قسم کا گوریلا جنگ شروع کر دیا۔ اس سے انکو اپنے کام کیلئے دھن ملنے لگا اور اُن کے دشمنوں کے دلمیں ڈر پیدا ہونے لگا اور انکو جنگی زندگی کی عادت پڑنے لگی۔

گورو گوبند سنگھ کے سب کام کی تیاری پوری ہو چکی۔ سنہ ۱۶۹۵ء میں انہوں نے اورنگ زیب کی حکومت کے برخلاف آزادی کا اعلان کیا۔ ایک فقیر کے لئے جس کے پیروؤں کی تعداد کچھ ہزاروں تک پہنچ جاتی ہو مغلیہ سلطنت کے برخلاف اس قسم کا اعلان کرنا غیر معمولی بات تھی۔ اس اعلان میں وہ طاقت تھی جس نے سلطنت کی جڑوں کو ہلا دیا

اس سے پہلے گورو گوبند نے لڑائی شروع کرنے کے لئے جائے پناہ کے طور پر پہاڑیوں کے دامن میں تین قلعے تیار کئے ایک قلعہ تاہن کے پاس پونٹے میں تھا۔ دوسرا روپڑ کے قصبے تھوڑی دور چمکور میں اور تیسرا آنند پور میں۔ ان قلعوں کی اس نے بطور ایک جنگی لیڈر کے ضرورت

محسوس کر لی تھی۔ اس کے بعد گورو نے اپنی توجہ پہاڑ کے ہندو راجاؤں کی طرف پھیری اور ان سے کہا کہ آزادی کی جدوجہد میں وہ اس کی امداد کریں لیکن ان راجاؤں نے گورو کو بڑی بے پرواہی اور بعض نے حقارت سے جواب دیا۔ گورو کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ان راجاؤں کو اپنی طاقت محسوس کرائے۔ انہوں نے خالصہ کو حکم دیا کہ وہ ان راجاؤں کے علاقہ پر لوٹ مار شروع کر دے۔ اس سے تنگ آکر سب ہندو راجاؤں نے جن میں بلاسپور کا بھیم چند۔ کٹوچ کا کرپال چند۔ جیسوال کا کیسری چند۔ جسروٹہ کا سکھدیال۔ نالاگڈھ کا ہری چند دوالا کا پرتھی چند اور سرینگر کے فتح شاہ شامل تھے۔ ملکر دس ہزار فوج اکٹھی کر کے گورو پر حملہ کیا۔ گورو دو ہزار خالصہ کو لیکر مقابلے پر آیا۔ بھنگنی گاؤں کے پاس بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ گورو نے پانسو پٹھانوں کا ایک رسالہ سادھورہ کے سردار بدھو شاہ کی سفارش پر بھرتی کیا تھا۔ یہ پٹھان عین لڑائی کے موقع پر اسے چھوڑ کر چلدے لیکن جب بدھو شاہ نے یہ خبر سنی تو دو ہزار آدمی لیکر گورو کی مدد کو آپہونچا۔ اس سے گورو نے دشمنوں کی ملی ہوئی فوج پر بڑی فتح حاصل کی اور پونٹا قلعہ میں آکر بڑا دربار کیا اور اپنے سرداروں کو خلعت و انعام و اکرام دئے اور سید بدھو شاہ کو ایک کنگھا اور اپنے سر کی اوپری پگڑی بطور سروپا عطا کی۔ اس کے بعد گورو نے چار نئے قلعے۔ لوہ گڈھ۔ آنند گڈھ۔ پھول گڈھ اور فتح گڈھ تیار کروائے راجاؤں نے جب یہ دیکھا تو ان کے کان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے گورو کے ساتھ دوستی کر لی اور بادشاہی خزانہ میں خراج بھیجنے سے انکار کر دیا۔ خراج کا نہ دینا ہی پہلا قدم تھا۔ جو کہ غلامی میں پھنسے ہوئے

افغان تھے۔ اورنگ زیب دکن میں تھا اس لئے کئی سال تک تو
ان کے خراج کی پرواہ ہی نہ کی گئی۔ لیکن اورنگ زیب جونہی دہلی
واپس آیا اس نے ایک بڑی فوج جہان خاں۔ الف خاں اور ذوالفقار
خاں کے ماتحت روانہ کی۔ گورو ہندو راجاؤں کی مدد کے لئے تیار
ہو گیا اور نادون کے قریب ہندو فوج نے خالصہ کی مدد سے
شاہی فوج کو ایک بڑی بھاری شکست دی۔ اس سے کانگڑے
کا گورنر دلاور خاں جوش میں آیا۔ وہ خود تو راجاؤں کے برخلاف فوج
لیکر گیا اور اپنے بیٹے رستم خاں کو آنندپور پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک
رات سخت بارش ہوئی اور آنندپور کے پاس نالا اتنا زور سے چڑھا کہ رستم خاں
کے بہت سے سپاہی اس میں بہ گئے اور باقی اتنے گھبرا گئے کہ رستم خاں
کو واپس کوچ کرنا پڑا۔ اورنگ زیب کو جب یہ سب خبر ملی تو اس کے غضب
کی آگ بھڑک اٹھی اور اپنے بیٹے معظم کو پنجاب روانہ کیا۔ شہزادہ خود
تو لاہور میں ٹھیرا اور میرزا بیگ کو فوج دیکر پہاڑ کو روانہ کیا۔ پہلی لڑائی میں
مرزا بیگ کو زک اٹھانی پڑی اسلئے شہزادہ خود فوج لے کے وہاں پہنچا۔

شہزادے کا سکریٹری نند لال گورو کا بھگت نکل آیا۔ اس نے
معظم سے یہ کہکر کہ ایک سادہو کا پیچھا کرنے سے کیا فائدہ صرف ہندو
راجاؤں کے خلاف لگا دیا۔ مرزا بیگ نے گاؤں کو آگ لگا کر ملک
کو تباہ کرنا شروع کیا۔ کئی سو آدمیوں کو قیدی بنالیا اور ان کے منہ کالے
کر کے گدھوں پر چڑھا کر علاقہ میں پھرایا تا کہ عبرت ہو۔ ہندو راجوں نے
شکست پر شکست کھا کر یہ دیکھا کہ وہ اورنگ زیب کا مقابلہ نہیں کر سکتے
نہایت عاجزی سے معافیاں مانگ لیں اور سارا بقایا خراج شاہی خزانہ

میں ادا کر دیا۔

گورو نے اس عرصے میں کچھ طاقت جمع کر لی تھی۔ انہوں نے پھر راجاؤں کو امداد کے لئے کہلا بھیجا۔ لیکن راجاؤں کو اب نصیحت آ چکی تھی۔ وہ کسی طرح سے گورو کا ساتھ دینے پر تیار نہ تھے۔ گورو نے پھر پرانا طریقہ اختیار کیا اور سکھوں کو انکا ملک لوٹنے پر روانہ کیا۔ تنگ آ کر راجوں نے بیس ہزار فوج جمع کر کے گورو کے خلاف روانہ کی۔ گورو کے پاس آنند پور میں کل آٹھ ہزار آدمی تھے۔ جن کی مدد سے اس نے راجوں کو شکست دی۔ جس سے انہوں نے مایوس ہو کر بادشاہ کو گورو کے خلاف ایک شکایت لکھی کہ وہ "اپنے آپ کو ایک سچا بادشاہ کہتا ہے اور فتح حاصل کرنے کی وجہ سے اسکا دماغ پھر گیا ہے ہزاروں آدمی اس کے پاس جمع ہوئے ہیں اور وقت نزدیک ہے کہ خالصہ کا راج سب ملک میں پھیل جائیگا"۔ بادشاہ اتنا خوفزدہ ہوا کہ اس نے سرہند کے گورنر کو حکم لکھا کہ وہ خود گورو کے برخلاف فوج لیکر جائے۔ سرہند کا ناظم ایک بڑی فوج لیکر روانہ ہوا۔ سنہ ۱۷۰۱ء میں کیرتی پور کے مقام پر گورو نے اسکا سامنا کیا۔ اگرچہ گورو کے سکھ بڑی جانبازی سے لڑے لیکن وہ اتنی کثیر فوج کے مقابلے پر کچھ نہ کر سکے۔ ناچار گورو کو انندپور میں پناہ لینی پڑی۔ شاہی فوج نے انندپور کا محاصرہ کر لیا۔ شاہی فوج کے جرنیل خواجہ محمد اور ناہر خاں نے گورو کو قاصد بھیج کر یہ سندیسہ دیا کہ گورو اسوقت چھوٹے پہاڑی راجاؤں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر رہا ہے بلکہ اسکی لڑائی بادشاہوں کے بادشاہ اور دنیا کے محافظ عالمگیر اورنگ زیب کے ساتھ ہے۔ اس کے لئے یہ لڑائی لڑنی محض دیوانگی ہے۔

انسے چاہیے کہ وہ اسلام اختیار کرکے اطاعت قبول کرے۔ گورو کا بیٹا اجیت سنگھ یہ لفظ نہ سُن سکا۔ تلوار نکال لی اور قاصد کو کہنے لگا " اگر ایک لفظ اور بولوگے تو تمہارا سر تمہارے جسم سے علیحدہ ہو جائیگا اور تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے"۔ قاصد غصے سے جلتا ہوا واپس چلا گیا۔ اور یہ رپورٹ کردی۔ محاصرہ جاری رہا اور باہر سے آمد و رفت بند کردی گئی۔ قلعے میں رسد کا سامان کم ہونے لگا کچھ دنوں میں کھانے کے لئے بھی نہ رہا۔ بھوکے مرتے ہوئے سکھوں نے گورو سے کہا کہ وہ اسوقت کے لئے صلح کرکے کسی محفوظ جگہ چلے جائیں۔ گورو نے انکو سمجھایا کہ ظالم لوگ کبھی اپنا اقرار پورا نہیں کرتے اور انہیں مغل فوج سے کسی قسم کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے اور ایشور پر اور گورو پر بھروسہ رکھکر حوصلے کو نہ ہارنا چاہیئے۔ سکھ جب بھوک سے مرنے لگے تب انہوں نے قلعے سے بھاگنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ کل ۴۰ سکھ گورو کے پاس رہ گئے۔ ایک اندھیری رات کو گورو مع اپنے دو بچوں اور استری کے قلعے سے نکلے۔ وفادار سکھوں کا گروہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اور وہ سب چمکور کے قلعے کی طرف جارہے تھے۔ خواجہ محمد اور ناہر کو خبر لگ گئی۔ انہوں نے تعاقب کیا۔ گورو کے سکھ آخر تک لڑتے رہے گورو کے اپنے دو بیٹے اجیت سنگھ اور جھجھار سنگھ اس کی آنکھوں کے سامنے مارے گئے۔ گورو نے خود اپنے ہاتھ سے ناہر خاں کو قتل کیا۔ اور خواجہ محمد کو زخمی کیا۔ اس چھوٹی سی لڑائی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۴۰ میں سے صرف پانچ آدمی بچے جو گورو کے ساتھ چمکور کے قلعے تک پہنچ سکے۔

اس چھوٹے سے قلعے میں کتنی دیر تک وہ ٹھیر سکتے تھے۔ مغل فوج ان کے سر پر تھی۔ قلعہ تھوڑی دیر میں لے لیا جاتا۔ اس لئے گورو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک ایک کرکے ایک موری کے راستے جنگل کو بھاگ جائیں۔ رات بھر جنگل میں گذار کر دوسرے دن صبح گورو ماچھیواڑہ کے قصبہ میں جا پہنچا۔ جہاں پر انہوں نے ایک باغ میں اپنے آپکو چھپا لیا۔ اس باغ کے مالک غنی خاں اور نبی خاں دو روہیلے پٹھان تھے۔ انہوں نے آکر گورو کو دیکھا اور وہ حیران رہ گئے۔ پہلے تو ان کے اندر لالچ آیا اور انہوں نے گورو کو گورنمنٹ کے حوالے کرکے دولت اور عزت لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن گورو کے ان کے ساتھ پرانے تعلقات تھے۔ گورو ان سے گھوڑے لیا کرتے تھے۔ انسانی ہمدردی نے ان میں زور کیا۔ اور انہوں نے گورو کو پناہ میں لے لیا۔ گورو کو ایک مسلمان فقیر کا لباس پہنا دیا گیا۔ دونوں بھائیوں نے یہ کہا کہ یہ اُنکا پیر ہے اور اُچ کی زیارت سے ان کے پاس آئے ہے اس کے بعد گورو سلوہ کے قاضی پیر محمد کے پاس جا ٹھیرا۔ جس کے پاس بچپن میں اس نے فارسی اور قرآن کا مطالعہ کیا تھا۔ چمکور سے بھاگے ہوئے تین سکھ یہاں آکر گورو کو ملے اور بڑے خوش ہوئے یہاں سے گورو نے تلونڈی کو جانیکا ارادہ کیا۔ اور اُچ کے پیروں کی مانند ایک پالکی میں سوار ہوا۔ جسے اس کے سکھوں نے اٹھا لیا۔ راستے میں دشمن کے سپاہی سر پر آ پہونچے اور دریافت کرنے پر لڑکوں نے یہ بتایا کہ انکا مالک اُچ کا پیر ہے اس پر مغل افسر نے یہ کہا کہ پیر اس کے ہاں کھانا منظور کرے گورو نے اسے منظور کر لیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ

گرگورو نے انکے ساتھ ایک دستر خوان پر کھانا بھی کھایا۔ وہاں سے چلکر گورو
اس جگہ جا پہونچا جہاں پر آجکل مکتسر ہے دشمن اسکی جگہ بہ جگہ تلاش اور پیچھا
کر رہا تھا۔ یہاں پر گورو کے کچھ سکھ موجود تھے جنہوں نے مغل سپاہیوں کا مقابلہ
کیا اور وہ سب کے سب مارے گئے۔ گورو نے ان کی یادگار میں یہاں پر
ایک تالاب بنا دینیکا حکم دیا اور اس کا نام مکتسر رکھا۔

یہ سکھ گورو کے پرانے سپاہی تھے جو ایک بار گورو کو چھوڑ کر گھروں کو
واپس چلے گئے تھے۔ لیکن ان کی عورتوں نے کہا "تم گورو سے بے سکھ ہو کر آئے
ہو ہم تمہارا منہ نہیں دیکھنا چاہتی"۔ وہ واپس آرہے تھے کہ مکتسر کے میدان
پر انکا مقابلہ ہوا۔ گورو کے دو بیٹے چمکور کی لڑائی میں قتل ہو چکے تھے
اس کے دو اور بیٹے تھے جن کو گورو کی ماں آنند پور کے قلعے سے نکال کر بچا کر
لیجا رہی تھی کہ وہ ایک گاؤں میں دھوکے سے پکڑے گئے اور سرہند کے
صوبہ کے پاس لائے گئے۔ یہ بچے ابھی بہت چھوٹی عمر کے تھے اور
صوبہ نے انکو شاہی قیدی کے طور پر رکھ لیا۔ ایکدن دربار میں بیٹھے ہوئے
صوبہ دار نے ان سے کہا کہ "لڑکو تم کیا کروگے اگر تمہیں آزاد کر دیا جائے"
جس پر بچوں نے جواب دیا "ہم فوج اکٹھی کریں گے اور تمہارے ساتھ جنگ کرینگے"۔ صوبہ دار نے کہا "تم کیا کروگے
اگر تم ہار جاؤ گے؟" بچوں نے جواب دیا "ہم پھر فوج اکٹھی کرینگے اور یا تم کو مار دینگے یا خود مارے جائینگے"۔ صوبہ دار نے غصے میں آکر
اپنے دیوان گنجس کو کہا کہ وہ اپنے گھر لیجائے اور بچوں کا فیصلہ کرے۔ سکھوں کا
بیان یہ ہے کہ صوبہ نے ان بچوں کو قلعہ کی دیوار میں چنوانے کا حکم
دیا اور اگرچہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھکر بہت لالچ
دیا وہ اپنے دھرم پر درڑھ رہے اور آہستہ آہستہ پتھروں کی دیوار میں
چنے ہوئے مر گئے۔ گورو کی حالت اپنے چاروں بچوں کے کھوئے جانے

سے بہت دردناک تھی۔ گورو کی ماتا دونوں پوتوں کے مارے جانے کے صدمہ کو سہار نہ سکی اور اُسنے اپنے پران دیدیئے۔ گورو نے چلتے ہوئے ہانسی اور فیروزپور کے درمیان ایک جگہ پر آکر دم لیا جسکا نام اسی وجہ سے دمدمہ رکھا گیا۔ یہاں پر ایک سال کے قریب ٹھیر کر وہ سمر گرنتھ کی تصنیف میں مشغول رہے۔ اس جگہ اورنگ زیب نے انکو ایک چٹھی لکھکر دہلی بلایا اور قرآن کی قسم پر یہ وعدہ کیا کہ ان کے ساتھ با عزت سلوک کیا جائیگا۔ گورو نے بادشاہ کو بڑا سخت جواب دیا جس میں اُسکے تعصب اور ظلموں کا ذکر کے یہ بتایا کہ خالصہ ایک دن ان سب کا بدلہ لیگا۔ اورنگ زیب مرگیا اور کئی لکھنے والوں نے یہ لکھا ہے کہ اُسکے جانشین بہادر شاہ نے گورو کو بلا کر فوج کا افسر مقرر کیا گورو گوبند سنگھ جیسے آدمی کا بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا بالکل غیرا غلب ہے۔ گورو گوبند کا دل پنجاب سے اُٹھ گیا اور پھرتے پھراتے دکن میں جا نکلے انہوں نے راستے میں دکن کے رہنے والے ایک بیراگی کے تپ اور طاقت اور شہرت سُن لی تھی گورو ان کو ملنے کے لئے ناذیر پہنچے۔ اور جاتے ہی دیکھ لیا کہ کس وجہ سے بیراگی بنا تھا۔ مادہو داس بیراگی نادیر میں ایک ڈیرے کا مہنت تھا اس نے گورو کی شہرت کو سُنا ہوا تھا۔ ان سے ملکر ان کی زبانی اُن کے سب پچھلے حالات کو سُنا۔ دونوں کے درمیان گہرا پریم ہوگیا۔ گورو کے جوش اور تقریر سے اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اپنی خدمت گورو کے پیش کردی۔ گورو نے اسے منظور کر لیا اور خالصہ کا لیڈر بنا کر پنجاب کو روانہ کیا اور اس کے ذمے یہ فرض لگایا کہ وہ ان سب سختیوں کا جو گورو کے

ساتھ کی گئی تھیں ظالموں سے بدلہ لیگا۔ اور اس کے ساتھ ہی مغل سلطنت کو اکھیڑ کر اپنی قوم کو آزاد کرے گا۔

گورو کے ساتھ دو پٹھان لڑکے رہتے تھے۔ جنکا باپ گورو کے ہاتھ سے مرا تھا اور انہوں نے باپ کا بدلہ لینے کے لیئے گورو پر وار کیا۔ گورو کا زخم سی دیا گیا۔ اور وہ اچھا ہونے لگا تھا لیکن ایک کمان کو زور سے کھینچنے میں وہ زخم پھٹ گیا اور گورو اوری کے کنارے نادیڑ میں ۱۷۰۸ء میں گورو کا دیہانت ہو گیا۔ اس استھان کو سکھ لوگ ابچل نگر کہتے ہیں۔ مرتے ہوئے گورو نے اپنے چیلوں کو مضبوط اور مستقل رہنے کا اپدیش کیا۔ اس نے یقین دلایا کہ جہاں پر پانچ سکھ اکٹھے ہونگے وہاں پر میں موجود ہونگا۔ میں نے اکال کی آگیا سے پنتھ چلایا تھا۔ سب سکھوں کو چاہیئے کہ وہ گرنتھ کو اپنا سچا گورو سمجھیں۔

اسطرح اس خاندان کا آخری ممبر اس دنیا سے کوچ کر گیا جسنے اس قسم کی غیر معمولی ہستیاں پیدا کیں۔ چار پانچ نسلوں تک برابر یکے بعد دیگرے ایسے انسانوں کا پیدا ہونا جیسے کہ اس کنبے سے ہوئے دنیا میں ایک غیر معمولی واقع ہے۔ لاہور شہر کو اس بات کا فخر ہے کہ اس خاندان کا لاہور سے گہرا سمبندھ ہے اور اس خاندان کے تین گوروؤں نے اپنی زندگی کا بہت سا وقت لاہور شہر میں گذارا۔ گورو رامداس گورو ارجن اور ہرگوبند شہر کے درمیان میں اجلاس کیا کرتے تھے۔ جہاں دہرم چرچا اور ان کا اپدیش ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے ہی امرتسر شہر کی بنیاد رکھی اور امرتسر شہر کو سکھوں کا ایک تیرتھ مقام بنایا۔ اسطرح امرتسر لاہور شہر کے ایک بچے کی مانند ہے۔ گورو رامداس کی اولاد سے گورو

ارجن ہوئے جنہوں نے عذاب سہتے ہوئے لاہور شہر میں اپنی جان دہرم کے لئے دی۔ گورو ارجن کے بیٹے گورو ہرگوبند تھے جن کی ساری زندگی دہرم کے ارپن ہوئی۔ گورو ہرگوبند کے بیٹے گورو تیغ بہادر ہوئے جنہوں نے دہرم کی خاطر اپنا سر دہلی میں کٹوایا اور جن کی بابت گورو گوبند سنگھ نے کہا ہے کہ انہوں نے تلک اور جنیو کی رکھشا کے لئے کلیگ میں بڑا جوہر دکھایا گورو تیغ بہادر کے بیٹے گورو گوبند سنگھ تھے جن کی بزرگی کی کہانی ہمنے ابھی ختم کی ہے۔ گورو گوبند سنگھ کے چار بیٹے تھے جنہوں نے بچپن میں ہی اپنے پران دہرم کے ارپن کر دیئے۔ ایسے کنبے کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ گورو گوبند سنگھ مغل بادشاہت ہی کو تباہ نہیں کر سکے لیکن اس نے مغل بادشاہی کا جادو توڑ دیا اور اس کی تباہی کی بنیاد رکھ دی۔ گورو گوبند سنگھ کو گذرے ابھی کچھ سال بھی نہ ہوئے تھے کہ مغل حکومت کا پنجاب میں نشان ہی نہ رہا۔ ایسا کہاں ہو سکتا تھا اگر گورو گوبند سنگھ نے اپنے کام کو شروع نہ کیا ہوتا۔ گورو گوبند سنگھ پہلا ہندو لیڈر ہوا جس نے اپنے پیروؤں کو سچی برابری کی تعلیم دی اور ان کو ایکدوسرے کا سچا بھائی بنا دیا۔ گورو گوبند سنگھ نے پہلی بار لوگوں کو یہ سکھلا دیا کہ وہ سب ملکر گورمتا یعنی کونسل کیا کریں اور جو کچھ کرنا ہو اس گورمتے میں فیصلہ کرکے کریں۔ گورو گوبند سنگھ نے ان کے اندر یہ وشواش پیدا کر دیا کہ خالصہ ایشور کے اپنے چنے ہوئے لوگ ہیں اور وہ ظلم کے ناش کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ گورو گوبند سنگھ نے ان میں سے ہر ایک کے اندر سوا لاکھ کی طاقت پیدا کر دی اور حقیقی معنوں میں چڑیوں کو باز بنا دیا۔

## ویرو ویراگی

گورو گوبند سنگھ نے خالصہ پنتھ کو جنم دیکر ایک نئی کھشتری قوم پیدا کر دی ان کے آپس کے سنگھٹن کو مضبوط رکھنے کے لیئے گورو گوبند سنگھ نے ان کے لیۓ چند علامتیں مقرر کی تھیں ان علامتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ لوگ اپنے آپکو ہندوؤں سے علیحدہ تمیز کرنے لگے۔ اس علیحدگی کا یہ بہاؤ گورو گوبند سنگھ کی موت کے بعد ظہور میں آیا۔ اور ہم دیکھیں گے کہ اس بہاؤ کو ہندو سے سامنے لانے والی دشمن کی پرانی طاقت تھی۔ گورو گوبند سنگھ سے پہلے گوروں کے وقت میں جتنا کام ہوا اسے ہم نے ہندو بیداری کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان کے کام کا مدعا ساری ہندو جاتی کو جگانا تھا۔ اور ہندوؤں کی رکھشا ہی ان کی خاص غرض تھی۔ گورو گوبند نے اپنے جادو سے نرم ہندوؤں میں سے ایک جنگجو فرقہ پیدا کیا۔ اب ہم اس زمانے پر آ پہونچے ہیں جبکہ اس بیداری کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور وہ نتیجہ ہم مجسم طور پر اس مہا پرش میں پاتے ہیں جسکا ذکر ہم کرنے لگے ہیں۔

یہ شخص ویراگی مادھوداس تھا جسے اس زمانے کے ہندو کلیگ کا کلکی اوتار سمجھتے تھے۔ اور جسے سکھ کتابوں میں بندا بہادر نام دیا گیا ہے براگی کا جنم جموں کے پہاڑی علاقہ کے پاس ریاسی کے نزدیک گاؤں میں ایک راجپوت گھرانے میں ہوا۔ ماں باپ نے اُسکا نام لچھمن سنگھ رکھا چھوٹی عمر سے ہی لچھمن سنگھ کو شکار کا بہت شوق تھا۔ شکار کرنے والوں میں سے ایسے جنگجو آدمی پیدا ہوئے جنہوں نے بعد میں سلطنتوں کی بنیادیں ڈالی ہیں۔ لچھمن کا دل صرف ان جنگجو وحشی لوگوں کا نہیں تھا بلکہ اس کے اندر ہندو کلچر نے اپنا اثر پیدا کیا تھا۔ ایکدن شکار کے

ہوئے اس نے ایک تیر سے ہرنی کو مارا یہ حاملہ تھی - پیٹ پھٹنے پر اس کے اندر سے بچے نکلے - بچوں نے تڑپ تڑپ کر اپنی جان دیدی ان ننھی سی جانوں کو مرتے دیکھ کر بہادر شکاری کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا - لچھمن نے نہ صرف شکار چھوڑنے کا ارادہ کیا بلکہ اسے ایسا ویراگ ہوا کہ گھر بار اور دنیا کا ہر ی تیاگ کر کے وہ ویراگی سادھوؤں میں شامل ہو گیا - اسکا نام مادھو داس ہو گیا - ایک سادھو جانکی داس سے دکشا لی - کچھ عرصہ وہاں رہ کر اس کے دلمیں تیرتھ یاترا ، درشن کی خواہش پیدا ہوئی تیرتھوں کی یاترا کرتا تھا ناندیر نامی گاؤں میں جا کر بیٹھ گیا آہستہ آہستہ اس کی شہرت اور عزت بڑھنے لگی اور وہ ایک بڑا بھاری مہنت بن گیا - ان ایام میں اورنگ زیب دکن میں پھرتا تھا اور مرہٹوں نے اس کے خلاف گوریلا جنگ جاری کر رکھا تھا - اورنگ زیب کی فوج میں تمام شاہی سامان اور شاہی ٹھاٹھ تھا اس کی فوج کو تیاری کرنے دو پہر جاتی تھی اور مرہٹے فوج پر حملہ کر کے لوٹ مار کر بھاگ جاتے تھے - جب شاہی فوج ادھر روانہ ہوتی تھی تو پیچھے سے ایک اور دستہ گھوڑوں پر سوار آ کر چھاپہ مار جاتا تھا - ایسا جنگ کرتے ہوئے مرہٹوں نے اورنگ زیب کا ناک میں دم کر دیا - یہ سب کچھ بیراگی سنتا ہوگا اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے دل پر اسکا کیا اثر ہوتا ہوگا - ممکن ہے کہ اس کے دلمیں پھر میدان میں لڑنے کی خواہش پیدا ہوئی ہو - لیکن اپنے بیراگی بھیس کو کیسے چھوڑ سکتا تھا گورو گوبند سنگھ کی ملاقات نے اسکو یہ موقعہ دیدیا اور ایک مہاپرش کا کہنا مان کر بیراگی نے ویراگ چھوڑ دیا کی جدوجہد میں شامل ہو کر اپنی زندگی کو ایک بڑا بھاری پلٹا دیا - اور گیتا

کے مطابق سچا کرم یوگی بنا۔ گورو نے اپنے کچھ سکھ بیراگی کے ساتھ روانہ کئے
تھے سکھوں نے روپے کے لئے ویراگی کو بہت تنگ کرنا شروع کیا
تھا۔ بھرت پور پہنچکر کچھ پنجابی سوداگروں نے بیراگی کی بہت سیوا کی
بیراگی نے وہ روپیہ سکھوں میں بانٹ دیا۔ کھنڈے تگر دے ہوتے ہوئے
وہاں نے ہر ایک جگہ گیا اور وہاں سے حصار پہونچکر سب سکھوں کے نام
پروانے لکھے۔ اتنے میں اسے خبر لگی کہ بھوانی کے پاس ایک خزانہ جا
رہا ہے۔ بیراگی اسپر جا پڑا اور سب لوٹ کر سکھوں میں بانٹ دیا۔ بیراگی
کی شہرت اس سے پہلے پھیل چکی تھی۔ روپے کا لوبھ سینکڑوں ہزاروں کو
اس کے پاس کھینچ لایا۔ بیراگی کو تین قسم کے آدمی ملے ایک تو سچے
سکھ تھے جو گورو گوبند سنگھ کی آگیا پر اور دھرم کے پریم میں اس کے پاس
آئے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنکو روپیہ کی محبت اور لوٹ مار کا شوق بیراگی
کے پاس لے آیا۔ ان میں سے بہت سے لٹیرے اور ڈاکو تھے۔ تیسرے
ایسے بھی سکھ تھے جو ظاہرا طور پر مغل سرکار سے بگاڑنا نہیں چاہتے تھے
مگر ہر طرح سے خفیہ امداد دینے پر تیار رہتے تھے۔ تیسرے گروہ میں پھلکیاں کے
سردار رام سنگھ اور تلوک سنگھ بھلے آدمی تھے۔ سرہند کے نواب کے
پاس کچھ سکھوں نے ملازمت اختیار کر لی تھی۔ جب اسنے بیراگی کی آمد
کی خبر سنی تو گھمنڈ سے ان سپاہیوں کو کہنے لگا تمہارے ایک گورو
کی تو یہ درگت ہوئی کہ بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ اب ایک نیا گورو آیا ہے۔
اس کی ایسی خبر لی جائے گی کہ کہیں پتہ نہیں لگے گا۔ وہ سکھ گورو کی اس
ہتک کو برداشت نہ کر سکے اور بھاگ کر بیراگی سے آملے بیراگی نے جتنی
فوج اکٹھی کی تھی اس کے ساتھ سامانہ پر چڑھائی کر دی تین دن تک

قصبہ کو خوب لوٹا اور جتنا سرکاری خزانہ تھا وہ سب سپاہیوں میں بانٹ دیا۔
گورو تیگ بہادر کا قاتل جلال الدین اس قصبے کا رہنے والا تھا۔ اس کے
بعد سیف آباد سنورہ کو لوٹتے مارتے گنج پور اپنا تسلط آجمایا اور اسے
برباد کر ڈالا۔ سادھورہ قصبہ کو بھی فتح کرکے دور دور لوٹ مار کی۔ مخلص
گڈھ پر قبضہ کرکے اسکا نام لوہ گڈھ رکھا۔ یہ فتوحات اگرچہ بہت چھوٹی
چھوٹی تھیں لیکن ان سے بیراگی کی دھاک سارے علاقہ میں جم گئی
ہندو نوجوان دور دور سے آکر بیراگی سے ملنے لگے۔ ہندوؤں میں یہ خیال
پھیل گیا۔ کہ ان کی رکھشا کے لئے ایشور نے اوتار لیا ہے۔ مسلمان جو کہ
ہندوؤں کو ہر دم ڈراتے رہتے تھے اب خود ڈر سے کانپنے لگے۔ بہتیرے
مسلمان سردار نذریں لیکر بیراگی سے آملے اور اس کے مرید بن گئے۔
جگہ جگہ سے مظلوم برہمن اور ہندو آکر بیراگی کے پاس شکائتیں کرنے
لگے کہ ان کی ظلم سے حفاظت کرے۔ جہاں کہیں سے اس قسم کی خبر
آتی تھی بیراگی کے سپاہی وہاں پہنچتے تھے اور ظلم کا خاتمہ کر دیتے تھے۔
سرہند کا نواب لڑائی کے لئے تیاری کر رہا تھا۔ ادھر بیراگی کے دل میں بھی
سرہند ہی کا خیال کھٹکتا تھا۔ جس جگہ سے اس نے گورو کے بچوں کا انتقام
لینا تھا۔ ۱۲ مئی ۱۷۱۰ء کو سرہند پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ وزیر خاں
نواب خاں کے پاس بہت سی توپیں اور ہاتھی تھے۔ مالیر کوٹلے کا خواجہ
بھی فوج لیکر اس کی مدد کو آیا تھا۔ بیراگی کے پاس توپیں اور ہاتھی تو کہاں
لڑائی کا کافی سامان بھی نہ تھا۔ توپوں کی آواز سنکر جو ڈاکو اور لٹیرے
لوٹ کے لالچ سے اکٹھے ہوئے تھے بھاگنے لگے۔ لیکن بیراگی خود سچے کھشتری
کی طرح اپنا تیر کمان لئے توپ کے مقابلہ پر تیار تھا۔ اس کے ساتھ کبھی

سکھ سردار جیسے فتح سنگھ۔ رام سنگھ۔ دھرم سنگھ اور علی سنگھ جو کہ ان کے سکھوں کے افسر تھے اور باجا
سنگھ باج سنگھ اور بھفت سنگھ اپنی جان بچنے پر ملیا تھے وزیر خاں اور اسکا دیوان اس لڑائی میں
مارے گئے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وزیر خاں پکڑا گیا اور بیراگی کے دربار میں لاکر اسے جوتوں
میں بٹھایا گیا بہت بیعزتی کیا تھا اس کی جان لی گئی تین دن تک سرہند میں لوٹ اور قتل
عام رہا مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر زندہ جلایا گیا یا تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے مسجدوں میں
سور لاکر قتل کر دیے گئے باجو سنگھ کو سرہند کا گورنر اور علی سنگھ کو اسکا نائب مقرر کیا گیا۔ فتح سنگھ
کو سامانہ کا گورنر بنایا گیا۔ رام سنگھ اور بنود سنگھ کو تھانیسر کا ستلج اور جمنا کے درمیان سرہند کے
علاقہ میں ۲۸ پرگنے تھے سب جگہ مسلمانوں کو ہٹا کر ہندو افسر مقرر کئے گئے ان سب لڑائیوں میں
بیراگی کی تیر اندازی نے کمال کر دیا تھا اسکا تیر ہمیشہ فوج کے بڑے افسر کو اپنا نشانہ بناتا تھا
افسروں کے دلوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ بیراگی نے بھوت اپنے بس میں کئے ہیں جو ہر وقت
اسکی امداد کرتے ہیں اسلئے تمام مسلمانوں میں بہت اخلاقی گراوٹ پیدا ہو گئی بیراگی ان فتوحات کے
بعد پہاڑ کی طرف گیا اور ہندو راجاؤں سے کچھ لڑائی جھگڑے کے بعد اس کے تعلقات دوستانہ ہو
اور یہ راجے اس کی امداد کرنے پر بھی کمربستہ ہو گئے یہ بھی ذکر آتا ہے کہ اس نے امرتسر میں بڑا بھاری
دربار کیا اور اپنے سرداروں کو انعام و اکرام دئے۔ بادشاہ نے دہلی واپس آکر اپنے مشہور سردار حاجی
اور عنایت اللہ خاں کو بیراگی کے برخلاف روانہ کیا۔ ادھر لاہور کے صوبیدار اسلم خاں اور قصور کے
پٹھان رئیس محمد خاں نے بھی امداد بھیجی۔ دہلی کی فوج کی خبر سنکر باوا نور سنگھ کرنال چھوڑ کر بھاگ
گئے منعم خاں نے آکر سرہند پر قبضہ کر لیا سکھ جا بجا بھاگنے لگے اور مغل سپاہی انکا تعاقب کر رہے
تھے بیراگی پہاڑ سے واپس آیا اس کے آتے ہی سکھوں میں جان پڑ گئی اور پھر سب علاقے کو زیر کیا
اسی اثنا میں دیوبند کے ہندوؤں نے آکر خبر دی کہ ان کا حاکم جلال الدین انپر بڑا ظلم کرتا ہے بیراگی فوج
لیکر سہارنپور پہنچا اسکا حاکم علی محمد چھوڑ کر بھاگ گیا اور سکھوں نے شہر پر قبضہ کر کے اسے خوب لوٹا
اس کے بعد بہات۔ انبیٹھا اور ننوتا لوٹتا ہوا۔ جلال آباد کی طرف روانہ ہوا۔ ننوتے کی لڑائی میں شہر
قصبے کے ایک حصہ میں تین سو شیخزادے مارے گئے اور اس حصے کو اب بھی پھوٹا شہر کہتے ہیں بیراگی
نے جلال آباد پہنچکر اسکا محاصرہ شروع کیا۔ برسات کے آجانے کی وجہ سے اس محاصرے کو اٹھا لیا
اور کرنال پانی پت کی طرف توجہ پھیری دہلی کے نزدیک ان فتوحات کا اثر یہ ہوا کہ دہلی کا تخت
ہلنے لگا۔ بادشاہ نے دہلی میں داخل ہوئے بغیر اپنی فوج بیراگی کے برخلاف روانہ کی

کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا جو کہ ساڈھورہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے شاہی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور بادشاہ خود بمعہ چاروں بیٹوں کے وہاں آ پہونچا بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں سکھوں کے مضبوط قلعے پر حملہ کرنا چاہیئے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ سکھ کسی طرح اپنے مضبوط قلعوں سے باہر آویں کئی دن تک فوجیں ایسی ہی پڑی رہیں آخر خان خاناں اپنے کچھ سپاہیوں کو ساتھ لیکر دشمن کی جانچ کے لئے چلا ہی تھا۔ جونہی کہ وہ توپ کی زد میں آئے سکھوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ شاہی فوج کو حملے کا حکم ہو گیا خان خاناں گھوڑے سے اتر پڑا اور سپاہیوں کو آگے لیجانے لگا۔ چونکہ بادشاہ خود لڑائی کو دیکھ رہے تھے۔ بہت سے سردار اور سپاہی آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے تھے سکھوں کو بہت اونچی چوٹیوں سے ہٹ کر مرکزی قلعے میں پناہ لینی پڑی اور ڈر تھا کہ وہ بالکل تباہ ہو جاتے لیکن رات نے آکر ان کو بچا لیا بیراگی رات کو ایک تنگ راستے سے جو کہ قلعہ سے پہاڑ کو جاتا تھا بھاگ نکلا اور اس نے ایک جوگی فقیر کا بھیس دھارن کر لیا۔ بیراگی میں ایک یہ وصف تھا کہ جب وہ چاہتا تھا فقیری لباس اختیار کر لیتا تھا۔ اور جب چاہتا تھا شہزادے کی صورت بنا لیتا تھا۔ تعاقب سے بچنے کے لئے وہ اپنے ایک وفادار نوکر گلا بو کو جو کہ اس کے مشابہ تھا پیچھے چھوڑ گیا۔ دوسرے دن خان خاناں فتح کے نقاروں کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا اور بیراگی کی موجودگی دیکھکر اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ لیکن جب اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے آیا تو حقیقت ظاہر ہو گئی۔ اس سے بجائے خوش ہونے کے بادشاہ الٹا ناراض ہو گیا۔ بیراگی ناہن کی طرف بھاگ گیا اور اس کو پکڑنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں بادشاہ ابھی ساڈھورے میں ہی تھا کہ بیراگی پٹھانکوٹ میں آ نمودار ہوا۔ جموں کا گورنر بایزید خاں اور اس کا بھتیجا شمس خاں اس کے مقابلے پر گئے دونوں کو شکست ہوئی اور دونوں میدان میں مارے گئے بادشاہ لاہور آ پہونچے۔ اور محمد امین خاں اور رستم دل خاں کو بیراگی کے مقابلے پر بھیجا۔

بیراگی پہاڑوں میں چلا گیا اور شاہی فوج اس کا کچھ بگاڑ نہ سکی بادشاہ چند ماہ تک لاہور میں رہا لیکن اسے جنون کی بیماری ہو گئی اور ۱۷۱۲ء میں لاہور میں اس نے

وفات پائی اس کے مرنے پر اس کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لئے جھگڑے شروع ہوئے جنکا ذکر ہم پچھلے باب میں کر آئے ہیں۔ جس وقت دہلی میں تخت کے لئے غدر مچا ہوا تھا۔ کبھی ایک شہزادہ تخت پر بیٹھتا تھا۔ کبھی اس کی جگہہ دوسرا بٹھایا جاتا تھا۔ اسوقت بیراگی کے لئے موقعہ تھا۔ کہ وہ اگر چاہتا تو پنجاب میں ایک آزاد حکومت قائم کر کے پنجاب کا فرمانروا بن جاتا اسے ہم بیراگی کی غلطی کہیں یا دنیاوی خواہشات سے پرہیز کہیں۔ امر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیراگی نے پنجاب کو مختلف سرداروں میں بانٹ دیا خود شادی کر کے پہاڑ میں رہنے لگا۔ بغاوت کر دینا ایک آسان بات ہے لیکن بغاوت کو کامیاب بنانا اس سے بھی مشکل ہے۔ لیکن ایکدفعہ کامیاب ہوکر اس کامیابی کو قائم رکھنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ بیراگی نے یہ بات نہیں سمجھی کہ حکومت حاصل کر کے اسکو سنبھالے رکھنا اس سے بھی ایک بڑا مشکل کام ہے۔ فرخ سیر نے تخت پر بیٹھتے ہی بیراگی کو پکڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بیراگی پہاڑوں سے اترتا تھا لیکن بادشاہی فوج سے بچکر نکل جاتا تھا۔ ۱۷۱۶ء میں اس نے کلانور اور بٹالے کو لوٹا اور یہاں پر سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ فرخ سیر نے لاہور کے ناظم کو سخت حکم روانہ کیا کہ بیراگی کی طاقت کو تباہ کرے عبدالصمد خاں نے بڑی بھاری فوج اور توپخانہ لیکر سرہند پر چڑھائی کی بیراگی نے سرہند پہونچکر اسکا خوب مقابلہ کیا۔

فرخ سیر کو یہ خبر سنکر ایک اور چال سوجھی جسکا ذکر مینتہ پرکاش میں مفصل پایا جاتا ہے۔ گورو گوبند سنگھ کی ماتا سندری دہلی میں رہا کرتی تھی فرخ سیر نے ہندو وزیر راجہ رتن چند کو ماتا کے پاس کچھ تحائف بھیجکر اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ بیراگی کو صلح کے لئے خط لکھے۔ ماتا نے بیراگی کو خط

کر تم نے پنتھ کی بڑی سیوا کی ہے اسے ودھ بننے سے بچا لیا ہے۔ اب بادشاہ
جاگیر دینے پر راضی ہے۔ بہتر ہے کہ اس سے صلح کر لو۔ بیراگی نے اسکا
جواب ماتا کو یہ دیا کہ ترکوں کا کوئی اعتبار نہیں آپ بادشاہ کے دھوکے
میں نہ آؤ اور ہمیں اپنا کام کرنے دو" ماتا اس سے ناراض ہو گئی بادشاہ
کے ایجنٹ انکو بھڑکانے کے لئے موجود تھے۔ ماتا نے سب سکھ سرداروں کو
کہہ بھیجا کہ بیراگی خود گورو بننا چاہتا ہے جبتک وہ باقاعدہ طور پر پاہل لیکر
گورو کا سکھ ہونا منظور نہ کرے اسکا ساتھ مت دو سکھوں میں ایک
پارٹی ایسی پیدا ہو گئی جو کہ کئی اور وجوہات سے بھی بیراگی کے برخلاف
تھی۔ بیراگی نے ایک دو اور بھی تبدیلیاں کرکے اس جنگ کو ایک قومی
جنگ بنانے کی کوشش کی تھی اس پارٹی نے اپنے آپکو تت خالصہ نام
دیا اور جب امرتسر کے دربار میں بیراگی کلغی لگائے ہوئے بیٹھا تھا تو
اس کے بڑے معتبر سردار بابا بنود سنگھ اور کاہن سنگھ نے ہاتھ سے پکڑکر
اسے تخت سے اٹھا دیا۔ اور یہ شور مچا دیا کہ جو گورو کا سکھ ہے وہ بیراگی
سے ہٹ جائے۔ تت خالصہ علیحدہ ہو گئے اور پارٹی نے بیراگی کا اسباب
تک لوٹ لیا۔ فرخ سیر کی نیتی کامیاب ہو گئی۔ پھوٹ نے اس کے لئے وہ
کر دیا جو کہ بادشاہ کی ساری طاقت نہ کر سکی تھی۔ صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ
بادشاہ نے تت خالصہ کے ساتھ صلح کرکے عہد پیمان کر لئے خالصہ کو
ان کے علاقے بطور جاگیر عطا کر دیے گئے۔ اور سکھوں نے اقرار کیا کہ وہ
بیراگی کا کبھی ساتھ نہ دیں گے اور اگر وہ لاہور پر چڑھائی کرے گا تو وہ
لاہور کے حاکم کی امداد کریں گے۔ بادشاہ نے بھی اقرار کیا کہ اس کے
عہد میں کبھی ہندو کو مسلمان نہ بنایا جائیگا اور کسی ہندو کے سامنے گائے

فتح دی جائے گی۔ یہ عہد نامہ محض ایک دھوکہ اور سبز باغ تھا۔ بیراگی کو اگرچہ اس سے بہت صدمہ ہوا لیکن نہ اسنے لپنے ارادے سے منہ موڑا اور نہ کوئی کوشش ترک کی۔ اس نے سکھ سرداروں کو کہا کہ ایکدفعہ وہ اس کے ساتھ ملکر لاہور کو فتح کرلیں اور بعد میں جس کی طرف زیادہ تعداد ہو وہ حکومت سنبھال لے۔ لیکن دھوکے میں آئے ہوئے سکھوں نے اس کی کوئی بات نہ سُنی۔ باوجود اس کے جو تھوڑی بہت جمعیت اسکے ساتھ رہ گئی تھی اس کی مدد سے اس نے لاہور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ سکھ سپاہی اور سردار اقرار کے بموجب لاہور کے ناظم کی فوج میں بھرتی ہوگئے۔ بیراگی کی فوج شالامار پر جا اتری اور ادھر سے لاہور کی مغل فوج اس کے مقابلے پر آئی سکھ سپاہی بیراگی کے مقابلے پر لڑنے کے لئے سب سے پہلے تیار ہوگئے۔ بیراگی کے سپاہیوں نے جب اپنے پُرانے ساتھیوں کو تلواریں لئے ہوا اپنے مقابلے پر ڈٹا ہوا دیکھا تو انکا دل ٹوٹ گیا اور انہوں نے میدان سے قدم پیچھے ہٹا لئے۔ اس شکست نے بیراگی کی قسمت کا فیصلہ کردیا۔ فوج لئے ہوئے وہ پیچھے ہٹ آیا اور تھوڑی دیر ادھر اُدھر پھر کر گورداسپور کے قلعے میں جو کہ اس نے خود بنوایا تھا پناہ گزین ہوگیا۔ عبدالصمد خاں کی فوج نے گورداسپور کا محاصرہ کرلیا۔ جالندھر سے بھی فوج آگئی۔ سامان اندر جانیکا کوئی راستہ باقی نہ چھوڑا۔ وقت گذرتا گیا اور رسد کا سامان کم ہونے لگا۔ ایک بار سپاہیوں نے قلعے سے نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ شاہی فوج ان پر جا پڑی اور وہ سب کے سب مارے گئے جب بھوک سے لوگ بہت تنگ آئے تو بیراگی کے خلاف شکائتیں کرنے لگے۔ باجہ سنگھ نے سبکو تسلی دی اور کہا کہ ہمیں بیراگی پر پورا وشواش رکھنا چاہئے

اس کے اندر ہماری تکلیفوں کو دور کرنے کی طاقت موجود ہے"۔ بیراگی نے ایک
نیا قلعہ پاس ہی تعمیر کرانے کا حکم دیا تھا لیکن بھوک کی نوبت یہانتک آپہونچی
کہ لوگوں نے گھوڑے مار کر کھانے شروع کر دیے۔ اسی طرح بھوکے مرتے
چار ماہ گذر گئے۔ بھوک سے مرنا لڑکر مرنے سے بہت زیادہ مشکل ہے ایکبار
سب بیراگی کے پاس جاکر فریاد کرنے گئے تو اس نے کہا دنیا میں سکھ دکھ
دونوں لازم ملزوم ہیں۔ تم اگر بھوکے ہو تو میرے بھی منہ میں دانا نہیں ڈالا ہے"
ان کی مصیبت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا سب ایکدوسرے کی طرف
دیکھتے تھے۔ کوئی کسی کی مدد نہ کر سکتا تھا۔ اطاعت کے سوا کوئی چارہ
نظر نہ آیا۔ لاچار قلعے کے دروازے کھولدے مسلمان فوج قلعے میں
داخل ہوئی۔ بیراگی بھوک کے مارے ہڈیوں کا ایک پنجرہ رہ گیا مگر کسی
کو اس کے پاس جانے کی ہمت نہ پڑی۔ آخر اسنے اپنا تیر کمان پرے رکھدیا
اور مسلمان سپاہیوں نے زنجیریں ڈالکر قید کر دیا۔ اس فتح سے پنجاب کے
ہندوؤں کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور مسلمانوں کے گھروں میں خوشیوں
کے نعرے بلند ہونے لگے۔

بیراگی اور اس کے سات سو ساتھیوں کو پکڑ کر دہلی بھیجدیا گیا۔ دہلی شہر
نے بہت سی آندھیاں اور طوفان دیکھے ہیں۔ مہابھارت کے یدھ سے
لیکر اس ملک کی قسمت کا فیصلہ اسی شہر میں ہوتا رہا ہے۔ کئی بار دہلی
شہر اجڑا اور کئی بار آباد ہوا۔ دہلی کے لوگ حملہ آوروں اور لوٹ مار کا
کئی دفعہ شکار ہوئے۔ دہلی میں شہیدوں کے خون کی بھی کمی نہیں رہی
لیکن جو شہادت کا نظارہ اسوقت آنکھ نے دیکھا اس نے پچھلے سب نظاروں کو
مات کر دیا۔ بادشاہ بیراگی کے ساتھیوں کو بھیڑوں کی شکل میں دیکھنا چاہتا

جو انسان اپنے ملک اور دھرم کے لیے لڑتے مستقل رہے کہ انہوں نے بھوک سے مرتے ہوئے اور موت کی ڈراونی شکل اپنے سامنے دیکھتے ہوئے تکلیف اور مصیبت میں اپنے لیڈروں کا وفاداری سے ساتھ دیا بادشاہ نے انہیں بھیڑوں کی کھالیں پہنا کر لدھیانہ پر سوار کر کے شہر میں پھرایا۔ ۷۴۰ آدمی قاضیوں کے سامنے لائے گئے۔ قاضیوں نے شرع سے فتوے نکالا اور کہا کہ "تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے اگر تم اسلام قبول کر لو۔ ان بہادروں نے اس خیال پر حقارت کا اظہار کر کے کہا "جان لینا یا بخشنا تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کیونکہ تم ہمیں زندگی بخش سکتے ہو"! سب کو قتل کا حکم سنا دیا گیا۔ ہر روز سو سو آدمی کوتوالی کے سامنے لا کر قتل کیے جاتے تھے۔ ان بہادروں کی خوشی کا اندازہ ایک سولہ سالہ بچے کی مثال سے لگایا جا سکتا ہے جس کی بوڑھی ماں روتی پیٹتی اور چلاتی ہوئی جلادوں کے پاس پہونچی اور کہنے لگی کہ "میرا بیٹا بیراگی کا چیلا نہیں ہے"۔ لڑکے نے کہا "میرے لئے دیر کیوں کی جاتی ہے۔ میں جلدی سورگ جانا چاہتا ہوں۔ جب اسے اسکی ماں کی بات بتائی گئی تو وہ کہنے لگا "میری ماں غلط کہتی ہے۔ میں دل سے سکھ ہوں اور جلدی اپنے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں"۔ آٹھویں دن بیراگی کی باری ہے آگئی پنجرے میں بند کر کے لایا گیا۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے اس کے لوتھڑے اتار لیے گئے۔ اسکا ایک چھوٹا بیٹا اس کے سامنے کلیجے کو چیر کر لہو سے بھرے ہوئے ٹکڑے بیراگی پر پھینکے گئے بیراگی کے چہرے پر نہ کوئی ڈر کا نشان تھا نہ کوئی اس کے منہ سے رنج کا لفظ نکلا۔ اس کے دشمنوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے اس سے پوچھا کہ اتنے دکھ ملنے پر تمھیں

تم رنجیدہ نہیں معلوم ہوتے۔" بیراگی کا جواب تھا "جو اس آتما کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ آتما سب دکھوں سے پرے ہے" اس طرح بیراگی نے اپنے ملک اور اپنے دھرم کے لئے اپنی جان نثار کی۔ ہندو قوم کا ایک طرح سے یہ آخری بیر تھا۔ اس کے بعد ہندوؤں میں کبھی اتنی طاقت نہیں آئی کہ اس قومی ہیرو کی کوئی یادگار قائم کر سکیں بلکہ اس کے نام پر کوئی تہوار چلا سکیں۔ ہندو سب سے بڑے گناہ کے مرتکب ہونگے اگر وہ بیراگی کی یاد کو اپنے دلوں سے بھلا دیں گے۔

**تت خالصہ کی پشیمانی** | بیراگی کے مرنے کی دیر تھی کہ سکھوں کو معلوم ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھے۔ انہیں بیراگی کی یاد آنے لگی۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہو سکتا تھا۔ عبدالصمد اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ایک سکھ ہی اسلام کے دشمن ہیں اس نے سارے کئے ہوئے اقراروں کو مٹی میں ملا دیا اور خالصہ کی تباہی کے لئے نئے نئے ڈھنگ نکالنے شروع کئے۔ سکھ لوگ اتنا نہ سمجھ سکتے تھے کہ دنیا میں پولیٹیکل اقرار صرف اسی وقت تک کے لئے کئے جاتے ہیں جب ان کے پورا کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ بیراگی کے خلاف دشمن سے ملکر بیراگی جیسے لیڈر کو اپنے ہاتھ سے کھو کر انہوں نے اپنی طاقت پر کلہاڑا چلا دیا۔ اب انہیں اسکا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ صوبہ کی طرف سے اعلان ہو گیا کہ جس کسی کو سکھوں نے تکلیف دی یا جس کسی کا سکھوں نے مال لوٹا تھا وہ آکر درخواست دے۔ سکھوں کے برخلاف چوری اور ڈاکہ کی درخواستیں گذرنے لگیں اور سکھوں نے پنجاب چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا۔ کچھ تو پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ بہتیروں نے راجپوتانہ میں جا کر پناہ لی۔ ان کے سروں پر قیمت رکھ دی گئی جو شخص کسی سکھ کا سر کاٹ کر لاتا

تھا۔ صدوں روپے انعام دیا جاتا تھا۔ سکھ ہونا موت کی نشانی تھی۔ سینکڑوں
سکھ بہادر قتل کئے جاتے تھے اور دوسرے ہزاروں نے جو کہ لوٹ مار کے
لئے سکھ بنے ہوئے تھے اپنے بال کٹوا کر ہندوؤں میں شامل ہو گئے
جنگلوں میں رہ کر بہتیرے جھاڑوں اور پتوں پر گذارہ کیا کرتے تھے اور انکی
عورتیں اور بچے مسلمان افسروں کے رحم پر دن گذار رہے تھے۔

سنہ ۱۷۲۶ء تک عبد الصمد خاں لاہور کا گورنر رہا اس نے سکھوں کو
لمحہ بھر کے لئے دم نہ لینے دیا۔ دیوالی کا میلہ کئی سال تک بند رہا۔ لیکن
سکھ بہت دیر تک چپ چاپ بیٹھنے والے نہ تھے۔ انہوں نے اس
عرصہ میں ہی اپنے مختلف گروہ بنانے شروع کر دئے اور جب کبھی
انہیں موقعہ ملتا تھا چھاپہ مارتے تھے اور اپنے ظالموں کو قتل کر دیتے
تھے یا لوٹ لے جاتے تھے۔ جن لوگوں نے ان کے برخلاف عرضیاں
دی تھیں انکو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تنگ کرتے تھے۔

اس موقعہ پر اتنا اور بتا دینا ضروری ہے کہ بیراگی کے ساتھیوں کا
کیا انجام ہوا۔ جب بیراگی کا زور تھا۔ امرتسر کا مندر ان کے قبضہ میں
آ گیا تھا اور ساری آمدنی ان کے ہاتھ میں ہی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ سے اس
کا مندر بھی اجڑا سا رہا۔ لیکن سنہ ۱۷۲۵ء میں پہلی بار دیوالی کا میلہ ہوا۔
بہت سے سکھ لوگ اکٹھے ہوئے۔ چڑھاوے کے حصے کے متعلق
جھگڑا شروع ہوا۔ بیراگی کے چیلے اسے اپنا قبضہ سمجھتے تھے اور تت
خالصہ اسے خود لینا چاہتے تھے۔ دونوں طرف تلواریں کھنچنے لگیں
اور ڈر تھا کہ سکھوں میں خانہ جنگی شروع ہو کر ان تباہی کا ایک اور ذریعہ
پیدا ہو جائے بھائی منی سنگھ کی دانائی نے اسے روک دیا۔ اسنے

تجویز کی کہ کاغذ کے پرزوں پر دونام لکھکران کی گولیاں بناکر ہر مندر کے پاس پانی میں ڈالدی جائیں جو گولی پہلے ڈوب جائے اسکا چڑھاوے پر کوئی حق نہ سمجھا جائے - اگر دونوں تیرتی رہیں توچڑھاوا دونوں میں بانٹ لیا جائے - دونوں پارٹیوں نے اسے منظور کر لیا - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیراگی کے مرجانے کے بعد بھی اس کے پیرو اتنی تعداد میں موجود تھے کہ تت خالصہ لاڑی ڈال کران کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر راضی ہوگئے - اتفاق تھا یا کوئی چالاکی تھی - بیراگی کے نام کی گولی پہلے ڈوب گئی - اس کے چیلے سب حیران ہوگئے - ان میں سے بہت سے مایوس ہوکر تت خالصہ کے ساتھ شامل ہوگئے اور جو بچے وہ گمنامی کی حالت میں رہنے لگے -

بیراگی کے ساتھیوں کا اسطرح ختم ہوجانا - ہندو بیداری کا خاتمہ ہے - ہندوؤں کی پھر بیکسی کی حالت ہوگئی اسکا اندازہ ہم حقیقت رائے کی شہادت سے لگتے ہیں جو کہ ۱۷۳۴ء کے قریب واقع ہوئی - حقیقت رائے سیالکوٹ شہر میں ۱۷۱۹ء میں پیدا ہوا اسکا باپ باگھمل پوری ذات کا کھتری تھا اور چھوٹی عمر میں اس کی وڈالا کے ایک سکھ کھتری کی لڑکی سے شادی ہوگئی تھی حقیقت رائے ملا کے پاس فارسی پڑھنے جایا کرتا تھا - اس کی عمر تیرہ برس کی تھی - جب ایک دن ملا کی غیر حاضری میں لڑکوں سے جھگڑا ہوگیا - مسلمان لڑکوں نے دیوی کو گالیاں دیں حقیقت رائے دیوی پر بڑی شردھا رکھتا تھا - اس نے دیوی کے بدلے میں حضرت کی لڑکی بی بی فاطمہ کو گالی دیدی - ایک ہندو لڑکا اتنی جرأت کر سکے یہ

غضب کی بات تھی۔ ملّا واپس آیا۔ مسلمان لڑکوں نے اس کے پاس شکایت کی۔ حقیقت رائے نے اپنا قصور مان لیا۔ لیکن کہا کہ مسلمان لڑکوں نے دیوی کو گالیاں دی تھیں جس کے پاس اگر بھی ننگے پاؤں چلکر آیا تھا۔ ملّا اس سے خفا ہو گیا۔ اور اسے قاضی کی کچہری میں لے گیا قاضی اُسے شہر کے حاکم کے پاس لے گیا۔ حقیقت کے ماں باپ یہ خبر سن کر دوڑے دوڑے حاکم کے پاس آئے اور اس کے پاؤں پکڑ معافی مانگی کہ بچہ ہے غلطی سے اس کے منہ سے لفظ نکل گئے ہیں اس پر رحم کیا جائے۔ قاضی اور مُلّا چاہتے تھے کہ حقیقت کو مسلمان بنایا جائے نہیں تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے اس غرض سے شہر کے مسلمانوں میں شور سا پیدا کر دیا۔ حاکم امیر بیگ اتنے ظلم کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے علماء کے سامنے یہ معاملہ رکھدیا۔ علماء نے وہی فتوٰے دیا جو ملاؤں کو دینا چاہیئے یعنی اسلام یا موت۔ حاکم دل سے نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے بڑے بڑے نتیجے نکلیں گے۔ علماء نے کہا "ایسا کرنا مذہبی فرض ہے۔ تمام دنیاوی خیالات کو ایسے موقعہ پر پرے رکھدینا چاہیئے" بہت سے مسلمان اس کی عدالت کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس نے تنگ آکر یہ فیصلہ کیا کہ مقدمہ لاہور کے ناظم کی عدالت میں بھیجدیا جائے۔ سیالکوٹ سے لاہور تک ہر قصبے کے لوگ بیچارے لڑکے کو دیکھنے آتے اور قاضی سے اسکے لیئے رحم کی درخواست کرتے تھے۔ کئی مسلمانوں نے بھی جن میں شاہدرہ کا مقدم مردگاہی بھی ایک تھا۔ سفارش کی مگر فائدہ نہ ہوا۔ لاہور کے ناظم کا فیصلہ علماء کے فتوٰے کے مطابق تھا۔ لیکن اس نے حقیقت پر

رحم کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر وہ مسلمان بن جائیگا تو اسے بے شمار تنخواہ ملجائے گا اور بڑے دنیاوی فائدے حاصل ہونگے۔ اس کی ماں بھی دوڑی آئی اور بیٹے سے کہنے لگی بیٹا اچھا ہے کسی طرح سے اپنی جان بچاؤ۔ حقیقت نے ماں کو جواب دیا "مرنا ہر حالت میں لازمی ہے میں دہرم چھوڑ کر مرنا نہیں چاہتا" اس کی بیوی کا دکھ ماں باپ اور دوستوں کی جدائی ایک طرف تھی دہرم دوسری طرف تھا۔ حقیقت نے دہرم کا راستہ چن لیا اور اس کے بدلے اپنا سر کٹوا دیا۔ تمام ہندو آبادی کی آہ و زاری کے درمیان لاہور شہر کے مرکز میں اس بے گناہ معصوم پر تلوار چلائی گئی تمام شہر کے چھوٹے اور بڑے اس کے جنازے کے ساتھ ہو گئے اور اس کی راکھ لاہور سے ۴ میل کے فاصلے پر گاڑی گئی۔ جہاں کہ بسنت پنچمی کے دن جس دن کہ حقیقت قتل ہوا اس کی سمادھی پر ہر سال بڑا بھاری میلا لگتا ہے۔

## خالصہ کی جد و جہد

بیراگی کی موت پر آٹھ سال تک سکھ کا نام و نشان ہی گم ہو گیا۔ اس کے بعد جب خالصہ پھر میدان میں آتا ہے تو اس وقت تت خالصہ کی پارٹی ہی اپنا کام شروع کرتی ہے۔ ہم نے اتنا ذکر کر دیا ہے کہ ۱۷۱۴ء میں بیراگی کے ساتھی سکھ پنتھ میں سے بالکل نکل گئے اس وقت سے سکھی تحریک تو ایک معنوں میں بالکل قومیت کے بھاؤ سے خالی ہو کر ایک فرقہ بنجاتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خالصہ کا ہندو دہرم سے کوئی سمبندھ نہیں خالصہ ہندوؤں میں سے پیدا کیا گیا تھا۔ اس کے پیدا کرنے والے سب پکے ہندو تھے۔ اس میں بہت سے لوگ ایسے

تھے جبکہ ہندو دھرم کی سب باتیں مانتے اور اس پر چلتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ تمام ہندو رسوم کو مانتے تھے۔ آنکا اعتقاد ہندو دھرم کے تمام مسائل پر تھا۔ برہمن ان کے دربار میں معزز رہتے تھے اور ان کی عزت کی جاتی تھی۔ مہاراجہ صاحب جوالا مکھی اور ہردوار کو، پوری شردھا سے جایا کرتے تھے جہاں ہندو جاتے ہیں۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ جب سکھوں کے سامنے امتحان کا ایک موقعہ آیا تو اپنے آپکو علیحدہ سمجھنے اور دیا قوموں سے تمیز کرنے کے خیال سے معاوضہ دکھلایا کہ خالصہ ایک جدا طاقت بن گئی۔

سنہ ۱۷۲۳ء میں خالصہ کے گروہوں نے جگہ بہ جگہ مار دھاڑ شروع کر دی۔ ان کا مقصد ایسے غداروں پر بڑا جنہوں نے ان کی غیر حاضری میں ان کے لئے کئی عورتوں اور بچوں پر ظلم کرائے تھے عبد الصمد کو سنہ ۱۷۲۶ء میں ملتان بدل دیا گیا۔ اور اسکا بیٹا ذکریا خان خان بہادر، لاہور کا گورنر مقرر ہوا۔ آتے ہی اس نے ایک گشتی دستہ اس غرض سے دورہ کرنے کے لئے مقرہ کیا کہ وہ کہیں سکھوں کو اکٹھا نہ ہونے دے۔ یہ دستہ علاقہ میں برابر پھرتا تھا۔ لیکن شاہی افسروں کے ساتھ سکھوں کے جھگڑے دن بدن ترقی پر ہوتے جاتے تھے ولادان کے تارا سنگھ نے بیح کے حاکم جعفر کو شکست دی۔ سکھوں کے ایک گروہ نے کانا کاچھا کے پاس سرکاری خزانہ لوٹ لیا ایک اور گروہ نے گھوڑوں کے شاہی سوداگر مرتضےٰ خان کو مار ڈالا۔ سنہ ۱۷۳۰ء میں انہوں نے سب خزانہ لوٹ لیا جو کہ چھوڑ

رہا تھا۔ اگلے سال لوٹ مار کرتے ہوئے لاہور شہر کے دروازہ تک آپہنچے
اور شہر کے مسلمان گورنر کی مدد کو اکٹھے ہو گئے۔ اور سکھوں کو دو بار پیچھے
ہٹا دیا مگر آخیر میں انہیں بڑا نقصان اٹھا کر شکست کھانی پڑی ۱۷۳۳ء میں
خان بہادر نے صلح کی چال چلی۔ سکھوں کے دبانے کا ارادہ کیا بادشاہ دہلی
کی طرف سے ایک لاکھ کی جاگیر اور ان کے لیڈر کے لئے نواب کا خطاب
بھیجا گیا۔ سکھوں نے پہلے تو اسے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن بعد
یہ مناسب سمجھا گیا کہ اسے منظور کر لیا جائے۔ لیکن کوئی آدمی خطاب کے
لئے تیار نہ تھا۔ آخر فیض پور کے ایک جاٹ کپور سنگھ نے جو پنکھے کا کام
کر رہا تھا منظور کر لیا۔ اور وہ نواب کپور سنگھ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ شخص
بعد میں ایک مثل کا بانی ہوا ہے۔ اس کی زندگی ایسی سادہ اور ادنیٰ تھی
کہ اس نے سینکڑوں جاٹوں۔ ترکھانوں۔ جھیوروں اور جلاہوں کو
پاہل دی وہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے پانچ سو مسلمانوں کو
قتل کیا ہے۔ ۱۷۳۴ء میں سکھوں کے دو دلوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک بڈھا
دل تھا اور دوسرا ترون دل۔ اس ترون دل کے پانچ مختلف حصے تھے
جس میں ایک مذہبی سکھوں کا تھا۔ جس کے افسر ہری سنگھ اور امر سنگھ تھے۔
ایک کھتری سکھوں کا جس کے افسر دہرم سنگھ اور پریم سنگھ تھے ان کے
علاوہ تین جاٹوں کے تھے جن کے افسر دلیپ سنگھ شہید۔ وسوندھ سنگھ
باواسا مین سنگھ اور جیود سنگھ تھے یہ سب امرتسر کے گرد و نواح میں دیہات
میں آباد ہو گئے۔ اور ترون دل نے نئے سرے سے لوٹ مار شروع کر دی
لاہور کا دیوان لکھپت رائے فوج لیکر آن پہونچا اور انکو ستلج پار بھگا دیا
۱۷۳۵ء میں ان کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ ۱۷۳۹ء میں نواب کپور سنگھ نے لاہور

کے ایک جرنیل حبیب خاں کا امرتسر کے پاس وسلرکی میں مقابلہ کیا مگر شکست اُٹھائی۔ تب بڈھے اور نوجوان دل دونوں نے ملکر جموں شاہ مقیم کے پاس مغل فوج کو شکست دی۔ اسی طرح دو سال تک اور خالصہ اسی قسم کے لڑائی جھگڑوں میں مشغول رہا اور اپنے عروج کا راستہ صاف کرتا گیا۔

نادر شاہ کے حملے سے پہلے دہلی کی مغل گورنمنٹ عیاشی اور تفرقات سے سخت کمزور ہو رہی تھی۔ محمد شاہ دن رات رنگ راگ تماشوں اور ناچوں میں مشغول رہتا تھا۔ اس نے نادر شاہ کی چٹھی کا دو سال تک جواب نہ دیا اور جب نادر ہندوستان کو آرہا تھا تو اس نے ایک اور چٹھی لکھی جسے محمد شاہ نے حافظؒ کا ایک شعر پڑھکر کے شراب کے پیالے میں ڈبو دیا۔ اس کی سب سے پیاری بیگم ایک ہندو ناچنے والی عورت تھی جس سے احمد شاہ پیدا ہوا جو کہ محمد شاہ کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے دونوں والدین سے ہی سیکھا تھا کہ اپنا سارا وقت عیاشی اور موج میں گذارے۔ اسکا حرم سرائے ایک میل لمبائی تک پھیلا ہوا تھا۔ دربار میں دھڑا بندی کا اتنا زور تھا کہ ایک پارٹی کے لوگ اپنے حریف کی طاقت کی نسبت سلطنت کی بربادی کو ترجیح دیتے تھے آصف جاہ کو مخول سے یہ کہا گیا۔ کہ وہ بادشاہ کے آگے بندر کی طرح ناچتا ہے۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ دہلی کے ہر ایک برج اور مینار سے پر بندر نچا کر ہی خوش ہو گا اور اس نے نادر شاہ کو دہلی بلانے کے لیے چٹھی لکھ بھیجی۔ بنگال دکن اور اودھ میں صوبہ داروں نے اپنی خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔ راجپوتوں نے مغل زنجیروں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا

روہیلوں نے روہیلکھنڈ میں اور جاٹوں نے بھرت پور میں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ ان سب سے بڑھ کر دنیا حیران رہ گئی جب مرہٹہ پیشوا باجی راؤ فوج لیے آگرہ سے دہلی میں آموجود ہوا۔

جو حالت دہلی گورنمنٹ کی تھی اس کی حالت پنجاب میں لاہور میں آ ظاہر ہوئی۔ اگرچہ لاہور دوسرے صوبوں کی طرح خود مختار نہ بن سکا جب ذکریا خاں لاہور کا گورنر تھا۔ اسوقت جسپت رائے دوابہ جالندھر کا گورنر تھا۔ ذکریا خاں نے جسپت رائے کو ایک چھوٹے پرگنہ ایمن آباد میں تبدیل کر دیا۔ اور اس کی جگہ اوینہ بیگ کو مقرر کیا جسپت رائے اور اسکا بھائی دیوان لکھپت رائے اوینہ بیگ سے حسد رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح سے اسکا تنزل کر دیا جائے جسپت رائے سکھوں کو بہکاتا تھا کہ وہ جالندھر دوابہ میں شورش برپا کریں اودہر اوینہ بیگ یہ چاہتا تھا کہ پنجاب کے سکھ بغاوت کھڑی کریں۔ سکھوں کے دلوں سے اسطرح گورنمنٹ کا خوف جاتا رہا اور وہ ملک میں ابتری پھیلانے کے درپے ہو گئے۔ پنجاب کی یہ حالت تھی جبکہ ۱۷۳۹ء کے شروع میں نادر کا حملہ ہوا۔ لاہور گورنمنٹ کو ایک خوفناک دشمن کا مقابلہ آپڑا۔ اور انہوں نے سکھوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ سکھوں نے ڈیرہ بابا نانک کے پاس دلی وال کے مقام پر راوی کے کنارے ایک چھوٹا سا قلعہ بنا لیا۔ اس جگہ سے سکھ نکلتے تھے۔ سرکاری افسروں اور مسلمانوں کے گاؤں کو اور ان ہندوؤں کو لوٹتے تھے جو کہ مسلمان گورنمنٹ کے طرفدار تھے انہوں نے نادر کو بھی نہ چھوڑا اور اس کی فوج کے اس حصے پر جا پڑے جو کہ دہلی لوٹنے کے لئے

داڑھیاں بھی پھر ان کے ہاتھ لگائے کر چلدیئے۔ نادر نے کہا یہ لمبے بالوں والے
وحشی کہاں سے آتے ہیں جو اسطرح مجھے تکلیف دینے کی جرأت کرتے
ہیں انکو اور ان کے گھروں کو تباہ کر دینا چاہیئے۔ نادر کو جواب ملا کہ
اُن کے گھر ان کے گھوڑوں کی کاٹھیاں ہیں کیونکہ کچھ عرصہ تک اسی طرح
ادھر ادھر بھاگتے رہے۔ اخر ایمن آباد کے پاس دو ہزار کی تعداد میں اکٹھے
ہوگئے اور ساتھ کے گاؤں سے لگان وصول کرنا شروع کر دیا۔ ایک دن
ایک دیہاتی نے موضع کھکراں میں جسپت رائے کے پاس آکر شکایت
کی کہ سکھ اس کی بھیڑوں اور بکریوں کے گلے کو لے گئے ہیں اور روڑی
صاحب میں بیٹھکر کھا رہے ہیں۔ جسپت رائے نے انکو کہلا بھیجا کہ وہ وہاں
سے چلے جائیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ فوج لیکر جا پہونچا
لڑائی کے وقت ایک رنگریٹا سکھ ہاتھی کی دم پکڑ کر ہودے پر چڑھ
گیا اور جسپت رائے کا سر کاٹ کر دوڑ گیا۔ دیوان لکھپت رائے یہ سنتے
ہی آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا "اگرچہ سکھی کے چلانیوالا کھتری تھا
لیکن میں اپنے آپکو کھتری نہیں کہوں گا۔ اگر میں سکھی کو صفحہ ہستی سے
مٹا نہ دوں"۔ تمام فوج کو ساتھ لیکر وہ سکھوں کے تعاقب میں چل پڑا جموں
کے پاس انہیں شکست دی اور بہت سے قید کر کے لے آیا۔ دہلی دروازہ
کے باہر اس مقام پر ان کو قتل کر دیا جسے شہید گنج کہا جاتا ہے اور ایک
اعلان نکلوایا کہ جو کوئی گورو گوبند کا نام لے گا اسکا پیٹ چاک کیا جائیگا
سکھوں کو پھر ادھر ادھر تھوڑی دیر کے لئے بھاگ جانا پڑا۔ لیکن لکھپت
کے اپنے دن نزدیک آ رہے تھے۔ لاہور کے گورنر یحییٰ خاں کا بھائی
شاہنواز خاں ملتان کا گورنر تھا اس نے ۱۷۴۵ء میں لاہور پر حملہ

یحیٰی خاں اور لکھپت رائے کو نکال دیا اور خود مالک بن بیٹھا۔ دہلی کی گورنمنٹ
سے ڈر کر شاہ نواز کو ایک نئی بات سوجھی اس نے احمد شاہ درانی کو
جو کہ نادر کی جگہ غزنی کا بادشاہ بن گیا تھا۔ ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیئے
بلا بھیجا۔ اور خود اس کا مطیع ہونا منظور کیا۔ احمد شاہ آگے ہی ہندوستان
پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ فوراً دس ہزار سوار لے کر پشاور کی طرف
روانہ ہوا۔ اتنے میں شاہ نواز کو اس دھوکے بازی کے لیئے ملامت کیگئی
اور اُسے لاہور کی گورنری پر مستقل کرنے کا وعدہ کر دیا گیا۔ اگر وہ حملہ آور کے
مقابلے پر طیار ہو جائے۔ پشاور پہنچکر احمد شاہ نے شاہ نواز کے پاس قاصد
بھیجا۔ یہ قاصد بڑا بیہودہ اور گھمنڈی سا شخص تھا۔ اس نے شاہ نواز کو ناراض
کر دیا اور ناکام واپس چلا گیا۔ رہتاس پہنچکر احمد شاہ نے اپنے پیر کے
بیٹے صابر شاہ کو شاہ نواز کے پاس بھیجا۔ شاہ نواز نے اُس سے لاپرواہی
سے سوال کیا۔ "بھائی احمد شاہ کیسا ہے"؟ صابر شاہ نے اسے اس
گستاخانہ سوال پر لعنت ملامت کی جس سے شاہ نواز کو اتنا غصہ آیا کہ اُس
کے مُنہ میں گلا ہوا سکہ ڈال کر اُسے مروا ڈالا۔ احمد شاہ لاہور پر چڑھ آیا
اور تھوڑے سے مقابلے کے بعد اُسے فتح کر لیا۔ شاہ نواز دہلی بھاگ
گیا۔ احمد شاہ نے لکھپت رائے کو لاہور کا گورنر مقرر کیا اور قصور کے
جملہ خان کو اُس کا صلاح کار بنایا۔ احمد خاں دہلی کی طرف کوچ کر رہا تھا
سرہند میں اسے ایک بڑی شکست ملی جس سے وہ جلدی سے کابل
واپس چلا گیا۔

سکھوں کو یہ موقعہ ایشور کی طرف سے ملا۔ وہ پھر میدان میں
نکل آئے اور آتے ہی حملہ آور کی فوج کے پیچھے پڑ گئے۔ ایک تو

اُنہیں بہت سی لوٹ ہاتھ لگی اور دوسرا پٹھانوں کا تعاقب کرنے سے اُن کا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ اس لوٹ سے سکھوں نے رام رونی کا قلعہ طیار کیا۔ اس وقت اُن کا ایک بڑا بھاری لیڈر جتا سنگھ پیدا ہو گیا جس نے پنجاب میں ایک نئی گورنمنٹ کی موجودگی کا اعلان کیا۔

**میر منوں**

سرہند کی لڑائی میں بوڑھا وزیر اپنے خیمے میں قرآن پڑھتا مارا گیا۔ اُسکے بڑے بیٹے معین الدین امیر منوں کی بہادری سے احمد شاہ ابدالی کو شکست ہوئی۔ وزیر کا عہدہ صفدر جنگ کو ملا جو کہ اودھ کے صوبہ دار سعادت خاں کا داماد تھا۔ صفدر جنگ کو معین الدین کی طاقت کا خوف تھا۔ اس لئے اُس سے بچنے کے لئے اُس نے اُس کو لاہور اور ملتان کا گورنر بنا کر دہلی سے باہر بھیج دیا۔ جب میر منوں ۱۷۴۸ء میں لاہور پہنچا تو پنجاب میں ہر ایک جگہ سکھوں کا غلبہ ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے جگہ جگہ اپنے گروہ قائم کر لئے تھے اور یہ گروہ ندھڑک سب جگہ لوٹ مار کرتے تھے۔ میر منوں کو آتے ہی سکھوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ اُس نے رام رونی کے قلعے کو فتح کر کے گرا دیا اور سب علاقوں میں فوج کے دستے مقرر کر دیئے تاکہ جہاں کوئی سکھ ملے اُس کے بال کاٹ دیں۔ سکھوں کو پھر جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ جانا پڑا۔ میر منوں نے پہاڑی راجاؤں کو حکم لکھ بھیجا کہ وہ سکھوں کو اپنے ہاں نہ رہنے دیں اور اُن کو گرفتار کر کے لاہور پہنچتے جائیں۔ ہر روز کئی سکھ پکڑے ہوئے آنے لگے جن کو اُسی شہید گنج کے مقام پر قتل کیا جاتا تھا۔ میر منوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ سکھوں کو بالکل تباہ کر دے لیکن اُس کی بدقسمتی سے

احمد شاہ ابدالی سندھ پار ہؤا اور اپنا پچھلا داغ دھونے کیلئے لاہور کی طرف بڑھنے لگا۔ منوں نے دہلی فوج کے لیئے لکھ بھیجا لیکن وہاں اُس کی چٹھی کی کون پرواہ کرتا تھا۔ وہاں تو ناچ رنگ سے کسی کو فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ جب منوں کو دہلی سے بالکل مایوسی ہوگئی اور ادھر ابدالی چناب تک آپہنچا۔ اُس نے اپنی فوج اکٹھی کی اور مقابلے کے لیئے آگے بڑھا۔ چناب کے کنارے سُدھرا کے مقام پر تھوڑی لڑائی ہوئی جس میں منوں نے دیکھ لیا کہ وہ مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ اُس نے صلح کے لیئے درخواست کردی۔ ابدالی کو اپنے پیچھے گھر میں تکلیف سی معلوم ہوئی۔ وہ چار ضلعوں پسرور۔ گجرات۔ سیالکوٹ اور اورنگ آباد کا لگان بطور اخراج اقرار لیکر واپس چلا گیا۔ جب منوں اس لڑائی میں مشغول تھا تو سکھ جو کہ منوں سے دل سے نفرت کرتے تھے۔ لاہور پر آپڑے۔ لُوٹ مار کی اور باہر کے شہر کو آگ لگا کر خاک بنا دیا۔ منوں نے آکر شہر کی حالت دیکھی اور پھر سکھوں کے بر خلاف سختیاں شروع کردیں۔ جہاں کہیں جنگل میں یا پہاڑی میں کوئی سکھ ملتا تھا اُسے گرفتار کرکے قتل کروا دیا جاتا۔ سکھوں میں بھی یہ ضرب المثل عام مشہور ہوگئی۔

منوں اساڈی داتری، اسیں ہاں منوں دے سوئے
جوں جوں منوں وڈھدا، گھریں گھریں اسیں ہوئے

ادھر وزیر صفدر جنگ منوں کی طاقت سے خوف کھانے لگا۔ اور اُس نے پھر شاہ نواز خاں کو ملتان کی گورنری پر مقرر کردیا۔ میر منوں نے اپنے دیوان کوڑا مل کو اُسے روکنے کے لیئے روانہ کیا۔ اس

لڑائی میں کوڑا مل کو سکھوں کی مدد سے کامیابی ہوئی اور شاہ نواز اُس میں مارا گیا۔ منّوں اس سے بڑا خوش ہوا۔ اُس نے کوڑا مل کو مہاراجہ کا خطاب دے کر ملتان کا گورنر بنا دیا اور دہلی سے خود مختار بن بیٹھا۔ نہ صرف دہلی سے بے پرواہ ہو گیا بلکہ اُس نے ابدالی کو اپنا خراج بھیجنے سے انکار کر دیا۔ ابدالی ۱۷۵۱ء میں سندھ پار ہوا اور چناب پہنچ کر اپنے ایجنٹ دیوان سکھ جیون مل کو لاہور روانہ کیا۔ پہلے تو میر منّوں نے خراج دینے سے اپنی ناقابلیت ظاہر کی لیکن یہ کہا کہ چونکہ شاہ نے پنجاب میں آنے کی تکلیف گوارا کی اس لئے وہ سب بقایا وصول کر کے بھیج دیگا بشرطیکہ بادشاہ کابل کو واپس چلا جائے۔ کیونکہ اُس کے آنے کی خبر سنکر ڈر کے مارے سب زمیندار بھاگ گئے تھے اور لگان وصول کرنا ناممکن تھا۔ منّوں یہ سمجھتا تھا کہ یہ جواب تسلی بخش نہیں ہے۔ ابدالی لاہور پر روانہ ہوا اور منّوں فوج لے کر چناب تک جا پہنچا۔ چھ ماہ تک چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہیں جس کے بعد منّوں کو ایک بڑی شکست ملی جس میں بہادر راجہ کوڑا مل بھی بھاگ گیا۔ منّوں کو آخر کار اطاعت ماننی پڑی۔ اس وقت ابدالی اور منّوں کے درمیان دلچسپ سوال و جواب ہوئے۔

شاہ :- "تم نے پہلے میرے آگے سجدہ کیوں نہیں کیا"؟

منّوں :- "کیونکہ میں پہلے ایک اور مالک کو سجدہ کرتا تھا"!

شاہ :- "اب وہ تمہارا مالک تمہاری مدد کرنے کو کیوں نہیں آیا"؟

منّوں :- "کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اُس کا نوکر اپنی حفاظت کر سکتا ہے"!

شاہ :- "تم کیا کرتے اگر میں تمہارے ہاتھ میں پڑ جاتا"؟

منّوں :- "میں تمہارا سر کاٹ کر دہلی میں اپنے آقا کے پاس بھیج دیتا"۔

شاہ :۔ اب تم میرے ہاتھ میں ہو۔ مجھ سے تم کیا اُمید رکھتے ہو؟

مُنّوں :۔ اگر تم سوداگر ہو تو مجھے بیچ دو! اگر تم ظالم ہو تو مجھے قتل کر دو! اور اگر تم بادشاہ ہو تو مجھے معاف کر دو!

شاہ :۔ اس نوجوان کی صاف دلی اور حاضر جوابی کو دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ نہ صرف اس کی جان بخشی بلکہ فرزند خان بہادر رستم ہند کا خطاب دیکر دہلی کی گورنری میں مستقل کر دیا۔"

اس عرصہ میں سکھ برابر اپنے کام میں لگے رہے۔ انہوں نے امرتسر اور پہاڑوں کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ مُنّوں لاہور آکر سکھوں کی طرف متوجہ ہوا اور ادینہ بیگ کو اُن کی تنبیہ کے لئے مقرر کیا۔ ادینہ بیگ سکھوں وال میں جہاں کہ وہ تیوہار پر اکٹھے ہوئے تھے جا پڑا اور انہیں ایک شکست دی لیکن وہ اُن کی طاقت بالکل تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اُن کے ساتھ سمجھوتا کر کے اپنی ملازمت میں لے لیا جن میں ایک جسا سنگھ ترکھان بھی تھا اور دوسروں سے اقرار لیا کہ وہ بہت زیادہ لگان نہ وصول کریں۔ مُنّوں ۱۷۵۳ء میں مرگیا۔ اُس کی جگہ اُس کی عورت مراد بیگم اپنے بچے کے نام سے حکومت کرنے لگی۔ پنجاب اس وقت کابل کی حکومت کے نیچے تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بچہ چیچک سے مرگیا۔ اور مراد بیگم نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سکھ ایک عورت کی حکومت سے فائدہ اٹھائے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ پہلے پہل تو امرا لوگ اُس کے ساتھ رہے۔ لیکن جلدی ہی اُس نے اپنی کمزوری دکھانی شروع کر دی اور سب نے دربار جانا چھوڑ دیا اور اُس کے چلن کے برخلاف دہلی شکایتیں لکھ بھیجیں۔ دہلی میں غازی الدین عماد جنگ

کو نکال کر وزیر بن بیٹھا تھا۔ میر منّو کی لڑکی سے منگائی ہوئی تھی ساس نے
اپنے ایک معتبر نوکر سید جمال کو لاہور روانہ کیا تاکہ اُس کی ساس کی
امداد کرے۔ بیگم جلدی ہی اُس کے مشورے سے تنگ آگئی اور کابل
چٹھیاں لکھنی شروع کیں۔ اس پر غازی الدین فوج لے کر لاہور چڑھ آیا اور
لڑکی اور ماں کو ساتھ لے کر دہلی واپس چلا گیا۔ جہاں جا کر لڑکی سے اُس نے
شادی کر لی اور ادینہ بیگ کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ سکھوں نے سارے
پنجاب میں سرکاری انتظام کو درہم برہم کر دیا۔ اتنے میں احمد شاہ دُرانی لاہور
میں اس انقلاب کی خبر سنکر ۱۷۵۶ء میں لاہور پر حملہ آور ہوا۔ ادینہ بیگ
پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ ابدالی سرہند ہوتا ہوا دہلی جا پہنچا۔ دہلی کو لوٹا اور
محمد شاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ نجیب الدولہ کو وزیر مقرر کر کے متھرا اور
آگرے کے شہروں کی لوٹ مار کر واپس چلا گیا لیکن پنجاب میں سے گزرتے
ہوئے سکھوں نے اُس کی فوج پر حملے کئے اور لوٹ کا بہت سامان و متاع
لے کر بھاگ گئے۔ وہ سکھوں کی تنبیہ کے لئے ٹھہر جاتا لیکن ترکستان
میں ایک بغاوت ہو گئی تھی اس لئے اپنے بیٹے تیمور کو پنجاب کی حکومت
کے لئے چھوڑ کر آپ واپس چلا گیا۔

**جسا سنگھ** تیمور پہلے سکھوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جسا سنگھ ترکھان نے رام رونی
کا قلعہ بنا لیا تھا اور اس کا نام رام گڑھ رکھا تھا۔ قلعے پر حملہ کر کے اُسے
زمین کے ساتھ ملا دیا گیا۔ ادینہ بیگ نے بہت سے سکھوں کو اپنا ملازم
رکھ کر جالندھر دوآب پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیمور نے پہلے اُسے لاہور بلا
بھیجا لیکن ادینہ بیگ نے انکار کیا تو تیمور نے اُس کے برخلاف مراد خاں
کو بھیجا۔ جسے ادینہ بیگ نے شکست دی۔ تیمور نے مراد کو مہوڑ کے

کے امام ملک کو قتل کرا دیا اور خود ادینہ بیگ سکھوں کے برخلاف روانہ ہوا۔
جن سے ادینہ بیگ پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ بہت سے سکھ
پہاڑوں میں بھاگے ہوئے جمع تھے۔ سب نے ایک تجویز کر کے لاہور
پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے فوج کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک کا
افسر جسا سنگھ کلال تھا اور دوسرے کا جسا سنگھ رام گڑھیا (ترکھان)
جسا سنگھ سیدھا لاہور پر چڑھ آیا۔ سارے علاقے میں سکھ سوار ہی سوار
معلوم ہوتے تھے۔ سب جگہ انہوں نے اپنے لگان وصول کرنے شروع
کر دیئے۔ کئی چھوٹی موٹی لڑائیوں کے بعد ۱۷۵۸ء کے شروع میں ایک
لڑائی ہوئی جس میں پٹھانوں کو سخت شکست ہوئی۔ یہ پہلی فتح تھی جو کہ
خالصہ نے پٹھانوں کے اوپر حاصل کی۔ فوج کے دوسرے حصے
نے جالندھر دوآب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تیمور اور اس کا محافظ جہان خان
گھبرا کر چناب کو واپس بھاگ گئے۔ وہ رات کو ایسی جلدی میں بھاگے
کہ ان کا کنبہ دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ اگرچہ اسے بعد میں چھوڑ دیا گیا۔
جسا سنگھ کلال نے لاہور کی حکومت سنبھالی۔ اس نے اپنے نام کا سکہ
جاری کیا جس پر فارسی زبان میں یہ حروف لکھے تھے "سکہ زد در جہان بفضل
اکال ملک احمد گرفت جسا کلال"

**لاہور پر** ادینہ بیگ جو کہ سمجھتا تھا کہ وہ سکھوں کو اپنے مطلب کے لئے
استعمال کر رہا ہے اور سکھ لوگ لاہور کی حکومت اس کے ہاتھ میں دے دیں گے
یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اب اسے ایک اور چال کا خیال آیا۔ مرہٹے وزیر
وزیر غازی الدین کی دعوت پر دہلی میں آ پہنچے تھے۔ وہ وہاں گیا اور ان کے
سردار رگھوبا سے کہا کہ وہ پنجاب کو فتح کر کے سندھ تک مرہٹہ حکومت

قائم کرے۔ سولہ ہزار سکھ سپاہی اُس کے ساتھ تھے۔ اُن کو اپنے ساتھ
لے کر جمنا سے رگھوبا کے ساتھ روانہ ہوا۔ آتے ہی سرہند فتح کر کے
ابدالی کے صوبہ دار سمندر خان کو وہاں سے نکال دیا۔ سکھوں نے سرہند
کو خوب لوٹا لیکن مرہٹوں کو لوٹ کا حصّہ نہ دیا۔ مرہٹے اِس سے ناراض
ہو گئے۔ اور سکھوں کو ہٹا دیا۔ ادینہ بیگ نے شالامار باغ میں سوا لاکھ
روپے کے خرچ سے ایک بڑا بھاری پلیٹ فارم طیار کیا جس پر
رگھوبا کو بٹھایا۔ سارے باغ میں روشنی کی گئی اور سب فواروں میں
گلاب چھڑکا گیا۔ تیمور اور جہان خان پنجاب چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مرہٹوں کا
جھنڈا لاہور۔ ملتان اور اٹک میں لہرانے لگا۔ رام جی شام جی ملتان کا گورنر
بنایا گیا۔ صاحب پٹیل اٹک کا اور ادینہ بیگ لاہور کا گورنر مقرر ہوا۔ اگرچہ
سکھ لاہور سے نکل گئے تھے لیکن وہ اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت
جگہ جگہ برابر لوٹ مار کر رہے تھے۔ ماجھا میں اُن کا زور بہت زیادہ
تھا۔ اُنہوں نے امرتسر کا تالاب صاف کیا اور مندر کو ازسرِنو تعمیر کر لیا
مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے تھے جیسا کہ مسلمان حکمران سکھوں
کے ساتھ کرتے رہے تھے۔ ادینہ بیگ نے فوج کا ایک دستہ
میر عزیز بخشی کے ماتحت سکھوں کے برخلاف روانہ کیا جنہوں نے اُن کا
تعاقب کر کے بہت سے سکھ قتل کئے اور باقیوں کو بھگا دیا لیکن ۱۷۵۸ء
میں ادینہ بیگ کے مر جانے پر سکھ پھر اُسی طرح ملک میں آزادی سے
گھومنے لگے۔ اور لوٹ مار کرنے لگے۔ احمد شاہ کو مرہٹوں کے لاہور
میں آنے کی خبر پہنچی اور ۱۷۵۹ء میں وہ پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ مرہٹہ گورنر
سابا جی ملاکر لاہور چھوڑ کر چلا گیا۔ ابدالی نے حاجی کریم خان داد کو لاہور کا گورنر

مقرر کیا اور خود مرہٹوں کے خلاف دہلی پہنچا۔ سنہ ۱۷۶۱ء کے شروع میں پانی پت کی مشہور لڑائی ہوئی جس
میں مرہٹوں کو سخت شکست ہوئی اور ان کی طاقت کو ایسا دھکا لگا کہ مرہٹوں کی امیدیں اس وقت
خاک میں مل گئیں۔ ابدالی کی غیر حاضری میں سکھوں کے بڑے بڑے سردار جسا سنگھ کلال، چڑت سنگھ،
کنہیا، ہری سنگھ بھنگی، گجر سنگھ بھنگی، لہنا سنگھ بھنگی سنہ ۱۷۶۰ء میں بیساکھی کے دن امرتسر میں اکٹھے
ہوئے اور ایک گورمتا کر کے لاہور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے خالصہ کو اکٹھا کر کے لاہور پر
حملہ کر دیا، فصیلوں کو آگ لگا دی اور شہر کو لوٹنا شروع کر دیا اور بڑے بڑے مسلمانوں کا ایک
ڈیپوٹیشن تیس ہزار روپے کا نذرانہ لیکر ان کے پاس حاضر ہوا۔ سکھوں نے نذرانہ لیا
اور لوٹ مار کر کے شہر سے چل دیئے۔ ایک جسا سنگھ رام گڑھیا اور جسا سنگھ کنہیا نے بٹالہ،
کلانور، سری گوبند پور، قادیان، امرتسر، گورداسپور ضلعوں کے بہت سے قصبوں پر قبضہ کر لیا
اس علاقے کی کئی لاکھ سالانہ آمدنی تھی۔ جسا کلال نے سرہند، دیپال پور کو لوٹا اور فیروز پور کے
ضلع میں ڈوگرا اور منی پال میں قلعے بنا لئے۔ اس نے ہوشیارپور اور انبالہ کا کچھ ضلع بھی فتح کر لیا
اور کپورتھلہ کے مسلمان سردار ابراہیم بھٹی سے خراج وصول کیا۔ ابدالی بہار میں واپس لاہور آیا۔
سکھوں کی بابت اس نے سب کچھ سن رکھا تھا لیکن وہ زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکا اور زین خان کو سرہند
کا، سربلند خان کو ملتان کا اور خواجہ عبید خان کو لاہور کا گورنر مقرر کر کے کابل واپس چلا گیا۔
ابھی ابدالی نے پیٹھ پھیری ہی تھی کہ سکھ، سروپ سنگھ لاہور کے نزدیک ہی قلعے بنانے لگ
گئے۔ چڑت سنگھ نے گوجرانوالہ میں اور جگہ جگہ سکھوں کے قلعے بننے لگے۔ ابدالی نے پانی پت
کی لڑائی کے بعد صرف پنجاب کو اپنی حکومت کے لئے رکھا تھا لیکن پنجاب بھی اس کے ہاتھ سے
نکلتا نظر آیا اس لئے اس نے اپنے ایک جرنیل نورالدین خان کو پنجاب روانہ کیا۔ سنہ ۱۷۶۱ء کے
شروع میں سکھوں نے اسے بھاری شکست دی جس کے بعد وہ سیالکوٹ کے قلعے میں بند ہو
گیا اور وہاں سے نکل کر جموں کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔ خالصہ کی دلیری اب بہت بڑھ گئی
اور تمام جگہوں سے لگان وصول کرنے لگے۔ لاہور کا صوبہ دار سکھوں کے برخلاف لڑنے کو
روانہ ہوا۔ ایک شخص مہاشام سنگھ اس کے ساتھ رکتا تھا۔ سکھوں نے اسے پکڑنے کیلئے
عبید خاں سے بات چیت شروع کی۔ اتنے میں رات پڑ گئی۔ افغان فوج میں اچانک حملے کا
شور مچ گیا اور وہ سب گھبرا کر اپنا سامان اور ہتھیار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دیوان سورج رام اور
ہری رام جو بیساکھی بھاگ سکے مسلمانوں کا ایک جرنیل صاحب علی سکھوں کے ساتھ

عبدالصمد خاں جو یہاں صوبہ دار تھا رات کے وقت بھاگ گیا۔ اس کی پامالی کے بعد سکھوں نے جالندھر
سنگھ اور سرہند کے حاکم زین خان کو اور جنڈیالہ کے مہنت کو بالکل اس سے پہلے تنگ
کیا کیونکہ ابدالی کی امداد کی تھی مہنت نے ابدالی کو ایک عرضداشت بھیجی کہ وقت پر اس کی امداد کرے
ابدالی ۱۷۶۲ء کے آخر میں پھر لاہور پہنچا۔ سکھ اس کے آنے پر بھاگ گئے۔ اور ستلج پار ہو کر سرہند
جا پہنچے۔ ابدالی نے تعاقب میں ڈیڑھ سو میل سفر کیا۔ لدھیانہ کے قریب انہیں جا پکڑا جہاں بڑی بھاری
لڑائی ہوئی جس میں سکھوں کو شکست ہوئی اور ان کے نقصان کا اندازہ بارہ سے پچیس ہزار تک
لگایا گیا ہے۔ سکھوں پر اتنی مصیبت پہلے کبھی نہ آئی تھی۔ اس میں پٹیالہ کے شاہی خاندان کا بانی آلا
سنگھ برنالہ میں پکڑا گیا اور زنجیروں میں لاہور لایا گیا۔ اس کی رانی نے فدیہ کے چار لاکھ روپیہ رہائی
کی قیمت دے کر اسے چھڑایا۔ ابدالی نے اتنا خوش ہو کر اس کی ریاست بھی اسے واپس دے دی۔ ابدالی
واپس امرتسر آیا جہاں سنگھ لوگ دیوالی کے موقع پر جمع تھے۔ پٹھانوں کے آنے پر وہ سب بھاگ گئے
پٹھانوں نے نہ صرف ہرمندر کو بارود سے اڑا دیا بلکہ تالاب میں گئووں کو ذبح کیا۔ سکھوں
کے کٹے ہوئے سروں کے کئی مینار کھڑے کئے گئے۔ اور سکھوں کے خون سے مسجدوں کی
دیواروں کو صاف کیا۔ اس نے اپنی توجہ کشمیر کی طرف پھیری جہاں اس کا گورنر سکھ جیون آزاد
ہو بیٹھا تھا۔ سکھ جیون سنگھ ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا کھتری تھا۔ جب بچپن میں اس کے
ماں باپ مر گئے۔ اسے فارسی کی تعلیم بہت اعلٰے دی گئی تھی۔ ۱۶ سال کی
عمر میں وہ ایک قلمدان لے کر پشاور چلا گیا۔ ابدالی کے دربار کے باہر
بیٹھا رہا کرتا تھا۔ ایک مراسلہ پڑھنے کی مشکل کی وجہ سے بادشاہ نے
اسے بلا بھیجا۔ اس کی لیاقت سے بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ اسے اپنے
پاس رکھ لیا۔ اور بعد میں کابل کا صوبہ دار بنا دیا۔ جیون پوٹھوار سے
بہت سے برہمن اپنے ساتھ لے آیا تھا جن کی مدد سے دوسرے دشمنوں

اُس نے کشمیر میں ہندو راج بنا لیا تھا۔ ابدالی نے نورالدین کو فوج دے کر اُس کے برخلاف روانہ کیا۔ جموں کا راجہ رنجیت دیو اُس کی اطاعت کیا۔ سکھوں کے پاس پہنچ کر شکھ جیون کو ایسی شکست ہوئی کہ وہ گرفتار کر کے لاہور لایا گیا۔ یہاں پر پہلے اُس کی آنکھیں نکلوا کر ابدالی نے اُسے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔

ابدالی قندھار میں بغاوت ہو جانے کی وجہ سے واپس ہو گیا اور کابل کے ایک برہمن کابلی مل کو لاہور کا گورنر مقرر کر گیا۔ سکھ اس سے بالکل دب نہیں گئے بلکہ سکھوں کی تاریخ میں کا یہ خاصہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کبھی اُن کو کچلنے کی کوشش کی گئی ہے وہ نئی زندگی حاصل کر کے زیادہ طاقتور نکلے ہیں۔ اس لڑائی کے بعد سکھوں میں یہ خیال زور سے کام کرنے لگا کہ سلطنت کو قائم کرنے کا اُن کو بھی ویسا ہی حق ہے جیسا کہ کسی اور مغل یا پٹھان کا۔ احمد شاہ ابدالی نے آلا سنگھ کو راجہ کا خطاب دیکر سکھوں کے اندر یہ خیال پیدا کر دیا کہ اُن کے سردار بھی راجہ اور مہاراجہ بن سکتے تھے۔

ابدالی کے جانے پر انہوں نے قصور اور مالیر کوٹلہ کو لوٹا اور مالیر کوٹلہ کے نواب بھیکن کو قتل کر ڈالا۔ دسمبر ۱۷۶۳ء میں احمد شاہ کے مقرر کئے ہوئے سرہند کے گورنر زین خان کے برخلاف چڑھائی کا ارادہ کیا۔ دو نو جسا سنگھ اور آلا سنگھ اس مہم میں شامل تھے۔ خالصہ کی تعداد اُس وقت چالیس ہزار کے قریب تھی۔ زین خان اِن کے مقابلہ پر آیا لیکن وہ اور اُس کا نائب بھی مارا گیا۔ ستلج اور جمنا کا علاقہ سکھوں کے ہاتھ میں پڑ گیا جسکو سکھ سرداروں نے بڑی تیزی سے اپنے اندر بانٹ لیا۔ سکھ سپاہی گاؤں میں جاتا تھا۔ خراج مانگتا تھا۔ روپیہ نہ ملنے پر کچھ گڑ مانگتا تھا۔ گڑ نہ ملنے پر کچھ روٹیاں لے کر اُس گاؤں کو اپنا مطیع بنا لیتا تھا۔ سرہند کو برباد کر دیا اور زمین اور اُس کے

بقیہ مقامات آلا سنگھ نے بدہ سنگھ کو پچیس ہزار روپیہ دیکر خرید لئے۔ اس کامیابی سے جوش میں آکر سکھ جمنا پار ہی ہو گئے اور سہارنپور تک سب علاقہ فتح کر لیا۔ نجیب الدولہ اس وقت بھرتپور کے جاٹوں کے ساتھ لڑائی کر رہا تھا۔ سکھوں سے اپنا ملک بچانے کیلئے واپس آیا اور انھیں رشوت دیکر اپنے علاقے سے باہر کیا۔ واپس جاکر اُس نے جاٹوں کو ایک شکست دی جس میں اُن کا راجہ سورج مل مارا گیا لیکن جلدی ہی سورج مل کے بیٹے نے سکھوں اور مرہٹوں کے ساتھ شامل ہو کر دہلی کو گھیر لیا اور نجیب الدولہ کا ناک میں دم کر دیا۔

**سکھ لاہور میں**

نجیب الدولہ کابلی مل کو دہلی کا وزیر مقرر کیا تھا اُسکی حالت خبر سنکر ابدالی ساتویں دن ۱۷۶۲ء میں ہندوستان کو آیا لیکن افغانستان میں گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا اور اُسے واپس جانا پڑا۔ جاتے ہوئے اُس نے آلا سنگھ کو مہاراجہ کا خطاب دے کر سرہند کا گورنر مقرر کر دیا لیکن دہلی کا محاصرہ حملہ آوروں کے باہمی جھگڑے کی وجہ سے اُٹھا لینا پڑا۔ اِس عرصہ میں سکھوں نے لاہور کے گرد و نواح میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ سردار ہری سنگھ بھنگی کا قائم مقام ٹیک چند لاہور دربار میں رہتا تھا اور کابلی مل کو انتظام میں مدد دیتا تھا۔ صوبہ سنگھ کا منشی شاہ عالمی دروازہ پر پٹھان افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا چنگی کے محصول میں سے مقررہ حصہ وصول کرتا تھا۔ انہوں نے ایک موقعہ پر کابلی مل کو مجبور کیا کہ اُن بوچڑوں کو جو گائے ذبح کرتے ہیں اُن کے حوالے دے۔ یہ بیچارہ گھبرا گیا۔ سمجھوتہ ہو گیا اور بوچڑوں کو ناک کاٹ کر شہر سے باہر کر دیا گیا۔ احمد شاہ نے واپس جاتے ہوئے یہ سب حال دیکھ لیا۔ اُس نے سکھوں کو کلانور کی طرف بھگا دیا لیکن اور کچھ کئے

سیدھا واپس چلا گیا۔ اُس کا جانا ہی تھا کہ سکھ سردار پھر لاہور آ پہنچے اور بھنگی سردار لہنا سنگھ اور گجر سنگھ نے باغبانپورہ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ ڈیرے لگا دیئے اور گاؤں کے آرائیوں سلطان۔ غلام رسول سا اشرف وغیرہ کے ساتھ ملکر جو کہ قلعے میں مالی کا کام کرتے تھے قلعہ لینے کی سازش کی۔ قلعہ کا تھانیدار نند رام پوربیا بھی ساتھ ملا لیا گیا۔ گجر سنگھ پچاس بہادر سپاہیوں کو لے کر آدھی رات قلعہ کی دیوار توڑ کر قلعے کے اندر داخل ہو گیا جس مکان میں احمد شاہ لاہور میں ٹھیرنے کے وقت رہا کرتا تھا اُسے آگ لگا دی گئی۔ لہنا سنگھ کیلئے یہ ایک نشانی تھی جو باہر فوج لئے ہوئے انتظار کر رہا تھا۔ کابلی مل بھی نہ تھا۔ ساری خالصہ فوج اندر داخل ہو گئی۔ کابلی مل کے بھتیجے امر سنگھ اور اُس کے داماد جگن ناتھ نے تھوڑا بہت مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہو گئے اور خالصہ کا جھنڈا قلعے پر لہرانے لگا۔ شہر کے اندر لوٹ مار شروع ہو گئی لیکن ہندو اور مسلمان رئیسوں میں چودھری رُوپا۔ لالہ کشن سنگھ۔ دیا رام سنگھ۔ حافظ قادر بخش اور میر نتھو شاہ کی درخواست پر لوٹ بند کی گئی۔ شہر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ جنوبی لاہور نیاز بیگ تک سوبھا سنگھ کے ساتھ میں آیا۔ کابلی مل کی حویلی اور مشرقی حصہ گوجر سنگھ کے (جس حصے کا نام ابھی تک قلعہ گجر سنگھ ہے) لہنا سنگھ قلعے اور شاہی مسجد پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد دریا جہلم تک سارا علاقہ خالصہ کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۷۶۵ء میں سب سکھوں نے امرتسر میں ایک بڑا بھاری گورمتا کیا۔ اُس گورمتا میں اعلان کیا کہ پنجاب میں خالصہ کا راج ہو گیا ہے اور ایک سکہ جاری کیا جس پر یہ حروف لکھے تھے "دیگ وتیغ فتح نصرت بیدرنگ۔ یافت از نانک گورو گوبند سنگھ" قریباً دو سال امن و آرام میں گذرے لیکن ۱۷۶۷ء میں ابدالی نے ایک

پھر پنجاب لینے کی کوشش کی لیکن ابدالی اب بڑھا تھا۔ اُس کی ناک میں ناسور کی بیماری تھی۔ سکھوں نے جہلم اور جمنا کے درمیان اپنا غلبہ جما لیا تھا اُس نے دیکھا کہ وہ اب زور سے پنجاب نہ لے سکتا تھا اس لئے اُس نے صلح کے ساتھ مطلب نکالنا چاہا۔ سکھ سردار اُس کے آنے پر لاہور سے بھاگ گئے۔ اُس نے لہنا سنگھ کو بلا بھیجا لیکن وہ نہ آیا اگرچہ شہر کے لوگوں نے شاہ کو جا کر بتایا کہ لہنا سنگھ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہ کرتا تھا۔ وہ شہر کے قاضی مفتی اماموں کی بھی ایسی عزت کرتا تھا جیسی کہ ہندو بزرگوں کی احمد شاہ نے بڑا افسوس کیا کہ لہنا سنگھ جیسا آدمی لاہور سے بھاگ گیا ہے اور اُسے لاہور کا گورنر مقرر کرنے کی چٹھی لکھی۔ لہنا سنگھ نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ اسکو قبول کرنے سے وہ خالصہ کی نظر میں گر جائیگا۔ احمد شاہ نے اُسے پھلوں کا کچھ تحفہ بھی بھیجا تھا۔ لہنا سنگھ نے وہ بھی واپس بھیجدیا اور کہا کہ "پھل بادشاہ لوگوں کا کھانا ہے۔ میں ایک غریب زمیندار ہوں۔ میرے لئے اناج ہی سب سے اچھی خوراک ہے"۔ ابدالی نے دادن خان کو لاہور کا گورنر مقرر کیا اور شجاع خان کو ملتان کا۔ آلا سنگھ کے بیٹے امر سنگھ کو پٹیالے اور سرہند کے راج پر مستقل کر دیا۔ اُس کے کچھ سپاہی اُس سے باغی ہو کر کابل چلے گئے تھے۔ اُن سے شرارت کے ڈر سے وہ بھی اُن کے پیچھے ہو لیا۔ سکھ اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور اُس کا سامان لوٹنے لگ گئے۔ جونہی کہ وہ سندھ پار گیا سکھ سردار چڑت سنگھ نے رہتاس کے قلعے پر قبضہ کر کے ابدالی کے گورنر سرفراز خاں کو باہر نکالدیا۔ تینوں سکھ سردار لاہور پر آ کر پھر قابض ہو گئے اور خالصہ کی حکومت جمنا سے سندھ تک پھیل گئی۔

ابدالی ۱۷۷۳ء میں فوت ہو گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا تیمور بیٹھا۔

تیمور نے سندھ پر حملہ کیا لیکن پنجاب میں کچھ دخل نہ دیا۔ سہارنپور اور اٹک کا درمیانی علاقہ کچھ سرداروں کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سب سردار اپنے اپنے علاقے کے مالک تھے۔ جنکو مثل کہتے تھے۔ اگرچہ ان میں آپس میں جھگڑے ہوتے رہتے تھے مگر مذہب کے لئے یہ سب ایک ہو جاتے تھے۔ گویا یہ سب ایک مذہبی جمہوریت کے ممبر تھے اور ان کی حکومت مذہبی قانون کے مطابق تھی۔ ہر سال امرتسر میں اکٹھے ہوتے تھے اور اپنی فتوحات بڑھانے کی تجاویز کرتے تھے۔ فتح کئے ہوئے علاقہ پر "راکھی" لگاتے تھے۔ تمام لوٹ مار کے سرداروں کے درمیان بانٹی جاتی تھی۔ سپاہیوں کو اس مشترکہ فنڈ سے تنخواہ ملتی تھی۔ سب سپاہی جو کچھ وہ لوٹتے تھے اس فنڈ میں جمع کرتے تھے۔ سرداروں کا یہ کام تھا کہ وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کا لحاظ رکھیں۔ یہی طریقہ تھا جس سے کہ وہ انکو اپنی نوکری میں رکھ سکتے تھے لیکن ان سپاہیوں کو اختیار تھا کہ وہ ایک سردار کو چھوڑ کر دوسرے کے پاس چلے جائیں۔ سپاہی جو کچھ کرتے تھے۔ لوٹ مار فتح قتل وغیرہ سب کچھ گوبند کے نام پر کرتے تھے خالصہ کا ممبر ہونے کے واسطے ضروری تھا کہ نئے امیدوار کو ہتھیار کا استعمال آتا ہو اور جب وہ خالصہ ممبر بننے آتا تھا۔ وہ ایک تلوار اور بھالہ ساتھ لاتا تھا مسلمانوں کی سختی کے دن آگئے اور وہ گھروں کو چھوڑ کر پناہ کے لئے انگریزی علاقہ میں چلے گئے۔

سکھ لوگ افیم اور بھنگ کا استعمال عام کرتے تھے۔ ان کی کئی قسمیں تھیں مالوی اور ماجھیہ اور دوآبہ کے سکھ سرداروں کے مفتوحات کبھی ایک کے اور کبھی دوسرے کے ہاتھ میں تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ اُس وقت ٹھیک ٹھیک پنجاب کی پولیٹکل حالت کا بیان ناممکن سا امر ہے لیکن تاہم ان مغلوں کی حکومت

کے پیچھے جو طرز حکومت اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے راج کے درمیان میں پنجاب میں رائج
تھی کچھ اس کی بھی وضاحت لکھی ہے۔ ان مثلوں کا حال بیان کرنے سے پہلے ان
ان مختصر کردار ہی کو بتا دینا ضروری ہے۔ مثلوں کے مقبوضہ میں گاؤں کا انتظام
چند آدمیوں کی ایک پنچائت کے سپرد ہوتا تھا۔ مجرم کے چھوٹ جانے
پر اسے سردار کا شکرانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ سزا ملنے پر زیادہ جرمانہ دینا ہوتا تھا
مجرم سے اقبال کرانے یا اس سے روپیہ وصول کرنے کے لئے سخت سزا
دی جاتی تھی۔ قاتل کو مقتول کے رشتہ داروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ کہ
جس طرح چاہیں اس کی جان لے لیں۔ سنجیدہ جرموں کی سزا ہاتھ پاؤں
کاٹ دینا۔ ناک کان کاٹ دینا یا آنکھیں نکال دینا ہوتی تھیں۔ بعض اوقات
بڑا قصوروار بھی جرمانہ ادا کرنے پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جب کسی کے ہاں چوری
ہو جاتی تھی تو اس کے مال کا چوتھائی حصہ تھانیدار کو ادا کرنا ہوتا تھا کہ چور
کی تحقیقات کرے۔ جب مجرم مل جاتا تھا تو یا تو وہ مالک کے حوالہ کر دیا جاتا
تھا یا بعض حالتوں میں سب مال افسروں کو دے کر معافی پا لیتا تھا۔ وہ
مال افسر لوگ آپس میں بانٹ لیتے تھے اور مالک کو کہہ دیا جاتا تھا۔ "آگے
کو احتیاط رکھو"۔ مویشی کی چوری میں کھوجی کھوج لگاتا تھا۔ جہاں تک کھوج پہنچ
جائے۔ اس سے آگے اس شخص کو سراغ دینا ہوتا تھا جس کی زمین تک
کھوج پہنچ جاتے ورنہ اسے قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ کھیتوں کی حدبندی
پر بہت سی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ جب اس لڑائی میں کوئی مرجاوے تو
اس کے رشتہ دار کی شادی میں لڑکی دیکر یا بڑی رقم ادا کر کے صلح کروائی جاتی
تھی۔ زمین کا لگان جنس میں لیا جاتا تھا۔ اناج کی حالت میں آدھا سردار کا اور آدھا
مزارعہ کا ہوتا تھا۔ باقی پیداوار یعنی گنا۔ روئی۔ پوست تیل پر نقد لیا جاتا

تھا۔ سوداگری کو مال گذارنے پر سردار لوگ بہت سا ٹیکس وصول کرتے تھے جتوں۔ سری نگر اور نادون کے ساتھ شال کی تجارت ہوتی تھی۔ سوداگر لوگ خوف سے سخت پہاڑی راستہ اختیار کرتے تھے تاکہ ان کو سکھ سرداروں کے علاقہ سے گزرنا نہ پڑے۔ اگر کوئی آدمی لگان نہ ادا کر کے دوسرے سردار کے علاقہ میں بھاگ جاتا تھا تو وہ سردار عموماً اسے واپس کرنے سے انکار کر دیتا تھا۔ بیگار کا دستور عام تھا اور اس کا بوجھ غریبوں پر عام پڑتا تھا۔ اس وقت ستی کا رواج بھی تھا۔ لیکن اس کے لئے کوئی زبردستی نہ کی جاتی تھی۔ عام رواج کے مطابق عورتیں بیوہ کے گرد جمع ہو جاتی تھیں اور ایک دفعہ اس کے منہ سے کہلوا لینا کافی سمجھا جاتا تھا۔

**مثلوں کی قائمی**

تیس سال کی جد و جہد میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح آہستہ آہستہ سکھ سرداروں کا غلبہ بڑھتے بڑھتے سکھ پنجاب کی ساری سرزمین کے مالک بن گئے۔ اس جد و جہد کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ان سکھوں کے بارہ بڑے بڑے گروہ بن گئے جن کے اپنے اپنے علیحدہ علیحدہ صدر مقام تھے اور ان کا اپنا اپنا لیڈر یعنی سردار ہوتا تھا۔ ان بارہ سرداروں میں کوئی بڑا یا چھوٹا نہ تھا سب برابر تھے۔ اس لئے ان کو بارہ مثلیں کہا جاتا ہے۔ ہم کو اب ان بارہ مثلوں کی علیحدہ علیحدہ ترقی کا ذکر کرنا ہے لیکن اس سے پیشتر ہمیں دو باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے۔ اول تو یہ کہ ان میں اور گورو گوبند یا بیراگی بیر کے اندولن میں کیا تمیز تھی اور دوسرے یہ کہ ان سرداروں کی حکومت کی بنیاد میں کیا اصول کام کرتا تھا۔ گورو گوبند کی تحریک میں بڑا اصول ہندو دھرم اور قوم کی حفاظت تھا۔ ہندوؤں پر صدیوں سے ظلم ہوتا تھا۔ اس ظلم سے ان کو بچانے کا خیال گورو نانک کے دل میں پیدا ہوا۔ گورو نانک نے جس کام کو

پر چار اور ایشور کی بھگتی سے شروع کیا اُس کی تکمیل گرو ہرگوبند سنگھ کی ۔ گرو
ارجن اور گرو تیغ بہادر نے اسکو پورا کرنے کے واسطے ہی اپنی جانیں دیں تھا کہ جن
اورنگ زیب کی بادشاہت کے برخلاف گرو گوبند سنگھ کا اعلان آزادی ۔
اس کام کے ساتھ میں ایک بڑا ابھاری قدم تھا ۔ بیراگی بندے نے جو کچھ کیا گرو
گوبند سنگھ کی مرضی اور اجازت سے کیا ۔ دھرم کی حفاظت اور آزادی کی
خواہش کے ساتھ ساتھ گرو گوبند سنگھ کے دل میں انتقام کے خیال کا ایک
جزو بھی پایا جاتا تھا ۔ بیراگی نے اس انتقام کے خیال کو ایک اور عملی صورت
دیدی ۔ بیراگی انتقام کا دیوتا تھا ۔ جس نے گرو گوبند سنگھ کے دل کی
خواہش کو پورا کیا ۔ بیراگی کا کام گروؤں کے کام کا ایک حصہ تھا لیکن بیراگی کی
موت پر اس کام کے خاتمہ تک آ جاتے ہیں ۔

جو جد وجہد بیراگی کی موت کے چند سال بعد شروع ہوئی ۔ اس میں پرانی
روایتوں کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے لیکن اس کا سپرٹ بالکل ایک نیا سپرٹ ہے ۔
اس میں ایشور کا اشتیاق یا دھرم کی حفاظت کا خیال دوسرے درجہ پر ہو جاتا ہے
اور ملکی خواہش کا پہلا درجہ لیتی ہیں ۔ گروؤں کی تحریک کا منہاج ہی مسلمانی
حکومت کو تباہ کرنا تھا لیکن وہ دھرم کی حفاظت کے لئے ایسا کرنا چاہتے تھے ۔
خالصہ کی جد وجہد کا بھی مدعا یہی تھا ۔ اور یہ بھی درست ہے کہ خالصہ سردار
دھرم اور گوردوں کی حفاظت کا بھی خیال رکھتے تھے لیکن جو طریقہ انہوں نے اختیار
کیا اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی طاقت کا بڑھانا اپنا خاص مُدعا
بنالیں ۔

دوسری بات سمجھنے کے لئے اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ایسی حکومت
کا خیال جس میں لوگوں کی حکومت لوگوں کی طرف سے ہو اور لوگوں کے فائدہ

ہو۔ بالکل نیا اور ابھی تر ماشیدہ کا ہے۔ پرانے زمانے میں جمہوری حکومتیں تھیں لیکن اُن کی جمہوریت اپنے اپنے شہر یا قصبہ تک ہی محدود تھی۔ سارے ملک میں جمہوریت یا قومیت کا مادہ اِن معنوں میں پایا نہ جاتا تھا۔ ملک جب کبھی ایک ہوئے تو انہوں نے ہمیشہ کسی بڑے بادشاہ کی سلطنت کے نیچے آ کر متحدہ صورت اختیار کی اور یہ ملکی اتحاد شخصی آزادی کو بالکل تباہ کرنے والا ثابت ہوا۔ موجودہ زمانے میں علوم کی مختلف شاخوں میں ایک غیر معمولی ترقی کی بدولت یہ ممکن ہوا۔ ایک بڑی سے بڑی قوم بھی اپنی گورنمنٹ کا انتظام اِس طرح کر سکتی ہے کہ ہر ایک شخص کی آزادی اور حقوق محفوظ ہوں۔ جس زمانے کی بابت ہم لکھ رہے ہیں اُس وقت لوگوں کے دلوں میں اپنے پولیٹکل حقوق کا اتنا خیال پیدا ہونا ہی ناممکن تھا۔ اُس حالت میں جب خالصہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ مغل حکومت کی تباہی کے درپے ہو جائیں تو اُنہیں قدرتی طور پر یہ بھی سوچنا ضروری تھا کہ ایک حکومت کو تباہ کر کے اُس کی جگہ وہ کس حکومت کو قائم کریں گے۔ اُس وقت عام دستور یہ تھا کہ جو کوئی منچلا لیڈر کسی غرض کو سامنے رکھ کر کچھ ساتھیوں کو اپنے ساتھ اکٹھا کر لیتا تھا۔ اُس کے پاس یہ مجموعی طاقت ایک ایسا ذریعہ بن جاتا تھا جس سے وہ گاؤں اور قصبوں سے خراج وصول کر کے اپنی اطاعت پر راضی کر لیتا تھا۔ یہی اُس کی حکومت کی بنیاد ہو جاتی تھی۔ ایسی بنیاد پر وہ اپنی ہمت اور دلیری سے آگے ترقی کرنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ غرض عام طور پر دوسروں پر اپنا غلبہ اور لوٹ مار ہوتی تھی۔ لوٹ مار سے روپیہ وصول ہوتا تھا۔ اُس روپیہ سے اُسکے ساتھیوں کی قدر اور بڑھتی جاتی تھی۔ سکھ سرداروں نے اپنے سامنے دیکھا کہ تاتار کے گڈریے لوٹ مار کرتے کرتے چند سالوں میں شہنشاہ بن گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے اپنے ملک میں کئی دل چلے جوانوں نے لوٹ مار شروع کی۔ بڑے نواب بن گئے

اور سلطنوں کے باغی بن گئے۔ وہ بھی اس نتیجے پر پہنچے کہ اُن کی مثل کی پوری کوشش کرکے وہ اپنی حکومت قائم کرسکیں گے۔ مغلوں کے وقت سارے ملک میں مسلمانوں کا راج تھا۔ راجپوتوں نے یہ کوشش کی تھی کہ ملک میں راجپوتی راج قائم رہے۔ مرہٹوں نے جب اپنی طاقت قائم کی تو اُن کے دماغ میں یہ خیال کام کرتا تھا کہ سب جگہ مرہٹوں کا راج ہو۔ اسی طرح سکھوں کو یہ خیال ہوا کہ پنجاب اور اُس کے باہر خالصہ کا راج ہو۔ اِن میں سے کسی کے اندر یہ خیال نہ تھا کہ ملک کی حکومت نہ مسلمانوں کی ہونی چاہیئے نہ مرہٹوں کی نہ راجپوتوں کی اور نہ سکھوں کی بلکہ اصلی سوراج ہوگا جس میں لوگوں کی حکومت اُن کے اپنے ہاتھ میں ہوگی۔ اِس کے بعد ہم ایک ایک کرکے اِن مثلوں کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

**۱۔ بھنگی مثل**

امرتسر سے آٹھ میل کے فاصلے پر پنجوار کا ایک جاٹ چھجا سنگھ تھا۔ وہ بیراگی کا چیلہ بن گیا۔ اِس کے بعد اُس نے بھیم سنگھ، مالا سنگھ اور جگت سنگھ کو سکھ بنایا۔ اِن تینوں نے ملکر لوٹ مار شروع کردی اور بعد میں کئی اور جاٹ سکھ بنکر اُن میں شامل ہوگئے۔ اُنہوں نے گاؤں گاؤں پر چھاپہ مار کر مال جمع کرنا شروع کیا۔ اُن کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ یہ سب لوگ بھنگ بہت پیا کرتے تھے۔ اِس لئے اِن کی مثل کا نام بھنگی مثل پڑگیا۔ چھجا سنگھ کے بعد بھیم سنگھ نے مثل کو باقاعدہ ترتیب دی اور ابدالی کے حملے کے بعد اپنے آپ کو اُس کا سردار بنالیا۔ بھیم سنگھ کے مرجانے کے بعد اُس کا بھتیجا اُس کی جگہ بیٹھا۔ اُس کے وقت میں اُس کے پاس اتنے ڈاکو اکٹھے ہوگئے کہ اُس کی مثل سب سے زیادہ دولتمند بن گئی اور اُس کے ممبروں کی تعداد بیس ہزار تک جاپہنچی۔ اُن کا ڈیرہ گوالی میں تھا۔ ہری سنگھ کے وقت میں اُن

مثل کی حدود بہت بڑھ گئی ۔ ایک طرف سیالکوٹ ۔ کریال اور میرووال اُن کے قبضے میں آ گئے ۔ ماجا اور مالوہ پر پہلے ہی اِن کا قبضہ تھا ۔ چنیوٹ جھنگ تک اور دوسری طرف پنڈی اور ڈیرہ جات تک حملہ کر کے لوٹ مار کرتے رہے ۔ جموں پر بھی لوٹ مار کی اور بارہ ہزار سوار لیکر کشمیر میں بھی جا گھسے لیکن اِس مہم میں کامیابی نہ ہوئی ۔ سنہ ۱۷۶۲ء میں لاہور سے دو میل تک کوٹ خواجہ سعید میں بہت سا میگزین اور سامان اِن کے ہاتھ آیا ۔ اگلے سال ہری سنگھ نے کنہیا اور رام گڑھیا مثلوں کے ساتھ مل کر قصور میں لوٹ مار کی ۔ اِس کے بعد وہ امر سنگھ کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا ۔

جھنڈا سنگھ سنہ ۱۷۶۶ء میں سردار بنا ۔ اُس نے تین بار ملتان پر چڑھائی کی یعنی سنہ ۱۷۶۶ء میں سنہ ۱۷۶۷ء میں اُسے کامیابی نہ ہوئی لیکن سنہ ۱۷۷۲ء میں دوسرے سرداروں اور لہنا سنگھ کو ساتھ لیکر اُس نے ملتان فتح کر لیا اور اپنے ایک سردار دیوان سنگھ کو وہاں کا قلعہ دار مقرر کیا ۔ ملتان سے واپس آتے ہوئے اُس نے جھنگ ۔ مان کھیڑہ اور کالا باغ فتح کئے ۔ اِس سے پہلے قصور بھی اُس کے قبضہ میں آ گیا تھا ۔ اُس نے امرتسر میں اینٹوں کا ایک قلعہ بنوایا جس کے کھنڈرات اب بھی لُون منڈی کے پیچھے پائے جاتے ہیں ۔ اِس کے بعد رام نگر پر حملہ کر کے وہ زمزمہ توپ حاصل کی جو کہ بھنگی توپ کے نام سے مشہور ہے ۔ اتنے میں جموں کے راجہ رنجیت دیو اور اُس کے بیٹے برج راج دیو کے درمیان جھگڑا ہو گیا ۔ کنہیا مثل کے سردار جے سنگھ اور شکرچکیا مثل کے سردار چڑھت سنگھ بیٹے کی امداد کو گئے ۔ جھنڈا سنگھ اِن کے برخلاف تھا ۔ کئی روز تک لڑائی ہوتی رہی ۔ چڑھت سنگھ اپنی بندوق کے پھٹنے سے مر گیا

دوستی لہنا پر حملہ کیا۔

**گنڈا سنگھ**

جھنڈا سنگھ کے بعد اُس کا بھائی گنڈا سنگھ سردار بنا۔ اُس نے امرتسر کے بازاروں کو خوب آراستہ کیا اور قلعہ کی دیواروں کو مضبوط کیا۔ اُس کے دل میں جے سنگھ کے برخلاف بدلہ لینے کا خیال تھا۔ اُس کو کنہیا مثل کے ساتھ لڑائی کا موقعہ ایک اور وجہ سے مل گیا۔ اُس کا ایک سردار جو پٹھانکوٹ کا افسر تھا مر گیا۔ اُس کی عورت نے اپنی لڑکی کنہیا کو بنے دی اور پٹھانکوٹ بھی دیدیا۔ گنڈا سنگھ نے پٹھانکوٹ واپس مانگا۔ اور انکار ہونے پر چڑھائی کر دی۔ دینانگر میں کئی دن لڑائی ہوئی جس میں گنڈا سنگھ بیمار ہو کر مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بھتیجا چڑھت سنگھ سردار بنا۔ وہ بھی ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اُس کے ساتھی پٹھانکوٹ چھوڑ کر بھاگ گئے اور اُنہوں نے گنڈا سنگھ کے بیٹے دیسا سنگھ کو اپنا سردار مقرر کیا۔ اِس کے وقت میں تیمور شاہ نے پنجاب واپس لینے کا ارادہ کیا۔ اُس نے فیض اللہ خاں کو فوج جمع کرنے کے لئے روانہ کیا۔ فیض اللہ خاں نے خیبر میں پٹھان جمع کئے مگر پشاور پہنچ کر بادشاہ کے برخلاف ہو گیا اور اُسے قتل کرنے کی سازش کی لیکن وہ اور اُس کا بیٹا دونو پکڑے گئے اور قتل کر دیئے گئے۔

تیمور شاہ نے ملتان پر اپنی فوج روانہ کی جسے سکھوں نے پیچھے بھگا دیا۔ [illegible] میں شاہ خود ملتان پر چڑھ آیا۔ ایک لڑائی میں بہت سے سکھ مارے گئے اور انھیں شکست ہوئی۔ بادشاہ نے شجاع خاں کو ملتان کا گورنر مقرر کیا اور بہاولپور اور سندھ فتح کر کے لَوٹ گیا۔ [illegible] میں دیسا سنگھ نے چنیوٹ پر چڑھائی کی اور چڑھت سنگھ کے بیٹے مہاں سنگھ کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔

**گوجر سنگھ** ۔ سردار ہری سنگھ کا ایک جرنیل گوجر سنگھ تھا۔ اِس نے

لہنا سنگھ سندھانوالیہ کو اپنا متبنّٰی بنایا۔ گوربخش سنگھ کے مر جانے پر لہنا سنگھ اور
گوربخش سنگھ کے دو بیٹوں میں جھگڑا ہوا مگر آدھی بانٹ پر صلح ہو گئی۔ ان دونوں نے
سردار سوبھا سنگھ کنہیا کے ساتھ ملکر ۱۷۶۵ء میں کابلی مل کے بھاگ جانے پر
لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ابدالی کے آنے پر تینوں سردار لاہور خالی کر گئے۔
اس کے چلے جانے پر لوٹ آئے اور تیس سال تک لاہور پر حکومت کرتے
رہے۔ ۱۷۹۳ء میں شاہ زمان فوج لے کر پنجاب کی طرف آیا لیکن اُس کے
بھائی محمود نے ہرات میں بغاوت کر دی اور اسے واپس ہونا پڑا۔ اس کے
جرنیل احمد خاں کو سکھوں نے شکست دے کر بھگا دیا۔ ۱۷۹۵ء میں شاہ زمان
دوسری بار آیا۔ حسن ابدال میں اُسے ایران کی طرف سے حملہ کی خبر ملی اور پھر اُسے
واپس جانا پڑا۔ ۱۷۹۶ء میں تیسری بار آیا۔ اِس بار مسلمان شاہزادوں نے
سکھوں سے تنگ آ کر اُس کے پاس قاصد روانہ کئے کہ وہ حملہ کر کے ملک
کو آزاد کرے۔ چناب گذر کر ایمن آباد کے راستے راوی کے کنارے شاہدرہ
پہنچ کر اپنا ایک جرنیل لاہور روانہ کیا۔ سکھ سردار لاہور کے قلعے کی چابیاں
میاں شاہ چراغ کے حوالے کر کے باہر چلے گئے۔ شاہ زمان لاہور میں داخل
ہوا۔ تین رات شہر میں روشنی کی گئی۔ جن ہندوؤں نے روشنی نہ کی اُن پر جرمانہ
لگایا گیا۔ بادشاہ نے سکھوں کے برخلاف سب اطراف میں سپاہی روانہ
کئے۔ شاہ زمان سکھوں کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ بہتیرے سکھ سردار اطاعت
پر راضی ہو گئے۔ شاہ زمان سلطان ٹیپو اور روہیلے پٹھانوں سے پیغام رسانی
کرتا تھا کہ اُسے ہرات میں اپنے بھائی محمود کی بغاوت کی خبر ملی اور وہ واپس
چلا گیا۔ لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ نے پھر لاہور پر قبضہ کر لیا لیکن اسی سال وہ
دونوں مر گئے۔ اُن کے بیٹے چیت سنگھ اور موہر سنگھ جو لاہور کے حکمران بنے

بہت کمزور تھے۔ سنگھ چکیا سردار رنجیت سنگھ نے دوسرے جنگی سرداروں سے خفیہ مشورہ کر کے لاہور لینے کا ارادہ کر لیا۔ قوان کوٹ کا چودہری محکم الدین جو چیت سنگھ کا بڑا امرمنی دان تھا۔ اُسے رنجیت سنگھ کے مقابلے پر جاتے سے روکتا رہا۔ رنجیت سنگھ انار کلی تک آگیا۔ لوہاری دروازہ اُس کے لئے کھول دیا گیا۔ چیت سنگھ اور موہر سنگھ لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ لاہور کا مالک بن گیا۔

دیسا سنگھ کی موت پر اُس کا بیٹا گلاب سنگھ سردار بنا۔ گلاب سنگھ پہلے کچھ عرصے تک قصور کے خانوں کے برخلاف لڑائی کرتا رہا۔ پھر اُن کے ساتھ شامل کر کے رنجیت سنگھ کے برخلاف ایک سازش کی۔ بھسین کے مقام پر ایک لڑائی ہوئی جس میں رنجیت سنگھ نے سب پر فتح پائی۔ گلاب سنگھ کے بعد اُس کا بیٹا گورت سنگھ سردار بنا۔ اُس کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ رنجیت سنگھ نے اُس سے توپ مانگی۔ اُس کے انکار کرنے پر رنجیت سنگھ نے اُس پر حملہ کر دیا۔ گورت سنگھ اور اُس کی ماں رام کور امرتسر کو بھاگ گئے اور رنجیت سنگھ نے اُن کے سب مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

لاہور لینے کے بعد گوجر سنگھ نے شمال کی طرف علاقہ فتح کرنا شروع کیا۔ اُس وقت گجرات مبارک خاں گکھڑ کے قبضے میں تھا۔ گوجر سنگھ نے پہلے گجرات لیا۔ دوسرے سال جموں اور کئی اور قصبے فتح کئے۔ ابدالی کے آنے پر وہ فیروزپور کو چلا آیا اور جب ابدالی واپس چلا گیا تو اُس نے پھر جا کر گکھڑوں سے رہتاس کو فتح کیا۔ اس فتح میں شکر چکیاں سردار چڑھت سنگھ اُس کے ساتھ تھا۔ چڑھت سنگھ نے اپنی لڑکی کی

شادی اُس کے بیٹے صاحب سنگھ سے کر دی۔ اُس کے دو اور بیٹے تھے
ان کے درمیان جھگڑے ہو جانے پر وہ لاہور چلا آیا اور سنہ ۱۸۰۱ء میں مر گیا
اگلے سال صاحب سنگھ اور اُس کا سالا جہاں سنگھ آپس میں لڑ پڑے۔
سوہدرہ کی لڑائی میں جہاں سنگھ بیمار ہو گیا۔ اُس کا مہاوت ہاتھی کو میدان
سے ہٹا لایا۔ جہاں سنگھ گوجرانوالہ میں پہنچکر تیسرے دن اس جہاں سے
چلدیا سنہ ۱۷۹۸ء میں جب شاہ زمان چوتھی بار لاہور آیا تھا تو صاحب سنگھ
لاہور سے باہر چلا گیا۔ اس دفعہ شاہ زمان کی پالیسی بہت نرم تھی۔ واپس
جاتے ہوئے وہ شاہنچی خاں کو لاہور میں اپنا قائمقام چھوڑ گیا۔ شاہنچی خاں
نے سُنا کہ بہت سے سِکھ رام نگر میں جمع ہوئے ہیں۔ وہ وہاں گیا مگر اُسے
پیچھے ہٹنا پڑا۔ گجرات کے مقام پر ایک لڑائی ہوئی جس میں شاہنچی خاں مارا گیا
یہ خبر سُنکر شاہ زمان پنجاب کو آ رہا تھا مگر پشاور سے اُسے واپس جانا پڑا۔
اس سے پہلے واپس جاتے ہوئے جہلم میں طوفان ہونے کی وجہ سے شاہ زمان
کا توپخانہ دریا میں رہ گیا تھا۔ اُس نے رنجیت سنگھ سے کہلا بھیجا تھا کہ وہ
اُسے نکلوا کر کابل بھجوا دے۔ رنجیت سنگھ نے بارہ میں سے آٹھ ڈوبی
ہوئی توپیں نکلوا کر کابل پہنچا دیں۔ شاہ زمان نے کابل پہنچکر پنجاب کی حکومت
رنجیت سنگھ کے نام لکھ دی۔ باقی کی چار توپیں رنجیت سنگھ نے سنہ ۱۸۲۳ء
میں نکلوا کر لاہور رکھ لیں۔ بھنگی سردار صاحب سنگھ گجرات میں رہتا تھا
بدمعاشی میں پڑ گیا۔ رنجیت سنگھ نے اُس کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا
اور سنہ ۱۸۱۱ء میں صاحب سنگھ کے مرجانے پر رنجیت سنگھ نے اُس کی
دونوں بیوہ عورتوں سے شادی کر لی۔ اِن میں سے دیا کور کا پشاورا سنگھ اور
رتن کور کا ملتانا سنگھ بیٹے تھے جنکا حال ہم آگے چلکر پڑھیں گے۔

## ۲۔ رام گڑھیا مثل

گوگا کا ایک جاٹ خوشحال سنگھ بیراگی کا چیلہ بن گیا اور ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اسکی شہرت بہت بڑھ گئی اور اُس کے ساتھیوں کی تعداد اتنی ہو گئی کہ اُس نے رام گڑھیا نام سے ایک مثل قائم کر دی۔ اُس کی موت پر نود سنگھ اُس کا جانشین ہوا۔ اسکے تین ساتھی جتا سنگھ مالا سنگھ اور تارا سنگھ بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ یہ تینوں بھائی تھے اور ذات کے ترکھان تھے۔ جتا سنگھ بڑا بہادر افسر بن گیا۔ اُس نے ابدالی کے برخلاف ادینہ بیگ کی مدد کی۔ جب ادینہ بیگ بھاگ گیا تو جتا سنگھ کنہیا مثل کے ساتھ مل گیا۔ احمد شاہ کے چلے جانے پر [illegible] میں ادینہ بیگ آیا اور اُس نے سکھوں کو تباہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اِس وقت مرہٹوں نے پنجاب پر حملہ کر کے ادینہ بیگ کو یہاں کا گورنر بنایا تھا۔ اُس نے میر عزیز بخش کو چار ہزار سوار دے کر جنگلوں میں چھپے ہوئے سکھوں کے خلاف بھیجا۔ سکھ رام راؤنی قلعے کے اندر جمع ہو گئے۔ رات کو چھاپا مار کر دشمن کو کمزور کرتے تھے۔ ایک رات قلعے سے نکل کر بھاگ گئے اور جتا سنگھ نے امرتسر اور گورداس پور کے ضلعوں میں تمام گاؤں سے لگان وصول کرنا شروع کیا۔ نود سنگھ کے مر جانے پر جتا سنگھ اس مثل کا سردار بن گیا اور کنہیا مثل کے ساتھ مل کر خواجہ عبید کا مقابلہ کرتا رہا۔ احمد شاہ کے آنے پر چھپ گئے اور اُس کے چلے جانے پر بٹالہ اور کلانور پر قبضہ کر کے جتا سنگھ نے اپنے دونوں بھائیوں کو دیدیئے لیکن جے سنگھ اور جتا سنگھ کے درمیان لگان کی تقسیم کے بارے میں جھگڑا ہو گیا اس وجہ سے بٹالہ اور کلانور اُس کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ لڑائی جاری ہو گئی۔ جتا سنگھ نے بٹالہ تو لے لیا مگر کلانور میں اُسے ایسی شکست ہوئی کہ وہ ستلج پار بھاگ گیا اور حصار میں پناہ لی

جاکر دہلی تک لوٹ مار مچادی۔ جب بعد میں کنہیا اور سکرچکیا مشلوں میں لڑائی ہوئی تو سکرچکیا سرداروں سے جتا سنگھ کو مدد کے لئے بلا بھیجا۔ اُس نے آکر اپنے تمام مقبوضات کنہیا مثل سے واپس لے لئے ۱۸۰۸ء میں مہاراج رنجیت سنگھ نے اُنکا سب علاقہ لے لیا اور جتا سنگھ کو پنشن دیدی ۱۸۱۶ء میں وہ مرگیا۔

**۳۔ کنہیا مثل**

لاہور سے پندرہ میل کے فاصلے پر کانے کا رہنے والا ایک جے سنگھ تھا جس نے کپور سنگھ فیضل پوریہ سے پاہل لی تھی۔ جلدی اُسے چھوڑ کر وہ امر سنگھ ڈاکو کے ساتھ شامل ہوا۔ وہ اور اُس کے ساتھی لوٹ مار میں اتنے مشہور ہوئے کہ اُس نے ایک نئی مثل قائم کرلی ۱۷۶۳ء میں احمد شاہ کے چلے جانے پر اُس نے قصور کو لوٹا اور وہاں سے بہت سا سونا اور جواہرات حاصل کئے پہلے پہل جے سنگھ جتا سنگھ رام گڑھیا کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا لیکن بعد میں وہ جتا سنگھ کلال کے ساتھ شامل ہوگیا اور دونوں نے ملکر رام گڑھیا کو بھگا دیا۔ بعد ازاں اُس نے سرہند پر حملہ کرکے نورپور، نکیریال اور دوسرے کئی قصبے فتح کئے۔ گھمنڈ کا راجہ سنسار چند کانگڑہ لینا چاہتا تھا اُس نے جے سنگھ کو مدد کے لئے بلا بھیجا۔ جے سنگھ نے کانگڑہ کا قلعہ فتح کرکے اُسے اپنے قبضے میں کرلیا اور ارد گرد کے راجوں سے خراج وصول کرنے لگا۔ اُس کا ایک نائب حکیل سنگھ کلانور میں بڑا مشہور ہوگیا جس نے بعد ازاں اپنی لڑکی چاند کور کی شادی رنجیت سنگھ کے والد کے لڑکے سنگھ کے ساتھ کی۔

جے سنگھ کا پنجاب میں بڑا رعب تھا پہلے پہل وہ سکر چکیا سردار مہاں سنگھ کو مدد دیتا رہا لیکن جموں کے لوٹ کے حصے پر اُس سے ناراض ہوگیا

جب جہاں سنگھ کو جے سنگھ سے مقابلہ کرنا پڑا تو ایک تو اُس نے جسا سنگھ رام گڑھیا کو بلا بھیجا اور دوسرا راجہ سنسار چند کی مدد ڈھونڈی ۔ بٹالے کے پاس اچل میں ایک لڑائی ہوئی جس میں جے سنگھ کے بیٹے گوربخش سنگھ نے بڑی بہادری دکھلائی مگر ایک تیر لگنے سے وہ مرگیا ۔ اور اُس کی عورت سداکور کو ننگے پاؤں بھاگنا پڑا ۔ جہاں سنگھ اور جسا سنگھ کو فتح ہوئی جسا سنگھ رام گڑھیا نے اپنا سارا علاقہ واپس لے لیا ۔ جے سنگھ پٹھانکوٹ بھاگ گیا راجہ سنسار چند نے جے سنگھ کے پہاڑی علاقے پر حملہ کیا سائل گڑھ کے قلعے میں جے سنگھ کی ایک غلام لڑکی نے جس کا نام دھرم تھا ۔ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور قلعے کو بچائے رکھا ۔ تین سال تک جنگ ہوتی رہی ۔ جب سداکور نے اِس لڑائی کو ختم کرنے کی ایک ترکیب نکالی وہ جوالا مکھی کو گئی ۔ وہاں جہاں سنگھ کی عورت ماتا جی آئی ہوئی تھی ۔ وہاں پر اُس نے اپنی لڑکی کی سگائی رنجیت سنگھ کے ساتھ کر دی ۔ اِس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ جے سنگھ کوٹ کانگڑہ اور سنسار چند حاجی پور اور مکیریاں خالی کر دے ۔ سنہ ۱۷۹۶ء میں بٹالہ میں رنجیت سنگھ اور جے سنگھ کی پوتی مہتاب کور کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی ۔ جے سنگھ سنہ ۱۷۹۸ء میں مرگیا ۔ اُس کے دو بیٹے ندھان سنگھ اور بھاگ سنگھ کسی کام کے نہ تھے ۔ سداکور بٹالے میں حکومت کرتی رہی ۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں اُس کے مرجانے پر رنجیت سنگھ نے کنہیا مثل کو اپنے قبضے میں کر لیا اور کنہیا سرداروں کو کچھ گاؤں جاگیر میں دے دیئے ۔

**۴ ۔ نکئی مثل**

اِس مثل کا بانی ایک جاٹ ہیرا سنگھ تھا جو موضع بھروال کے جاٹ چودھری ہیم راج کا لڑکا تھا ۔ اِن کا علاقہ لاہور کے جنوب مغرب میں نکا کہلاتا تھا ۔ ہیرا اور اُسکا کنبہ اتنے غریب تھے کہ

انہیں کئی دن بھوکا رہنا پڑتا تھا۔ سکھوں کی ترقی دیکھ کر اس نے بھی پاہل
لے لیا اور ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھی بڑھنے لگ گئے اور
اس نے گاؤں سے لوٹ اور خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ اسے یہ خبر ملی کہ
پاک پٹن میں گائے ماری جاتی تھی سنتے ہی اس نے پاکپٹن پر حملہ کر دیا۔ لڑائی
میں اسے گولی لگی اور وہ مر گیا۔ اس کا بھتیجا نہر سنگھ اس کی جگہ سردار بنا [illegible]
کے بعد کوٹ کمالیہ کی لڑائی میں وہ بھی مارا گیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی رن سنگھ
ہوا۔ وہ بڑا زبردست سردار تھا۔ اس کے نیچے چونیاں۔ شرقپور۔ منٹگمری
گوگیرہ وغیرہ نوا کھہ کا علاقہ تھا۔ اس نے سید والا کا کمار سنگھ فتح کیا اور
۱۷۸۱ء میں مر گیا۔ اس کی جگہ بھگوان سنگھ جانشین ہوا۔ اس نے اپنی بہن راجکور
کی شادی رنجیت سنگھ سے کر دی۔ وہ بھی سید والا کی لڑائی میں مارا گیا۔ اس کا
بھائی گیان سنگھ اس کی جگہ سردار بنا جو ۱۸۰۷ء میں مرا۔ رنجیت سنگھ نے
اس کے بیٹے کاہن سنگھ کو پندرہ ہزار کی جاگیر دے کر مثل کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

### ۵۔ آہلو والیہ

لاہور سے پانچ کوس آہلو گاؤں میں ایک کلال
سداؤ سنگھ رہتا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے اور بڑے
بیٹے کی اولاد میں بھی تین بیٹے ہوئے۔ ان میں سے بدر سنگھ جاگو کی بہن سے
بیاہا تھا

جاگو ایک بہت غریب شخص تھا۔ اپنا کاروبار لاہور کے پاس مغل پورہ
محلہ میں لے آیا۔ وہاں سے فیض اللہ پور میں گیا جہاں کپور سنگھ نے اسے پاہل دی اور
ڈاکوؤں کا مشہور سردار بن گیا۔ ۱۷۱۸ء میں اس کی بہن کا ایک لڑکا جسا سنگھ
پیدا ہوا۔ اس کا باپ مر جانے سے وہ اور اس کی ماں بھاگ سنگھ (جاگو)
کے پاس رہنے لگے۔ ایک دفعہ کپور سنگھ وہاں گیا اور لڑکے کو دیکھ کر اتنا

نوش ہوا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ بھاگ سنگھ ایک لڑائی میں مارا گیا جسّا سنگھ
اُس کی جگہ سردار بن گیا اور اُس کی شہرت بڑھنے لگی۔ وہ اپنے آپ کو بھیلیر کے
راجپوت خاندان سے کہتا تھا اگرچہ اُس کا کُنبہ کلال کا کام کرنے لگ گئے
تھے۔ یہ شخص کپورتھلہ کی ریاست کا بانی ہوا۔

نادر شاہ کے چلے جانے پر اُس نے ڈلی وال میں ایک قلعہ بنایا
اور ۱۷۴۳ء میں دیوان لکھپت رائے کو جو ایمن آباد سے خزانے لے جا رہا
تھا قتل کر ڈالا اور خزانہ لُوٹ لیا۔ لاہور کے صوبہ دار نے ادینہ بیگ کو
جالندھر کہا کہ سکھوں کو اِس کی سزا دے۔ ادینہ بیگ نے سینکڑوں
سکھ پکڑ کر لاہور روانہ کئے جو سب کے سب نخاس خانہ (شہید گنج) میں
قتل کئے گئے۔ جسّا سنگھ نے ستلج سے واپس آ کر لُوٹ مار شروع کی ۱۷۴۸ء
میں احمد شاہ ابدالی نے سرہند کے پاس سکھوں کو ایک شکست دی۔
احمد شاہ کے چلے جانے پر جسّا سنگھ نے ہوشیار پور میں میر منّو کے نائب
راجہ کوڑا مل پر حملہ کیا مگر اُسے کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ جب شاہ نواز دہلی
کی طرف سے گورنر مقرر ہو کر ملتان آیا تو جسّا سنگھ نے میر منّو کے دیوان
کوڑا مل کو ملتان فتح کرنے میں مدد دی۔ اُس لڑائی میں شاہ نواز مارا گیا۔
اور جسّا سنگھ کو بھی لُوٹ کا حصّہ ملا۔ ۱۷۵۳ء میں جسّا سنگھ نے لاہور کے
فوجی افسر عزیز الدین کو اور ۱۷۵۸ء میں ادینہ بیگ کو شکست دی۔ پانی پت
کی مشہور لڑائی کے وقت جسّا سنگھ سرہند۔ دیال پور، جگراؤں وغیرہ قصبوں
کو لُوٹتا رہا۔ اُس نے لاہور فتح کر کے اپنے نام کا سکّہ چلایا۔ ۱۷۶۲ء میں
احمد شاہ نے جسّا سنگھ اور اُس کے ساتھیوں کو شکست دی۔ جسّا سنگھ
جنگلوں کو بھاگ گیا لیکن احمد کے چلے جانے پر بھنگی سرداروں سے مل کر

قصور کو لوٹا۔ جب بھنگیوں نے قصور پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے مل کر سرہند کو تباہ کیا۔ جہاں سے جسّا سنگھ نے آکر امرتسر میں کٹڑہ آہلووالیہ بنایا۔ وہ رام گڑھیا جسّا سنگھ کے برخلاف ہو گیا اور اُسے پنجاب سے باہر بھگا دیا۔ ۱۷۸۳ء میں امرتسر میں اُس کی موت واقع ہوئی۔ اُس کے پیرو اُسے بادشاہ کہا کرتے تھے۔ جسّا سنگھ بڑا بہادر اور خوبصورت جوان تھا۔ اُس کی اعلیٰ مذہبی زندگی کی وجہ سے اُس کی بڑی عزت تھی۔ ایک دفعہ احمد شاہ دو ہزار ہندو عورتوں کو غلام بنانے کے لئے پنجاب سے لے چلا۔ جسّا سنگھ رات کو اُس پر جا پڑا۔ سب عورتوں کو چھڑا لیا اور اُن سب کو اپنے پاس سے روپیہ دے کر اُنہیں اپنے گھروں کو لوٹا دیا۔ اس سے اُس کی شہرت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس کے مرنے پر اُس کی جگہ اُس کا چچا زاد بھائی بھاگ سنگھ سردار بنا۔ بھاگ سنگھ زیادہ تر رام گڑھیا سرداروں سے لڑائی کرتا رہا۔ اور ۱۸۰۱ء میں بیمار ہو کر کپورتھلہ میں مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا فتح سنگھ سردار مقرر ہوا۔ اُس نے رنجیت سنگھ کے ساتھ پگڑی تبدیل کر کے گہری دوستی پیدا کر لی اور ہمیشہ رنجیت سنگھ کی اُس کی لڑائیوں میں امداد کرتا رہا۔

۱۸۰۵ء میں جسونت راؤ ہلکر بھاگ کر پنجاب آیا۔ جنوری ۱۸۰۶ء کو رنجیت سنگھ اور فتح سنگھ دونوں نے انگریزوں سے عہد نامہ کیا اور جسونت راؤ کو امرتسر سے تیس کوس پرے بھگا دینے کا اقرار کیا۔ فتح سنگھ نے رنجیت سنگھ کے ساتھ مل کر جھنگ کے علاقے پر چڑھائی کی اور احمد خاں سیال کو شکست دی۔ میٹکاف نے فتح سنگھ کے متعلق کہا کہ وہ ایک بڑی بھاری سیڑھی تھی۔ جس ذریعے رنجیت سنگھ اتنا اونچا چڑھ گیا۔ ۱۸۱۰ء میں وہ مہاراجہ کے ساتھ کا مخالف ہو گیا۔ اگلے سال دیوان مکھم چند کی مدد کر کے جالندھر کے سردار بدھ سنگھ

کو فتح کیا۔ باوجود اِن سب خدمات کے رنجیت سنگھ اُس کا سارا علاقہ بھی لینا چاہتا تھا اور اُس نے فقیر عزیز الدین اور انند رام کو فوج دیکر اُس کے برخلاف روانہ کیا۔ فتح سنگھ جگراؤں کو بھاگ گیا اور سرکار انگریزی سے مدد طلب کی۔ انگریز ستلج سے اِس پار دخل نہ دے سکتے تھے لیکن جھگڑے کے لیئے جانے پر اُنہوں نے مداخلت کی اور صلح صفائی کرا کر فتح سنگھ کو کپور تھلے کا علاقہ دلا دیا۔ اِس کے بعد وہ کپور تھلہ میں ہی رہا۔ ۱۸۳۷ء میں اُس کا بیٹا نہال سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اِس نے جنگ کابل کے وقت سرکار انگریزی کی مدد کی مگر سکھ جنگ کے موقعہ پر باوجود عہدنامہ دوستی کے وہ خالصہ کے ساتھ مل گیا۔ اِس لیئے ستلج کے جنوب میں اُس کا سارا علاقہ ضبط کر لیا گیا۔ ۱۸۵۲ء میں رندھیر سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اُس نے اور اُس کے بھائی بکرم سنگھ نے غدر کے وقت سرکار انگریزی کی خدمات کیں اور جالندھر دوآب میں غدر کرنے والوں کو تباہ کیا۔ اِس کے عوض میں اودھ کے علاقہ میں ایک لاکھ ماہیانہ کی دو ریاستیں بوندی اور بھٹولی اُن کو عطا کی گئیں۔

**۶۔ ڈالی والیہ مثل**

ڈیرہ بابا نانک کے پاس ڈالی وال گاؤں کے پاس ایک کھتری گلابا نے لوٹ مار شروع کر کے اِس مثل کی بنیاد ڈالی۔ اُس کے مرنے پر اُس کا جانشین تارا سنگھ ایک گڈریا ہوا۔ جس نے سرہند اور فتح آباد کو لوٹا۔ رنجیت سنگھ نے فتح سنگھ آہلو والیہ کو اِس مثل کے برخلاف روانہ کیا اور فتح کر کے اِس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

**۷۔ نشان والہ مثل**

نشان (جھنڈا) اُٹھانے والے دو جاٹوں سنگت سنگھ اور موہر سنگھ نے یہ مثل قائم کی اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک بار اُن کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ میرٹھ شہر کو جا گھیرا

موہر سنگھ کے مرجانے پر رنجیت سنگھ نے دیوان محکم چند کو اس مثل کے خلاف روانہ کیا۔ محکم چند نے اُس کا خاتمہ کر سب مال و اسباب ضبط کر لیا۔

## ۸۔ فیضل پوریہ مثل

امرتسر کے پاس فیضل پور گاؤں میں کپور سنگھ جاٹ نے یہ مثل قائم کی۔ کپور سنگھ کو فرخ سیر کے وقت میں نواب کا خطاب ملا تھا اور وہ خالصہ کا بڑا لیڈر بن گیا۔ اُس کے مذہبی جوش کی وجہ سے بیشمار جاٹ۔ جلاہے اور چھوڑ سکھ دہرم میں شامل ہوئے۔ [illegible] میں اُس کی موت ہوئی۔ مرتے وقت اُس نے جتا سنگھ کو بُلایا اور گورو گوبند سنگھ کا لوہے کا گُرز دے کر اُسے خالصہ کا لیڈر مقرر کیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بھتیجا خوشحال سنگھ سردار مقرر ہوا جس کی حکومت جالندہر۔ نُورپور بہرام پور۔ بھرت گڑہ اور رتی پر پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے پٹیالہ کے راجہ آلا سنگھ کو سکھ بنایا۔ ۱۷۹۵ء میں اُس کا بیٹا بدہ سنگھ مثل کا سردار بنا جسے رنجیت سنگھ نے شکست دے کر اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

## ۹۔ کروڑا سنگھہ مثل

کروڑا مل جاٹ نے اس مثل کی بنیاد رکھی۔ جگادری کے نزدیک چلوندی کو صدر مقام بنا کر لوٹ مار شروع کر دی۔ اُس نے سرہند پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی جگہ بگھیل سنگھ سردار ہوا جب [illegible] میں سکھوں نے سرہند پر قبضہ کیا تو شاہ عالم نے دہلی سے اُن کے برخلاف شاہی فوج روانہ کی مگر بگھیل سنگھ اُس وقت سے ہی فوج کے ساتھ مل گیا مگر پھلکیاں سرداروں نے کرنال کے پاس شاہی فوج کو بھی شکست دی اور سب علاقے کو خوب لوٹا۔ بگھیل سنگھ کے بعد اُس کے ایک دوست کا بیٹا جودھ سنگھ سردار مقرر ہوا اور [illegible] تک حکومت کرتا رہا جب یہ ریاست سرکار انگریزی نے لے لی۔

**۱۰۔ شہید (نہنگ) مثل**

اکالی فرقہ کی بُنیاد گورو گوبند سنگھ نے رکھی۔ اکالی بیراگی کے سخت دشمن تھے۔ یہ امرتسر کے پُجاری بن گئے۔ مگر اُن کو دوسروں کی جائداد چھین لینے کی عادت تھی۔ اپنے آپ کو دمدمہ کے شہیدوں کی اولاد سے کہتے تھے۔ کرم سنگھ اور گوربخش سنگھ اِن کے دو لیڈر تھے۔ اِن کے نیچے دو ہزار سوار تھے۔ اِن کے مقبوضات ستلج کے مشرق کو تھے۔

**۱۱۔ پُھلکیاں مثل**

اِس خاندان کا آغاز جیسل سے ہُوا جس نے جیسلمیر آباد کیا۔ وہ بھٹی راجپوت تھا۔ یہی لوگ اِدھر آکر بھٹی جاٹ کہلانے لگے۔ اُس کی نسل سے تیسویں پیڑھی میں موضع بدووالی (مہراج) میں چند کے گھر ۱۶۱۹ء میں پُھول (؟) کا پیدا ہُوا۔ بڑے ہو کر اُس نے مہراج سے پانچ میل کے فاصلے پر اپنا موضع بسایا جس کا نام پُھول رکھا۔ وہ بادشاہی صوبہ داروں سے مقابلہ کرتا رہا اور اُس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ایک موقعہ پر اُس نے جگراؤں کے صوبہ دار کو قید کر لیا۔ پُھول کے سات بیٹے تھے جن میں سے پٹیالہ۔ نابھہ۔ جیند کے حکمراں پیدا ہوئے۔ بھدوڑ۔ ملود وغیرہ خاندان بھی اُن میں سے ہی تھے۔ آخر کار سرہند کے ناظم نے پُھول کو قید کر لیا اور ۱۶۵۲ء میں وہ سرسام کی بیماری سے مرگیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا رام چند ہُوا جس نے مسلمانوں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں کیں۔ ۱۷۱۴ء میں اُسے اپنے ہی ایک سردار نے قتل کر ڈالا۔ رام چند کا تیسرا بیٹا آلہ سنگھ اُس کی جگہ بیٹھا۔ اور برنالہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ وہ ۱۶۹۵ء میں پیدا ہُوا تھا۔ ۱۷۳۱ء میں اُس نے شاہی فوج پر ایک بڑی فتح حاصل کی جس سے اُس کی عزّت بہت بڑھ گئی اور اُس کے پاس بہت سے سکھ اکٹھے ہونے لگے۔ وہ راجپوتوں اور بھٹی مسلمانوں سے بہت لڑائیاں لڑتا رہا۔ ۱۷۳۵ء میں اُنہیں ایک بڑی شکست دی۔

محمد شاہ نے اُس کو ایک چٹھی اِس مطلب کے لئے لکھی کہ وہ نواب سرہند کی امداد کرے سنہ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ ابدالی نے برنالہ پر چڑھائی کی جس میں آلا سنگھ گرفتار ہوگیا اور بیس ہزار سکھ مارے گئے۔ اُس کی رانی فتو نے چار لاکھ روپیہ ابدالی کو دیکر اُسے آزاد کرایا۔ آلہ سنگھ نے پٹیالے میں ایک قلعہ تعمیر کرانا شروع کیا۔ اگلے سال ابدالی نے اُس کو راجہ کا خطاب دیا اور ساڑھے تین لاکھ روپیہ خراج پر سرہند کا انتظام اُس کے سپرد کردیا۔ سنہ ۱۷۶۵ء میں آلہ سنگھ ابدالی کے ساتھ لاہور گیا اور واپس آنے پر مرگیا۔ اُس کی جگہ اُس کا پوتا امر سنگھ مہاراج بنا۔ احمد ابدالی نے راجۂ راجگان کا خطاب دیا۔ اِس نے مالیر کوٹلہ کے پٹھانوں پر چڑھائی کی اور بھٹنڈہ فتح کیا۔ سنہ ۱۷۸۱ء میں اُس کے مرجانے پر اُس کا بیٹا صاحب سنگھ راجہ ہوا اُس کی جگہ کرم سنگھ راجہ ہوا۔ کئی سالوں تک پٹیالہ میں بڑی قابل عورتیں اقتدار پر رہیں۔ اِن میں سے صاحب سنگھ کی بہن رانی صاحب کور نے مرہٹوں کو شکست دے کر پٹیالے کی حفاظت کی۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں جارج طامس نے پٹیالہ لوٹا اور ہانسی واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۸۴۵ء میں کرم سنگھ کی جگہ اُس کا بیٹا نریندر سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اُس نے سکھ جنگ میں سرکار انگریزی کی امداد کی سند حاصل کی۔

۱۸۵۷ء میں اُس نے ویسی ہی وفاداری سے سرکار انگریزی کا ساتھ دیا اور اپنا سب کچھ اُن کے حوالے کردیا جو چٹھی بادشاہ دہلی نے اُسے لکھی وہ سرکار کو پہنچادی۔ اُس نے نہ صرف اپنی فوج سرکار انگریزی کی مدد میں روانہ کی بلکہ ڈگشئی۔ کسولی اور سپاٹو سے گوری فوج کو انبالہ پہنچانے کے لئے ہاتھی۔ گھوڑے اور چھکڑے بہم پہنچائیں۔ اُس کی فوج نے رہتک۔ حصار۔ ہانسی میں امن قائم رکھا فیروز پور۔ سہارن پور اور جگادھری میں غدر والوں کا مقابلہ کیا۔ پانچ لاکھ روپیہ سرکار کو قرضہ دیا اور اُس کی فوج جھجر اودھ اور گوالیار میں کام کرتی

رہی۔ ان خدمات کے عوض میں اُسے نارنول کا علاقہ دیا گیا۔ جہاں کا نواب
سرکار کے خلاف لڑا تھا اور خطابوں کا تو ٹھکانا ہی نہیں۔ دولت انگلشیہ کا
خاص فرزند منصور زمان۔ مہاراج ادھیراج وغیرہ وغیرہ۔ اُسے پٹیالہ نابھہ
اور جیند وغیرہ کے پھول خاندان سے کسی کو متبنیٰ کرنے کا حق دیا گیا ۱۸۶۲ء
میں اُس کی موت پر اُس کا بیٹا مہندر سنگھ دس برس کی عمر میں گدی پر بٹھلایا گیا

**جیند** — پھول کا ایک بیٹا تلوکا تھا۔ اس کا پوتا گجپت سنگھ ۱۷۶۳ء میں
جیند کے علاقے پر پانی پت کرنال تک قابض ہو گیا۔ ایک موقعہ پر وہ قید ہو کر
دہلی بھیجا گیا اور تین سال بعد وہاں سے اُس کی رہائی ہوئی ۱۷۷۲ء میں
آزاد راجہ بن گیا۔ اُس کی اولاد سے راجہ سروپ سنگھ نے سکھ جنگ میں سرکار
کی امداد کی اور غدر کے وقت خود فوج لئے ہوئے دہلی میں موجود تھا۔ علی پور
میں بھی جیند کی فوج مدد دیتی رہی جس کے عوض میں دادری کے نواب کی ایک
لاکھ کی ریاست اُسے دی گئی۔

**نابھہ** — تلوکا کے پوتے ہمیر سنگھ نے ۱۷۵۵ء میں نابھہ قصبہ آباد کیا۔
آلا سنگھ کے ساتھ اُس نے سرہند پر چڑھائی کی اور اُسے املوہ کا علاقہ ملا۔
۱۷۶۶ء میں ہانسی کے صوبہ سے روڑکی فتح کر کے وہاں کا راجہ بن بیٹھا۔
گجپت سنگھ نے اُس سے ۱۷۷۴ء میں سنگرور چھین لیا تھا۔ ہمیر سنگھ ۱۷۸۳ء
میں مر گیا۔ اُس کا بیٹا جسونت سنگھ آٹھ سال کی عمر میں اُس کی جگہ بیٹھا لیکن حکومت
۱۷۹۰ء تک اُس کی ماں کے ہاتھ میں رہی۔ ۱۸۰۶ء میں جسونت سنگھ
نے اپنے آپ کو انگریزوں کی پناہ میں ڈال دیا اور نیپال اور کابل جنگوں میں
سرکار کی مدد کی۔ ہلکر کو مدد دینے سے انکار کیا۔ ۱۸۴۰ء میں اُس کی موت
پر اُس کا بیٹا دیوندر سنگھ گدی پر بیٹھا۔ دیوندر سنگھ کو پنجاب پر حکومت کرنیکا بڑا شوق تھا

ہر روز شام کو براہمن اُس کے سامنے شلوک پاٹھ کیا کرتے تھے کہ انگریزی حکومت کا تھوڑی دیر کے بعد خاتمہ ہو جائے گا۔ سِکھ جنگ میں وہ سرکار انگریزی کے خلاف تھا۔ اس لئے لڑائی کے خاتمہ پر لُودھیانہ میں دربار کر کے اُسے گدّی سے اُتار دیا گیا اور سنتراپین قید کر دیا گیا۔ وہاں پر اُس نے بدامنی پیدا کی۔ اُسے لاہور لا کر رکھا گیا جہاں وہ مر گیا۔ اُس کے بیٹے بھرپور سنگھ نے غدر کے وقت سرکار کی پوری امداد کی۔ اُس نے ڈھائی لاکھ روپیہ قرضہ دیا اور اُس کے سپاہیوں نے لُدھیانہ اور جالندھر میں امن قائم رکھا۔ اس کے عوض میں اُس کا چھنا ہُوا علاقہ پھر اُسے واپس دیا گیا۔

## ۱۲۔ سُکرچکیا مثل

سب مثلوں میں سے یہ مثل زیادہ نامور اور سب سے بڑھ کر طاقتور ہو گئی۔ اس مثل میں سردار رنجیت سنگھ ہُوا جس نے لاہور پر قبضہ کر کے پنجاب میں سکھ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اِس مثل کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کیا جائے۔ ۱۶۰۰ء کے قریب پنڈی بھٹیاں میں کالو نام ایک جاٹ رہتا تھا۔ وہ گھر سے لڑ کر باہر چلا گیا اور امرتسر کے نزدیک راکھ ساہنی کے پاس سانسری گاؤں میں رہنے لگا۔ وہاں اُس کا ایک لڑکا پیدا ہُوا جس کا نام ایدومان تھا۔ وہ خود تو دھرونکل کو چلا آیا اور ۱۶۸۸ء میں مر گیا۔ لیکن اُس کا بیٹا سانسی جاٹوں کے ساتھ رہتا اور لوٹ مار کرتا تھا۔ ۱۷۱۶ء میں وہ مر گیا اور اُس کا بیٹا کلیب سانسیوں کا سردار بن بیٹھا اور مال مویشی کی چوری کرنے لگا۔ ۱۷۱۵ء میں اُس کے مر جانے پر اُس کا بیٹا کدو گوجرانوالہ سے ڈیڑھ کوس

سنگھ چک میں جا آباد ہوا۔ باپ کے جمع کئے ہوئے بہت سے مویشی اُس کے پاس تھے۔ اُس نے بہت سی زمین خرید لی اور امن کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ۱۷۱۵ء میں وہ مرگیا۔ اُس کے دو بیٹے راجہ داب اور پریگو تھے۔ راجہ داب نے لنڈے سیکھ لئے اور ایک دوکان کھول لی۔ ۱۷۲۲ء میں وہ تین بیٹے چھوڑکر وہ مرگیا جن میں سے تبلو اور نیلو تو جلدی مرگئے اور تیسرا بیٹا تختمل بڑا ساہوکار بن گیا۔ اُس کے دو بیٹے بالو اور بارا تھے۔ بالو لوٹ ● کرنے لگا اور مارا گیا۔ بارا مذہبی طبیعت کا آدمی تھا۔ گوجرانوالہ کے ایک بھگت کا چیلہ بن گیا اور گرنتھ پڑھنا سیکھ لیا۔ اُس کا مذہبی جوش اتنا تھا کہ وہ ہر وقت سکھی کا پرچار کرتا تھا۔ ۱۶۷۹ء میں مرتے وقت اپنے بیٹے بُڈھا کو سکھ بن جانے کا حکم دیا بُڈھا نے امرتسر ۱۶۹۲ء میں جاکر پاہل لی اور سکھ لٹیروں اور ساتھیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اُس نے اپنی دلیری اور بہادری کی وجہ سے بڑا نام پیدا کیا اور اپنے لئے ایک بڑا مکان بنوایا۔ اُس کے پاس ایک بڑی مشہور گھوڑی تھی جس پر بیچا سوں دفعہ وہ جہلم۔ چناب۔ راوی پار ہوا اور وہاں سے مال چُراکر امرتسر آ بیچتا تھا۔ ۱۷۱۶ء میں اُس کی موت پر اُس کی عورت نے تلوار اپنے کلیجے میں دے ماری اور اُسی وقت جان دیدی۔ اُس کے دو بیٹے نودھ سنگھ اور چندا سنگھ تھے۔ چندا سنگھ سندھیانوالہ شاخ کا بانی ہوا۔ اِس زمانے میں دھاڑوی کا کام بڑا عزت والا کام سمجھا جاتا تھا۔ نودھ سنگھ دھاوا مارنے میں اتنا مشہور ہوا کہ راولپنڈی سے ستلج تک اُس کا خوف چھا گیا۔ مجیٹھ کے سانسی جاٹ گلاب سنگھ نے ۱۷۳۰ء میں اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کردی اور

ساتھ ہی وہ اور اُس کا بھائی دھاڑا مارنے میں شامل ہونے لگے۔
ابدالی کے پہلے حملے کے وقت نودھ سنگھ نے نواب کپور سنگھ کے ساتھ ملکر ابدالی کا مال و اسباب لوٹا اور اتنا امیر ہو گیا کہ شکر چک کا سردار کہلانے لگا۔ ۱۷۴۷ء میں اُس کو ایک گولی لگی جس کے اثر سے وہ پانچ سال کے بعد مر گیا۔ اُس کے چار بیٹے تھے۔ اُن میں سے ایک چڑہت سنگھ تھا جو اپنی مثل کا سچا بانی ہوا۔ ۱۷۵۴ء کے قریب اُس نے کچھ مذہبی ساتھی اور دوسرے لٹیروں کا ایک گروہ اکٹھا کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ اُس کا اتنا خوف بڑھا کہ بکالی کے سردار محمد یار نے اپنی ریاست کا انتظام چڑہت سنگھ کے سپرد کر دیا اور خود پندرہ سواروں کو ساتھ لے کر اُس کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ چڑہت سنگھ کے پاس کل ایک سو پچاس سوار تھے۔ جن کی مدد سے اُسنے گوجرانوالہ کے گرد علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ گوجرانوالہ میں امیر سنگھ ایک بڑا سانسی سردار تھا جس نے جہلم سے لے کر دہلی تک لوٹ مار کی تھی۔ چڑہت سنگھ نے اُس کی لڑکی سے شادی کر لی اور اپنی طاقت کو بڑھا لیا۔ دونو سرداروں نے ملکر ایمن آباد پر حملہ کیا اور وہاں کے مغل فوجدار کو قتل کر ڈالا۔
۱۷۵۶ء میں لاہور کے مسلمان سرداروں نے ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر اُن پر حملہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی اور جنگ کا بہت سا سامان چڑہت سنگھ کے ہاتھ آیا۔
۱۷۶۲ء میں ابدالی کے حملے کے وقت چڑہت سنگھ نے اپنی عورت اور ماں دونو کو جموں بھیجدیا اور خود پٹھانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ابدالی کے چلے جانے پر اُس نے وزیر آباد اور وہاں سے احمد آباد

پر قبضہ کیا۔ یہاں اُسے خبر ملی کہ رُہتاس کا حاکم نورالدین ہندوؤں کو بڑا تنگ کرتا تھا۔ جھٹ وہاں پہنچا اور اُسے خوب لوٹا۔ چکوال درپنڈ دادنخان فتح کرکے پنڈ دادنخان کے مسلمانوں سے بہت سا جُرمانہ وصول کرکے اُن کی جان بخشی کی۔ اس کے بعد کوٹ صاحب خان اور راجہ کا کوٹلا فتح کرکے گوجرانوالہ واپس آگیا۔

اُس کی ان فتوحات سے دوسرے سکھ سردار ڈرنے لگے جموں جانے پر چڑہت سنگھ نے دیکھا کہ وہاں کا راجہ رنجیت دیو اپنے بڑے لڑکے برج راج دیو سے ناراض تھا۔ برج راج دیو نے سالانہ خراج دینے کا وعدہ کرکے چڑہت سنگھ سے مدد مانگی۔ چڑہت سنگھ نے ۱۷۷۴ء میں جموں پر حملہ کر دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہندو راجہ کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوا۔ چمبہ۔ کانگڑہ۔ نورپور اور بوشہر کے راجہ رنجیت دیو کی مدد میں آئے بھنگی مثل کے سردار بھی چڑہت سنگھ سے حسد کرتے تھے۔ اُس کی امداد میں تھے۔ کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں جن میں سے ایک میں اپنی بندوق کے پھٹ جانے سے وہ مر گیا۔ اُس کا بیٹا مہاں سنگھ اس وقت دس برس کا تھا جو کہ تین لاکھ کے علاقے کا مالک بنا۔ مہاں سنگھ کی ماں دیساں نے حکومت سنبھالی۔ اگرچہ اُس کی ایک شخص جے رام مصر سے دوستی ہوئی تہی۔ اُس کے سردار اُس سے باغی ہوگئے لیکن اُنہیں کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ مہاں سنگھ کی جیند کے راجہ گجپت سنگھ کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ ۱۷۸۰ء میں اُس نے کنہیا سردار جے سنگھ کے ساتھ ملکر رام نگر (رسُول نگر) پر حملہ کیا۔ رام نگر میں چٹھا مسلمان راجیہ کرتے تھے۔ جنکا سردار پیر محمد تھا۔ بھنگی سردار جھنڈا سنگھ نے احمد شاہ کی توپ زمزمہ

چھین کر پیر محمد کے پاس امانت رکھی جس نے اُسے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر مہاں سنگھ نے علاقہ کو لوٹا اور لوگوں کے پاس ایک دانہ تک نہ چھوڑا۔ پیر محمد نے صلح کی درخواست کی۔ مہاں سنگھ نے وصول کرنے سے پہلے اُسے قتل کرا ڈالا اور اُس کے بیٹوں کو توپوں کے مُنہ کے ساتھ باندھ کر اُڑا دیا۔ اُس کی شہرت بھنگی سرداروں سے بھی بڑھ گئی۔ رسُول نگر کا نام رام نگر اور علی پور کا نام اکال گڑھ تبدیل کر دیا۔

اِس کے دو سال بعد ۲ رنومبر ۱۷۸۰ء کو اُس کے ہاں رنجیت سنگھ پیدا ہُوا۔ ہزاروں روپے دان میں دیئے گئے۔ سارے سکھ سرداروں کو ضیافت میں بلایا گیا۔ بچپن میں ہی رنجیت سنگھ کو چیچک نکلی جس میں اُس کی جان تو بچ گئی مگر ایک آنکھ جاتی رہی اور چہرے پر چیچک کے نشان رہ گئے۔ باپ نے کانگڑہ اور جوالا مکھی کو تحفے بھیجے اور براہمنوں کو دان دیئے اِس وقت تیمور شاہ نے حملہ کرکے بھنگی سرداروں کو ملتان اور بہاول پور سے نکال دیا۔ اُن کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر مہاں سنگھ نے عیسیٰ خیل اور موسیٰ خیل کو فتح کرکے جھنگ پر حملہ کیا۔ یہ سب مقام بھنگی مثل کے نیچے تھے۔ بھنگی سردار اِس وقت باہمی جھگڑے میں لگے ہوئے تھے۔ اِس کے بعد مہاں سنگھ نے سیالکوٹ کے نزدیک کوٹلی پر حملہ کیا جو کہ بندوقوں کے بنانے کے لئے مشہور تھی۔ یہاں پر اُس نے کئی سرداروں کو صلاح کے لئے بُلا بھیجا اور اُنہیں دھوکے سے قید کر لیا۔ بہت سا جرمانہ وصول کرنے کے بعد اُنہیں رہائی دی۔ اتنے میں اُسے خبر لگی کہ جموں کا راجہ برج راج دیو عیاشی میں پڑ گیا ہے اور اُس کی رعایا اُس سے ناراض ہے۔ بھنگی سرداروں نے جموں پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ جموں کے راجہ نے

مہاں سنگھ کو مدد کے لئے بُلا بھیجا۔ راجہ کو شکست ہو جانے پر اُس نے
تیس ہزار روپیہ حقیقت سنگھ کو دینے کا اقرار کیا۔ مہاں سنگھ حقیقت سنگھ
کے ساتھ مل گیا اور جموں لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ جموں اس وقت بڑا دولتمند
شہر تھا۔ پنجاب کے سب بڑے بڑے بیوپاری بدامنی کی وجہ سے وہاں جا بسے
تھے۔ راجہ ڈر کے مارے بھاگ گیا۔ شہر کے امیر آدمی تحفے لے کر
مہاں سنگھ کے پاس آئے لیکن اُس نے کچھ پروا نہ کی اور شہر کو خوب
لوٹا یہاں تک کہ اس سے جموں کے علاقے میں سخت قحط پڑ گیا۔ سنہ ۱۷۸۴ء
میں دیوالی کے موقعہ پر مہاں سنگھ اشنان کے لئے امرتسر گیا۔ کنہیا سردار
جے سنگھ اُس سے بہت حسد کرنے لگا۔ مہاں سنگھ نے بہتیری خوشامد کی
لیکن وہ راضی نہ ہوا اور اُسے یہاں تک کہدیا۔ "بھگتیا (ناچنے والے لڑکے)
یہاں سے چلے جاؤ"۔ مہاں سنگھ اسے برداشت نہ کر سکتا تھا۔ کچھ سوار لے کر
امرتسر سے باہر نکل آیا۔ اور جسا سنگھ رام گڑھیا کو جو کنہیا سردار کے ساتھ
لڑ کر ہانسی کو بھاگ گیا تھا مدد کے واسطے بُلا بھیجا۔ جسا سنگھ اپنے ساتھیوں
کو ساتھ لیکر واپس آیا۔ بٹالے میں دونوں میں بڑی لڑائی ہوئی جس میں
کنہیا سرداروں کو بڑی شکست ہوئی۔ جے سنگھ کا بیٹا گوربخش سنگھ مارا
گیا۔ جے سنگھ نے باقی فوج لے کر نوشہرہ میں مہاں سنگھ پر پھر حملہ کیا۔ مگر
شکست کھا کر اُسے نورپور بھاگ جانا پڑا۔ گوربخش سنگھ کی بیوی سدا کور
نے اپنی بیٹی مہتاب کور کی سگائی رنجیت سنگھ کے ساتھ کر کے دونوں مثلوں
میں اتحاد کرا دیا۔ یہ ذکر ہو چکا ہے کہ سنہ ۱۷۸۶ء میں یہ شادی دھوم دھام
سے بٹالہ میں ہوئی۔

سنہ ۱۷۸۸ء میں بھنگی سردار گوجر سنگھ مر گیا۔ اُس کے دو بیٹے فتح سنگھ

اور صاحب سنگھ میں جھگڑا ہو گیا۔ مہاں سنگھ نے صاحب سنگھ سے خراج مانگا اور صاحب سنگھ کے انکار کرنے پر گجرات پر حملہ کر دیا۔ صاحب سنگھ سوہدرہ کے قلعے میں بند ہو گیا۔ مہاں سنگھ نے تین ماہ تک محاصرہ رکھا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے اُسے گوجرانوالہ میں آنا پڑا اور یہاں آکر وہ مر گیا۔ چڑہت سنگھ اور مہاں سنگھ دونوں بڑے بہادر اور فاتح ہوئے۔ اُن کے وقت میں شکرچکیا مثل کا غلبہ بڑھتا گیا اور وہ سب مثلوں میں بڑی مانی جانے لگی۔ مہاں سنگھ نے جلال پور کے سردار خداداد خاں کو اپنے ہاں رکھا تھا۔ اس شخص نے محض شک پر اپنی ماں کو قتل کر ڈالا تھا۔ مہاں سنگھ نے ایک بار اُس سے اس کا حال پوچھا جس پر اُس نے کہا "میں نے تو شک پر اپنی ماں کی جان لے لی۔ تم ہر روز اپنی ماں کو خرابیاں کرتے دیکھتے ہو اور کچھ نہیں کرتے"۔ مہاں سنگھ چپ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر ماں کو گولی سے مار دیا۔ اُس کی اپنی عورت بھی اُس کی ماں سے کچھ اچھی نہ تھی اور رنجیت سنگھ کو بھی اپنے باپ کی مثال پر چلکر اپنی ماں کو قتل کرنا پڑا۔

باپ کے مرجانے پر رنجیت سنگھ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ اُس کی ماں مائی ملاواں اُس کی محافظ بنی۔ نوشہرے کا ایک کھتری دیوان لکھپت اُس کا بڑا اصلاح کار تھا۔ رنجیت سنگھ کی ساس سدا کور اُس کو ہر طرح سے مدد کرتی تھی۔ یہ عورت بڑی سمجھدار اور دلیر تھی اور جب جے سنگھ ۱۷۹۳ء میں مر گیا تو کنہیا مثل پر اس کا ہی اختیار تھا۔ رنجیت سنگھ کو کسی قسم کی تعلیم نہیں دی گئی۔ اُسے لکھنا پڑھنا تک نہ آتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے نکئی سردار رام سنگھ کی لڑکی سے دوسری شادی کی۔ جب وہ سترہ برس کا

ہوا تو اُس نے ماں اور ساس سے چھین کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اِس وقت ابدالی کے پوتے شاہ زمان نے پنجاب پر حملہ کیا۔ دو بار اُس نے لاہور پر قبضہ کیا تھا لیکن اُسے اپنے خانگی جھگڑوں کی وجہ سے واپس جانا پڑتا تھا۔ سکھ لوگ پٹھانوں کے آنے پر پہاڑوں یا جنگلوں میں چھپ جاتے تھے اور اُن کے چلے جانے پر پھر واپس چلے آتے تھے۔ ایکبار شاہ زمان لاہور میں تھا جب رنجیت سنگھ نے ستلج پار ہو کر علاقے فتح کرنا اور خراج وصول کرنا شروع کیا۔ اُس کے چلے جانے پر پیچھے لوٹ آیا۔ چھتاپے سردار حشمت خاں نے چھپکر اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ رنجیت سنگھ شکار سے واپس آ رہا تھا جب حشمت نے اُس پر حملہ کیا تلوار سے لگام کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رنجیت سنگھ نے ایک جھٹکے سے اُس کا سر قلم کر دیا اور اُس کے سارے علاقے پر قابض ہو گیا۔

رنجیت سنگھ نے اب لاہور لینے کا ارادہ کیا۔ اِس وقت لاہور میں چیت سنگھ۔ صاحب سنگھ اور موہر سنگھ حکومت کرتے تھے۔ چیت سنگھ قلعے میں رہا کرتا تھا۔ لاہور کے مسلمانوں میں میاں عاشق محمدؐ اور محکم الدین دو بڑے چودھری تھے۔ عاشق محمدؐ کی لڑکی میاں بدرالدین سے بیاہی ہوئی تھی۔ پھر کھتری بدرالدین سے ناراض تھے۔ اُنہوں نے چیت سنگھ کے پاس شکایت کی کہ بدرالدین شاہ زمان کے ساتھ سازش میں لگا ہے۔ اِس پر چیت سنگھ نے بدرالدین کو گرفتار کر لیا۔ مسلمان چودھری چیت سنگھ کے پاس گئے لیکن اُس نے ایک نہ سُنی۔ ڈیڑھ ماہ گذر گیا۔ اِن چودھریوں نے حکیم حاکم رائے اور بھائی گوربخش سنگھ کو اپنے ساتھ ملا کر رنجیت سنگھ کو ایک دن کہلا بھیجا کہ شہر میں ظلم ہو رہا ہے اور شہر کے لوگ حکومت سے تنگ ہیں۔

رنجیت سنگھ نے اپنا ایجنٹ قاضی عبدالرحمان کو بھیجکر سب حال دریافت کیا اور یقین ہو جانے پر فوج لیکر بٹالے آگیا۔ امرتسر سے پانچہزار فوج لے کر لاہور کو روانہ ہوا اور وزیر خاں کی بارہ دری (پنجاب پبلک لائبریری) میں آڈیرے لگائے۔ ۱۷۹۹ء میں ایک دن آٹھ بجے صبح لوہاری دروازے سے اُس کی فوج داخل ہوئی۔ رنجیت سنگھ نے اپنے آپ کو قلعے میں بند کر لیا۔ دوسرے دو سردار لاہور سے بھاگ گئے۔ رنجیت سنگھ نے قلعے کا گھیرا ڈال دیا۔ دوسری صبح چیت سنگھ نے قلعہ رنجیت سنگھ کے حوالے کرکے اطاعت مان لی۔ رنجیت سنگھ نے لوگوں کو پوری حفاظت کا یقین دلایا اور اُس نے دوکانیں کھولنے کا حکم دیا۔ لوگ اُس کے نرم سلوک سے خوش ہو گئے۔ رنجیت سنگھ کے لاہور پر قبضہ کرنے سے پنجاب میں ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

# مہاراج رنجیت سنگھ

## پنجاب کی پولیٹیکل حالت

قصور میں پٹھان نظام الدین کا راج تھا۔ چک گورو (امرتسر) بھنگی سردار گلاب سنگھ کے قبضہ میں تھا۔ ملتان میں مظفر خان سدوزئی کی حکومت تھی جو ابدالی خاندان سے تھا۔ دائرہ پر عبدالصمد خان حکومت کرتا تھا۔ منکیریہ۔ جھنگ۔ بنوں پر محمد شاہ نواز حاکم تھا۔ یہ سب لوگ پہلے کابل بادشاہ کے صوبہ دار تھے لیکن اب خود مختار بن بیٹھے تھے۔ ڈیرہ غازی خاں۔ بہاول پور پر داؤد پوترا بہاول خاں حکومت کرتا تھا اور جھنگ پر احمد خاں سیال

پشاور پر فتح خاں برکزئی اور کشمیر پر اُس کا بھائی عظیم خاں۔ اٹک کے قلعے پر وزیر خیل جہانداد خاں۔ کانگڑہ میں راجہ سنسار چند۔ چمبہ میں راجہ چڑہت سنگھ۔ ہوشیارپور سے کپور تھلہ تک آہلو والیہ سردار فتح سنگھ۔ وزیر آباد۔ دھنی۔ خوشاب۔ پاک پٹن پر سکھ سردار حکمران تھے۔

## حسد اور سازش

رنجیت سنگھ کے لاہور پر قابض ہو جانے سے سب سردار اُس سے حسد کرنے لگے جتا سنگھ رام گڑھیا۔ بھنگی گلاب سنگھ (امرتسر) بھنگی صاحب سنگھ (گجرات) جودھ سنگھ (وزیر آباد) اور نظام الدین (قصور) نے ملکر ایک سازش کی اور امرتسر سے روانہ ہو کر سب نے ۱۸۰۰ء میں لاہور پر حملہ کیا۔ رنجیت سنگھ اُن کے مقابلے پر میدان میں آیا۔ بھسین کے مقام پر دو ماہ تک فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ بھنگی سردار سب کچھ بھول گئے۔ اور شراب پینے میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ گلاب سنگھ اُس کے اثر سے وہیں مر گیا۔ اُن کے اندر ہل چل پڑ گئی اور سب چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ رنجیت سنگھ فتح کے ساتھ لاہور داخل ہوا اور نذرانہ وصول کئے۔ اُسی سال نارووالی۔ میرووال۔ جسروال ہوتا ہوا جموں سے چار میل کے فاصلے پر جا مقیم ہوا۔ راجہ نے بیس ہزار روپیہ اور ہاتھی نذر کیا۔ نذرانہ لے کر واپسی پر سیالکوٹ پر قبضہ کر کے سوڈھی گیر سنگھ سے دلاور گڑھ فتح کیا۔ لاہور پہنچکر ۱۸۰۱ء میں مہاراج کا خطاب لیا دربار میں سب سردار حاضر ہوئے۔ پروہت نے تلک لگا کر باقاعدہ رسم ادا کی۔ شاعروں نے نظمیں کہیں اور سرداروں اور علماء نے مبارکبادیں دیں۔ حکم ہوا کہ مہاراج کو ہمیشہ سرکار لکھا جائے۔ لاہور میں ٹکسال قائم

کرکے اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ مہاراج نے پہلے روپے ملاحظہ کرکے خیرات میں دیدیئے۔ مقدمات کے فیصلے کے لئے قاضی نظام الدین اور عزیزالدین کا بھائی فقیرالدین شاہی حکیم مقرر ہؤا۔ امام بخش خرسوار شہر کا کوتوال بنایا گیا۔ دیوان موتی رام کو ایک لاکھ روپیہ لاہور کی فصیل مضبوط کرنے کے لئے دیا گیا۔ صاحب سنگھ بھنگی اور قصور کے پٹھان نے پھر سازش کرنی شروع کی۔ مہاراج نے گجرات پر حملہ کرکے صاحب سنگھ کی خبرلی اور پھر قصور پر حملہ کرکے پٹھان کو اطاعت کے لئے مجبور کیا اور اُس سے سرکار کی مدد میں فوج رکھنے کا اقرار لیا۔

مہاراج کو پھر خبر لگی کہ صاحب سنگھ بھنگی کے کہنے پر اکال گڑھ کا سردار دل سنگھ فوج جمع کر رہا ہے۔ مہاراج نے اُسے دوستانہ چٹھی لکھکر لاہور بلا بھیجا۔ دھوکے میں وہ لاہور چلا آیا۔ پہلے تو اُس کی بڑی عزت کی گئی بعد میں اُس کے مکان کے گرد سپاہی ڈال کر قید کر لیا گیا اور مہاراج نے خود اکال گڑھ پر چڑھائی کردی۔ دل سنگھ کی رانی تیجو نے فوج لے کر ایسا مقابلہ کیا کہ مہاراج کو ناکام اُلٹا آنا پڑا۔ صاحب سنگھ نے وزیرآباد کے سردار جودہ سنگھ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ مہاراج نے اُسے دوستانہ چٹھی لکھکر راضی کر لیا اور خود صاحب سنگھ پر پھر حملہ کیا۔ کچھ دیر محاصرہ کے بعد صاحب سنگھ نے صلح کی درخواست کی۔ باہم راضی نامہ ہوگیا جس پر مہاراج نے دل سنگھ کو چھوڑ دیا۔ دل سنگھ اکال گڑھ پہنچتے ہی مرگیا جس پر مہاراج خود اکال گڑھ چلا گیا اور رانی کو ماتم پرسی کی ایک چٹھی لکھی۔ رانی نے اپنے گھر بلا بھیجا۔ مہاراج نے شہر میں داخل ہوکر رانی اور اُس کے بچوں کو قید کر لیا اور اُسے صرف دو گاؤں دیکر اکال گڑھ پر قبضہ کر لیا

اگلے سال مہاراج نے ڈسکہ کا قلعہ فتح کیا۔ ۱۸۰۵ء میں مہاراج ترنتارن
اشنان کو گیا۔ وہاں پر فتح سنگھ آہلووالیہ سے پگڑی تبدیل کرکے دوستی
پیدا کی۔ اگلے سال رانی راجکور سے کھڑک سنگھ کا جنم ہوا۔ اِس موقعہ پر
بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کئی ہفتہ تک لاہور میں جشن ہوتے اور غریبوں
کو خیرات بانٹی گئی۔

بھنگی سردار گلاب سنگھ کے مرجانے کے بعد اُس کی بیوہ رانی
سُکھاں اپنے نابالغ بیٹے کے نام پر امرتسر میں حکومت کرتی تھی۔ مہاراج
نے امرتسر لینے کا فیصلہ کرلیا اور فتح سنگھ آہلووالیہ کو وہاں بُلا بھیجا۔
رانی نے سب دروازے بند کردیئے اور فصیل کے اُوپر چڑھ گئی۔ مہاراج
نے خود لوہگڑھ دروازے سے اور فتح سنگھ نے ہال دروازے سے
حملہ شروع کیا۔ لوہگڑھ مہاراج کے ہاتھ میں آگیا اور شہر پر مہاراج کا قبضہ ہو
گیا۔ شہر میں کسی قسم کی لوٹ مار نہیں ہوئی۔ مہاراج خود ہر مندر میں گئے
اور بہت سا دان پُن کیا۔

**راجہ سنسار چند**

ہندو راجاؤں میں اِس وقت کٹوچ کا راجہ سنسار چند
ہی تھا جو کہ کچھ ہمت رکھتا تھا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو
بھی اُس کے ساتھ ٹکر کھانی پڑی۔ ابھی مہاراج گدی پر بیٹھے ہی تھے کہ اُسے خبر
ملی کہ راجہ سنسار چند نے اُس کی ساس رانی سدا کور کے علاقے پر حملہ کیا ہے
مہاراج نے پہلے فوج روانہ کی اور پھر خود جا پہنچا۔ راجہ سنسار چند سے
نہ صرف سب علاقہ واپس لیا بلکہ ذریعہ پور پر اپنا قبضہ کرلیا اور واپس آتے ہوئے
سُجان پور کا قلعہ گرا کر وہاں سے چار توپیں اپنے قبضہ میں لے لیں اور دھرم کوٹ
مشکل کرلے اور بہرام پور پر اپنا قبضہ کرلیا۔ لاہور واپس پہنچ کر مہاراج نے

پنڈی بھٹیاں۔ دھن اور پوٹھوہار کا دورہ کیا۔ اُنہیں اپنے قبضہ میں لا وہاں سے چار سو عمدہ گھوڑے اپنے ساتھ لاہور لے آیا۔

اگلے سال مہاراج کو خبر ملی کہ ایک کھتری چوہڑمل کی بیوہ پھگواڑہ میں خود مختار حکومت قائم کرنا چاہتی تھی۔ مہاراج نے پھگواڑہ پر قبضہ کر لیا اور بیوہ کو جاگیر دوار بھجوا دیا۔ اس وقت سنسار چند نے پھر ہوشیارپور اور بجواڑہ پر چڑھائی کر دی۔ مہاراج فوج لے کر اُدھر گیا لیکن سنسار چند کانگڑہ کو واپس چلا گیا۔ دوسرے سال سنسار چند نے پھر ہوشیارپور پر چڑھائی کی لیکن اس کے اپنے علاقے پر گورکھا فوجیں آپہنچیں جنکا ارادہ اس وقت ہندوستان پر حکومت قائم کرنے کا تھا۔ اس لئے سنسار چند کو واپس جانا پڑا۔ ۱۸۰۶ء میں پٹیالہ اور نابہ کا آپس میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ دونوں نے مہاراج کو اپنا پنچ مقرر کیا۔ مہاراج فوج لے کر اُدھر گیا اور کچھ لڑائی جھگڑے کے بعد اُن کی آپس میں صلح کرائی لیکن اس کے ساتھ جنڈیالہ۔ رائے کوٹ۔ جگراؤں۔ تلونڈی اور لودھیانہ کو اپنے سرداروں میں بانٹ لیا۔ لودھیانہ اس وقت رائے کوٹ کے ایک مسلمان راجپوت الیس خاں کی دو بیواؤں کی حکومت کے نیچے تھا۔ مہاراج نے دونوں کو نکال کر لودھیانہ پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت مہاراج کو خبر لگی کہ گورکھا فوج کے جرنیل امر سنگھ نے کہلور کا علاقہ فتح کر کے سرمور۔ بسی وغیرہ ہوتا ہوا کانگڑہ آ گھیرا تھا۔ جب مہاراج رنجیت سنگھ کوٹ کانگڑہ کے نزدیک جا پہنچا تو امر سنگھ کا وکیل نور آور سنگھ اُس کے پاس آیا اور دُگنا نذرانہ پیش کیا۔ مہاراج نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ اس نے پہلے سنسار چند سے مدد کا وعدہ کیا ہے لیکن بات یہ تھی کہ وہ گورکھوں کو نکال کر مدد دینا نہیں چاہتا تھا۔ راجہ سنسار چند نے تنگ آ کر اپنے بھائی فتح چند کو رنجیت سنگھ کے پاس روانہ کیا۔ مہاراج خود کانگڑہ لینا چاہتا تھا۔

سنہ ۱۸۰۹ء میں گورکھوں اور انگریزوں کی لڑائی ہوئی جس سے گورکھوں کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوگیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے علیحدہ اپنی پہاڑی میں بند ہوگئے۔

مہاراج نے دیسا سنگھ مجیٹھیا کو کانگڑہ کا کمانڈر اور سب پہاڑی ریاستوں کا ناظم مقرر کیا اور خود جوالا مکھی میں دان پُن کر منڈی رسکیت۔ کلو کے راجاؤں سے نذرانے وصول کرتا ہوا جالندھر واپس آیا۔ راستے میں سردار بگھیل سنگھ کے مرجانے پر اُس کی بیوہ سے ہریانہ کا قبضہ لے لیا۔ اُس کے ساتھ ہی گجوب سنگھ فیضل پوریا کو گرفتار کیا اور اُس کا علاقہ لے لیا۔

**قصور کی فتح**

سنہ ۱۸۰۱ء میں نظام الدین قصور میں باغی ہوگیا۔ مہاراج خود فوج لے کر وہاں پہنچا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ مقابلے میں پٹھان ہار گئے۔ شہر میں خوب لُوٹ مار کی گئی اور پٹھان مرد۔ عورتیں اور بچے قید کر لئے گئے۔ نظام الدین مہاراج کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے اتنا عجز اور انکساری ظاہر کی کہ مہاراج نے اُسے معاف کرکے پھر بحال کر دیا۔

چند ماہ بعد مہاراج کو خبر ملی کہ نظام الدین کو اُس کے سالے قطب الدین نے قتل کر ڈالا ہے۔ مہاراج نے قصور پر چڑھائی کر دی اور شہر کا محاصرہ ڈال لیا۔ جب قطب الدین بھوک سے مرنے لگا تو اُس نے بہت سا روپیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔

سنہ ۱۸۰۷ء میں مہاراج کو خبر لگی کہ قطب الدین نے قصور میں اپنی طاقت بڑھانی شروع کی ہے۔ مہاراج نے بہت سی فوج اکٹھی کرکے قصور پر حملہ کیا اور ایک ماہ تک گھیرے رکھا۔ جب شہر میں کھانے کے لئے کچھ نہ رہا تو قطب الدین کو مطیع ہونا پڑا۔ سکھ سپاہ نے قصور کو لُوٹا اور اسے اپنے قبضے میں لے لیا۔

سنہ ۱۸۱۴ء میں گورکھوں اور انگریزوں کی لڑائی ہوئی جس سے گورکھوں کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو گیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے علیحدہ اپنی پہاڑی میں بند ہو گئے۔

مہاراج نے دیسا سنگھ مجیٹھیا کو کانگڑہ کا کمانڈر اور سب پہاڑی ریاستوں کا ناظم مقرر کیا اور خود جوالا مکھی میں دان پُن کر منڈی، سکیت، کلو کے راجاؤں سے نذرانے وصول کرتا ہوا جالندھر واپس آیا۔ راستے میں سردار بگھیل سنگھ کے مرجانے پر اُس کی بیوہ سے ہریانہ کا قبضہ لے لیا۔ اُس کے ساتھ ہی محبوب سنگھ فیڈبل پوریا کو گرفتار کیا اور اُس کا علاقہ لے لیا۔

## قصور کی فتح

سنہ ۱۸۰۱ء میں نظام الدین قصور میں باغی ہو گیا۔ مہاراج خود فوج لے کر وہاں پہنچا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ مقابلے میں پٹھان ہار گئے۔ شہر میں خوب لوٹ مار کی گئی اور پٹھان مرد، عورتیں اور بچے قید کر لئے گئے۔ نظام الدین مہاراج کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے اتنا عجز اور انکساری ظاہر کی کہ مہاراج نے اُسے معاف کر کے پھر بحال کر دیا۔

چند ماہ بعد مہاراج کو خبر ملی کہ نظام الدین کو اُس کے سالے قطب الدین نے قتل کر ڈالا ہے۔ مہاراج نے قصور پر چڑھائی کر دی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب قطب الدین بھوک سے مرنے لگا تو اُس نے بہت سا روپیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔

سنہ ۱۸۰۷ء میں مہاراج کو خبر لگی کہ قطب الدین نے قصور میں اپنی طاقت بڑھانی شروع کی ہے۔ مہاراج نے بہت سی فوج اکٹھی کر کے قصور پر حملہ کیا اور ایک ماہ تک گھیرے رکھا۔ جب شہر میں کھانے کے لئے کچھ نہ رہا تو قطب الدین کو مطیع ہونا پڑا۔ سکھ سپاہ نے قصور کو لوٹا اور اسے اپنے قبضے میں لے لیا

اپنی جاگیر دار سے کچھ حصہ شیر سنگھ کو دیدے لیکن رانی سدا کور اُسے علیحدہ جاگیر دلانا چاہتی تھی۔ رنجیت سنگھ نے شیر سنگھ اور اُس کی ماں کے درمیان جھگڑا ڈلوا دیا اور اکتوبر میں حکم دیا کہ شیر سنگھ اور تارا سنگھ کے لیے جاگیر علیحدہ کر دی جائے۔ سدا کور پہلے تو ناراض ہوئی اور انگریزوں کے پاس چلی جانا چاہتی تھی۔ مہاراج نے اُسے شاہدرہ بُلا بھیجا۔ اور مصر دیوان چند کو بھیجکر اس کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ مصر دیوان چند نے مکیریاں میں ٹال گڑھ کو جا گھیرا وہاں پر رانی کی ایک گولی نے بڑا زبردست مقابلہ کیا۔ مصر دیوان چند طاقت سے ایک چٹھی لکھوا کر گولی سے اطاعت کروانا چاہتا تھا۔ رانی سدا کور نے اپنی مہر لگانے سے انکار کر دیا۔ اُسے دو دن بھوکا رکھا گیا۔ تیسرے دن اُس نے اپنی مہر لگا دی اور مصر دیوان چند نے مکیریاں سے سب مال اور جواہرات لیکر لاہور بھیجدیئے۔ اور بٹالہ شیر سنگھ کے نام جاگیر کر دی۔ رانی سدا کور کو مرتے دم تک قید میں رکھا گیا۔ وہ بڑی بے چین رہتی تھی۔ چھاتی پیٹتی اور مہاراج کو گالیاں دیتی تھی

## نکئی اور فیض پوریا مثل

۱۸۱۰ء میں مہاراج کو خبر لگی کہ کاہن سنگھ نکئی ملتان اور ماجھے کے درمیانی علاقہ پر بہت ظلم کرتا ہے۔ مہاراج نے دیوان محکم چند کو فوج دے کر روانہ کیا جس نے سب علاقہ فتح کر لیا۔ سردار کاہن سنگھ کو بھیرووال میں جاگیر عطا کی گئی

فیض پوریا سردار بدھ سنگھ جس کا علاقہ ستلج کے دونو طرف تھا۔ دربار میں آنے سے انکار کرتا تھا۔ دیوان محکم چند فوج لے کر جالندھر جا پہنچا۔ بدھ سنگھ انگریزوں کے پاس لودھیانہ بھاگ گیا۔ محکم چند نے جالندھر، پھلور، پٹی، رہیت پور پر قبضہ کر لیا جس سے تین لاکھ کا علاقہ

لاہور کے ساتھ مل گیا۔ محکم چند کو دیوان بنایا گیا۔ ایک ہاتھی سنہری ہودہ
اور جڑاؤ ہوئی تلوار انعام ملے۔

**جھنگ**

امرتسر پر قبضہ کرنے کے بعد مہاراج نے احمد خاں
سیال سے خراج طلب کیا اور اس کے ساتھ ہی
چڑھائی بھی کر دی جس مقام سے گزرتا تھا لوٹ مار کرتا جاتا تھا احمد خان
نے سیال، رفوال، بھروانے سب لوگوں کو جمع کیا۔ جھنگ کے مقام
پر سارا دن لڑائی جاری رہی۔ اس کے بعد تین دن تک محاصرہ رہا۔
نواب کے نوکر اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ احمد خان نے خود ملتان جاکر
پناہ لی۔ اُس کی ساری دولت مہاراج کے ہاتھ آگئی۔ ہندو چودھریوں
نے حاضر ہوکر لوٹ مار سے پناہ مانگی۔ اس لئے کوئی لوٹ مار نہ ہوئی
بعد ازاں احمد خاں نے ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ ادا کرنے کا اقرار کیا
اور اُسے حکومت واپس دی گئی۔ مہاراج نے اُچ ساہی وال اور گڑھ
کے مسلمان نوابوں سے بہت سا روپیہ وصول کیا۔ ۱۸۱۰ء
میں ملتان اور بھکر جوتے ہوئے مہاراج جھنگ پہنچا اور احمد خاں سے
نذرانہ طلب کیا اور نہ وصول ہونے پر احمد خاں اور اُس کے دیوان
جوایا رام کو قید کر کے لاہور بھیج دیا۔ چار لاکھ روپے کا علاقہ ایک لاکھ
ساٹھ ہزار پر سُکھ دیال کو ٹھیکہ پر دیدیا۔ فتح سنگھ آہلووالیہ نے اس عرصہ
میں اُچ کے سید کو نکال کر اُس کا علاقہ لے لیا اور کوٹ مہاراجہ پر
قبضہ کر لیا۔

**مُلتان کی فتح**

لاہور کے علاوہ پنجاب کا دوسرا صوبہ مُلتان کا تھا
مہاراج کے سپاہی ۱۸۰۲ء میں قصور کی لڑائی سے

بعد تھکے ہوئے واپس آئے تھے کہ مہاراج نے ملتان پر چڑھائی کا حکم دیدیا سب درباری اُس کے خلاف مشورہ دیتے رہے مگر مہاراج نے ایک نہ سُنی۔ ملتان میں بہت دولت تھی اور مہاراج اُسے لینا چاہتا تھا۔ ابھی وہ شہر سے تیس میل ہی دُور تھا کہ نواب مظفر جنگ بہت سا نذرانہ لیکر آگے سے آملا اور مہاراج اُسے قبول کرکے واپس لوٹ گیا۔

ساہی وال کے حاکم فتح خاں نے کئی سالوں سے خراج ادا کرنا بند کردیا۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراج ساہی وال کی طرف روانہ ہوا اور عوشاب سے اچانک رات کو ہی ساہی وال جا پہنچا۔ فتح خاں کو زنجیریں ڈال کر لاہور روانہ کردیا۔ وہاں سے ملتان پر چڑھائی کردی۔ مظفر خاں قلعے میں پناہ گزیں ہوگیا۔ مہاراج شہر کے اندر داخل ہوگیا۔ اردگرد کے سردار سب ڈر گئے۔ لیہ اور بھکر کے سردار محمد خاں نے ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ نذرانہ ادا کیا۔ بہاول پور کا سردار صدیق محمدؒ ایک لاکھ روپیہ دینا چاہتا تھا مگر مہاراج نے اسے منظور نہ کیا۔ آخر اُس نے پانچ سو سوار لڑائی میں امداد کے لیئے روانہ کیئے۔ کئی دنوں تک قلعے پر گولہ باری ہوتی رہی مگر پٹھانوں نے بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا۔ زمزمہ توپ ملتان لائی گئی۔ لیکن اُس کا چلانا اتنا مشکل ثابت ہوا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ دو ماہ تک محاصرہ رکھنے کے باوجود سکھ کچھ نہ کرسکے۔ دیوان محکم چند شجاع آباد کو بھیجا گیا لیکن وہی قلعہ لینے میں کامیابی نہ ہوئی۔ مہاراج کو دونوں جگہ سے ناکام آنے پر بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراج نے آتے ہی انگریزی قواعد اور ترتیب زور سے سکھانی شروع کردی۔ مظفر خاں اور مہاراج دونوں نے انگریزوں کو امداد کے لئے لکھا مگر اُنہوں نے کسی طرف دخل دینا مناسب

نہ بھا۔ اگلے سال سردار دل سنگھ بھٹا نوالا اور اچ کے نوابوں سے
خراج وصول کرتا ہوا ملتان جا پہنچا۔ مظفر خان کے ایجنٹ دہلی میں زیورات
بیچ کر نقد روپیے آئے تھے۔ اُس نے پچاس ہزار روپیہ نذر کیا۔ اس
کے بعد دل سنگھ نے کوٹ کمالیہ فتح کیا۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراج خود پاکپتن
سے ہوکر بہاول پور کو روانہ ہوا۔ بہاول پور کے نواب نے اسی ہزار نذرانہ
اور اسی ہزار سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ وہاں سے مہاراج ہڑپہ پہنچا اور
مصر دیوان چند کے توپ خانے کی مدد سے احمد آباد کا قلعہ سر کیا۔
سکھوں کی فوج کا ایک دستہ ملتان جا پہنچا۔ پھولا سنگھ اکالی کے دل نے
بھنگ کے نشے میں مست ہوکر ایسا حملہ کیا کہ سکھ قلعے کے باہر کے حصے پر
قابض ہو گئے۔ مظفر خاں نے اسی ہزار روپیہ مہاراج کی نذر کیا اور باقی
کا جلدی ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ وہاں سے مہاراج بھکر آیا۔ جھنگ کے
نواب کے مر جانے پر اُس کی جگہ شیر محمد بیٹھا تھا۔ مہاراج نے اُس سے
سوا لاکھ روپیہ طلب کیا۔ نواب نے صرف بیس ہزار کی نذر کی۔ اس سے
غصے ہوکر مہاراج نے منکیرہ کا علاقہ لوٹنے کا حکم دیا۔ پھولا سنگھ اکالی
نے مسلمان آبادی پر ناگفتہ بہ ظلم کئے۔ آخر کار رائے پنڈی داس کی
معرفت پچاس ہزار روپیہ ادا ہونے پر لوٹ مار ختم ہوئی۔

مہاراج کا خیال ملتان لینے کی طرف لگا ہوا تھا۔ ۱۸۱۷ء کے
شروع میں دیوان موتی رام، بھوانی داس، ہری سنگھ نلوہ اور مصر دیوان چند
ملتان روانہ کئے۔ مظفر خاں نے ایسا مقابلہ کیا کہ ان سب کی کوششیں
بیکار ثابت ہوئیں۔ واپس آنے پر بھوانی داس کو قید کر دیا گیا۔ اگلے سال
کے شروع میں پچیس ہزار سکھ مصر دیوان چند کے ماتحت زمزمہ توپ

لے کر روانہ ہوئے۔ رسد کا سامان دریائے راوی اور چناب کے رستے
بھجانیکا انتظام کیا گیا۔ مہاراج نے مصر دیوان چند کو ظفر جنگ کا خطاب دیا
مہاراج کو ڈر تھا کہ کہیں سب مسلمان اُس کے مقابلے پر اکٹھے نہ ہو جائیں۔
اس لئے اُس نے احمد خاں سیال کو رہا کر کے امرتسر کے ضلع میں جاگیر دیدی۔
مظفر خاں سے اتنی بڑی بھاری رقم طلب کی جس کا دینا اُس کی طاقت سے
باہر تھا۔ مظفر خاں نے مسلمانوں کو جہاد کے نام پر اکٹھا کیا۔ دیوان موتی رام نے
شہر کا محاصرہ ڈالدیا۔ سکھ توپوں نے قلعے میں سوراخ کر دیئے۔ زمزمہ
توپ سے بھی اس دفعہ کام لیا گیا۔ مظفر خاں نے جان توڑ کر کوشش کی مگر
تنگ آکر اُس کے ساتھی اُس کا ساتھ چھوڑتے لگے۔ کچھ چلے گئے۔ کچھ مر
گئے اور دو ہزار میں سے صرف دو سو زندہ رہ گئے۔ اچانک ایک
اکالی سادھو سنگھ نے ساتھیوں کو لے کر جمعہ کے دن پٹھانوں پر دھاوا
بول دیا اور ہاتھوں ہاتھ لڑائی میں سب کو قتل کر ڈالا۔ مظفر خان نے خود
اور اپنے بیٹوں کو سبز کپڑے پہنا کر خضری دروازے پر مقابلہ کیا اور بڑھتے
بڑھتے بہاول حق کے مقبرہ تک آپہنچا۔ یہاں پر مرنے کے لئے طیار کھڑا
ہو گیا۔ اُس کی بہادری دیکھکر سکھ پیچھے ہٹ آئے اور بندوقیں چلانی
شروع کیں جن سے مظفر خاں اور اُس کے پانچوں بیٹے مارے گئے۔
نواب کا سب مال و اسباب بشال۔ جواہرات وغیرہ لوٹ لیا گیا۔ شہر
میں سکھوں نے لوٹ مچادی۔ قلعے کے اندر چار پانچ سو مکان گرا
دیئے۔ بہت سی مسلمان عورتیں حملہ کے ڈر سے ڈوب کر مرگئیں۔ ملتان
فتح ہو جانے کے بعد شجاع آباد کا قلعہ لوٹا گیا۔ لاہور میں خبر آنے پر متواتر
آٹھ دن خوشیاں ہوتی رہیں۔ لاہور اور امرتسر دونو شہروں میں روشنی کیگئی

مہاراج گلیوں میں پھرتا تھا اور روپیہ پھینکتا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ کو ملتان کی لوٹ بہت تھوڑی معلوم دی۔ اُس نے حکم دیا کہ ساری فوج لاہور واپس آئے اور سب سردار جو کچھ اُنہوں نے لیا ہے سرکار میں داخل کریں۔ باوجود اس کے کل پانچ لاکھ کا مال وصول ہوا۔ سکھ دیال ملتان کا صوبہ دار بنایا گیا۔

### ڈیرہ جات اور ہزارہ

۱۸۱۷ء میں شاہزادہ شیر سنگھ اور تارا سنگھ کو ہزارے کی مہم پر بھیجا گیا۔ محمد خان کے گرد ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے لیکن لڑائی میں محمد خان مارا گیا اور اس کے بیٹے نے پچھتر ہزار روپیہ ادا کیا۔ ۱۸۱۹ء میں مہاراج ملتان کی طرف سے بندہ کے امیروں سے خراج لینے کے لئے جا رہا تھا کہ اُسے دو رانیوں سے دو بیٹے پیدا ہونے کی خبر ملی۔ اصل میں یہ مہاراج کے لڑکے نہیں تھے۔ لیکن مہاراج نے انہیں اپنا مان لیا۔ کشمیر اور ملتان کی فتح کی یادگار میں ایک نام کشمیرا سنگھ اور دوسرے کا نام ملتانا سنگھ رکھا۔ ایک کو سیالکوٹ میں اور دوسرے کو ملتان میں جاگیر عطا کی۔ ملتان میں مہاراج کو معلوم ہوا کہ شام سنگھ پشاوریہ نے جسے ملتان ساڑھے چھ لاکھ سالانہ میں ٹھیکے پر دیا تھا بہت ظلم کئے ہیں۔ مہاراج نے شام سنگھ کو قید کر لیا اور بھائی بدن ہزاری کو نیا صوبہ مقرر کر کے اکال گڑھ کے چوہڑہ کھتری ساون مل کو دو سو پچاس روپیہ کا افسر مال مقرر کیا۔ اسی سال جمعدار خوشحال سنگھ نے ڈیرہ غازیخان کو فتح کیا جو اس سے پہلے کابل کا ایک حصہ تھا۔ اتنے میں خبر ملی کہ ہزارہ، پکھلی، دہمتوڑ اور تربیلہ کے مسلمانوں نے بھائی مکھن سنگھ کو قتل کر کے بغاوت مچا دی ہے اور اُس کی جگہ حکم سنگھ نے معاملہ کو بالکل ہی بگاڑ دیا ہے۔ مہاراج نے دیوان رام دیال اور شام سنگھ اٹاری والا شاہزادہ شیر سنگھ کے ساتھ ہزارہ کی طرف روانہ کئے۔ ان کے ساتھ آہلو والیہ فتح سنگھ اور رانی سداکور

بھی تھے۔ فتح سنگھ تو نرمی کرنا چاہتا تھا لیکن رانی سداکور نے ان قبیلوں کو تباہ کرنے کا حکم دیا۔ ہزاروں مسلمان قتل کر دیئے گئے۔ ان زیادتیوں کو دیکھ کر ترنیلہ۔ یوسف زئی وغیرہ کے سب مسلمان اکٹھے ہو گئے اور سردار الہی بخش کو گھیر لیا۔ دیوان رام دیال اُس کی مدد کو پہنچا۔ سارا دن لڑائی ہوتی رہی جس میں دونو طرف بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ شام کو دونو فوجیں پیچھے ہٹ گئیں۔ دیوان رام دیال نے سب سے آخر میدان کو چھوڑا۔ پٹھانوں کو اس کی خبر لگ گئی وہ ٹوٹ کر اُس پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے نوجوان دیوان نے اپنی جان دی۔ مہاراج کو اس موت کی خبر سُنکر بڑا صدمہ ہُوا۔ اُسے دیوان رام دیال پر بڑی اُمیدیں تھیں۔ دیوان موتی رام نے اپنے بیٹے کی خبر سُنکر کشمیر چھوڑ کر بنارس جانیکا ارادہ کیا۔ ہزارہ کے مسلمان نوابوں نے آہستہ آہستہ خراج دینا منظور کر لیا۔

۱۸۲۱ء میں مہاراج جہلم عبور کر کے راولپنڈی گیا اور وہاں کے سردار نند سنگھ کو نکال کر راولپنڈی اپنے ساتھ ملالی اور نانک چند دفتری کو وہاں افسر مقرر کیا۔ فروری ۱۸۲۱ء کو کھڑک سنگھ کے ہاں نونہال سنگھ بیٹا پیدا ہُوا۔ جس سے بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ اس وقت کشتواڑ اور فتح کوٹ فتح کر کے پنجاب کے ساتھ ملائے گئے۔ سکھ فوجیں ہری سنگھ نلوہ۔ مصر دیوان چند اور دیوان کرپارام کے ماتحت بھکر کو روانہ ہوئیں۔ بھکر لینے کے بعد سردار دل سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ ڈیرہ اسمعیل خاں کی طرف گئے۔ وہاں کے افسر مانک رائے نے مقابلہ کیا لیکن پکڑا گیا۔ اس کے بعد خان گراں۔ لیہ۔ منجھ گڑھ پر قبضہ کر کے سکھ فوج نے منکیرہ پر حملہ کیا۔ منکیرہ کے نواب حافظ رحمت خاں نے مقابلے کا ارادہ کیا۔ اُسے پانی کی بہت دقت تھی جو بہت دُور سے اُونٹوں

ملایا جاتا تھا۔ چوبیس دن تک محاصرہ رہا۔ مہاراج رنجیت سنگھ خود اس محاصرہ میں موجود تھا تو اسکے ادمیوں نے نواب کا ساتھ چھوڑنا شروع کیا اور اس نے تنگ آکر صلح کی درخواست کی۔ اُس نے چوبیس توپیں حوالے کردیں۔ دس لاکھ کا علاقہ سرکار کے ہاتھ آیا۔ حافظ رحمت خان کو ڈیرہ اسمعیل خاں حکومت کے لئے دیا گیا۔

۱۸۲۳ء میں یکپلی اور دھتوڑ کے قبیلوں نے بغاوت کردی۔ مہاراج نے ہری سنگھ کو ان کے برخلاف روانہ کیا۔ ہری سنگھ نے گاؤں کے گاؤں برباد کر دیئے اور اُن پر ایسے ظلم کئے کہ وہ ابھی تک بھولے نہیں ہیں۔

۱۸۲۶ء میں ہزارہ کے زمینداروں نے بغاوت کر کے مہاراج کے قلعہ دار عباس خاں کھٹک کو قید کرلیا۔ ہری سنگھ نلوہ نے گندگرھ کے میدان میں شکست دیکر سب کو بھگا دیا اور عباس خان کو اپنی جگہ بحال کر دیا۔ اس سال بہاول پور اور منکیرہ کے نواب مرگئے۔ مہاراج نے اُن کے بیٹوں سے پچیس پچیس ہزار روپیہ نذرانہ لیکر جانشین کردیا۔ ۱۸۳۶ء میں کنور نونہال سنگھ نے شاہ نواز خاں کو نکال کر ڈیرہ اسمعیل خاں پر اپنا قبضہ کرلیا۔ اور اس کے بعد قلعہ ٹانک کو بھی اپنے علاقے کے ساتھ شامل کرلیا۔ اگلے سال یوسف زئی اور افریدیوں پر فتح حاصل کر کے لوٹ مار کی اور دوسری طرف ہری سنگھ نے جمرود میں آفریدیوں کو ایک بڑی شکست دی۔

کشمیر

کشمیر کابل کے ماتحت تھا اور اس وقت عطا محمد اُس کا صوبہ دار تھا۔ عطا محمد نے ۱۸۱۳ء میں شجاع کی مدد کر کے اُس کے بھائی محمود کو ایک شکست دی۔ اُس سال دیوان محکم چند نے بھمبر اور راجوری پر حملہ کیا۔ بھمبر کے سلطان خان نے مقابلہ کیا مگر قلعہ لیا جانے پر چالیس ہزار

خراج دینا منظور کیا۔ مہاراج خود کٹاس میں گنگا کا قلعہ سر کر چکے تھے کہ خبر آئی کہ شاہ محمود سندھ کے پار ہو آیا ہے۔ مہاراج کھیوڑہ سے چکر راولپنڈی جا پہنچا۔ یہاں پر اُسے پتہ لگا کہ شاہ محمود کشمیر کے صوبہ عطا محمد اور اٹک کے قلعدار کو سزا دینا چاہتا ہے۔ مہاراج نے اُس کے ساتھ دوستی کر لی اور واپس چلا آیا۔ سُلطان خان نے اسمعیل خاں کو جسے محکم چند بھمبر کا ایک علاقہ دے آیا تھا نکال دیا۔ اس لئے بھائی رام سنگھ کو شاہزادہ کھڑک سنگھ کے ساتھ فوج دے کر روانہ کیا گیا۔ لڑائی میں سلطان خان نے سکھوں کو شکست دی۔ محکم چند خود وہاں جا پہنچا اور سلطان خان کو صلح پر راضی کر لیا اور اُسے لاہور لے آیا۔ مہاراج نے اُسے قید کر کے اُس کا علاقہ ضبط کر لیا۔ سنہ ۱۸۱۲ء میں اسمعیل خان نے راجوری کے عزیز خاں کے ساتھ مل کر عطا محمد کی مدد سے بغاوت کھڑی کر دی۔ مہاراج نے خود جا کر اس بغاوت کو فرو کیا۔ اتنے میں شاہ زمان اور شجاع کے کنبے لاہور میں آئے۔ مہاراج نے اُن کی ہر طرح سے خاطر تواضع کی جس سے اُس کی غرض یہ تھی کہ شجاع لاہور میں رہ کر اس کے قابو میں آ جائے اس کے ساتھ مہاراج نے کشمیر پر بھی اپنی تدبیر لگانی شروع کی اور اُسے موقعہ بھی مل گیا۔ وزیر فتح خان عطا محمد اور اُس کا بھائی جہاں داد (قلعہ دار اٹک) کو سزا دینے کے لئے کشمیر جا رہا تھا۔ اُسے یہ خیال آیا کہ مہاراج کی فوج پہاڑوں میں سے ہو آئی ہے اس لئے مہاراج کے ساتھ مل کر یہ مہم اختیار کرنی چاہیے۔ مہاراج جہلم کے کنارے یکم دسمبر کو وزیر سے ملا اور فیصلہ ہوا کہ لوٹ کا تیسرا حصہ سکھوں کو دیا جائیگا۔ مہاراج نے دیوان محکم چند کو بارہ ہزار فوج دے کر ساتھ روانہ کیا۔ وزیر سکھ فوج کو ساتھ لیجانا نہ چاہتا تھا۔ وہ صرف اُن کو ... رکھنا چاہتا تھا۔ پیر پنچال کے پاس برف گرنے لگ گئی جس سے سکھ گھبرا گئے

وزیر اپنے پٹھانوں کو لئے ہوئے بڑھتا گیا۔ دیوان محکم چند نے راجوری کے سردار کو پچیس ہزار کا اقرار دے کر ایسا راستہ اختیار کیا کہ وہ بھی وزیر کے پہنچنے کے ساتھ سری نگر جا پہنچا مگر اُس کی فوج اتنی تھکی ہوئی تھی کہ وہ شیر گڑھ اور ہری پربت کے محاصرہ میں کچھ مدد نہ دے سکی۔ عطا محمد بھاگ گیا اور وزیر نے شاہ محمود کے نام پر کشمیر پر قبضہ کر لیا اور سکھوں کو کچھ نہ دیا۔

دیوان محکم چند کو خالی ہاتھ لاہور آنا پڑا جس سے مہاراج کو بڑی مایوسی ہوئی اور اُس نے جہاندا د سے خط و کتابت شروع کی کہ اٹک اُس کے حوالے کر دے۔ جہاندا د اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر راضی ہو گیا اور اُس نے قلعے میں سکھ داخل کر لئے۔ فقیر عزیزالدین اور دیوان دیوی داس اٹک کو روانہ کئے گئے۔ اُدھر سے وزیر فتح خان اپنے بھائی عظیم خان کو سری نگر چھوڑ کر اٹک آ پہنچا۔ دیوان محکم چند بھی فوج لے کر وہاں جا پہنچا۔ دیوان محکم چند نے جان بوجھ کر دیری کی تاکہ گرمی آ جاوے اور پٹھانوں کے پاس سامان رسد کم ہو جاوے۔ حضرو کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ اس میں وزیر کا بھائی دوست محمد خان بھی موجود تھا۔ دیوان محکم چند کی بہادری سے پٹھانوں کو شکست کھا کر میدان سے بھاگنا پڑا۔ ۱۳ جولائی ۱۸۱۳ء کو پٹھانوں پر سکھوں کو پہلی فتح حاصل ہوئی جس سے لاہور میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ لاہور، امرت سر، بٹالہ میں روشنی کی گئی۔ دو ماہ تک خوشیاں جاری رہیں جس کے بعد مہاراج نے اپنے صوبے اٹک کا ملاحظہ کیا۔ اُس کے بعد اکتوبر میں پہاڑی راجاؤں سے خراج وصول کر کے پھر کشمیر پر چڑھائی کا انتظام کیا۔ گجرات سے بھمبر، راجوری تک پہنچا۔ اس سے آگے بہرام گلہ کے درمیان پل تباہ کر دیا گیا تھا لیکن راجوری کے سردار نے ایک اور راستہ بتا دیا جس سے سکھ فوج نے دو

بہرام گلہ پر قبضہ کر لیا لیکن برسات بہت آ گئی اور مہاراج کو لاہور واپس جانا پڑا۔
سنہ ۱۸۱۴ء میں پھر کشمیر پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور سیالکوٹ میں سب سردار
اور فوج جمع کئے۔ دیوان محکم چند کہتا رہا کہ پہلے بھمبر راجوری میں بہت سا سامان رسد
جمع کر لینا چاہیئے۔ بیماری کی وجہ سے دیوان محکم چند تو لاہور میں ہی رہا اور اُس کا پوتا
رام دیال جس کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ ساتھ گیا۔ راجوری کے راجہ اگر خان نے
مہاراج کو پونچھ کے غلط راستے پر ڈال دیا۔ فوج کا ایک حصہ رام دیال اور دوسرے
سرداروں کے ماتحت جن میں ہری سنگھ نلوہ اور ہر رام سنگھ اٹاری والا بھی تھے آگے
روانہ ہوا۔ پیر پنجال گذر کر یہ فوج ہیرپور جا پہنچی۔ جہاں ۲۲ جولائی کو عظیم خان کو بڑی
بھاری شکست ہوئی لیکن اگلے مقام شوپیاں میں سکھ فوج ہار گئی۔ رام دیال سری نگر کے
پاس ایک گاؤں میں ہٹ آیا اور امداد کی انتظار کرنے لگا۔ اُدھر مہاراج اور اُس کی
فوج پونچھ جا پہنچی اور سب علاقہ اُجاڑ دیا۔ برسات پڑ گئی۔ سکھ فوج کئی دن تک بیکار
پڑی رہی۔ آخر توشہ میدان میں اُسے شکست ہوئی اور مہاراج کو واپس لاہور آنا پڑا
مہاراج نے بھائی رام سنگھ کو کچھ فوج دے کر دیوان رام دیال کی مدد کو بھیجا لیکن وہ
بہرام گلہ میں پڑی رہی۔ رام دیال تھوڑی سی فوج کے ساتھ ایسی بہادری سے لڑا کہ
دشمن کے مقابلے میں دو ہزار پٹھان مارے گئے اور عظیم خان کو اُس سے صلح کرنی
پڑی۔ رام دیال عظیم خان سے مہاراج کے لئے تحفے تحائف لے کر واپس آیا۔ مہاراج
کو دیوان محکم چند کی بات یاد آئی اور اپنی غلطی پر افسوس کرنے لگا۔ اِس عرصے میں راجوری
اور بھمبر کے سردار بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ دیوان رام دیال اور دل سنگھ نے وہاں
پہنچ کر بغاوت کو فرو کیا۔ مہاراج خود ندائون گیا اور رام گڑھیا کے سارے علاقے پر
قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد راجوری اور کوٹلی کو سر کیا۔ اگلے سال مہاراج کو خبر ملی کہ فتح خان
سندھ عبور کر کے کشمیر کی طرف آ رہا ہے۔ مہاراج نے دیوان رام دیال کو سرحد کے کالا پر

مقرر کرکے حکم دیا کہ وہ وہاں ٹھیرے جبتک کہ وزیر فتح خاں کشمیر سے واپس نہ چلا جائے۔

تین چار سال گذر گئے ۱۸۱۹ء میں کشمیر کے صوبہ دار جبر خاں کا وزیر بیربل دھر ناراض ہو کر مہاراج کے پاس لاہور آپہنچا اور اُسے وہاں کے سب حالات بتا کر کشمیر پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ مہاراج نے اس دفعہ مصر دیوان چند کو فوج دیکر روانہ کیا اور ایک فوج شاہزادہ کھڑک سنگھ کے ماتحت اور تیسرا حصہ مہاراج خود لے کر روانہ ہوا۔ مارچ ۱۸۱۹ء میں مصر دیوان چند راجوری پہنچا اور راجہ عزیز خان کو پکڑنے کا حکم دیا۔ عزیز خاں بھاگ گیا لیکن اُس کا بیٹا رحیم اللہ خاں دیوان چند کے پاس آگیا۔ اُس نے اُسے راجوری کا راج دیدیا۔ اِس کے بعد پونچھ کے راجہ زبردست خان کا قلعہ لے کر اُسے اطاعت پر مجبور کیا۔ پیر پنجال گذر کر اپنی فوج کے تین حصے کئے۔ ۱۶ جون کو بارہ ہزار سکھ سرائے علی میں آ مقیم ہوئے۔ ۵ جولائی کو شوپین کے مقام پر پٹھانوں اور سکھوں میں ایک بڑی لڑائی ہوئی جس میں پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جبر خان ایسا زخمی ہوا کہ مشکل سے جان بچی۔ کشمیر پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ مصر دیوان چند نے بڑی مشکل سے شہر کو لوٹ سے بچایا۔ مہاراج یہ خبر سنکر واپس چلا آیا اور لاہور پہنچکر خوشیاں منانی شروع کر دیں۔ لاہور۔ امرتسر میں تین رات تک روشنی ہوتی رہی۔ دیوان محکم چند کے بیٹے دیوان موتی رام کو کشمیر کا پہلا صوبہ مقرر کرکے روانہ کیا کشمیر کا ٹھیکہ ترپن لاکھ کے عوض میں پنڈت بیربل دھر کو دیا گیا اور شال بنانے کا ٹھیکہ دس لاکھ پر جواہر مل کو دیا گیا۔ اگلے سال دیوان موتی رام کو اپنے بیٹے رام دیال کی موت کا اتنا صدمہ ہوا کہ وہ بنارس جانے

پر تیار ہو گیا۔ مہاراج نے اُسے لاہور بُلا لیا اور اُس کی جگہ سردار ہری سنگھ
نلوہ کو جس نے پچھلے سال دربند قلعہ فتح کیا تھا۔ صُوبہ دار مقرر کیا۔ ہری سنگھ
دلیری اور جانبازی کے لئے بڑا مشہور تھا۔ اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر
اکیلے ایک شہر فتح کیا تھا لیکن بطور منتظم کے وہ کامیاب نہ ہوا۔ اس لئے مہاراج
کو پھر دیوان موتی رام کو سری نگر بھیجنا پڑا اور وہ ۱۸۲۶ء تک وہاں پر رہا۔

جب دیوان موتی رام کشمیر میں تھا اُس کا بیٹا جالندھر دوآبہ کا گورنر تھا اور
دوسرا بیٹا شیو دیال ضلع گجرات میں جاگیر کا انتظام کرتا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ جو
اس وقت مہاراج کا بڑا مرضی دان ہو گیا تھا۔ اُن کا حسد کرنے لگا اور اُس نے
پھلور جو حکم چند کی جاگیر تھا۔ اپنے سالے راجہ رام سنگھ کو دیدیا۔ اس سے کرپارام
جل گیا۔ جب مہاراج نے اُسے دربند کی مہم کے لئے بُلا بھیجا۔ بجائے فوج
ساتھ لانے کے وہ صرف پندرہ سوار لے کر حاضر ہوا۔ مہاراج نے اُسے
قید کر دیا اور موتی رام کو بھی کشمیر سے بُلا لیا۔ سترہ ہزار روپیہ اُن پر جرمانہ کیا۔
اُس کی جگہ پہلے بھیم سنگھ اور اس کے بعد دیوان چونی لال کشمیر روانہ کئے گئے۔
لیکن دونو انتظام کے ناقابل ثابت ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے بعد موتی رام کے
خاندان پر پھر مہربانی کی نظر ہو گئی اور دیوان کرپارام کو کشمیر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا
دیوان کرپارام بڑا قابل اور ہر دلعزیز تھا اُس نے رام باغ کی بُنیاد رکھی ۱۸۳۲ء
میں کشمیر سے رپورٹ آئی کہ بیساکھا سنگھ کے ماتحت جو دیوان کرپارام کی جگہ
کشمیر بھیجا گیا تھا سب انتظام خراب ہو رہا ہے اور لوگوں پر بڑا ظلم ہو رہا
ہے۔ شیر سنگھ شراب پی کر عیاشی میں پڑا رہتا تھا اور بیساکھا سنگھ اندھا دھند
ظلم کرتا تھا۔ شال کی دستکاری برباد ہو گئی۔ بڑے بڑے سوداگر دیوالیہ ہو گئے
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحط شروع ہوا جس سے لوگ تباہ ہونے لگے۔ اس پر مہاراج

بھیا کھا سنگھ کو گرفتار کر کے لاہور لایا گیا اور اُس پر پانچ لاکھ روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ اُس کی جگہ جمعدار خوشحال سنگھ۔ بھائی گورمکھ سنگھ اور غلام محی الدین۔ شیر سنگھ کی امداد کے لئے روانہ کئے گئے۔ خوشحال سنگھ نے معاملہ اور بگاڑ دیا۔ قحط سے ہزاروں لوگ وطن چھوڑ بھاگ گئے۔ ہزاروں وہیں بھوک سے مر گئے۔ لاہور کی گلیوں میں کشمیری روٹی کے لئے چلاتے تھے۔ ہر روز کوتوال بھوک سے مرے ہوؤں کی رپورٹ کرتا تھا۔ مہاراج نے گوبند گڑھ کے اناج کا ذخیرہ کھول دیا لاہور اور امرتسر کی مسجدوں اور مندروں میں سب کو آٹا ملنے لگا۔ جتنے کشمیری پنجاب کے بڑے شہروں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سب اُن کی اولاد ہیں جو اُس وقت کشمیر چھوڑ کر پنجاب آئے۔ مہاراج نے خوشحال سنگھ اور غلام محی الدین کو واپس بُلا لیا۔ غلام محی الدین کی جائداد ضبط کر لی اور خوشحال سنگھ کو ایک ماہ تک سامنے نہ آنے دیا اور اُس کی جگہ مہاں سنگھ کو روانہ کیا۔ سنہ ۱۸۳۴ء میں لداخ کے حکمران خاندان میں جھگڑے ہو گئے۔ راجہ گلاب سنگھ کے کمانڈر زور آور سنگھ نے راجہ کو گدی سے اُتار اُس کے وزیر کو بٹھا دیا۔ تیس ہزار روپیہ خراج مقرر کر کے سکھ فوج وہاں رکھ دی۔

### ستلج پار کی سکھ ریاستیں اور انگریز

مہاراج رنجیت سنگھ کی پالیسی تھی۔ اُس کی سلطنت کو مضبوط کرنے کے لئے یہ لازمی امر تھا کہ پنجاب میں کوئی سردار ایسا طاقتور نہ رہے جو اُس کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر سکے۔ مثلوں کے جتنے سردار تھے وہ یا تو اُس کے جھنڈے تلے آ گئے یا اُسی کی سلطنت کا حصہ بن گئے یا دریائے ستلج کے پار چلے گئے۔ ۱۸۰۷ء میں پٹیالہ میں راجہ صاحب سنگھ اور اُس کی رانی میں جھگڑا ہو گیا مہاراج کو وہاں پر بلایا گیا اور اُس نے وہاں جا کر صلح کرائی۔ ا[illegible] کے بعد سردار

کے علاقے کے سرداروں سے خراج وصول کیا۔ نرائن گڑھ کا قلعہ فتح کرکے فتح سنگھ آہلووالیہ کے سپرد کر دیا۔ راہوں کا سردار نرائن گڑھ کے محاصرے میں مارا گیا تھا۔ مہاراج نے راہوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ بہلول پور اور بھرت گڑھ سردار بہاول سنگھ کی بیوہ سے چھین لیے۔ دیوان محکم چند نے وادنی کا علاقہ فتح کر لیا اور ستلج کے بائیں علاقے میں جاگھسا۔ اس سال رانی مہتاب کور سے جوڑی بچے پیدا ہوئے جنکا نام شیر سنگھ اور تارا سنگھ رکھا گیا۔ حقیقت میں یہ دونو لڑکے دوسری عورتوں سے لیکر رانی کے مشہور کئے گئے تھے۔ شیر سنگھ مکیریاں کے ایک جلاہے نہال سے تھا۔ تارا سنگھ ایک مسلمان عورت کا بچہ تھا۔

ستلج پار کی سکھ ریاستوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ رنجیت سنگھ سب کو اپنے اندر جذب کر لیگا۔ ۱۸۰۸ء میں ان ریاستوں نے سانا (ریاست پٹیالہ) میں ایک کمیٹی کی کہ انہیں رنجیت سنگھ کے ساتھ ملنا چاہیئے یا سرکار انگریزی کے ساتھ۔ جیند کا راجہ بھاگ سنگھ کیتھل کا بھائی لال سنگھ پٹیالہ کا دیوان چین سنگھ۔ نابھہ کا ایجنٹ میر غلام حسین کا ایک ڈیپوٹیشن اسی مارچ میں دہلی گئے اور اپریل میں ایک تحریری درخواست پیش کی لیکن سرکار انگریزی کی طرف سے کوئی فیصلہ کن جواب نہ ملا۔ جب مہاراج رنجیت سنگھ کو اس وفد کی خبر ملی تو اس نے ان سب کو امرتسر بلایا اور بڑی تسلی دی۔

پہلے پہل مہاراج رنجیت سنگھ کا انگریزوں سے اس وقت واسطہ پڑا تھا جب مہاراج نے چناب اور سندھ کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ اُن کا خراج ایک لاکھ بیس ہزار کر دیا۔ ملتان کے نواب نے ستر ہزار روپیہ دیکر اپنی جان چھڑائی۔ مہاراج کو ہلکر کے آنے کی خبر سنکر لاہور آنا پڑا جس کا انگریزی

فوج تعاقب کر رہی تھی۔ انگریز جرنیل ایک ہی گورا فوج کے ساتھ دریائے بیاس سے پار ہوا۔ اُس کی فوج کا سفید رنگ۔ وردی اور قواعد و انتظام کو دیکھ کر عام لوگوں میں بیراس پھیل گئی۔ اُنہوں نے نہ کسی آدمی کو تکلیف دی نہ کسی کے اناج کا ایک دانہ تک چھُوا۔ جتنا سامان اُنہیں ضرورت ہوتا تھا قیمت دیکر خرید تے تھے جس سے لوگوں کے دلوں میں اُن کی تعریف پیدا ہونے لگی۔ ہلکر انگریزوں کے برخلاف مہاراج سے مدد مانگتا تھا نہیں تو کابل جانے کے لئے راستہ چاہتا تھا۔ مہاراج کی کونسل نے صُلح کرانے کا فیصلہ دیا اور اپنا وکیل انگریز جرنیل کے پاس بھیجا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مہاراج نے انگریزوں سے عہدنامہ کرلیا اور ہلکر کو پنجاب سے چلے جانے کے لئے کہدیا۔ غالباً مہاراج کے ساتھ دوستی کی وجہ سے دہلی کے انگریز سکھ ریاستوں کو کوئی ٹھیک جواب نہ دے سکے۔ جواب نہ دینے کی ایک وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ ہے کہ نپولین بُونا پارٹ نے رُوس کے زار (شہنشاہ) کے ساتھ اتحاد کر کے تُرکوں اور ایرانیوں کی امداد سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی تجویز کی۔ انگلینڈ کو اس سے بہت فکر پیدا ہُوا۔ اُنہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ کابل ایران اور پنجاب سے دوستانہ تعلقات پیدا کریں۔ اس کے لئے اُنہوں نے الفنسٹن کو کابل۔ میلکام کو ایران اور مٹکاف کو رنجیت سنگھ کے پاس روانہ کیا۔ اُس وقت ریاستوں کے قاصد بھی مہاراج کے دربار میں تھے۔ رنجیت سنگھ کی طاقت سب کو بڑھتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اُس نے پنجاب پر قبضہ کرلیا تھا۔ سب مسلمان اُس سے ڈرتے اور خراج دیتے تھے۔ وہی ایک مرکز نظر آتا تھا جو سکھوں کو ایک کرسکتا تھا۔ اُس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ جتنا تک سکھوں کی ایک حکومت قائم کرے۔ جو بھی

میٹکاف لاہور پہنچا۔ تو مہاراج لاہور سے قصور چلا گیا۔ میٹکاف نے اس سے
یہ نتیجہ نکالا کہ مہاراج اُس کا لاہور یا امرتسر میں رہنا اچھا نہ سمجھتا تھا لیکن اصلی
وجہ یہ تھی کہ دیوان محکم چند نے مہاراج کو یہ بتایا کہ دونوں طاقتوں کے
درمیان صلح اس شرط پر ہوگی کہ جہانتک اُن کی حدود ہوں وہ قائم رہیں۔
اس لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مہاراج میٹکاف سے ملنے میں دیری کرے
اور اتنی دیر میں وہ ستلج پار ہو کر اپنی حدود جمنا تک کر لیگا۔ میٹکاف ۱۱ ستمبر کو
قصور پہنچا۔ وہ اپنے ساتھ گھوڑوں کی جوڑی۔ ایک انگریزی گاڑی۔ تین ہاتھی
سنہری ہودے اور ایسا ہی سامان لایا تھا۔ دیوان محکم چند نے اُس کا استقبال
کیا۔ مہاراج نے فرانس کے حملے کے معاملے کی طرف کچھ توجہ ہی نہ دی۔
انگریزوں کے ساتھ دوستی پر رضامند تھا مگر یہ شرط ماننے سے بالکل انکار
کر دیا کہ دریائے ستلج اُن کی حد سمجھی جائے۔ اس کے ساتھ ہی میٹکاف کو
عزیز الدین کے سپرد کر کے خود ستلج پار ہو گیا۔ یکم اکتوبر کو کرم چند چہل نے
فرید کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ نالیر کوٹلہ پہنچکر عطا اللہ خاں سے ایک لاکھ روپیہ نذرانہ
طلب کیا۔ میٹکاف نے مہاراج سے کہا کہ یہ سب کارروائی رابطہ دوستی
کے خلاف تھی۔ مہاراج نے اس پر بڑی حیرانی ظاہر کی کہ سرکار انگریزی
کو اس سے کیا ہے۔ مہاراج کو اپنے سکھوں پر پورا حق تھا اور اُسے
کھلی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ اُن کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔
میٹکاف فتح آباد ٹھیر گیا مگر مہاراج انبالہ جا پہنچا اور گور بخش کی بیوہ دیا کور سے
ملک بے گزارہ اور کنجپل کے حوالہ کر دیا۔ مال اور زیور خود سنبھال لیے۔
گنڈا سنگھ انبالہ کا حاکم مقرر کیا۔ ساہنیوالا۔ چاندپور۔ جبندہ۔ دھاری۔
بہرام پور پر قبضہ کر کے دیوان محکم چند کو عطا کر دیے۔ رحیم آباد۔ کانا بھی

دیکھو دوسرے سرداروں کو دیدیئے۔ شاہ آباد کے سردار کرم سنگھ سے اور تھانیسر کے سردار سے خراج وصول کیا۔ اکھنوڑ میں پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ کو بلا کر ملاقات کی اور پگڑی تبدیل کر کے دوستی پکی کر لی۔ ۱۰ر دسمبر کو ستلج عبور کر لیا اور مسٹر میٹکاف سے ملاقات کی۔

مسٹر میٹکاف نے مہاراج کو سرکار انگریزی کا آخری جواب بتایا کہ ستلج پار کی ریاستیں سرکار انگریزی کی پناہ میں سمجھی جانی چاہئیں۔ مہاراج اُن سے تعلق چھوڑ دے۔ سرکار نے اُن سے وہ خراج لینا بند کر دیا ہے جو وہ مرہٹوں کو ادا کیا کرتے تھے۔ مہاراج سے کہا گیا کہ وہ تازہ لیا ہؤا سب علاقہ واپس کر دے۔ مہاراج اس پر طیار نہ تھا۔ دیر لگاتا رہا اور جنگ کے لئے طیار ہو گیا۔ لارڈ منٹو نے بھی ڈیوڈ آکٹرلونی کے ماتحت ایک دستہ فوج روانہ کی۔ سرہند کے سب سرداروں نے اُسے خوش آمدید کہا اور وہ بوریا سے پٹیالہ نابھہ ہو کر جنوری ۱۸۰۹ء میں لدھیانہ پہنچا۔ انبالہ رانی دیا کور کے حوالے کر دیا جس سے راجہ صاحب سنگھ اور جسونت سنگھ بڑے راضی ہوئے۔ مالیر کوٹلہ میں پٹھان کو اپنی جگہ بحال کر دیا۔ یہ تمام خبریں مہاراج کو پہنچتی رہتی تھیں کہ اتنے میں امرتسر میں ایک اور چھوٹا سا واقعہ ہؤا جس کا اثر مہاراج کے دل پر بہت سا ہؤا۔

امرتسر میں میٹکاف کے ساتھ کچھ مسلمان ہندوستانی سپاہی تھے محرم کے آجانے پر انہوں نے تعزیہ بنا کر پھرانا شروع کیا۔ جب وہ اکالیوں کے پاس سے گزرے تو پھولا سنگھ اکالی نے اُن پر حملہ کر دیا اگرچہ سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن اُن کی قواعد دانی کی وجہ سے اُنہوں نے ایسی بہادری دکھائی کہ اکالیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ مہاراج نے گوبند گڑھ میں سب حال سُنا۔ موقعہ پر پہنچ کر اپنا

کو مال ہلایا اور لڑائی بند کر دی۔ میٹکاف سے معافی مانگی اور سپاہیوں
کا ہرجانہ دیا۔ اِس سے اُس کا خیال ہو گیا کہ انگریزی فوج لڑنے میں بہادر ہے
اُس کی اپنی سلطنت کی بُنیاد ابھی کچی ہے اور اُس کا انگریزوں سے مقابلہ کرنا
مناسب نہ تھا۔ اِس لئے اُس نے ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کو عہد نامہ منظور کر کے
اُس پر دستخط کر دیئے جس کی رُو سے اُس نے ستلج سے پار کی سب ریاستوں پر
اپنا دعویٰ ہٹا لیا اور سرکار انگریزی کا ستلج سے شمال کی طرف کوئی تعلق نہ
ہوگا اور دونوں میں ہمیشہ کی دوستی رہے گی۔ جبتک مہاراج زندہ رہا یہ
شرائط برابر پُوری کی گئیں۔ سرکار انگریزی نے ستلج کے پار کی ریاستوں
سے کسی قسم کا خراج نہ لیا۔ اُن کو اپنی پناہ میں لینے کی غرض صرف امن قائم
رکھنا تھا۔ یہ سب شرائط عہد نامہ میں درج کی گئیں جو کہ ۶ مئی ۱۸۰۹ء کو مکمل
ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک ایکدوسرے کے خلاف شکوک قائم رہے۔ سندھیا
ہلکر اور امیر خاں روہیلہ اپنے آدمی بھیجکر یہ کوششیں کرتے رہے کہ مہاراج
رنجیت سنگھ اُن کے ساتھ انگریزوں کے خلاف سازش میں شریک
مگر آہستہ آہستہ یہ سب شبے دُور ہو گئے۔ مہاراج نے گوبند گڑھ کا قلعہ
دُرست کیا اور پھلور کا قلعہ مضبوط کر کے دیوان محکم چند کو قلعدار مقرر کیا۔

ستلج کی اِن سکھ ریاستوں کے آپس کے تعلقات کسی ضابطہ یا قاعدے
کے ماتحت نہ تھے۔ جو کوئی اُن میں زیادہ طاقتور تھا کمزور کو دبا لینا چاہتا تھا
اِس لئے اگست ۱۸۱۱ء کو سرکار انگریزی نے ایک فرمان نکالا کہ کوئی رئیس
کسی دوسرے کی جائداد پر قبضہ نہ کرے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو سرکار انگریزی
کو دخل دینا ہوگا۔ اور سارا خرچ قصوروار کے ذمہ پڑے گا۔ سرکار نے
لدھیانہ میں ایک چھاؤنی قائم کرلی۔ جہاں پر مہاراج کی طرف سے بٹالہ کا بخشی

نند سنگھ ایجنٹ مقرر کیا گیا اور سرکار انگریزی نے ایک کائتھ خوشوقت رائے کو لاہور میں خبر رساں مقرر کیا۔ ۱۸۳۱ء میں کھڑک سنگھ کی شادی۔ فتح گڑھ کے کنہیا سردار جیل سنگھ کی اکلوتی لڑکی چند کور کے ساتھ ہوئی جس میں نابھہ جیند وغیرہ کے سب رئیس بلائے گئے اور انگریزی افسر آکٹرلونی کو بھی بلایا گیا اگرچہ دیوان محکم چند اس کے برخلاف تھا لیکن مہاراج نے آکٹرلونی کو قلعہ وغیرہ سب کچھ ملاحظہ کرایا۔

**کابل اور پشاور**

جس وقت مسٹر الفنسٹن کابل میں پہنچا۔ شاہ شجاع کابل کا حکمران تھا۔ الفنسٹن نے اُس کے ساتھ عہد نامہ دوستی کر لیا لیکن اُس کے تھوڑی دیر بعد ۱۸۱۴ء کے شروع میں اُس کے بھائی محمود نے قید سے نکلکر فتح خاں برکزئی کی مدد سے شجاع کو شکست دی اور بھگا دیا۔ شاہ شجاع خوشاب میں مہاراج رنجیت سنگھ کو ملا۔ شجاع کی بہت تواضع کی گئی مگر وہ راولپنڈی کو چلا گیا۔ اُس نے محمود کو شکست دی اور پشاور قابض ہو گیا لیکن اگلے سال اُسے پھر شکست ہوئی اور وہاں سے بھاگنا پڑا۔ جب شاہ محمود کشمیر کے صوبہ عطا محمد کے برخلاف آیا تھا تو مہاراج نے راولپنڈی میں اُس کے ساتھ دوستی کر لی ۱۸۱۱ء میں شاہ شجاع لدھیانہ کے انگریزوں سے مایوس ہو کر لاہور آیا۔ مہاراج اُسے لاہور میں رکھکر اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا۔ شاہ شجاع کو بڑی عزت کے ساتھ مبارک حویلی میں رکھا گیا لیکن فوراً ہی مہاراج نے اُس سے کوہ نور ہیرا لینے کے لئے درخواست کر دی۔ شاہ نے کہا کہ ہیرا اُس کے پاس موجود نہیں اور اُس کی بیگم نے یہ بہانہ کیا کہ اُسے کابل میں گروی رکھدیا گیا تھا۔ اس پر مہاراج نے اُن کے گرد ایک مضبوط گارد رکھدی۔ جب یہ طریقہ کارگر نہ ہوا تو اُنہیں سامان خوراک سے محروم کر دیا گیا۔ شاہ اور اُس کا

کنبہ دو دن بھوکے رہے۔ شاہ کو اپنے کنبے سے علیحدہ کر دینے کی دھمکی بھی دی گئی جس پر شاہ نے دو ماہ کی مہلت مانگی۔ ان سب بے عزتیوں سے تنگ آکر شاہ نے کوہ نور دینے کا اقرار کیا۔ رنجیت سنگھ خود اُس حویلی میں گیا اور ایک گھنٹہ انتظار کرتا رہا جس کے بعد مہاراج نے ایک نوکر سے اشارہ کیا کہ شاہ کو اُس کے اقرار کی یاد دلائے جس پر ایک خواجہ سرا اندر گیا اور ایک چھوٹا سا رومال لے آیا۔ مہاراج نے دیوان بھوانی دیال کو کھولنے کے لیے حکم دیا۔ اُس میں سے چمکتا ہوا ہیرا نکلا۔ مہاراج نے اُسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ شاہ پر سے سب سختیاں ہٹا دی گئیں۔ اُسے کابل واپس دلانے کے لیے مدد کا اقرار کیا گیا اور ایک جاگیر مقرر کر دی گئی لیکن کچھ دیر بعد اُس کے اپنے ایک نوکر ابو حسن نے مخبری کی کہ شاہ کے پاس ابھی اور بہت سے جواہرات ہیں جس کی وجہ سے شاہ پر پھر سختیاں شروع ہو گئیں۔ ان سے تنگ آکر شاہ نے پہلے اپنی بیگموں کو ہندو عورتوں کی بیل گاڑی کے ذریعے لدھیانہ روانہ کر دیا اور پھر خود بھیس بدل کر رات کو موری دروازہ کی نالی سے نکلا اور داتا گنج بخش کے مقبرے میں چلا گیا۔ تیر کر راوی عبور کیا۔ گوجرانوالہ سے جموں۔ جموں سے کشتواڑ اور وہاں سے کچھ سپاہی اکٹھے کر کے کشمیر لینے کی کوشش کی لیکن اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ کلو کے پہاڑوں کے راستے واپس آکر ستمبر ۱۸۱۶ء میں لدھیانہ پہنچا اور اپنے آپ کو انگریزوں کی پناہ میں ڈال دیا۔

وزیر فتح خاں ایک شخص تھا جس نے کابل میں محمود کی حکومت کو قائم رکھا تھا۔ محمود کا بیٹا کامران اُس سے حسد کرنے لگا۔ اُس نے ۱۸۱۸ء میں اُسے ایران پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا لیکن فتح خاں کو اس میں بڑی کامیابی ہوئی۔ اُس کی واپسی پر اُسے ایک ضیافت دی گئی اور ایک سازش کے ذریعہ

اُسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ دریہ کا قبیلہ برکزئی فساد پر آمادہ ہو گیے۔ اُس کا بھائی عظیم خاں کشمیر سے وہاں پہنچا اور کامران کو شکست دے کر تیمور کے بیٹے ایوب شاہ کو کابل کے تخت پر بٹھایا۔ جب کابل میں یہ ہلچل ہو رہی تھی۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو پشاور پر تسلط جمانے کا خیال پیدا ہؤا۔ لاہور کے باہر پندرہ دن تک متواتر مہاراج فوج کا ملاحظہ کرتا رہا۔ پھولا سنگھ اکالی اور اُس کے ساتھ دو اور سرداروں کو آگے روانہ کر دیا۔ اُنہوں نے کٹھک پٹھانوں کو ایک شکست دی اور خیر آباد۔ نوشہرہ اور وہاں سے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ پشاور کا صوبہ دار یار محمد پشاور سے بھاگ گیا۔ مہاراج تین روز تک پشاور میں رہا اور پچیس ہزار روپیہ نذرانہ اور چودہ توپیں لے کر جہانداد خان کو پشاور کا صوبہ دار مقرر کر کے واپس ہو آیا۔ مہاراج اٹک کے قریب تھا۔ جب کہ دوست محمد خاں نے اپنے ایجنٹ دامودرمل اور حافظ روح اللہ کو مہاراج کے پاس بھیجا۔ اُنہوں نے ایک لاکھ روپیہ پیش کیا تاکہ اُسے پشاور دیا جائے۔ مہاراج نے یہ بات مان لی۔ برکزئی پٹھانوں نے جہانداد کو پشاور سے نکال دیا۔ مہاراج کو یہ سُنکر غصہ آیا اور اُس نے سردار دل سنگھ کو بارہ ہزار فوج دے کر پشاور کو روانہ کیا لیکن اتنے میں ہی کابل کے ایجنٹ پچاس ہزار روپیہ اور کچھ گھوڑے لئے ہوئے آ گئے۔ جس پر سکھ فوج واپس بُلا لی گئی۔ مہاراج کٹاس کا اشنان کر کے لاہور واپس آ گیا۔ ۱۸۱۸ء میں شاہ شجاع نے پشاور لینے کی کوشش کی لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اُس نے اس کے بعد سندھ کے امیروں کی مدد سے دائرہ دین پناہ میں اپنی حکومت قائم کرنی چاہی۔ دل سنگھ فوج لیکر وہاں پہنچا اور شاہ کو سندھ کی طرف بھگا دیا۔

اپریل ۱۸۱۸ء میں خبر آئی کہ محمد عظیم خاں پشاور سے چلکر خیر آباد تک آ گیا

پہنچا ہے۔ مہاراج نے مصر دیوان چند کو اُس کے برخلاف بھیجا۔ کچھ لڑائیوں کے بعد مہاراج خود وہاں جا پہنچا لیکن محمد عظیم خاں اپنے خانگی جھگڑوں کی وجہ سے خود ہی کابل کو واپس چلا گیا۔ اکتوبر ۱۸۲۲ء میں مہاراج نے رہتاس میں اپنی ساری فوج اکٹھی کی اور وہاں سے راولپنڈی کو کوچ کیا۔ فقیر عزیز الدین کو پشاور کے محمد یار خاں سے نذرانہ لینے کے لئے آگے روانہ کر دیا۔ محمد یار خاں نے بہت سے گھوڑے بھی نذرانے کے ساتھ دیئے۔ محمد عظیم خان کو اپنے بھائی کی یہ حرکت پسند نہ آئی اور وہ کابل سے پشاور آیا۔ مہاراج نے شیر سنگھ کو دیوان کرپا رام و ہری سنگھ نلوہ کے ساتھ فوج دے کر روانہ کیا۔ اُنہوں نے جہانگیر آباد پر جا کر قبضہ کر لیا۔ اس سے جوش میں آکر پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد جہاد کی غرض سے نوشہرہ میں اکٹھی ہوئی۔ سوات، بنیر کے لوگ آفریدی کھٹک سب جمع ہوئے۔ مہاراج نے کھڑک سنگھ اور مصر دیوان چند کو فوج دیکر مدد میں بھیجا اور بعد میں خود بھی روانہ ہو گیا۔ اُدھر محمد عظیم خان بھی نوشہرہ آپہنچا۔ دوست محمد اور سردار جبر خاں بھی مقابلے کے لئے تیار رہتے مہاراج نے پندرہ ہزار سوار کے ساتھ ۱۲ مارچ کو گھوڑے پر سوار اٹک دریا عبور کیا۔ ان میں سے ایک ہزار کے قریب آدمی دریا میں ڈوب گئے۔ توپیں ہاتھیوں پر پار کی گئیں۔ پٹھانوں کی طرف بیس ہزار سے زیادہ جہادی آپہنچے تھے۔

نوشہرہ کی لڑائی اس لئے بڑی مشہور ہے کہ اس میں بہت عرصے کے بعد پنجابیوں نے اکٹھے ہو کر پٹھانوں کی مجموعی طاقت کا مقابلہ کیا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ پٹھانوں نے سکھ جرنیل ست گورو سہائے اور مہاں سنگھ کو گولی کا نشانہ بنایا اور سکھوں کو پہاڑی سے پیچھے ہٹا دیا۔ انہیں پھولا سنگھ

گولی اپنے ساتھیوں کو دے کر اُن پر ٹوٹ پڑا مگر غازیوں نے حملے کا جواب ایسی تندی سے دیا کہ پھولا سنگھ میدان میں مارا گیا۔ اب مہاراج نے خود حملہ کیا۔ مصر دیوان چند اپنا توپ خانہ لئے ہوئے آپہنچا اور شام تک غازیوں کی آدھی تعداد قتل ہو گئی مگر وہ اپنی جگہ برابر ڈٹے رہے۔ اس کے بعد گولہ کو بڑھنے کا حکم دیا گیا اور اُن کا ایک دستہ پیچھے کھڑا کر دیا گیا تاکہ بھاگنے والوں کو گولی کا نشانہ بنائیں۔ پٹھان سب طرف سے گھِر گئے لہذا گھبرا کر میدان سے بھاگ نکلے۔ محمد عظیم خان اپنے حرم کو خطرے سے بچانے کے لئے میدان سے پہلے ہی چلدیا اور مومند پہاڑیوں کے راستے نکل گیا۔ مہاراج نے آگے بڑھ کر ہشت نگر پر قبضہ کیا اور ۱۷ر مارچ کو پشاور کو جا لیا۔ سکھوں نے پھر تک سارے علاقے کو اچھی طرح سے لوٹا۔ مسلمان آبادی اپنے نئے فاتحوں کے سخت بر خلاف تھی۔ اس لئے مہاراج نے پشاور اپنے ہاتھ میں رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ یار محمد اور دوست محمد کو بلا بھیجا وہ گھوڑوں کے تحفے لے کر حاضر ہوئے۔ مہاراج نے نئے علاقے کو ان دونوں کے درمیان بانٹ دیا اور ۲۶ر اپریل کو لاہور واپس آگیا۔ لاہور اور امرتسر میں بڑی روشنی کی گئی اور خوشیاں منائی گئیں۔ اسی وقت ہی تیمور شاہ کا بیٹا ابراہیم لاہور آیا۔ مہاراج نے اُس کے استقبال کا حکم دیا اور اُس کے لئے گنج بخش کے پاس خیمے نصب کرائے گئے۔

**سید احمد** ۱۸۲۷ء کے شروع میں یوسف زئی کی پہاڑیوں میں ایک شخص سید احمد نے اپنے آپ کو پیغمبر مشہور کیا اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ یہ شخص اصل میں بریلی کا ایک سید تھا اور امیر خان کے پاس سپاہی کے طور پر نوکر تھا۔ کچھ عرصہ

وہ دہلی رہا۔ پھر کلکتے گیا۔ اپنے مذہبی جوش اور بات چیت کی طاقت سے اُس نے بہت سے مُرید بنا لئے۔ اس کے بعد اُس نے حج کا ارادہ کیا۔ حج سے واپس آکر اُس نے سکھوں کے برخلاف جنگ کرنے کی تدبیر بنائی وہ انگریزی حکومت میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ پانچ سو کے قریب ساتھی لے کر ٹانک اور وہاں سے سیدھا قندھار چلا گیا۔ وہاں اُسے بہت کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے یوسف زئی کی پہاڑیوں میں چلا آیا اور یہاں آکر سبز جھنڈا بلند کیا۔ یوسف زئی لوگ یار محمد بارکزئی کے خلاف تھے کیونکہ وہ مہاراج کا مقرر کیا ہُوا تھا۔ مہاراج نے سندھیانوالہ سردار کے ماتحت اُس کے خلاف ایک فوج روانہ کی۔ اکوڑے کے مقام پر شکست کھا کر وہ اور اُس کے ساتھی پہاڑوں کو بھاگ گئے۔

یار محمد کے پاس ایک مشہور گھوڑا لیلی تھا۔ اُس کے لینے کے لیے ایران کے بادشاہ نے اُسے پچاس ہزار روپیہ نقد اور پچیس ہزار کی جاگیر پیش کی تھی۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو گھوڑوں کا کمال شوق تھا۔ اُسے اب لیلی کے لینے کا خیال لگا۔ یار محمد دیر تک انکار کرتا رہا۔ آخر دینے کے لئے وہ مجبور ہو گیا اور مہاراج کھڑک سنگھ اُسے لینے کے لئے روانہ کیا گیا اُس سال یار محمد۔ سید احمد کے ساتھ ایک سازش میں شریک ہُوا۔ مہاراج نے گھوڑا لے لینے کے بعد اُس کے بھائی سلطان محمد کو پشاور کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن ۱۸۲۹ء میں سید احمد کو زہر دی گئی۔ اُس نے اس کا شک یار محمد پر کر کے اُس کے برخلاف پٹھانوں کو اکسایا اور ایک لڑائی میں یار محمد مارا گیا۔ سید احمد کی شہرت کشمیر تک جا پہنچی اور اُس نے کشمیر پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں وہ دریا اٹک سے پار ہُوا لیکن سردار ہری سنگھ نلوہ نے

اُسے وہاں ہی روک دیا۔ کچھ ماہ بعد اُس نے پشاور پر حملہ کر دیا۔ سُلطان محمدؐ کو شکست ہوئی اور پشاور سید احمدؒ کے ہاتھ آگیا۔ طاقت کے گھمنڈ میں اُس نے اپنے آپ کو خلیفہ مشہور کیا۔ مہاراج نے خود اُس کے برخلاف چڑھائی کی۔ مہاراج کا اتنا خوف تھا کہ سکھ فوج کے آتے ہی سید پشاور چھوڑ گیا۔ مہاراج سلطان محمدؐ کو بحال کر کے واپس چلا آیا۔ واپس آنے پر فوراً ہی سید آیا اور پشاور پر قابض ہو گیا۔ سُلطان محمدؐ نے اُسے تین ہزار روپیہ ماہوار دیکر اور پشاور کی عدالتیں اُس کے مولویوں کے سپُرد کر کے اُس سے صلح کر لی۔ سید احمدؒ کے چلے جانے پر اُس کے دو قاضی اور مولوی قتل کر دیئے گئے۔ آخر کار پٹھان سید سے بہت تنگ آگئے۔ وہ اُسے اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دینے پر راضی تھے مگر اُس نے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ تمام شادی کے قابل لڑکیاں اُس کے ہندوستانی ساتھیوں کو دی جائیں۔ مُلا لوگ پہلے ہی اُس سے ناراض تھے کیونکہ اُس کے اصُول وہابی تھے۔ اب اُنہوں نے اُسے دھوکہ باز بتانا شروع کیا جس سے اُسے یوسف زئی کو چھوڑنا پڑا۔ اُدھر سے آتے ہی سکھ سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا۔

## کابل کی حکومت

جس وقت کامران نے وزیر فتح خان کو قتل کروایا تھا۔ وزیر کا بھائی محمدؐ عظیم خان اُس کے برخلاف ہو گیا۔ وہ شجاع کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ شجاع کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی بادشاہی جلاؤ کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک موقعہ پر شہر میں ایک امیر پالکی پر جا رہا تھا۔ شاہ نے اُسے نیچے اُتروا کر اُس کی بے عزتی کی۔ سب پٹھان شجاع کے برخلاف ہو گئے اور اُس کا اپنا بھائی ایوب محمدؐ عظیم کے پاؤں پہ جا گرا اور اُس سے اِن الفاظ میں اپیل کی۔ "مجھے صرف نام کا بادشاہ

بنادو اور سب طاقت تم اپنے ہاتھ میں رکھو"۔ محمد عظیم نے محبوب شاہ کو کابل کا بادشاہ بنادیا۔ شجاع بھاگ کر شکارپور آگیا۔

۱۸۲۳ء میں نوشہرہ کی لڑائی سے محمد عظیم کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ سکھ سب جگہ غالب ہو گئے۔ محمد عظیم اس صدمہ سے کابل میں جاکر مر گیا اُس کا بیٹا حبیب اللہ اُس کا وارث بنا۔ عظیم کوئی چار پانچ کروڑ روپے کا خزانہ چھوڑ کر مرا تھا۔ اُس کے بھائی حبیب اللہ کے برخلاف ہو گئے اور اُس کی ماں کو قتل کی دھمکیاں دے کر شیر دل نے روپے کا چھٹا حصہ لے لیا اور قندھار میں جاکر اپنی حکومت قائم کر لی۔ سلطان محمد پشاور میں تھا۔ ان کا تیسرا بھائی دوست محمد خاں غزنی۔ جلال آباد اور کابل پر حکمران ہو گیا کابل کے ان جھگڑوں میں سندھ کے امیر خود مختار بن بیٹھے اور محبوب شاہ بھاگ کر لاہور چلا آیا۔ اس طرح احمد شاہ کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

دوست محمد بڑا منتظم اور سمجھدار تھا۔ ہر روز خود قاضیوں کی عدالت میں جایا کرتا تھا۔ اُس کی سلطنت اٹھارہ لاکھ کی مالیت کی تھی۔ ہرات جہاں کامران حکمران تھا۔ ایران کا حصہ بن گیا تھا ۱۸۳۲ء میں ایران کے بادشاہ نے اُس سے خراج طلب کیا اور کہا کہ سکہ اُس کے نام پر چلایا جائے۔

کابل گورنمنٹ کی یہ حالت تھی۔ جب ۱۸۳۲ء میں شاہ شجاع لدھیانہ سے چھ سو سپاہی ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ ایک ماہ تک مالیر کوٹلہ ٹھہرا۔ جہاں کے نواب نے پانچ ہزار روپیہ اور دو گھوڑے اُس کی نذر کئے۔ جگراؤں میں فتح محمد نے دو ہزار روپیہ اور کچھ تلواریں نذر کیں۔ دو ہفتے بعد نواب بہاولپور سے پانچ ہزار روپیہ کچھ بیل۔ اونٹ اور توپ ملیں۔ شکارپور میں حیدرآباد کے وکیل سے پچاس ہزار روپیہ۔ چھ گھوڑے کچھ تلواریں اور دو ہاتھی نذر کئے

دس ماہ تک شکارپور میں ٹھیر کر مہاراج رنجیت سنگھ سے خط و کتابت کی۔ مہاراج
نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ اور کچھ توپخانہ اس شرط پر روانہ کیا کہ شاہ کشمیر۔
اٹک۔ پشاور۔ بنوں اور ڈیرہ جات سے ہمیشہ کے لئے دعویٰ ترک کر دیگا۔
حیدرآباد کا امیر اس سے حسد کرنے لگا اور کچھ سندھی اس کے برخلاف ہو گئے۔
شکارپور کے نزدیک ایک لڑائی ہوئی جس میں شاہ کو فتح نصیب ہوئی۔ پانچ لاکھ
روپیہ اور بہت سا سامان اس کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد آگے چلکر خان قلات
سے بھی ایک لاکھ روپیہ اور کچھ اور امداد ملی۔ شاہ نے آخر کار قندھار کا محاصرہ کیا
دوست محمد کابل سے اپنے بھائی کی مدد کے لئے وہاں آپہنچا لیکن کابل کے لوگوں
کی ہمدردی شاہ کے ساتھ تھی اور کئی سردار اس کی خاطر بغاوت کرنے پر آمادہ تھے
دوست محمد بڑا چالاک تھا۔ اس نے شاہ کو چٹھی لکھی کہ وہ صرف اس کے استقبال کے
لئے آرہا ہے۔ شاہ قندھار کے اردگرد خندقوں میں پڑا تھا اس کی پوزیشن وہاں
بڑی مضبوط تھی لیکن اسے اپنی جان بچانے کا بڑا فکر تھا۔ اس نے سب کی صلاح
کے برخلاف بزدلی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک باغ میں جا ڈیرے لگائے۔
پہلے دن انگریز افسر کیمبل نے پٹھان فوجوں کو شکست دی۔ دوسرے دن جب
دوست محمد نے بارہ ہزار فوج آراستہ کی تو اس وقت شاہ کی فوج میں کوئی ترتیب
نہ پائی جاتی تھی۔ شاہ نے ایک طرف تو حملے کا حکم دیا اور ادھر اپنے مہاوت کو
ہاتھی کا منہ موڑنے کا حکم دے دیا۔ فوج میں گھبراہٹ مچ گئی۔ تین سو ہندوستانی
سپاہی بہادری سے لڑے مگر کچھ نہ کر سکے۔ مسٹر کیمبل گرفتار ہو گیا۔ یہ لڑائی ۲ جولائی
سنہ ۱۸۳۴ء کو ہوئی۔ شاہ وہاں سے بھاگ گیا۔ کامران نے اس کے ساتھ عزت
کا سلوک کیا مگر وہ سیستان ہوتا ہوا قلات جا پہنچا اور وہاں سے حیدرآباد اور حیدرآباد
سے لدھیانہ آپہنچا۔ مسٹر کیمبل دوست محمد کے گیا اور چار سو روپیہ ماہوار پر

توپ خانہ کا افسر بنا دیا۔

امیر دوست محمد خان ایک طرف تو شاہ شجاع سے کابل کی حکومت کے لئے جھگڑ رہا تھا۔ ادھر اُسے پشاور کو کابل کے ماتحت رکھنے کے لئے مہاراج سے جنگ کرنی پڑی ۔ ۱۸۳۲ء میں ملا ساطان نے بنوں میں بغاوت کھڑی کر دی جس پر بخشی تارا چند اور سردار شام سنگھ فوج لیکر گئے اور اُسے گڑھی میں جا گھیرا لیکن رات کو پٹھانوں نے ایک چھاپہ مارا جس میں کئی سو سکھ قتل کر دیئے۔ اس لئے محاصرہ اُٹھانا پڑا ۔ راجہ سوچیت سنگھ اُن کی مدد میں جا پہنچا اور امن قائم ہوگیا۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے اب یہ ارادہ پکا کر لیا کہ پشاور کو سکھ حکومت کے ساتھ شامل کر لیا جائے تاکہ اُس کے کابل کے ساتھ ملنے کا خطرہ دُور ہو جائے مہاراج نے اپنے پوتے نونہال سنگھ کو فوج دے کر لاہور سے روانہ کیا اور اُدھر سردار ہری سنگھ کو حکم دیا کہ وہ یوسف زئی سے پشاور کی طرف کوچ کرے نونہال سنگھ نے اپریل کے مہینے میں دریائے سندھ عبور کر کے پشاور سے بہت سا خراج اور گھوڑے طلب کئے۔ جو گھوڑے بطور نذر بھیجے گئے اُنہیں ناپسند کر دیا گیا۔ برکزئی سرداروں نے اس کا مطلب سمجھ لیا اور اپنے قبائل اور سامان کھنچی (یعنی کابل سے پار) بھیج دیا۔ شیعہ غلام حسین کی اولاد اور ہندو دیوان نے سردار ہری سنگھ کے ساتھ خط وکتابت شروع کر دی۔ ہری سنگھ نے سلطان محمد اور دوسرے سرداروں کو لکھ بھیجا کہ شہزادہ نونہال سنگھ شہر کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ سب علی مردان خان کے باغ میں چلے جائیں۔ سلطان محمد نے شیشے کے ذریعے سکھ فوج کو طیار ہوتے دیکھ لیا اور شہر سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ سب سردار پہاڑیوں کو بھاگ گئے۔ شہزادہ ہاتھی پر سوار اپنے سب سرداروں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا ۔ ۶ مئی ۱۸۳۴ء کو پشاور شہر پر اور بالا حصار

پر قبضہ کر لیا۔

مہاراج کو تسلی نہ تھی۔ وہ نہ صرف فوجیں پشاور کی طرف بھیجتا گیا بلکہ خود بھی اُدھر روانہ ہو پڑا۔ امیر دوست محمد خان کو پشاور ہاتھ سے نکل جانے بڑی فکر لگی۔ پہلے تو اُس نے سرکار انگریزی کو مدد کے لیے لکھا کہ وہ مہاراج رنجیت سنگھ کو پشاور سے واپس بلائیں۔ سرکار انگریزی نے دخل دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد نواب جبر خان کے ذریعے ایران سے امداد طلب کی اور خود جلال آباد سے فوج لے کر روانہ ہوا۔ علی باغان میں عید کی قربانی کی اور بڑے زور سے خدا سے دعا مانگی ” اللہ میں ایک کمزور مکھی ہوں میرا ایک بڑے ہاتھی سے مقابلہ ہے تیری طاقت بڑی ہے۔ یہ مکھی اس طاقت پر بھروسہ رکھتی ہے۔ تجھ سے ہی میں مدد مانگتا ہوں اور تجھ سے فتح کی التجا کرتا ہوں“۔ علاقہ سے بہت سے غازی پٹھان اُس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ خیبر کے سردار سکھوں کا ساتھ چھوڑ کر اُس کے ساتھ ہو گئے۔ خیبر گذر کر شکمان میں آ پہنچا۔ مہاراج بھی جلدی کوچ کرتا ہوا پشاور جا پہنچا اور دوست محمد کے ساتھ بات چیت شروع کر دی تاکہ فوج کو یکجا کرنے اور ترتیب دینے کا وقت مل جائے۔ نصف دائرہ کی شکل میں پانچ کیمپ میں فوج کو تقسیم کیا۔ سامنے رسالہ پیچھے پیدل پلٹن اُس کے پیچھے پھر رسالے کھڑے کئے۔ مہاراج نے عزیز الدین اور مسٹر ہارلین کو دوست محمد کے پاس روانہ کیا تاکہ اُسے ہٹ جانے کی ترغیب دیں۔ وہ ابھی اُس کے پاس ہی تھے کہ امیر کو پتہ لگا کہ سکھ فوج نے اُسے گھیر لیا ہے اور بھاگنے کے سوائے اُس کے لئے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ اُسے ایک تجویز سوجھی کہ عزیز الدین اور ہارلین کو گرفتار کر لے۔ مہاراج عزیز الدین کے بغیر ایک منٹ بھی نہ رہ سکتا تھا۔ اسلئے جو کچھ وہ مہاراج سے مانگیگا اُسے دینا پڑیگا۔ اُس نے یہ مشورہ اپنے بھائی

سنگھ سے بتایا اور اُس سے درخواست کی کہ وہ ان دونوں کو اپنے پاس رکھ لے۔
ظاہر ہے وہ ناراض ہو گیا جب عزیز الدین اور ہارلن دوست محمد کے پاس آئے تو اُس
نے اُن سے کہا کہ "میں تو صرف اس لئے آیا ہوں کہ مجھے میرے بھائی کا آدھا
علاقہ دیدیا جائے" اُنہوں نے جواب دیا "اچھا ہے کے لئے ہمیں مہاراج کے
پاس جانا چاہیے" اس پر وہ کہنے لگا کہ "مہاراج کو اس مطلب کی چٹھی لکھ دی جائے"
اور دونوں کو سلطان محمد کے حوالے کر دیا۔ عزیز الدین نے اُس سے کہا کہ "یہ تو اخلاق
اور رواج کے بالکل برخلاف ہے۔ ایسے تو پٹھان بھی بُرا کہیں گے" دوست
نے جواب دیا "سکھ کافر ہیں۔ اُن کے ساتھ عہد و پیمان توڑ دینا کوئی برائی
نہیں ہے"۔ سلطان محمد نے اُن کو بھی قلعہ میں بھیج دیا۔ اس پر دوست محمد بڑی
تسلی کے ساتھ واپس کوچ کرنے لگا۔ جب وہ شیکمان پہنچا تو اُسے معلوم
ہوا کہ عزیز الدین اور مسٹر ہارلن مہاراج کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ شیکمان میں
پہنچکر دوست محمد اپنی بے عزتی پر گھبرا گیا اور کئی دن تک مکان میں بند ہو کر
پڑا رہا۔ اُس کا وزیر سامی خان غصے میں قلمدان توڑتا تھا اور امیر کو گالیاں
دیتا تھا۔ مہاراج کے لئے یہ ایک بڑی بھاری فتح تھی۔ دوست محمد کے چلے
جانے پر مہاراج نے ایک قلعہ تعمیر کرایا اور کچھ ہفتے پشاور ٹھیر کر واپس چلا آیا
۱۸۳۷ء کی سردیوں میں سردار ہری سنگھ نے پشاور کے آگے بڑھ کر
جمرود پر قبضہ کر لیا۔ دوست محمد کو بڑا ڈر پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے وزیر علی خان
اور پانچ بیٹوں کو خیبر کے ملکوں کے ساتھ ملا کر فوج دے کر روانہ کر دیا۔
باجوڑ اور مانند کے لوگوں نے بھی اس وقت امداد بھیجی۔ پٹھانوں نے قلعے پر
حملہ شروع کیا اور دو دن کے اندر باہری حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس سے
وہ خوش ہو رہے تھے کہ ۳۰ اپریل ۱۸۳۷ء کو ہری سنگھ نے اُن پر ایسا حملہ کیا۔

جب پٹھان بھاگ کھڑے ہوئے۔ سردار ہری سنگھ نے محمد افضل اور امیر
بیشوں کو خیبر کے پاس پہنچکر شکست دی اور چودہ توپیں حاصل کیں۔ سکھ پٹھانوں
کا تعاقب کر رہے تھے۔ جب شمس الدین خان کمک لئے آپہنچا جس نے
بھاگتے ہوئے پٹھان اور سردار واپس ہو پڑے اور دو توپیں چھین لیں۔ اس
لڑائی میں سردار ہری سنگھ کو ایک کاری زخم لگا جس سے سکھ فوج میں بھگدڑ
پڑ گئی۔ اور سب جمرود کے قلعے میں واپس آ گئے۔ اگرچہ افغان جمرود نہ لے
سکے مگر ہری سنگھ کی موت سکھوں کے لئے شکست سے بڑھکر نقصان
ثابت ہوئی۔ اُس کی موت سے مہاراج کو بڑا دُکھ ہُوا اور مہاراج خود پشاور کی
طرف روانہ ہُوا۔ راجہ دھیان سنگھ نے جمرود جا کر قلعے کو از سرِ نو تعمیر کیا اور
اپنے ہاتھوں سے کام کر کے سپاہیوں کے سامنے ایک مثال قائم کی۔ پشاور
میں اس وقت چالیس ہزار سکھ فوج تھی۔ حاجی خان نے ہشت نگر پر حملہ کیا
مگر اُسے ناکام واپس جانا پڑا۔

**انگریز اور کابل**

۱۸۳۷ء میں ایران کا بادشاہ مر گیا۔ اس کے پیچھے بدنظمی پھیل گئی۔ کامران
نے نہ صرف خراج بند کر دیا بلکہ خراسان پر حملہ کرکے بارہ ہزار
قیدی غلام بنا لئے۔ اس کے بدلے میں ایران کے نئے بادشاہ محمد شاہ نے
ہرات پر چڑھائی کر دی اور کابل اور غزنی پر بھی دعویٰ کیا۔ اُس وقت
مسٹر ایلس طہران میں تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اس کی تہ میں رُوسی سفیروں کی
کارستانی کام کر رہی ہے۔ وہی ایران کے بادشاہ کو آگے بڑھا رہے ہیں۔
تاکہ رُوس کا رعب داب بڑھے اور وہ ہندوستان کے نزدیک آ جائیں۔ اس وقت
لارڈ آکلینڈ نے کپتان برنس کو جو وسط ایشیا گھوم کر آیا تھا دوست محمد کے پاس
[illegible] ۱۸۳۷ء کو کابل [illegible] تعلقات پیدا کرنا تھا۔ تاکہ [illegible] دریا کے [illegible]

وسط ایشیا تک تجارت کی جائے۔ برنس ستمبر ۱۸۳۷ء میں کابل پہنچا۔ بڑی عزت سے اُس کا استقبال کیا گیا لیکن دوست محمد نے کہا "مجھے تجارتی رابطوں کی ضرورت نہیں۔ میں تو سکھوں کو پشاور سے نکالنا چاہتا ہوں"۔ اُس کے ساتھ اُس نے انگریزوں کے دلوں میں رُوس کے خطرے کو زیادہ بڑھا دیا۔ چونکہ دوست محمد کے ساتھ لڑائی کرنے سے تجارت نہیں ہو سکتی تھی اِس لیے اُس سے کہا گیا کہ اگر وہ چاہے تو مہاراج کے ساتھ اُس کی صلح کرا دی جائے۔ اِس معاملے پر غور ہو رہا تھا کہ کپتان برنس ایک رُوسی قاصد وِن کووچ کے آنے پر حیران ہو گیا جو کہ طہران سے کونٹ سیمونچ کی چٹھی لایا تھا جس میں یہ لکھا تھا "اسے میری جگہ سمجھو اور سب بھید اُسے بتا دو"۔ اِس پر برنس نے لارڈ آکلینڈ کو لکھا کہ کابل کی طرف سخت پالیسی اختیار کرنی پڑے گی۔ لاٹ صاحب نے دوست محمد کو کہلا بھیجا کہ وہ رُوسی قاصد اپنے دربار سے ہٹا دے اور اُسے کوئی عہد و پیمان نہ کرے مگر دوست محمد نے کچھ پرواہ نہ کی اور اپنے آپ کو رُوس کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔ لارڈ آکلینڈ نے ۱۸۳۸ء میں برنس کو واپس بُلا لیا اور مہاراج سے ملاقات کر کے یہ فیصلہ کیا کہ دوست محمد اور مہاراج کا راضی نامہ نہیں ہو سکتا اور دوست محمد کا کابل میں رہنا ہندوستان کے لیے خطرے کا موجب ہوگا۔ کابل میں ایسی گورنمنٹ ہونی چاہیے جو سرکار انگریزی کی دوست ہو اور غیر حکومتوں سے تعلق نہ رکھے اِس لیے شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کا ارادہ کیا گیا۔ رُوس کی آمد کا مُلک میں جا بجا چرچا تھا گو کئی لوگ اِس کے مخالف تھے مگر یہ پالیسی اُس وقت مناسب سمجھی گئی۔ مہاراج کو ایک وفد بھیجا گیا تاکہ مہاراج سے مشورہ کیا جائے اور سب کام مہاراج کی امداد سے ہو۔ میکناٹن اور اُس کے ساتھی دینا نگر آئے جہاں کہ مہاراج گرمی کا موسم گزارتے

کے لیے آجاتا تھا۔ خیمہ لگاکر کھلے میدان میں ڈیرے ڈال۔ تلوار سرہانے میں اور
گھوڑا پاس رکھکر سویا کرتا تھا۔ شیر سنگھ کے بیٹے پرتاب سنگھ نے جو ابھی سات
سال کا بچہ تھا۔ اُن کا استقبال کیا۔ ۲۹ مئی صبح کو مہاراج سے پہلی ملاقات
ہوئی تحفے پیش ہوئے اور ۳۰ مئی کو کاروبار شروع ہوا۔ مہاراج انگو ٹھالٹکا
کر چاندی کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ہیرا سنگھ اُس کے سامنے تھا۔ دھیان سنگھ پاس
کھڑا تھا۔ رائے گوبند جس، عزیز الدین اور سردار لہنا سنگھ مجیٹیا فرش پر بیٹھے
تھے مسٹر میکناٹن نے اپنی سرکار کی سب پالیسی مہاراج سے بیان کی۔
مہاراج سے کہا گیا کہ اگر وہ خود اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے تو بہتر۔ اگر وہ
رضامند ہو تو سرکار انگریزی مدد پر طیار ہوگی۔ دھیان سنگھ کے چہرے اور
اشاروں سے ظاہر تھا کہ وہ اس کے برخلاف تھا۔ مہاراج نے یہ تجویز فوراً
پسند کرلی۔ درباری کہتے رہے کہ کیلے ہم اختیار کرنا اچھا ہے۔ مہاراج
نے جوابدیا کہ اُس نے فیصلہ کرلیا ہے اور وہ اس پر کچھ سننا نہیں چاہتا۔
قاصد لشکر چلے گئے۔ ۱۳ جولائی کو آخری ملاقات ہوئی۔ مہاراج نے پبلک دربار
کیا۔ ہر ایک افسر کو خلعت دیا اور سب کو بغلگیر ہوکر رخصت کیا۔ قاصد اس کے
بعد لدھیانہ آگئے اور شجاع سے سب حال ظاہر کیا۔ تینوں کے درمیان
یہ عہدنامہ کیا گیا کہ شاہ اپنی فوج لے کر کابل میں داخل ہو اور انگریز اور مہاراج
اُس کی امداد کریں۔ مہاراج اس کے بدلے میں کچھ فائدہ کی اُمید رکھتا تھا۔ انگریزوں کا
خیال تو جلال آباد دینے کا تھا مگر شاہ دو لاکھ روپیہ سالانہ اور پچاس گھوڑے دینے
پر رضامند ہوا۔ نومبر کے آخیر میں انگریزی فوج فیروزپور اکٹھی ہوگئی۔ یہاں پر مہاراج
اور لارڈ آکلینڈ کی ملاقات ہوئی۔ دس ہزار ہندوستانی فوج اور [illegible] کے دسمبر کے
شروع میں کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہ شجاع شکارپور کے راستے قندھار

بارکزئی سردار وہاں سے بھاگ گیا۔ خاص تخت بنایا گیا اور ۸ مئی ۱۸۳۹ء کو
شاہ شجاع کو تخت نشین کیا گیا۔ توپوں کی سلامی کے ساتھ شاہ شہر سے روانہ ہوا
نذریں دی گئیں اور ساری فوج اُس کے سامنے سے گذاری گئی۔

**مہاراج کی ملاقاتیں**

۱۸۳۰ء میں مہاراج کی طاقت عین بلندی پر پہنچ گئی تھی
سارا پنجاب اُس کے نیچے آگیا۔ اُس کے دل میں سندھ
فتح کرنے کا خیال لگا تھا۔ نظام حیدرآباد نے اُس کے دربار میں تحفے روانہ کیے
ہرات کے حکمران کامران نے اپنا ایجنٹ اُس کے پاس بھیجا۔ بلوچستان سے
دوستی کی خواہش کی چٹھیاں آئیں۔ مہاراج نے کشمیر کے شال تحفے کے طور پر انگلینڈ
کے بادشاہ ولیم کو بھیجے جس کے بدلے میں بادشاہ نے پانچ عمدہ گھوڑے ارسال
کیے۔ کرنل برنس یہ گھوڑے لے کر سندھ کے راستے روانہ ہوا۔ ایران میں رُوس
کا رعب و داب بڑھنے کی وجہ سے اُس کا مدعا سندھ کے متعلق دوسرے معلومات
اکٹھے کرنا بھی تھا۔ سندھ کے امیر بڑی مشکل سے راستہ دینے پر رضامند ہوئے۔
کرنل برنس نے بہاولپور میں بہاول خان سے ملاقات کی جس کو وہ خوبصورت اور
خوش اخلاق بیان کرتا ہے۔ بہاول خان نے اُسے اپنے دادا کو مسٹر ایلفنسٹن کا
دیا ہوا ایک سرٹیفکیٹ دکھایا۔ اُس کو ایک پستول اور گھڑی تحفے میں دئیے گئے
جنہیں دیکھ کر وہ بڑا خوش ہوا اور بغلگیر ہو کر انگریز قاصد کو روانہ ہوا۔ جب وہ سکھ علاقے
میں داخل ہوئے تو سکھ سردار اُن کی خاطر تواضع کیلئے موجود تھے۔ لاہور سے پچیس میل
پرے ان کا استقبال کیا گیا۔ ہاتھیوں کی سواری پر ملاقات ہوئی۔ مہاراج
نے انگلینڈ کے بادشاہ کی خیر و عافیت دریافت کی۔ ہر ایک سردار نے اشرفیوں
کی ایک ایک تھیلی نذر کی اور فقیر نور الدین نے بڑے چیدہ الفاظ میں اُن کو خوش آمدید
کہا۔ آپ اسے اپنا گھر سمجھیں یہ ایک باغ ہے جس کے آپ پھول ہیں۔ آپ

کی اور ہماری سرکار کی دوستی ایسی ہو جائیگی کہ ایران اور روم میں اس کا چرچا ہونے لگیگا وغیرہ۔ ۱۸ اپریل کو لاہور میں پبلک داخلہ ہوا فقیر عزیزالدین اور راجہ گلاب سنگھ بمعہ سواروں کے ہمراہ تھے۔ تمام گلیاں سواروں اور پیادوں سے آراستہ تھیں دیکھنے والوں کے ہجوم ٹھہرے تھے۔ راجہ دھیان سنگھ دروازے پر استقبال کے لئے موجود تھا۔ جب برنس بوٹ کھولنے لگا اُس نے اپنے آپ کو ایک بُڈھے چھوٹے سے قد والے کی بغل میں پایا۔ مہاراج کے دونو بیٹوں نے برنس سے بغلگیر کیا۔ مہاراج مالا اور بازوبند پہنے ہوئے تھا اور اُس کے اُمرا جواہرات پہنے ہوئے تھے۔ دربار کا رنگ پیلا تھا۔ مہاراج کو بادشاہ کی چٹھی کے ساتھ گھوڑے اور گورنر جنرل کی طرف سے ایک گاڑی پیش کئے گئے۔ چٹھی سنہری بیگ میں تھی جس پر مہر لگی ہوئی تھی۔ مہاراج نے مہر کو ہاتھ لگا کر بوسہ دیا اور فقیر عزیزالدین کو فارسی میں پڑھنے کا حکم دیا۔ عزت کے طور پر اُس وقت توپوں کی سلامی کی گئی۔ مہاراج گھوڑوں کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا کہ یہ چھوٹے ہاتھی ہیں۔

ڈیڑھ گھنٹہ تک مہاراج نے بات چیت کی۔ اِس میں اُس نے سندھ کے متعلق اُس کی گہرائی کے متعلق۔ انگلینڈ کی دولت اور طاقت کے متعلق بہت سے سوال کئے۔ یہ بھی پوچھا کہ آیا انگلینڈ زیادہ طاقتور تھا یا فرانس۔ اِس طرح ملاقات ختم ہوئی۔ ایک دن برنس شاہدرے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے مہاراج کو میدان میں بیٹھا ہوا پایا۔ مہاراج نے بلا لیا اور دیر تک باتیں کرتا رہا۔ اُسے یہ بھی بتایا کہ جہاں پر وہ بیٹھا تھا وہاں پر افغانوں نے کسی وقت اپنا کیمپ لگایا تھا۔ ۴ جولائی کو مہاراج سے اکیلے ملاقات ہوئی۔ اُس کے بعد مہاراج نے تیس چالیس کشمیری اور پہاڑی لڑکیوں کی پارٹی کو بلایا۔ یہ سب لڑکیاں ناچنے والی تھیں اور لڑکوں کا لباس

پہنے ہوئے تھیں سب ایک دوسرے سے خوبصورت تھیں۔ ان میں سے ہر ایک
کے پاس تیر کمان تھا۔ مہاراج کہنے لگا کہ "یہ بھی میری ایک رجمنٹ ہے لیکن یہ تو اکثر
نہیں جاتی۔" دو لڑکیاں اُن کی افسر تھیں۔ ایک کو دس روپے اور دوسری کو پانچ
روپے روز ملتا تھا۔ اِن کا تماشہ ختم ہو جانے پر اِن کو ہاتھیوں پر اِن کے مکانوں کو
پہنچا دیا گیا۔ اِس کے بعد مہاراج نے اپنے سپاہیوں کی بات چیت شروع کی۔
اور کہا کہ اُس کے سپاہی آٹھ دن کا راشن کندھے پر لے جا سکتے تھے۔ سڑکیں
بنانے اور پلیں بنانا جانتے تھے۔ پھر اپنی شرابوں کی تعریف کرنے لگا کہ وہ موتیوں
اور ہیروں سے بنائے جاتے تھے۔ دوسرے دن توپخانے کا ملاحظہ کرایا۔
... دن توپیں تھیں۔ مہاراج نے بتایا کہ ہر ایک توپ پر اُسکا پانچ ہزار روپیہ خرچ ہوا ہے۔
اُن کی درخواست پر آخری دن یعنی ۱۶ اگست کو کوہِ نور دکھایا گیا جو کہ مرغی کے
انڈے کے نصف کے برابر تھا۔ اِس کے بعد اورنگ زیب اور احمد شاہ کے ہیرے
دکھائے گئے۔ رخصت کے وقت مہاراج نے اُس کے گلے میں موتیوں کی ایک
مالا اور اُس کی اُنگلی میں ہیرے والی ایک انگوٹھی ڈالی۔ شال اور کشمیری کپڑے خلعت
میں دیئے۔ ایک خوبصورت تلوار اُس کی کمر سے باندھی اور بادشاہ کے نام فارسی
میں ایک چٹھی دی جس میں برنس کو فصاحت کے باغ کی بلبل بتایا گیا اور گھوڑے
کی نقل کی تعریف یہاں تک کی گئی کہ "نئے چاند نے شرم کے مارے اُس سے منہ
چھپا لیا۔" لیکن گھوڑا جو کہ بچہ پیدا کرنے کے لئے سانڈ تھا بجائے مناسب استعمال
کے ہمیشہ سنہری زین سے آراستہ کر کے محل میں کھڑا رکھا جاتا تھا کہ سکھوں کا ایک
تماشہ بنا رہے۔ نہ گھوڑیوں سے فائدہ اُٹھایا گیا۔ گاڑی بھی ایک بیکار بوجھ ہو کے
اور پر فضول چیز سمجھ کر پھینک دی گئی۔

مارچ ۱۸۳۱ء میں ایک فرنچ سیاح جیک مانٹ اپنے عجائب گھر کے لئے

ہندوستان سے معاملہ جمع کرنے کے واسطے لاہور آیا۔ اُسے شالامار باغ میں رکھا گیا جس کی نہروں اور فواروں کی اُس نے بڑی تعریف کی ہے۔ مہاراج اُس کیساتھ گھنٹوں تک گفتگو کرتا رہا اور وہ لکھتا ہے کہ مہاراج ہر ایک بات کو جاننا چاہتا ہے۔ اُس کا شوق اتنا زیادہ ہے کہ باقی تمام لوگوں کی لاپرواہی کو پُورا کر دیتا ہے اُس نے مجھ سے ہندوستان۔ انگلینڈ۔ فرانس۔ بُونا پارٹ۔ اِس دُنیا۔ اگلی دُنیا۔ ایشور۔ رُوح۔ بہشت اور شیطان کی بابت ہزاروں سوال کیئے"۔ سیاح کی رائے میں مہاراج اور بُونا پارٹ کے درمیان بہت مشابہت پائی جاتی تھی۔

اپریل ۱۸۳۱ء کو دیوان موتی رام۔ فقیر عزیز الدین اور سردار ہری سنگھ کا ایک وفد گورنر جنرل کے پاس گیا۔ گورنر جنرل بھی مُلاقات کا بہت خواہشمند تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ رُوس کی آنکھیں ایران پر لگی تھیں۔ کپتان وِیڈ لاہور میں آیا اور روپڑ کا مقام مُلاقات کے لیئے مقرر کیا گیا۔ مہاراج فوج لے کر وہاں پہنچ گیا اور ستلج کے اس پار کیمپ لگایا۔ کئی انگریز افسر آئے جنکو دس ہزار روپیہ اور خلعت دیا گیا۔ سکھ سردار گورنر جنرل کے پاس گئے اور ۲۶ اکتوبر مُلاقات کے لیئے مقرر ہوا۔ اچانک مہاراج کے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ دوسرے کے علاقے میں جا کر مُلاقات کرنا خطرناک ہے۔ اُس نے ایلارڈ کو بہت رات گئی بُلا کر کہا کہ وہ مُلاقات نہ کریگا۔ ایلارڈ نے مہاراج کو بہت سمجھایا اور اُس کے شکوک دُور کرنے کی کوشش کی۔ یہانتک کہ وہ اپنا سر کٹوانے کے لئے طیار ہو گیا۔ اگر مہاراج کے شک میں کچھ سچائی ہو۔ اِس کے بعد مہاراج نے جیوتشیوں کو بُلایا۔ اُنھوں نے کتابوں سے دیکھ کر کہا کہ مہاراج کو اپنے دونو ہاتھوں میں ایک ایک سیب رکھنا چاہیئے۔ اور گورنر جنرل کو ملنے پر پہلے پیش کر دینا چاہیئے۔ اگر گورنر جنرل اُسے فوراً لے لے تو مُلاقات بہت فائدہ مند ہوگی۔

صبح سویرے مہاراج نے لارڈ کے آٹھ سو سپاہی پُل پار روانہ کیے۔
ے پیچھے تین ہزار سوار اور پھر خود بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ بسنتی لباس
ہوئے ہاتھی پر سوار ہوا۔ کیمپ کے دونوں طرف انگریز سپاہی کھڑے تھے۔ ان
ے گزرتے ہوئے مہاراج ہر ایک چیز کی بابت جو اُسے غیر معمولی دکھائی دیتی
سوال کرتا تھا۔ گورنر جنرل سے ملتے ہی اُس نے پہلے ہی سیب پیش کیا جو اُس
لے لیا۔ آخر کر ساری پارٹی خیموں میں داخل ہوئے۔ مہاراج نے خود ہر ایک
د کو نام لیکر بُلایا اور پہلے اُنکو کرسیوں پر بٹھانے کے بعد خود جگہ لی۔ اس کے
ے تحائف لائے گئے۔ کلکتہ۔ ڈھاکہ۔ بنارس کے بنائے ہوئے خوبصورت
ے۔ موتیوں کی مالا۔ جواہرات کی طشتری۔ برما کے ہاتھی۔ حصار کے گھوڑے
لائے گئے۔ مہاراج نے سب کو غور سے دیکھا اور لانے والوں کو رد
ل تفصیلی انعام دی۔ مہاراج بڑا خوش اپنے ڈیرے کو واپس آیا لیکن گھوڑوں
ت گورنر جنرل سے باتیں کئے بغیر نہ رہ سکا۔ واپس آکر مہاراج تین جوڑے
ر کشمیری قلمدان ایک گورنر جنرل کے لیے۔ دوسرا اُس کی میم کے لئے
برا اُس کے سکرٹری کے لئے روانہ کئے۔

دوسرے دن گورنر جنرل نے واپسی مُلاقات کی۔ اُس کے لئے بڑی شان و
ن سے انتظام کیا گیا۔ کشمیر کے نقش و نگار والے خیمے آراستہ کئے گئے
، سنگھ اور شیر سنگھ لینے کے لئے آگے گئے۔ پُل پر خود مہاراج موجود تھا اور
جنرل لارڈ ہیننگ کو اپنے ہاتھی پر بٹھا لیا اُسی وقت توپوں کی سلامی چھٹی۔
یوں نے ہتھیاروں سے سلامی دی۔ مہاراج کو انگریزی باجہ بہت پسند آیا۔
ج کا شامیانہ موتیوں اور ہیروں سے جڑا ہوا تھا۔ فرش ریشمی تھا جس پر سونے
ی کا کام کیا ہوا تھا۔ گورنر جنرل کو گدی پر بٹھایا اور مہاراج دائیں طرف کرسی پر

بیٹھ گیا۔ سرداروں نے اشرفی کی نذر چڑھائی۔ مہاراج خود ہر ایک کا نام تعارف بتاتا جاتا تھا۔ ایک گھنٹہ بعد تلے چھوالی فرکیاں لائی گئیں۔ روانگی کے وقت تحفے لائے گئے۔ گورنر جنرل کے لئے ایک سو ایک طشتریاں تھیں جن میں کشمیر لودھیانے کے جواہرات رکھے تھے۔ دس بندوقیں۔ تلوار۔ جڑاؤ تیر کمان۔ سونے اور چاندی کے برتن۔ ایک چھپر کھاٹ۔ دو خوبصورت گھوڑے اور ایک ہاتھی پیش کئے گئے۔ عطر اور پان تقسیم کرنے کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔ اگلے چار دن شام کے وقت کھیل تماشہ اور فوج کی نمائش ہوتی تھی سالم اکتوبر کو توپخانہ کی کھیلیں ہوئیں۔ توپ سے ایک چھتری پر گولہ پھینکا گیا۔ راجہ دھیان سنگھ۔ سوچیت سنگھ اور گلاب سنگھ نے سواری اور تلوار بازی کے کھیل کئے۔ سردار ہری سنگھ نلوہ اور جرنیل الٰہی بخش اور جرنیل وینٹورا اور ایلارڈ نے اپنے اپنے کرتب دکھائے۔ آخیر میں مہاراج کی باری آئی۔ میدان میں پیتل کا ایک برتن رکھا گیا۔ مہاراج نے اپنا گھوڑا پوری تیزی سے دوڑاتے ہوئے تین بار اسے اپنی تلوار کی نوک سے اٹھایا۔ گورنر جنرل نے دو پنج پونڈر توپ بمعہ گھوڑوں اور سامان کے نذر کیں اور شام کو الوداع کے وقت لوہے کا ایک لٹکنے والا پل پیش کیا گیا جو کہ اسی غرض کے لئے کلکتے میں بنایا گیا تھا۔ رات کو دوستی کا ایک نیا عہد نامہ مرتب کیا گیا۔ اس میں پرانی شرائط کے ساتھ دریائے سندھ کے اندر جہاز چلانے کا فقرہ ایزاد کیا گیا۔ مہاراج نے اپنے ارادوں کو یہ کہکر ظاہر کر دیا کہ سندھ میں بڑا روپیہ ہے اور وہاں بڑی بد انتظامی ہے اور بغیر فوج کے بڑی آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے۔ اس نے مشترکہ فتح کی تجویز کی۔ گورنر جنرل نے مہاراج سے یہ امر بالکل پوشیدہ رکھا کہ اس نے سندھ کے امیروں کے پاس اپنا ایجنٹ بھیجا ہے تاکہ سندھ

کا نچلا حصّہ انہیں جہاز چلانے کو دیں۔ ملاقات ختم ہو گئی۔ دونو پارٹیاں الگ ہو گئیں اور مہاراج ۹ر نومبر کو گوبندگڑھ اور ۲۱ر کو لاہور واپس آگیا۔ دسمبر میں کرنل ویڈ لاہور آیا اور اُس وقت مہاراج کو سندھ کے مشن کی خبر دی اور اُس کے ساتھ ستلج میں کشتی چلانے کی اجازت مانگی۔ مہاراج سمجھ گیا کہ انگریز سندھ کو لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس نے ویڈ سے کہا کہ اُس کا حق سندھ پر بہت زیادہ ہے لیکن اُس نے دریاؤں کے کھلنے کی اجازت دیدی اور اپریل ۱۸۳۲ء میں سندھ کے امیروں نے بھی دریا میں کشتی چلانے کی اجازت دے دی۔

## کنور نونہال سنگھ کی شادی

۱۸۳۵ء میں مہاراج کو ادھرنگ کا حملہ ہو گیا۔ ہر روز دو ہزار روپیہ مہاراج کے سرہانے رکھا جاتا تھا اور سویرے غریبوں کو بانٹ دیا جاتا تھا۔ گائیں، گھوڑے، کپڑے برہمنوں کو دان دیئے گئے۔ جوالا مکھی اور کانگڑہ میں بہت سا روپیہ بھیجا گیا۔ چند دنوں کے اندر مہاراج بالکل اچھا ہو گیا۔ ملتان سے بھجن گانے والے بلائے گئے جو مہاراج کو خوش رکھتے تھے۔ اس سال امریکن میک گریگر، ہارلن، جرمن ڈاکٹر ہانگ برگر، بیگم سمرو کا نوکر وینٹورا لاہور آتے۔ مہاراج نیپال کا وکیل کشن سنگھ بیکانیر کا وکیل سرجو، تبت کے راجہ کا بھائی بھیم کال بھی لاہور آئے۔ اسی سال فرانس کے بادشاہ سے تحفے لے کر ایلارڈ لاہور آیا اور فارسی زبان میں خوشی کی ایک نظم پڑھی جس سے مہاراج بڑا خوش ہوا۔

۱۸۳۷ء میں شام سنگھ اٹاری والے کی لڑکی کے ساتھ کنور نونہال سنگھ کی شادی مقرر تھی۔ شادی کا سامان امرتسر میں کیا گیا۔ باوجود اس کے کہ سندھ کے متعلق مہاراج کے انگریزوں سے تعلقات اچھے نہ تھے مہاراج نے لاٹ صاحب کو شادی پر بلا بھیجا اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ سندھ کی فتح کے لئے اُس کی آنکھ اپنی نونہال سنگھ

پڑ گئی تھی۔

سنہ [illegible]ء میں دیوان ساون مل نے رپورٹ کی کہ سندھیوں کے حملوں سے تنگ آکر اُس نے زوجان پر قبضہ کر لیا۔ اگلے سال مزاریوں سے ایک قلعہ کان لیا۔ سرکار انگریزی کو یہ بہت ناگوار گذرا اور کپتان ویڈ اِس غرض کے لئے بھیجا گیا۔ مہاراج نے کان کا قلعہ گرا دیا اور مزاریوں کو دبائے رکھا باوجود اِس ناراضگی کے کمانڈر انچیف سر ہنری فین شادی میں شامل ہونے کے لئے آیا۔ سرہری کے پتن پر راجہ دھیان سنگھ زری لباس پہنے ہوئے اُس کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ گوبندگڑھ سے آگے موضع کھتانی میں جنگی لاٹ کے لئے خیمے نصب کئے گئے تھے مہاراجہ نے اکیس سو مہریں اور پانچ سو لشکر یاں مٹھائی کی ضیافت کی۔ ۷ مارچ صبح کو رام باغ میں مہاراج صاحب سے لاٹ کی ملاقات ہوئی۔ مہاراج اور سب سردار بسنتی رنگ میں تھے۔ مہاراج کی پگڑی کشمیری تھی۔ کوٹ میں ایک قطار بٹنوں کی تھی۔ اُس کی گردن اور بازو موتیوں سے سجے تھے سب سے زیادہ سجا ہوا اور خوبصورت دھیان سنگھ وزیر اعظم کا لڑکا ہیرا سنگھ تھا جو جواہرات مجسم نظر آتا تھا۔ مہاراج نے جنگی لاٹ سے سب قسم کے سوال پوچھے۔ برٹش رجمنٹوں کے متعلق ہر ایک رجمنٹ میں کتنے افسر ہوتے تھے کمپنی کی کل فوج کتنی تھی۔ توپوں کے بنانے کا طریقہ کیا تھا۔ لاٹ خود کتنی لڑائیوں میں شامل ہوا تھا وغیرہ وغیرہ۔ جنگی لاٹ کو تحفے دیئے گئے اور ساتھ میں پانچ عمدہ گھوڑے نذر کئے گئے۔ مہاراج نابہ۔ جیند۔ پٹیالہ مالیر کوٹلہ اور سب پہاڑی راجہ بھی بلائے گئے تھے۔

شادیانوں کے متعلق مہاراج کی یہ خواہش تھی کہ اِس شادی کو لاثانی بنا دیا جائے۔ اُسی دن دوپہر کو تنبول کی رسم ادا ہوئی۔ اسّی ناچنے والی لڑکیاں موجود تھیں جو کہ تین تین چار چار اکٹھی گاتی تھیں۔ مہاراج اور دولہا ایک درخت کے نیچے

بیٹھے جس میں مصنوعی سنگترے لگائے گئے تھے۔ سب سرداروں نے نذریں پیش کیں۔ سردار دھیان سنگھ نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ سر منہری غین نے گیارہ ہزار روپیہ پیش کیا۔ دو گھنٹے تک رسم جاری رہی جس میں پچاس لاکھ تنبول جمع ہوا۔ ۷ مارچ کو سہر مسعدمیں سہرا بندھایا گیا۔ پانچ سو روپیہ کرتہ پر اور ایک سو پچیس اکال بنگے پر چڑھائے۔ سو نبجے اٹاری کی طرف روانگی ہوئی۔ مہاراج دونوطرف روپیہ پھینکتا جاتا تھا قریبا چھ لاکھ آدمی سب طرف سے جمع ہو گئے تھے۔ ہاتھی اور گھوڑوں کا ٹھکانا ہی کیا تھا۔ ساتھ ساتھ باجے بجتے جاتے تھے اور توپیں چلتی جاتی تھیں۔ جب برات پہنچی۔ سردار شام سنگھ نے مہاراج کو ایک سو ایک مہر۔ کنور کھڑک سنگھ کو اکاون اور ہر ایک سردار کو گیارہ مہر پیش کئے۔ رات کو نو بجے رسم ختم ہوئی۔ رات بھر ناچ رنگ آتشبازی ہوتی رہی۔ شراب کا دور شروع ہوا۔ مہاراج خود گلاس کو دیکھتا تھا اور لاٹ کو پلاتا تھا۔

۸ مارچ صبح کو پانچ میل کے احاطے میں ایک باڑہ بنایا گیا جس میں اسی دروازے تھے۔ اس کے ارد گرد سپاہی کھڑے تھے۔ اس کا منتظم مصر بیلی رام تھا۔ پھاٹک پر افسر کھڑا تھا جو ہر ایک کو ایک روپیہ دیتا تھا۔ سپاہی کسی کو خالی ہاتھ باہر نہ جانے دیتے تھے۔

جہیز ایک سو ایک گھوڑے۔ ایک سو ایک بھینس۔ دس اونٹ۔ گیارہ ہاتھی۔ سونے کے زیور۔ جواہرات اور سونے چاندی کے برتن۔ ملتان کے ریشم۔ بنارس کے کمخواب۔ پانچ سو شال۔ ایک ایکڑ زمین میں زنانہ لباس رکھا تھا۔

لاہور واپس آ کر ۱۲ مارچ کی رات کو شالامار باغ میں ایک بڑی ضیافت کی گئی۔ باغ بڑی خوبصورتی سے روشن کیا گیا۔ دس بارہ گز کے فاصلے پر مختلف رنگوں کے خوبصورت لیمپ تھے جنکی روشنی کا عکس پانی میں پڑتا تھا۔ درختوں کے ساتھ

لیمپ لگائے گئے تھے جو کرنچھ ہوں کی مانند معلوم دیتے تھے۔ اس باغ میں کبھی کبھی بسنا ووچ یکہتے تھے۔ اب سکھ بادشاہ کی باری تھی۔ ابھی اور وقت بھی آنا تھا۔

دوسرے دن مہاراج لوٹ کر اپنے سنوری مکان دکھانے کے لیئے گیا۔ سڑک کے کنارے کرے بنے تھے جن میں پھول وغیرہ بو دے لگے تھے مہاراج کبھی ایک مکان میں نہ رہتا تھا اور ان کو ہمیشہ بدلتا رہتا تھا۔ اُس کی زندگی سپاہیانہ تھی۔ کبھی خیموں پر کبھی دورہ پر ہوتا تھا۔ کوچ کے وقت وہ گھوڑے پر ہی کھاتا تھا۔ گھوڑے اُسے بہت پیارے تھے۔ ۱۴ر تاریخ کو سر ہنری فین مہاراج کی ملاقات کو گیا۔ دربار میں داخل ہوتے ہی مہاراج نے اُس سے سوال شروع کئے۔ کمپنی کی فوج کتنی ہے؟ اس کی طاقت کتنی ہے؟ کیا اُس کا رعب ایران میں بڑھ رہا ہے؟ کیا اس سے انگریزوں کو خطرہ ہے؟ مہاراج کو پستول اور توپ تحفے پیش کئے گئے۔ ۱۶ر کو سکھ فوج کا ملاحظہ ہوا جس میں اُس وقت کُل اٹھارہ ہزار آدمی تھے۔ دوسرے دن انگریزی فوج کا جو تھا اور سولھواں رسالہ اور سترہ اٹھارہ اور بیس رجمنٹوں کی آٹھ کمپنیاں ملاحظہ ہوئیں۔ مہاراج نے انگریزی فوج کی قواعد دیکھی اور اُن کی چال ڈھال دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔ "میرے فرنچ افسر کیسے جھوٹے ہیں جو مجھے بتلاتے ہیں کہ انگریزی قواعد کچھ نہیں محض ایک دکھلاوہ ہے۔ تم نے مجھے دکھایا ہے کہ کمپنیاں کیسے حرکت کرتی ہیں اور کس طرح دشمن پر حملہ کرتی ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ انگریز ہر لڑائی میں فتح پاتے رہے ہیں"۔ ایک بات سے اُسے خاص حیرانی ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ ۱۲ر کو توپخانے کی پریکٹس کھلائی گئی جس میں ایک چھ پونڈر توپ گاڑی سے اُتار کر زمین پر پھینک دی گئی۔ اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور پھر ان ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے باقاعدہ ترتیب میں رکھ کر آدمی اور گھوڑے اُسے دوڑانے لگے۔ یہ سب کچھ پانچ منٹ میں کیا گیا پہلی بار۔ مہاراج کو یقین نہ آیا کہ یہ توپ کھول کر چڑھائی گئی ہے۔ اس لیئے دوبارہ اُس کے سامنے پانچ منٹ میں یہ عمل کیا گیا۔

تب اُنھیں یقین آیا۔ مہاراج سب سے بڑا خوش ہوا اور گیارہ ہزار روپیہ پاریوں
میں بانٹنے کے لئے عطا کیا۔ ۱۵ کو شام کو مہاراج نے انگریز عورتوں کی عزت میں ضیافت
دی۔ ۲۰ کو وہ مہاراج کی رانیوں سے ملنے کے لئے گئیں۔ مہاراج کے علاوہ وہاں کوئی
کوئی مرد نہ تھا۔ اور سارا برج پھولوں سے آراستہ کیا گیا۔ ۲۲ کو مہاراج نے
ہولی کا تیوہار منایا اور خود مسز ہنری فین پر کیسر اور رنگ ڈالا۔ سب سردار گلال میں رنگے
گئے۔ ایک فغان قندھار کا قاصد گل محمد خان اتفاق سے وہاں آگیا۔ اُس کے
کپڑے اور چہرہ رنگ دیئے گئے وہ بیچارہ خود ہی شرم کے مارے بھاگ نکلا۔
اور سب لوگ ہنسنے لگے۔ ۲۷ کو سر ہنری فین مہاراج سے اُس کے گارڈن ہوس
میں ملا اور تحفہ تحائف دے کر ایک دوسرے سے وداع ہوئے۔ اُس وقت
پیر محمد خان بارہ سو پٹھانوں کے ساتھ مہاراج کے سلام کے لئے آیا اور دو گھوڑے
لاکر مہاراج کی نذر کئے۔ پٹھان سب زرہ بکتر اور بوٹ پہنے ہوئے تھے۔

### روپیہ اور آدمی

دُنیا میں ہر ایک بڑے کام کے چلانے کے لئے خواہ
وہ مذہبی ہو یا پولیٹیکل دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
ایک روپے کی اور دوسرے قابل آدمیوں کی۔ اگر روپیہ ہو تو اس کی مدد سے
لائق آدمی مہیا کئے جا سکتے ہیں اور جہاں پر لائق آدمی موجود ہوں۔ وہ روپیہ
مہیا کرنے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکال لیتے ہیں۔ لیکن یہ بات سچ ہے کہ ان دونو
سادھنوں کے بغیر کوئی کام پورا نہیں کیا جا سکتا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو قدرت
نے اس اصول کے سمجھنے کا مادہ دیا تھا۔ روپے کے متعلق مؤرخوں کی
رائے میں مہاراج کو اس کا بہت زیادہ لالچ تھا۔ لالچ کے معنی صرف اتنے
ہی ہیں کہ مہاراج بعض حالتوں میں روپیہ وصول کرنے کے لئے ایسا وسیلہ
استعمال کرتا تھا جسے لوگ جائز خیال نہ کرتے ہوں لیکن مہاراج جانتا تھا

کہ روپے کے بغیر وہ اپنی سلطنت کی عمارت تعمیر نہیں کرسکتا۔ اس لئے جہاں کہیں اُسے ذرا بھی موقعہ ملا۔ اُس نے روپیہ وصُول کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ شروع سے لے کر آخیر تک بہتیری ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں مہاراج نے روپیہ کے وصُول کرنے میں زبردستی کی لیکن یہ زبردستی تو اُس کے زمانے میں ایک عام رواج تھا۔ اگر مہاراج یہ نہ کرتا تو کبھی دوسری مثلوں کو یکجا کرکے ایک سلطنت کی بُنیاد نہ رکھ سکتا۔ مثلوں کو اپنے قابو میں لانے کے لئے اُس نے وسائل کی طرف کبھی بہت دھیان نہیں دیا۔ یہی حالت ہم اُن چند واقعات کے اندر دیکھتے ہیں۔ جن میں مہاراج نے خاص شخصوں سے روپیہ وصُول کیا اگر اخلاقی نقطۂ خیال سے بھی دیکھا جائے تو بھی اس پالیسی میں اتنی بُرائی معلوم نہیں ہوتی جو لوگ اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے غیر معمولی مقدار روپیہ کی جمع کرتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ اُن کے ذریعے ضروری طور پر اخلاقی قانون کے برخلاف ہوتے ہیں۔ غیر معمولی روپیہ یا جائداد بغیر کسی نہ کسی قسم کی بد دیانتی یا دوسروں کا حق دبا لینے کے اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ جو شخص ایک وقت دولت کا مالک ہے۔ اُس نے بے ایمانی نہ کی ہو لیکن دولت جمع کرنے کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ اُس کے باپ یا دادا نے یا کسی اور پچھلے بزرگ نے اخلاقی قانون کو توڑ کر ہی اُس کی بُنیاد رکھی ہوگی۔ اس لئے اگر لوگوں کو ناجائز طور پر روپیہ اکٹھا کرنے کا حق ہے تو سوسائٹی کو بھی اختیار ہے کہ ضرورت کے وقت اُس روپے کو اپنی بہتری کے لئے اُن سے چھین لے۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے اس لئے اس روپیہ کی ضبطی میں کوئی اخلاقی بُرائی نہیں کی۔

سنہ ۱۸۱۲ء میں ایک بوڑھا سردار دل سنگھ مر گیا۔ مہاراج نے اُس کی

ساری جائداد ضبط کرلی۔ اُس کا بہت سا روپیہ امرتسر کے مہاجنوں کے پاس جمع تھا۔ مہاراج نے اُن کو حکم دیا کہ وہ لاہور کے سرکاری خزانہ میں حساب کیکر روپیہ جمع کرادیں ۱۸۳۲ء میں امرتسر کا مشہور صراف رامانند مرگیا۔ مہاراج نے اُسے نمک کی کان کا ٹھیکہ دے رکھا تھا۔ اُس نے مرتے پر تریسٹھ لاکھ روپیہ چھوڑا۔ مہاراج نے روپیہ ضبط کرکے اُس سے لاہور کی دیوار بنوانے کا حکم دیدیا۔ ۱۸۳۳ء میں اُس کی ساس رانی سدا کور جو امرتسر میں نظر بند تھی مرگئی۔ مہاراج نے توشہ خانہ کے افسر بیلی رام کو حکم دیا کہ امرتسر میں جاکر اُس کی سب جائداد کو ضبط کرلے ۱۸۳۴ء میں امرتسر کا ایک کھتری شو دیال مرگیا۔ اُس نے بہت سا روپیہ اکٹھا کیا تھا۔ مہاراج نے اُس کے بیٹے کو گرفتار کرکے اُس سے ایک لاکھ روپیہ وصول کیا۔ ایک شخص غلام محی الدین نے جو کہ کشمیر کے صوبہ کا نائب رہا تھا۔ بہت ظلم کرکے بہت سا روپیہ اکٹھا کیا۔ مہاراج نے اُسے ہٹاکر اُس کی سب جائداد ضبط کرلی۔ مہاراج کو معلوم ہوا کہ اُس نے ہوشیارپور میں ایک پیر کی قبر کے نیچے لاکھوں روپے گاڑ رکھے ہیں۔ اِس قبر پر قرآن پڑھنے کے لیے مُلّا رکھے ہوئے تھے۔ مصر رُوپ لال نے قبر کو کھود کر نو لاکھ روپیہ نکالا جس پر مہاراج نے شیخ سے کہا "تمہارا پیر سچ مچ بڑا ولی ہے۔ اُس کی سب ہڈیاں سونا بن گئی ہیں"۔ ۱۸۳۴ء میں سجان پور کا ایک کاردار رام سنگھ مرگیا۔ اُس کے تیس ہزار روپیہ جمع تھے۔ مہاراج نے اُن کو ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح ۱۸۳۵ء میں آنندپور کے گھوڑ چڑھے عطر سنگھ کی جائداد ضبط کرلی۔ اسی سال سندھیانوالا سردار بدھ سنگھ کے مرجانے پر اُس کے بیٹے عطر سنگھ سے پچاس ہزار روپیہ وصول کیا۔ مہاراج کو آدمیوں کے انتخاب میں خاص مہارت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ اُس کی ضمیر میں خاص طاقت پائی جاتی تھی جس سے وہ انسان کے اندر اُس کی خوبی۔ قابلیت اور ہُنر کو فوراً پہچان لیتا تھا۔ جتنے آدمی مہاراج کی نزدیکی میں آ گئے قریباً وہ سب کے سب اُس کی زندگی تک دل سے اُس کے وفادار اور سلطنت کے خیر خواہ رہے۔ جس طرح پارہ ریت میں پڑکر سونے کے باریک ذروں کو اپنے پاس کھینچ لیتا ہے۔ اس طرح بکھرے ہوئے اور گرد و غبار کی دلدل میں پھنسے ہوئے پنجاب کی سرزمین میں سے سُنہری قابلیت کے آدمی مہاراج کی طاقت سے اُس کی طرف کھنچ آئے۔ لوہار لوہے کو اور سُنار سونے کو پرکھنا جانتا ہے۔ جواہری پتھروں اور کانچ میں سے ہیرے اور موتی کو پرکھ سکتا ہے۔ انسانی خوبیوں کا مالک ہی انسانوں کے گندے ڈھیر میں سے قابل آدمی چُن سکتا ہے۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے اپنے لئے ایسے آدمی چُن لئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جن بڑے آدمیوں نے پنجاب کی سِکھ ایمپائر بنانے میں مہاراج رنجیت سنگھ کا ساتھ دیا وہ عموماً سکھ نہیں تھے۔ اُنہیں اپنے سکھ بھائیوں میں ایسا قابل آدمی نہیں مل سکا۔ جتنے سکھ سردار خالصہ فوج کے افسر تھے اُن میں سے کوئی بھی سوا ہری سنگھ نلوہ کے پہلے درجہ کا آدمی نہیں ملا اور سردار ہری سنگھ بھی کھتری تھا۔ امرتسر کے لینے کے بعد مہاراج نے عہدوں اور خطابوں کو دیتے ہوئے کئی سکھ سرداروں کو اُن کے لئے منتخب کیا۔ اُن میں سردار دل سنگھ مجیٹھیا نہال سنگھ اٹاری والا اور باج سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ تھے۔ پھولا سنگھ اکالی سکھوں میں ایک بڑا بہادر اور اکالیوں کا لیڈر تھا لیکن مہاراج کبھی اُس پر اعتبار نہ کر سکتا تھا کہ وہ باقاعدہ انتظام کے اندر رہ کر اُس کی تابعداری کریگا۔ ایک دفعہ اُس نے نہال سنگھ اٹاری والے کو ساتھ لیکر مالوہ میں بغاوت برپا کر دی۔ مہاراج کو دیوان موتی رام کو فوج دے کر روانہ کرنا پڑا۔ اور وہ اُن دونوں کو کوٹ کپورہ سے

گرفتار کر کے لاہور لایا۔ ہری سنگھ نلوہ کو چھوڑ کر سکھ سرداروں میں سے مجیٹھا کے
سردار دیسا سنگھ تھے جن کو نہال سنگھ کے ساتھ پانچ سو کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔
جس نے مہاراج کی خدمت کی۔ اُسے کئی مہموں پر مہاراج نے روانہ کیا جن میں سے
ایک ۱۸۰۹ء میں پہاڑی راجاؤں سے خراج وصول کرنا تھا۔ کہلور کے راجہ
نے جس کا صدر مقام بلاس پور انگریزوں کی جانب پر تھا۔ خراج دینے سے
انکار کیا۔ سردار دیسا سنگھ نے اُس کے تین بڑے قلعے اچروٹہ۔ اکال گڑھ دیوبی ڈیوی
لے لئے۔ راجہ ستلج پار بھاگ گیا۔ سردار دیسا سنگھ نے بلاس پور کا گھیرا ڈال
دیا۔ سرکار انگریزی کے دخل دینے پر مہاراج نے اُسے واپس بلا لیا۔ اپریل ۱۸۳۲ء
میں یہ بوڑھا بہادر سردار مرگیا اُس کی جگہ اُس کا بیٹا سردار لہنا سنگھ مقرر ہوا۔ ۱۸۳۲ء سے
ملک ستلج اور راوی کے درمیانی علاقے کا افسر تھا اور وہی امرتسر کے دربار صاحب
کا نگران بھی تھا۔

مہاراج رنجیت سنگھ نے اپنی سلطنت کے بنانے میں مذہب کی تمیز بالکل
اُڑا دی۔ جہاں کہیں قابلیت اُسے نظر آئی اُس نے آدمیوں کو انتخاب کر کے اپنی
خدمت میں لے لیا۔ اُس کے لئے زیادہ کام کرنے والے ہندو تھے۔ اپنے
مُسلمان افسروں پر بھی مہاراج کو بھروسہ تھا اور وہ بھی سچے دل سے اُس کے
وفادار تھے۔ جب اُسے پچھلے حصے میں اپنی فوج کو قواعد دان بنانے کی
ضرورت پڑی تو اُس نے یورپین افسروں کو بھی اپنے ہاں ملازم رکھا۔ جن شخصوں
نے مہاراج کی اُس کے کام میں مدد دی اُن کا مختصر سا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ان میں سب سے پہلے نمبر پر اور سب سے بڑھ کر گنجاہ کا مشہور دیوان
گُنبہ تھا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے خاندان سے ہٹ کر اگر کسی دوسرے خاندان نے
پنجاب کی سلطنت بنانے میں حصہ لیا ہے تو بلاشبہ وہ یہ گُنبہ ہے۔ مہکم چند کا بیٹا

دیوان موتی رام تھا جس کو مہاراج نے ۱۸۱۲ء میں لاہور کی دیواریں مضبوط کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ عطا کیا۔ دیوان محکم چند اپنے زمانے کا بڑا بھاری مدبر اور بہادر سپہ سالار تھا۔ محکم چند کنجاہ کا ایک دکاندار بساکھی رام نیز کھتری کا بیٹا تھا۔ گجرات کے سکھ حکمران صاحب سنگھ کا مصاحب بن گیا۔ ایک موقعہ پر صاحب سنگھ نے ناراض ہو کر رامنگر کے قلعہ کی خندق میں ڈالنے کا حکم دیدیا۔ سپاہی اسے پکڑے ہوئے لیجا رہے تھے۔ کنجاہ کے پاس ایک گاؤں ستروکے کے ایک مسلمان چودھری نے اسے چھڑوا کر صاحب سنگھ کے علاقہ سے باہر کر دیا۔ مہاں سنگھ کے پاس سکھ جیون کا بیٹا بھولے رہا کرتا تھا۔ سکھ جیون کا بھتیجا اس کے قتل کئے جانے کے بعد گجرات کے ضلع میں ایک گاؤں کنسیہ میں رہنے لگے تھے۔ مہا سنگھ نے ان کی دولت کی شہرت سنکر ان کا سب مال و اسباب جا لوٹا اور سکھ جیون کے بیٹے بھولے کو اپنے ساتھ لے گیا۔ محکم چند کا حال سنکر اسنے مہاں سنگھ کے پاس اس کی سفارش کی جہاں آہستہ آہستہ وہ مہا سنگھ کا دیوان بن گیا۔ رنجیت سنگھ کے وقت اقتدار حاصل کرکے اسنے بھوج اور اس کے رشتہ داروں کو کنجاہ و بلا بھیجا۔ ۱۸۰۹ء میں سرکار انگریزی کی طرف سے میڈ لیگاف قاصد بن کر آیا تو دیوان محکم چند مہاراج کا بڑا مصلاحکار تھا اور اسنے مہاراج کو یہ صلاح دی کہ عہد نامہ ہونے سے پہلے جمنا کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے آنا چاہئے۔ اس فتح کے دوران میں مہاراج نے سائیت وال چاندپور۔ جھنڈو۔ دھاری۔ بہرام پور وغیرہ فتح کرکے دیوان محکم چند کے نام جاگیر کر دیے۔ ۱۸۱۰ء میں دیوان محکم چند نے بھمبر۔ راجوری فتح کئے اور اسی سال جالندھر پھلور۔ پٹی۔ بہت پور پر قبضہ کر کے تین لاکھ کا علاقہ مہاراج کی حکومت میں ایزاد کیا۔ دیوان محکم چند کو بطور جاگیر دیا گیا۔ دیوان کا خطاب دیا گیا۔ ہاتھی سنہری ہودہ اور ایک زین۔ تلوار انعام دیے گئے۔

۱۸۱۲ء میں دیوان محکم چند نے راجوری پر حملہ کیا اور سلطان خاں کو قید کرکے لاہور لے آیا۔ اس کے بعد وزیر فتح خاں کے ساتھ فوج لیکر محکم چند نے کشمیر پر چڑھائی کی۔ فتح خاں نے کشمیر فتح کر لیا اور سکھ فوج کو سب فائدے سے محروم رہ کر خالی ہاتھ لاہور آنا پڑا۔ اسکا بدلہ اتارنے کے لئے مہاراج نے اٹک پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور دیوان محکم چند فوج لیکر پہنچا حضرو کے مقام پر ۱۳ جولائی ۱۸۱۳ء کو گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ فتح خاں [illegible] اٹک کے صوبے کو

مہاراج کی سلطنت کے ساتھ شامل کیا۔ جب [illegible]ء میں مہاراج نے کشمیر پر فوجیں روانہ کیں تو دیوان محکم چند بیمار تھا۔ اس لئے اُس کی جگہ اُس کا پوتا دیوان رام دیال کشمیر بھیجا گیا۔ دیوان محکم چند نے مہاراج سے ایک بات کہی کہ پہلے سامان جنگ اور رسد وغیرہ راجوری میں جمع کر لینی چاہئیں۔ جب مہاراج کی فوج کو اس بےسروسامانی کی وجہ سے ناکام واپس ہونا پڑا تو مہاراج کو دیوان کی بات یاد آئی اور اُس نے اُس کے مشورے کے مطابق عمل نہ کرنے پر بڑا افسوس کیا۔ دیوان محکم چند اُس بیماری سے اُس سال اکتوبر میں پھلور کے مقام پر اس جہان سے چل بسا۔ دیوان محکم چند کی موت سے مہاراج کی سلطنت کا ایک بڑا بھاری ستون گر گیا۔ اُس کی دانشمندی، بہادری اور چال چلن ایسے اعلےٰ پائے کے تھے کہ سب سکھ سردار اُس کی عزت کرتے تھے۔

اُس کی جگہ اُس کا بیٹا موتی رام دیوان مقرر ہوا۔ اُسے جالندھر کا صوبہ دار بنایا گیا اور پھلور کا قلعہ اُس کے حوالے کیا گیا اور اُس کا پوتا رام دیال فوج کا کمانڈر انچیف مقرر ہوا۔ کشمیر کی فتح میں دیوان رام دیال کی بہادری سب سے بڑھ گئی اور دیوان موتی رام کو کشمیر کا پہلا صوبہ دار بنایا گیا۔ اس کے بعد دیوان رام دیال اور شام سنگھ اٹاری والا ہزارہ کی مہم پر بھیجے گئے۔ جرنیل الٰہی بخش کو پٹھانوں نے گھیر لیا۔ دیوان رام دیال نے وقت پر پہنچکر اُس کی امداد کی اور خود سب سے آخر میدان کو چھوڑا۔ پٹھانوں کو اس کا پتہ لگ گیا اور سارے اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اکیلا نوجوان بڑی بہادری سے پٹھانوں کا مقابلہ کرتا اور دشمنوں کو مارتا ہوا مارا گیا۔ مہاراج کو اِس نوجوان پر بڑی امیدیں تھیں اور اُس کی موت سے اُسے بڑا صدمہ پہنچا۔ اُس کا باپ موتی رام اتنا مایوس ہوا کہ وہ دُنیا چھوڑ کر بنارس چلا جانا چاہتا تھا۔ مہاراج نے اُسے کچھ عرصہ کے لئے لاہور بُلا لیا اور جب اُس کی جگہ

کوئی کامیاب نہ ہوا تو اسے پھر کشمیر روانہ کیا۔ اُس کا وصلہ پاکر بڑا ملنسار تھا۔ جب ہری سنگھ نلوہ اور پھر دیوان چند کے ساتھ پشاور کی مہم پر بھیجا گیا جہاں نوشہرہ کی مشہور لڑائی ہوئی۔ دیوان کرپا رام کو اس کے بعد جالندھر کا گورنر بنا دیا گیا۔ دھیان سنگھ اس وقت مہاراج کی نظروں میں بڑھ رہا تھا۔ کرپا رام سے حسد کرنے لگا اور پھلور جو کہ دیوان موتی چند کی جاگیر تھا۔ اُس نے اپنے سالے رام سنگھ کو دلا دیا۔ دیوان کرپا رام اس سے غصہ کی آگ میں جل گیا۔ جب مہاراج نے کرپا رام کو فوج کے ساتھ دربند کی مہم پر جانیکا حکم بھیجا تو وہ بجائے فوج ساتھ لانے کے صرف پندرہ سوار لے کر حاضر ہو گیا۔ مہاراج اس سے ناراض ہو گئے اور دیوان موتی رام کو کشمیر سے واپس بُلا لیا اور اُسے قید کر دیا۔ ستر ہزار روپیہ جُرمانہ کیا۔ ڈیڑھ سال تک اس خاندان پر مہاراج کی خفگی کی نظر رہی۔ کشمیر میں پہلے بھیم سنگھ اور پھر چونی لال روانہ کئے گئے۔ دونو کے ناکامیاب ہونے پر مہاراج نے دیوان کرپا رام کو کشمیر کا گورنر مقرر کیا۔ وہ وہاں پر بڑا قابل اور ہر دلعزیز ثابت ہوا۔ اُس نے رام باغ کی بنیاد رکھی ۱۸۳۲ء میں دیوان موتی رام اور فقیر عزیز الدین تحفوں کے ساتھ لارڈ ایمہرسٹ کے پاس شملہ بھیجے گئے۔ اُس کے بدلے میں لاٹ صاحب نے مہاراج کو تحفے روانہ کئے جو امرتسر کے رام باغ میں ایک بڑا دربار کر کے لئے گئے جبکہ مہاراج کی فوج سبز وردی پہنے ہوئے کھڑی تھی۔ اپریل ۱۸۳۱ء میں دیوان موتی رام فقیر عزیز الدین اور سردار ہری سنگھ کا وفد لاٹ صاحب کے پاس روانہ کیا گیا۔

**ڈوگرہ گھرانہ**

۱۸۱۱ء میں ایک نوجوان گوڑ برہمن خوشحال نامی لاہور آیا اور فوج میں سپاہی بھرتی ہوا۔ پھر ڈیوڑھی کا سپاہی بھرتی ہوا

مہاراج نے اُسے ایک دن گاتے ہوئے سُن لیا اور اُس پر خوش ہوکر اُسے ڈیوڑھی والا بنا دیا۔ سنہ ۱۸۱۸ء میں وہ سکھ بن گیا اور اُس نے اپنے بھتیجے تیج رام کو بُلا کر اپنا نائب بنوا لیا۔ اِس کا نام بعد میں تیج سنگھ ہُوا۔ خوشحال سنگھ کا بھائی رام لال مہاراج کی نظر میں بہت چڑھ گیا۔ مہاراج اُس کو سکھ بنانا چاہتا تھا مگر وہ رات کو ہندوستان بھاگ گیا۔ اِس سے مہاراج خوشحال سنگھ سے ناراض ہو گیا۔ اُسے ڈیوڑھی سے ہٹا دیا اور اُس کی جگہ ایک راجپوت دھیان سنگھ کو ڈیوڑھی والا مقرر کر دیا۔

دھیان سنگھ کے دو اور بھائی گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ تھے۔ یہ سب بطور رسالدار کے بھرتی ہوئے اور آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگے۔ دھیان سنگھ مہاراج کا بڑا مرضی دان ہو گیا۔ گلاب سنگھ کو جموں کشمیر میں بغاوت فرو کرنے کے صلے میں جموں جاگیر عطا کی گئی۔ سوچیت سنگھ درباری کے طور پر ہی رہا۔ تینوں بھائیوں کو یکے بعد دیگرے راجہ کا خطاب دیا گیا۔ راجہ دھیان سنگھ کا بیٹا ہیرا سنگھ ابھی بچہ ہی تھا کہ مہاراج اُس سے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرنے لگے۔ اُس کی عمر ابھی بارہ برس کی تھی کہ راجہ دھیان سنگھ کو یہ خواہش ہوئی کہ ہیرا سنگھ کی شادی راجہ سنسار چند کی بیٹی سے کرا دی جائے۔ راجہ سنسار چند کا بیٹا انرودھ چند لاہور میں آیا۔ اُس کی دو بہنیں اُس کے ساتھ تھیں۔ انرودھ چند پہلے نہیں مانتا تھا۔ وہ تو دباؤ ڈالنے پر راضی ہو گیا لیکن اُن کی ماں لڑکیوں کو لیکر ستلج پار چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد انرودھ چند اور اُس کی ماں مر گئے اور مہاراج نادَون گیا تاکہ اُن کی جائداد پر قبضہ کر لے۔ ڈوگرہ سردار کنجاہ کے دیوانوں سے بہت حسد کرتے تھے۔ اور جوں جوں دیوانوں کے خاندان کا تنزل ہوتا گیا، ڈوگرہ سردار مہاراج کی حکومت سنبھالتے گئے۔ مہاراج کی زندگی کے پچھلے چند

میں راجہ دھیان سنگھ دربار میں کلی اختیار رکھتا تھا۔ اس خاندان کے حالات زیادہ تر ہمارے سامنے تب آگے چل کر آئینگے جبکہ ہم مہاراج کی موت کے بعد کے واقعات کا مفصل ذکر کریں گے۔

**مصر دیوان چند**

ایک شخص جس نے مہاراج کے لیے سب سے بڑھ کر جنگی خدمت ادا کی مصر دیوان چند تھا۔ مصر دیوان چند گوجرانوالہ کے ضلع کا ایک غریب برہمن تھا۔ مصر دیوان چند نے کوئی تعلیم حاصل نہ کی تھی لیکن اس کا جسم اتنا لمبا چوڑا اور مضبوط تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اُسے جسمانی طاقت کا ایک نمونہ بنایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے گاؤں میں دیوان چند نے ایک سادھو کی سیوا کی جس نے اُسے تیر کمان کا ہنر اچھی طرح سکھلا دیا۔ تیر چلانے میں اُسے اتنی مشق تھی کہ اُس کا نشانہ کبھی خالی نہ جاتا تھا۔ مصر دیوان چند آکر توپخانہ میں بھرتی ہوا۔ مہاراج نے فوراً اُس کے ہنر کو پہچان لیا اور اُسے توپخانے کا سب سے بڑا افسر بنا دیا۔ ۱۸۱۸ء میں اُسے دیوان موتی رام بھوانی داس اور ہری سنگھ نلوہ کے ساتھ ملتان روانہ کیا گیا۔ اس سال ان سب کو ناکام واپس آنا پڑا۔ جنوری ۱۸۱۸ء میں مہاراج نے ظفر جنگ کا خطاب اور پچیس ہزار فوج دے کر اُسے ملتان روانہ کیا۔ ملتان کی لڑائی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ملتان کی فتح مصر دیوان چند کے نام تھی۔ مارچ ۱۸۱۹ء میں مصر دیوان چند فوج لیکر کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ پہلے اس نے پونچھ کے راجہ کو فتح کیا اور جولائی ۱۸۱۹ء میں پٹھانوں کو شکست دے کر کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۲۱ء میں مصر کو پھر روانہ کیا گیا اور اُس نے راجی سدا کور سے پٹھانے کا تسلط حاصل کیا۔ روایت ہے کہ اگرچہ دوسرے سرداروں کے حسد کے باعث مصر دیوان چند کو

نوشہرہ کی لڑائی میں پیچھے رکھا گیا لیکن اس لڑائی کی کامیابی بہت سی اُس کے توپخانے کی بدولت ہوئی۔ ۱۸۲۵ء کے آخیر میں مصر دیوان چند لاہور میں اودھرنگ کی بیماری سے مرا۔ سارا دربار اُس کی ارتھی کے ساتھ گیا۔ اُسے صندل کی لکڑی سے جلایا گیا۔ کفن کے لئے مہاراج نے اپنا شال دیا۔ اُس کی موت پنجاب کی سلطنت کے لئے ماتم کا باعث تھی۔ اُس نے مہاراج کیلئے ملتان، کشمیر اور منکیرہ فتح کئے تھے۔ اکیلا ایک مصر دیوان چند تھا جسے مہاراج کے دربار میں حُقّہ پینے کی اجازت تھی۔ مہاراج نے خود اُسے ایک سنہری حُقّہ بنوا کر عطا کیا تھا۔

## سردار ہری سنگھ

ہری سنگھ نلوہ گوجرانوالہ میں پیدا ہوُا۔ لڑکپن میں وہ مہاراج کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ مہاراج کو اُس سے بڑی محبت تھی۔ ۱۸۰۴ء میں معمولی خدمت سے ترقی دے کر اُسے آٹھ سو پیادوں کا سوار بنایا گیا۔ اپنی تمام زندگی وہ مہاراج کی لڑائیوں میں لڑتا رہا۔ سردار ہری سنگھ بالکل ایک جنگی آدمی تھا۔ اُسے ایک موقعہ پر کشمیر کا صُوبہ دار بنا کر بھیجا گیا۔ منتظم کے طور پر وہ کامیاب ثابت نہ ہوُا۔ اُس نے یُوسف زئی کے پٹھانوں کو قابُو میں کیا۔ دربند اور جہانگیرہ کے پاس اُن کے ساتھ لڑائیاں کیں۔ اٹک کے میدان میں پٹھانوں کو ایک بڑی شکست دی۔ اُس کا وقت زیادہ تر پٹھانوں کے ساتھ لڑائیوں میں گذرا۔ آفریدیوں کو اُس نے شکستیں دیں۔ ہزارہ کے قبیلوں کے سپرٹ کو اُس نے کچلا۔ کنور نونہال سنگھ کے ساتھ پشاور پر حملہ کر کے شہر پر قبضہ کیا۔ اُس نے جمرود کے قلعے پر قبضہ کیا اور پٹھانوں کو بڑی بھاری شکست دی۔ خیبر کے پاس لڑائی کر کے اُس نے پٹھانوں کو بھگا دیا لیکن اس لڑائی میں ۱۸۳۷ء میں اُسے کاری زخم لگا جس سے وہ جانبر نہ

ہوسکا۔ اُس کی موت اُس کی بہادری کی وجہ سے تھی۔ اُس کی دیری لاثانی تھی اور وہ اُس کا شکار ہوا۔ سردار ہری سنگھ پٹھانوں کا سخت دشمن تھا۔ وہ اُن کو بزدل اور حقیر سمجھتا تھا۔ پٹھان اُس کے نام سے ڈرتے تھے۔ پشاور۔ کابل وغیرہ میں اب بھی ہریا کا نام بچوں کو ڈرانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سردار ہری سنگھ کے اندر آ کر گورو گوبند سنگھ کی پیشینگوئی پوری ہوتی ہے جس میں اُنہوں نے کہا۔

چڑیوں سے میں باز مراؤں ۔ تب ہی نام گوبند سنگھ پاؤں

ہندو چڑیوں کی طرح مرنے اور مارنے سے ڈرتے تھے۔ گورو گوبند سنگھ نے اُن کو مرنے کی تعلیم دے کر اُن کے دلوں سے موت کا ڈر دُور کر دیا۔ جب وہ بزدل تھے پٹھان شیر تھے۔ جب موت سے لاپرواہ ہو کر وہ شیر بن گئے۔ پٹھان بزدلوں کی طرح اُن کے سامنے بھاگنے لگے۔ گورو گوبند سنگھ نے لوگوں کو مرنا سکھایا۔ دیر بیراگی اور اُس کے بعد رنجیت سنگھ نے اُن کو مارنے کی تعلیم دی۔

**فقیر بھائی**

مسلمانوں میں دو بھائی فقیر نور الدین اور عزیز الدین مہاراج کے مرضی دان اور اعتباری تھے۔ لاہور لیتے ہی مہاراج نے اُنکو اپنے دربار میں لے لیا اور مرتے دم تک اُنہوں نے مہاراج کا ساتھ نہیں چھوڑا فقیر نور الدین بڑا بھاری حکیم تھا اور ہمیشہ مہاراج کا معالج رہا۔ ۱۸۱۰ء میں اُسے گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ فقیر عزیز الدین ہر ایک انتظامی معاملے میں مہاراج کا صلاح کار تھا اور مہاراج اُس کی صلاح پر چلتے تھے۔ فقیر عزیز الدین بطور قاصد کے کئی بار لاٹ صاحب کے پاس روانہ کئے گئے۔ دونوں بھائیوں نے لڑائیوں میں کم حصہ نہیں لیا۔ جہاں کہیں ضرورت ہوتی تھی۔ فقیر عزیز الدین فوج کے ساتھ جاتے تھے اور مہاراج کی فوج کے ایک افسر کے طور پر اپنا فرض ادا کرتے

ہی ادا کرتے تھے جیسے کہ سکھ سردار۔ دونو بھائی سچے دل سے اور سچے پولیٹکل معنوں میں پنجاب سلطنت کے خیر خواہ تھے۔ فقیر عزیزالدین ۱۸۱۳ء میں اٹک کا قلعہ سر کرنے کے لئے بھیجا گیا اور وہ پشاور کی مہم میں بھی مہاراج کے ساتھ تھا جس میں کہ مہاراج کے مقابلے پر امیر دوست محمد خان تھا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح چالاکی سے امیر دوست محمدؐ نے فقیر عزیزالدین کو قید کر لیا کیونکہ اُس کا یہ خیال تھا کہ فقیر عزیزالدین کو چھڑانے کے لئے مہاراج کسی قسم کی شرائط سے بھی گریز نہ کرے گا۔ فقیر عزیزالدین نے مذہبی طرفداری کا ذرا خیال نہ کیا اور مہاراج کے ساتھ پوری وفاداری کا ثبوت دیا۔ پنجاب سلطنت کے لئے ان بھائیوں کی خدمات حروف زر میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

## پنڈت گنگا رام دینا ناتھ اور دوسرے افسر

۱۸۰۸ء میں ایک شخص بھوانی داس جو شاہ شجاع کا افسر مال تھا اور احمد شاہ کے مشیر تھا کسی شکایت کر داش کابل سے لاہور آیا۔ مہاراج نے اُس کو مال کا بڑا افسر مقرر کیا۔ اُس کے آنے سے پہلے کوئی باقاعدہ حساب نہ رکھا جاتا تھا۔ سارا حساب امرتسر کے ایک صراف رامانند کے سپرد تھا۔ اُسی سال مہاراج نے کرم چند کو مہر کا افسر مقرر کیا۔ کرم چند رتن چند ڈاڑھی والے کا باپ تھا۔ بھوانی داس کئی مہموں پر گیا اور ۱۸۱۹ء میں اُس نے جموں فتح کیا۔

۱۸۱۳ء میں مہاراج نے سنا کہ دہلی میں ایک پنڈت گنگا رام نامی ہے جو بڑا نیتی کا سمجھنے والا ہے اور جو سندھیا کے پاس بھی نوکر رہ چکا ہے۔ مہاراج نے اُسے بلا بھیجا اور سرکاری مہر اُس کے سپرد کر دی۔ گنگا رام نے اہلکاری کا انتظام بہت اچھا کیا۔ ۱۸۲۶ء میں اُس کے مر جانے پر اُس کی جگہ پنڈت دینا ناتھ کو ملی ۱۸۲۴ء میں بھوانی داس کے مر جانے پر اُس کی جگہ بھی پنڈت دینا ناتھ کو دی گئی۔

**یورپین افسر**

مارچ ۱۸۲۲ء میں دو یورپین سیاح ایک اٹیلین ونیٹورا اور دوسرا فرانسیسی ایلارڈ ایران سے ہوتے ہوئے لاہور دربار میں آئے۔ انہوں نے مسلمانوں کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے اپنی سب باتیں فارسی زبان میں بتائیں۔ مہاراج نے حکم دیا "تم اپنی زبان میں اسے لکھ کر دو"۔ وہ کاغذ لدھیانہ میں انگریز ایجنٹ کے پاس روانہ کئے۔ اُن کا ترجمہ ٹھیک ملجانے پر مہاراج کو تسلی ہو گئی اور اُس نے اُن کو فوج میں قواعد سکھانے پر مقرر کیا۔ تھوڑے عرصے میں انہوں نے فوج کو یورپین طریقے پر ایسا ڈھال دیا کہ مہاراج اُن سے خوش ہو گیا اور اُنہیں مقبرہ انارکلی کے پاس رہائش کے لئے جگہ دی۔ چار سال کے بعد دو اور فرانسیسی کورٹ اور اوی طبیلہ جنہوں نے نپولین کے ماتحت خدمت کی تھی۔ لاہور آئے اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے فوج کے جرنیل بن گئے۔ مہاراج کے سپاہی نیا لباس پہننے اور نئے طریقے اختیار کرنے سے جھجکتے تھے۔ مہاراج نے خود وردی پہنی اور قواعد شروع کی تاکہ اُس کے سپاہی اُس کی نقل کریں۔ اُن افسروں کی مدد سے مہاراج کے پاس پچاس ہزار باقاعدہ فوج اور ایک لاکھ دوسرے سپاہی طیار ہو گئے۔ لاہور اور امرتسر میں توپیں ڈھالنے اور بارود کی میگزین بنانے کا انتظام کیا گیا۔ ونیٹورا اور ایلارڈ مہاراج کے رسالے کے انچارج تھے۔ اوی طبیلا پیادہ فوج کے اور کورٹ توپخانہ کے۔ ان کی تنخواہ دو ہزار اور تین ہزار کے درمیان تھی۔ مہاراج نے اِن یورپینوں کو نوکر رکھتے وقت اقرار کرایا کہ وہ گائے کا گوشت نہیں کھائینگے۔ ڈاڑھی نہ کٹوائیں گے اور تمباکو نہ پئیں گے۔ پہلی دو باتیں مان جانے پر تیسری بات معاف کر دی گئی۔

**بیماری اور موت**

جس وقت فیروزپور میں آخر نومبر ۱۸۳۸ء میں مہاراج کی لارڈ آکلینڈ سے ملاقات ہوئی تو اُس کی صحت اچھی

تھی۔ اس کے بعد دن بدن صحت بگڑتی گئی۔ صحت کی خرابی کی ایک بڑی وجہ مہاراج کی شراب کی عادت تھی۔ مہاراج کے جسم میں برداشت کی غیر معمولی طاقت تھی لیکن پنجاب کی اس بگڑی ہوئی اور ابتر حالت میں سے ایک سلطنت کو قائم کرنے کا بوجھ اتنا بھاری ثابت ہوا کہ اُس کا جسم اِس کے نیچے دب گیا۔ مہاراج کو اِتنے سرداروں اور خانوں اور نوابوں کو مطیع کرنا پڑا۔ اُسے اپنی حکومت کی خرابیوں اور کمزوریوں کو دُور کرنا پڑا۔ اُسے اِن سب کاموں کے لئے اِتنے تفکرات کا اپنی تھوڑی سی زندگی میں سامنا کرنا پڑا کہ ہم اُن کا خیال کرتے ہوئے اُسے ایک غیر معمولی طاقت کا آدمی سمجھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بیماری کو دُور کرنے کے لئے سب قسم کے علاجوں کا اِمتحان کیا گیا۔ لاہور اور امرتسر کے سب حکیم اور جوگی اکٹھے کئے گئے۔ سب جوتشی بُلائے گئے تاکہ وہ بھی اپنے منتر کو اِس موقعہ پر آزمالیں۔ موتیوں وغیرہ سے ایک بڑی اعلیٰ معجون تیار کی گئی لیکن موت کے سامنے سب کوششیں رائگاں اور بے سُود ثابت ہوئیں۔ دو ہفتہ تک مہاراج زیادہ بیمار رہ کر اِس جہان فانی سے چلدیا۔ اپنی موت سے پہلے مہاراج نے کھڑک سنگھ کو گدی دیکر تلک لگا دیا تھا اور راجہ دھیان سنگھ کو وزیر بنا کر شہزادہ کا ہاتھ اُسی کے ہاتھوں میں دے کر اُسے سلطنت کا محافظ مقرر کیا اور یہ خبر سب صُوبوں میں بھیجدی گئی۔ آخری وقت میں ہزاروں روپے امیروں اور محتاجوں کو بانٹے گئے۔ راجہ دھیان سنگھ نے دس لاکھ روپیہ خرچ کرکے ایک چبوترہ طیار کیا تھا جس پر شال بچھائے گئے۔ جن کے اُوپر لیٹے ہوئے مہاراج نے پران دیئے۔ اُس دن پنجاب میں ہمیشہ کے لئے سُورج غروب ہو گیا اور پنجاب میں کوئی ایسا بوڑھا جوان یا بچہ نہ ہو گا جس کے دل سے رنج والم کی ایک لمبی آہ نہ نکلی ہو۔ پنجاب کے لوگوں کے لئے آزادی اور خوشی کا آخیری دن وہی تھا۔ اُسی دن سے پنجاب میں وہ غمی اور ماتم شروع ہوا جس کا انجام دکھائی نہیں دیتا۔

مہاراج کی وصیت کے مطابق کوہ نور ہیرا جگن ناتھ کو بھیج دینا چاہیئے تھا مگر اس پر
مہیجلی رام نے اعتراض کیا کہ یہ ہیرا راجہ کی ملکیت ہے۔ ایسے دان نہیں کیا جا سکتا۔
مہاراج کے جسم کو عطر سے اشنان کرایا گیا۔ اس کے بعد خوبصورت کپڑوں اور
جواہرات سے آراستہ کیا گیا۔ چار رانیاں اور سات گولیاں جو کہ مہاراج کے ساتھ
جلنے پر تیار ہوئیں اُس کے سرہانے پر کھڑی ہو گئیں۔ ہندو دھرم کی پوتر پستک گیتا مہاراج
کی چھاتی پر رکھی گئی اور راجہ دھیان سنگھ نے اُس پر ہاتھ رکھ کر کھڑک سنگھ سے
وفاداری کی قسم لی۔ ایک سونے کا کشتی نما بیان تیار کیا گیا جس پر ریشمی بادبان لگائے
گئے۔ اس بیان پر مہاراجہ کا جسم رکھ کر قلعے کے اندر سے نکالا گیا۔ بیشمار آدمی اُس
کے ساتھ تھے پہلی دفعہ رانیاں محلوں سے باہر نکلیں۔ بغیر زیوروں کے سفید ریشم پہنے
ہوئے ننگے پاؤں اُس کے ساتھ چلنے لگیں۔ رانیوں نے اپنے سب زیور غریبوں
میں بانٹ دیئے۔ ہزاروں روپے بیان کے اُوپر سے پھینکے گئے۔ ہر ایک رانی
سے دو تین قدم آگے ایک مرد اپنے ہاتھ میں شیشہ لیئے ہوئے رانی کی طرف منہ
کر کے پیچھے چلتا تھا۔ یہ شیشہ رانی کے سامنے رکھتا تھا کہ وہ اپنے چہرے کو دیکھتی رہے
کہ کہیں اُس میں تبدیلی تو نہیں آئی۔ ان رانیوں میں ایک راجہ سنسار چند کی بیٹی
بھی تھی۔ ان رانیوں کے پیچھے سات گولیاں جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر ہانگ برگر کہتا
ہے۔ "ہمارے دل سب سے زیادہ اُن بیچاریوں کے لیئے دھڑکتے تھے جنہوں
نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کر لیا تھا۔" نقاروں کی آواز پیچ اور غم کی تھی۔ راگی افسوسناک
گیت گاتے تھے۔ اُن کے سانکوں کی آواز سب طرف غم و اندوہ پھیلاتی تھی۔
لاکھوں آدمیوں کے مجمعے جو کہ دل سے راجہ کو پوجتے تھے اور جن کو دل سے وہ
محبت کرتا تھا۔ غم و الم میں ڈوبے ہوئے نہایت غمناک نظارہ بنا رہے تھے۔
چھ فٹ مکعب کی ایک چتا بنائی گئی۔ اس میں صندل کی لکڑیاں بھر دی

گئیں۔ جسم پر سے زیورات اُتار کر غریبوں کو دیدیئے گئے۔ گوڑوؤں اور براہمنوں نے پاٹھ کیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد سرداروں اور وزیروں نے شریر کو اٹھا کر چتا پر رکھدیا۔ چاروں رانیاں موت سے بے خوف زینہ کے ذریعے چتا پر چڑھ گئیں۔ اور مہاراج کا سر اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے بعد سات گولیاں چتا پر چڑھیں اور اپنے مالک کے پاؤں میں جا بیٹھیں۔ ان سب کو بانس کی چٹائیوں سے ڈھانپ دیا گیا جن میں بہت سا تیل ڈالا گیا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ رانیوں کے پاس گیا اور کہا کہ وہ نئے راجہ کے لیئے پرارتھنا کریں۔ وہ مہاراج کے سر پر ہاتھ پھیلائے ہوئے آنکھیں بند کرکے موت کے انتظار میں خاموش بیٹھی رہیں۔ راجہ دھیان سنگھ چتا سے نیچے اُتر آیا۔ اُس کو اتنا رنج تھا کہ وہ ساتھ ہی جل جانا چاہتا تھا۔ دو تین دفعہ آگے بڑھا مگر روک دیا گیا۔ تیل گھی اور عطر ڈالے گئے۔ کھڑک سنگھ نے چاروں کونوں سے آگ لگا دی۔ ایک لمحہ میں مہاراج اور ستیاں سب آگ کے شعلوں میں چھپ گئیں۔ نہ راجہ تھا نہ رانیاں تھیں۔ صرف آگ کا ڈھیر تھا۔

دو دن چتا جلتی رہی تیسرے روز راکھ چُن لی گئی۔ اور ان کو سردوار بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ مہاراج کی اور رانیوں کی راکھ علیحدہ پالکیوں میں ڈال کر قلعے سے نکالی گئی۔ اس کے ساتھ ہاتھی۔ گھوڑے اور جواہرات تھے۔ سب سردار اور وزیر ہمراہ تھے۔ سونے چاندی کے برتن ساتھ تھے جو کہ براہمنوں کو دیئے جانے تھے۔ مہاراج کا یہ آخری جلوس شہر کے بڑے بڑے گلی۔ کوچوں اور بازاروں میں پھرایا گیا۔ دیکھنے والوں کے ہجوم چھتوں۔ باریوں میں۔ ویرانڈوں میں جمع تھے اور ان پالکیوں پر پھولوں کی برکھا کرتے تھے۔ دھیان سنگھ مہاراج کی پالکی کے ساتھ تھا۔ اُس کے ہاتھ میں مور کی چوری تھی جو کہ مہاراج کی عزت اور سنمان کے لئے کرتا جاتا تھا۔ دہلی دروازہ سے باہر نکلنے پر توپوں کی آخری سلامی دی گئی۔ سب سردار

اور وزیر پیچھے لوٹ آئے اور راکھ اُس گارد کے حوالے کر دی گئی جنہوں نے اُسے ہردوار لے جانا تھا۔ جب مہاراج کی راکھ انگریزی علاقے سے گزری تو وہاں بھی اس کی عزت اور سلامی کی گئی۔ تیرہ دن ماتم کیا گیا۔ تیرہویں دن معمولی رسم ادا کرنے کے بعد براہمنوں اور فقیروں کو دان دیا گیا۔

**کیریکٹر** مہاراج لکھ پڑھ نہ سکتا تھا مگر عالموں کی عزت کرتا تھا۔ اُس کے سکرٹری دن اور رات ہر وقت اُس کے پاس موجود رہتے تھے اور سب کاغذات فارسی۔ ہندی یا پنجابی میں پڑھ کر اُسے سُناتے تھے۔ اپنے حکموں کو خود وہ باقاعدہ صورت میں لکھاتا تھا اور پھر انہیں سُنتا تھا تاکہ درست لکھے گئے ہیں بعض اوقات رات کو اُسے کوئی خیال ہوتا تھا تو اُسی وقت سکرٹری کو بلا کر نوٹ کرا دیتا تھا۔ اُس کا قد چھوٹا تھا۔ ڈاڑھی لمبی اور سفید تھی۔ وہ کرسی پر لنگوٹ مار کر بیٹھتا تھا اور جب بات کرتا تھا تو ایک ہاتھ گھٹنے پر ہوتا تھا اور دوسرے سے اپنی ڈاڑھی ٹٹولتا تھا۔ اس کی شکل خوبصورت نہ تھی۔ چیچک نے ایک آنکھ بگاڑ کر اُسے اور بدصورت بنا دیا تھا۔ اُس کی دوسری آنکھ تیز اور چمکدار تھی۔ اُس کا چہرہ رعب داب والا تھا اور اُس سے زندگی اور خوشی ٹپکتی تھی۔ اُس کے چہرے کے جاہ و جلال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب ایک موقعہ پر فقیر عزیز الدین شملے گئے۔ انگریز افسروں نے اُس سے سوال کیا "کیا تمہارا مہاراج کانا ہے" فقیر عزیز الدین نے حیران ہو کر جواب دیا "میں نے آج آپ لوگوں سے ایسا سُنا ہے۔ میرے مالک کے چہرے میں وہ نور اور جلال ہے کہ میں آجتک کبھی بھی اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکا"

اُس کی خیالی طاقت بہت تیز تھی۔ اُس کی عادات صاف اور خوشدل تھیں۔ لباس سادہ پہنتا تھا لیکن اپنے سرداروں کو اچھے لباس میں پسند کرتا

تھا۔ اُسے دکھاوے اور دل لگی کا بہت شوق تھا۔ پنجاب میں مہاراج کے متعلق کئی روایات پائی جاتی ہیں جن میں کہیں تو لڑکیوں نے اُسے کانا کہا تو اُس نے خوش ہو کر انہیں انعام دیا۔ کہیں کسی جاٹ نے اُسے نہ پہچان کر مہاراج کے سامنے اُس کو گالی دی تو وہ اس سے ہنس پڑا اور اُسے بُلا کر انعام دیا۔ اُس کے دربار میں دل لگی کرنے والوں کی قدر تھی اور اُس نے ایسا برہمن رکھا ہوا تھا جس کا کام اُس کے ساتھ مخول کرنا تھا اور اُسے سیپچر کہا جاتا تھا۔ مذہبی طور پر گرنتھ ہر روز سُنا کرتا تھا لیکن اُس کے راج میں تعصب کا نام و نشان نہ تھا۔ گو روؤں۔ بھائیوں اور سادھوؤں کو دان دیتا تھا اور اُن کی عزت کرتا تھا۔ جب وہ ۱۸۳۳ء میں بیمار ہُوا تو خود دریائے راوی کے کنارے ایک بیراگی کے پاس جاتا اُسے بھینٹ دیتا اور اپنے لئے پرارتھنا کرتا تھا۔ روپے کا بہت لالچی تھا لیکن اس کو ہم نے آگے بتا دیا ہے کہ یہ لالچ اُس کے لیے لازمی اور قدرتی بات تھی۔ اُس کے لالچ میں کسی ذاتی غرض کی بجائے ریاست کی بہتری پائی جاتی تھی۔ ایک پکے مدبر کی طرح اُس میں اپنی بات کو چھپانے کی بڑی طاقت تھی اور اپنے ارادے کی تکمیل میں اُسے اپنے افراد یا دوستی یا رشتے کا لحاظ نہ ہوتا تھا۔ اپنی شادیوں کے متعلق اُس نے ذرا آزادی سے کام لیا لیکن ایک راجہ کے لیے اس طرح سے بیویاں کر لینا اور رکھ لینا معمولی اخلاقی معیار سے جانچا نہیں جانا چاہیئے۔ راجوں کے اخلاق کا معیار معمولی معیار سے مختلف ہوتا ہے۔ ۱۸۰۱ء میں لاہور کی ایک مسلمان لڑکی موراں پر فریفتہ ہو گیا۔ اُس سے شادی کر کے اُسے ہردوار یاترا کو لے گیا اور ایک لاکھ روپیہ غریبوں اور برہمنوں کو دیدیا۔ اس طرح بڑے ہو کر بھی ۱۸۳۲ء میں باقاعدہ برات امرتسر لیجا کر ایک عورت گل بہار سے شادی کر لی جس پر لاہور۔ امرتسر میں کئی دن خوشیاں ہوتی رہیں لیکن اس کے تھوڑی دیر بعد ہی اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک سکھ کالا لباس پہنے

اسے دھمکی دے رہا ہے۔ اِس خواب کی برہمنوں سے تعبیر کرائی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ کوئی نہنگ ہے جو مسلمان عورت سے شادی کرنے پر خفا ہے۔ مہاراج کو چاہیئے کہ مہاراج نئے سرے سے پاہل لے لے چنانچہ مہاراج نے پھر پاہل لی۔ اپنی سونے کی ایک مورتی بنوا کر متھرا کے ایک برہمن کو بھینٹ چڑھائی کئی پنجابی قیدیوں کو رہائی دی جن میں سے ایک جموں کا راجہ بھوپ دیو تھا جو پندرہ سال قید رہا تھا۔ نورپور کا راجہ بیر سنگھ اور بھمبر کا فیض طالب خان بھی ان میں تھے۔

مہاراج جوانی میں بڑا کھلاڑی اور جنگی پریڈ اور کرتبوں کا شوقین تھا۔ بیویوں میں سرداروں کے ساتھ مل کر خوب موج اڑاتا تھا۔ دسہرے کے جشن کو منا کر عموماً فوج کی تیاری کا حکم دیتا تھا۔ اُس کا سارا وقت فتوحات میں اور نئے علاقوں میں حکومت مستحکم کرنے میں خرچ ہوگیا۔ اُسے سلطنت کے اندرونی انتظام کو درست کرنے کے لئے کوئی موقعہ نہ ملا۔ فوج کی تربیت و تنظیم اچھی ہوگئی لیکن ملکی انتظام کے لیے کوئی مناسب بندوبست نہ ہوا۔ نہ اِس طرح کی تعلیم کا کوئی انتظام ہوا۔ نہ عدالتوں اور انصاف کا کوئی باقاعدہ انتظام تھا۔ یہانتک کہ مہاراج اور اہلکار کے صلاح کار اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ سرکاری دفتروں میں صوبے کی زبان پنجابی کو ایک اونچا درجہ دیدیں۔ مہاراج کے کاغذات زیادہ تر فارسی میں کبھی ہندی اور کبھی پنجابی میں لکھے جاتے تھے۔ پنجاب کے لیے وہ ایک بڑی مشکل حل کر جاتا اگر ایک زبان مقرر کر دیتا جس میں لوگوں کی تعلیم اور دفتروں کی کارروائی کی جاتی۔

زیادہ مذہبی جوش رکھنے والے سکھ صاحبان اعتراض کرتے ہیں کہ مہاراج رنجیت سنگھ نے بڑا بُرا کیا کہ خالصہ کو مٹا کر اپنی ذاتی حکومت قائم کر لی۔ اگر ان میں کوئی مذہبی نقطۂ خیال سے یہ اعتراض کرتے ہوں تو اُن کا ایسا کرنا اُن کے لیے مبارک ہے لیکن پولٹیکل نقطۂ خیال سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ مہاراج رنجیت سنگھ کے

پہلے خالصہ بھی کوئی عام سکھوں کی نمائندہ جماعت نہ تھی۔ ہر ایک مثل میں کوئی نہ کوئی سکھ سردار تھا جو خالصہ کے نام پر لوٹ مار کرتا اور ذاتی طاقت کو بڑھاتا تھا۔ اگر پنجاب میں خالصہ کی حکومت کی وہ شکل جاری رہتی تو کبھی بھی لوگوں کے لئے با امن اور مفید گورنمنٹ قائم نہ ہو سکتی تھی۔ نہ صرف یہ کہ سکھ سردار آپس میں حسد رکھتے اور لڑتے رہتے تھے بلکہ اُن کا کوئی ایک لیڈر نہ ہونے سے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ وہ بہت مدت تک باہر کے حملہ آوروں سے اپنے ملک یا حکومت کو بچا سکتے۔ اُس حالت میں کوئی بھی شخص جو خالصہ کی اور ملک کی مشترکہ بھلائی اپنے سامنے رکھتا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے طریقے کے بغیر کوئی اور طریقہ اختیار نہ کر سکتا تھا۔ اُن سرداروں کی طرح مہاراج رنجیت سنگھ نے بھی جو کچھ کیا خالصہ کے نام پر کیا اور کئی بار امرتسر میں دیوالی کے موقعہ پر سکھ سرداروں کا گُرمتا بلا کر اُن سے صلاح لی۔ ہماری رائے میں مہاراج کی حکومت سچے معنوں میں خالصہ کی حکومت تھی اور اس میں یہ بھی ایک بڑی خوبی تھی کہ مہاراج نے سکھوں کے علاوہ پنجاب کے رہنے والے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی اس خالصہ کے ساتھ شامل کر کے نہ صرف برابر کا بلکہ اُس سے اونچا درجہ دیا۔ مہاراج کی حکومت میں پنجاب کے سب قسم کے لوگوں کا نمائندے تھے اس لئے اپنے وقت کے لحاظ سے یہ لوگوں کی نمائندہ حکومت کہے جانے کے مستحق ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہاراج کی موت کے بعد یہ غیر سکھ لوگ تھے جنھوں نے اُس کی حکومت کو تباہ کرایا۔ کسی خاص شخص یا خاص قسم کے لوگوں پر ایسا الزام لگانا بالکل بے بنیاد اور غیر منصفانہ ہے۔ مہاراج کی موت کے بعد جو اندھیر گردی لاہور میں واقع ہوئی اُس کے لیے مہاراج کے جانشین اور سکھ سردار غیر سکھ لوگوں سے کہیں بڑھ کر ذمہ دار ہیں۔ راجہ دھیان سنگھ اور اُس کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ سچے دل سے اور اپنی جان پر کھیل کر مہاراج کی حکومت کی حفاظت کی اور یہ کوشش کرتے ہوئے وہ دوسرے

لوگوں کی بدنیتی اور شرارت کا شکار ہے۔ البتہ سکھوں کے انگریزوں کے ساتھ جنگ میں سردار تیج سنگھ اور لال سنگھ نے جو کام کئے ان کا بیان کرکے شرم کے مارے ہماری آنکھیں نیچے ہو جاتی ہیں لیکن ان کے یہ کام کرنے میں مشکوک کس کا تھا؟ خالصہ سپاہیوں یا فوج کو بیشک اس کا علم نہ ہو لیکن اس خالصہ فوج کو تباہ کرانے والے تیج سنگھ اور لال سنگھ نہ تھے بلکہ مہاراج کے اپنے جانشین اور ہم مذہب تھے جن کو کہ خالصہ کی طاقت خار نظر آتی تھی۔

انگریزوں کے ساتھ مہاراج کے تعلقات بہت اچھے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مرتے دم تک مہاراج کی یہ خواہش رہی کہ اُس کے انگریزوں کے ساتھ تعلقات اچھے رہیں لیکن یہ خیال ہمیں دل سے دُور کرنا دینا چاہیے کہ مہاراج نے اپنے بعد آنے والے خطرے کو سمجھا نہ تھا۔ ایک موقعہ پر ایک انگریز کپتان اُسے نقشہ دکھاتا تھا۔ ہندوستان کے نقشے پر مہاراج کو بتایا گیا کہ لال رنگ انگریزی حکومت کا نشان ہے۔ مہاراج نے ایک لمبی آہ بھری اور کہا "یہ سب لال ہو جائیگا"۔ مہاراج سمجھتا تھا کہ انگریزی طاقت ایک اژدھا کی طرح ہے جو کہ سب کو نگل کر ہضم کر رہی ہے لیکن کرتا تو وہ کیا کرتا؟ جس وقت مہاراج نے گوجرانوالہ سے چلکر لاہور لیا اُس وقت اُس کے برخلاف پنجاب میں ہی کتنے حاسد اور دشمن موجود تھے اور اُس کے مقابلے پر انگریزوں کی طاقت تھی جنھوں نے مدراس اور بنگال پر قبضہ کرکے اور وہاں سے چل کر مرہٹوں کو شکست دیکر دہلی پر اپنی حکومت آجمائی تھی۔ اپنے گھر کے دشمنوں سے گھرا ہُوا وہ انگریزوں کے برخلاف کیا کر سکتا تھا۔ جب جسونت راؤ ہلکر بھاگ کر مہاراج کے پاس آیا تو اُس کی کیا حالت تھی۔ ایک طرف پنجاب میں غیر حکومتیں موجود تھیں یا تو انگریزوں کے ساتھ لڑائی شروع کر دیتا یا پنجاب میں اِن چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا خاتمہ کرکے ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت قائم کرتا۔ انگریزوں کے ساتھ لڑائی کرکے

اُسے یہ بھی دکھائی دیتا تھا کہ وہ بھی ہلکر کی طرح پناہ کے لئے بھاگتا پھرے گا۔ سنہ ۱۸۱۹ء میں پھلاف کے آنے کے وقت اُس کی حالت پہلے سے زیادہ اچھی نہ تھی لیکن پھر مہاراج نے اپنی حدود جمنا تک بڑھانے کی کوشش کی اور اِسی غرض پر سندھ دیا رہا۔ انگریزوں کی طرف سے جنگ کی تیاری بھی ہو گئی۔ جن علاقوں کو مہاراج نے اپنے ساتھ شامل کیا تھا انگریزی فوج آنے پر وہ بڑی خوشی سے انگریزوں کے ماتحت ہونے پر تیار ہو گئے۔ جب پٹیالہ، جیند کے سردار خوشی سے انگریزی تعلق کو ترجیح دیں تو وہ اُن کی اور انگریزوں کی ملی ہوئی طاقت کے مقابلے پر جنگ کیسے شروع کرتا۔ بعد ازاں جب سندھیا یا امیر خاں اُسے انگریزوں کے خلاف سازش میں شریک ہونے کے لئے کہتے تھے تو وہ اپنے دل میں یہی خیال کرتا تھا کہ جن انگریزوں نے مغل بادشاہی کو لے لیا اُن مرہٹوں کو تباہ کر دیا جن کی دو لاکھ سپاہ تھی اُن کو گھیر کر لڑنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں مودا جی بھونسلہ جس نے انگریزوں سے ناگپور کی گدی پر پہلے بٹھا کر پھر گرفتار کرنا چاہا تھا۔ سادھو کے بھیس میں بھاگا ہوا امرتسر آیا۔ رنجیت سنگھ نے اُسے چلے جانے کا حکم دیا اور وہ ندا اُون جا کر شاہ زمان کے بیٹے حیدر کے ساتھ ہندوستان فتح کرنے کی تدبیریں کرتا رہا۔ سنہ ۱۸۲۲ء کے بعد مہاراج کی فوج یورپین طریقہ پر ڈھالی گئی اور آہستہ آہستہ مہاراج نے ملتان، کشمیر، پشاور وغیرہ فتح کر کے اپنی طاقت کو مضبوط بنا لیا۔ سندھ کی فتح کے مضمون پر مہاراج کا انگریزوں کے ساتھ اختلاف پیدا ہو گیا۔ کپتان ویڈ کی ملاقات کے بعد مہاراج نے دیکھ لیا کہ انگریز سندھ کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس راستے سے رُوس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکیں۔ مہاراج خود سندھ لینا چاہتا تھا۔ کنور نونہال سنگھ کی شادی پر اُس نے دعوت کی چٹھی بھیجتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ سندھ کی فتح کے لئے اُس کی آنکھیں ابھی اپنے سے پر لگی ہیں لیکن اس وقت مہاراج کی طاقت کمزور ہو رہی تھی اور اس کی بیماری

اُس پر غالب آ رہی تھی۔ اُس کو اُس وقت بھی ہمت نہ پڑی کہ انگریزوں سے ساتھ جھگڑا چھیڑ دے۔ مہاراج کو مرتے وقت اگر تسلی تھی تو یہ کہ جیسا ما چاہتے تھا اپنی زندگی میں انگریزی کی سلطنت اور افغانستان کے درمیان ایسی زبردست حکومت قائم کر دی ہے جس کو اُن دونوں سے کوئی آسانی کے ساتھ اکھیڑ دے گا اور اُس کے بعد کوئی قابل جانشین پیدا ہوگا جیسا کہ وہ اپنے ہونے کو سمجھتا تھا تو وہ اپنی ہستی اور پھیلاؤ کے لئے جیسا مناسب ہے کام کر لیگا۔ مہاراج کے دل میں کیا تھا لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ زمانے نے اُس کے پیچھے تینوں کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔

**اندھیر گردی**

کھڑک سنگھ گدی پر بیٹھے ہی تھے کہ جن کا پہلا کام ایک شخص چیت سنگھ کو وزیر بنانا تھا۔ اُس نے دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ کو زنانہ میں آنے سے بند کر دیا۔ چیت سنگھ کی لیاقت صرف یہی تھی کہ وہ بڑا خوشامدی تھا اور دھیان اپنا بڑا مخالف سمجھتا تھا۔ دھیان سنگھ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی لیکن اُسے اس کا علم ہو گیا۔ اُس نے نونہال سنگھ کو اپنی طرف کر لیا اور چیت سنگھ کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ شہر میں افواہ مشہور کی گئی کہ کھڑک سنگھ نے انگریزوں سے عہد کر لیا ہے۔ روپیہ میں چھ آنے ٹکس دیا جائیگا۔ سب سکھ سردار ہٹا دیئے جائینگے۔ ان کی جگہ انگریز افسر مقرر کر دیئے جائینگے۔ رانی چند کور اپنے خاوند کے خلاف ہو گئی۔ نونہال سنگھ کو چچا سے جدا ہو گیا اور ایک سازش کر کے دھیان سنگھ، گلاب سنگھ اور سندھیانوالہ سردار قلعہ میں داخل ہوئے۔ ننگی تلواریں اُن کے ہاتھوں میں تھیں۔ جو ہاتھ آئے قتل کئے۔ چیت سنگھ خوابگاہ میں جا چھپا۔ اُسے ڈھونڈ کر جا پکڑا۔ وہ عورتوں کی طرح رونے اور معافی مانگنے لگا۔ اُسے قتل کر دیا گیا۔ کھڑک سنگھ کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا

## نونہال سنگھ

۸ر اکتوبر ۱۸۳۹ء کو نونہال سنگھ کو اُس کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ یہ
نوجوان بالکل اپنے دادا کے مشابہ تھا۔ خالصہ میں بڑا ہر دلعزیز
تھا۔ اِس کا سپرٹ جنگی تھا۔ اِس کے ارادے بڑے تھے۔ بڑا سمجھدار۔ دُور بین
اور معاملہ فہم تھا۔ اُس پر برہمنوں کا بڑا غلبہ تھا۔ وہ سب کچھ مانتا تھا۔ جو اُسے
برہمن۔ باوے یا فقیر بتاتے تھے۔ اُس کے دل میں یہ خیال بٹھا دیا گیا کہ وہ
افغانستان سے بنارس تک راج کریگا۔ اُسے اِس امر کا اتنا یقین تھا کہ اُس نے
خاص آدمیوں کو مختلف علاقوں کی سندیں عطا کر دی تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ
اِسے کوئی ہمدردی نہ تھی کبھی اِس کے پاس جاتا تھا تو اُسے گالیاں دیتا تھا۔
اُسے لاہوری دروازہ میں رکھکر ایک مضبوط گارد بٹھا دی گئی۔ یہ خیال تھا کہ وہ دِل
میں سرکار انگریزی کو لانا چاہتا ہے اور بیماری کا بہانہ بناتا ہے۔ نونہال سنگھ
انگریزوں سے نفرت کرتا تھا اور اُن کے ساتھ جنگ کرنے کی غرض سے فوج
جمع کرتا تھا۔ کھڑک سنگھ کا دماغ بدسلوکی کی وجہ سے خراب ہو گیا۔ نو ماہ تک
اُسے دردوں کی تکلیف رہی جس سے اُسنے ۵۔ نومبر ۱۸۴۰ء کو جان دیدی۔ نونہال سنگھ
شاہ بلاول میں شکار کھیل رہا تھا جب اُسے باپ کی موت کی خبر ملی۔ دو گھنٹے
تک وہ کھیل میں مشغول رہا۔ کھڑک سنگھ کی دو رانیاں اور گیارہ گولیاں اِس کے
ساتھ جلکر مر گئیں۔ سمادھ کے سامنے یہ رسم ادا کی گئی۔ ابھی آدھا جلا تھا کہ
نونہال سنگھ سیدھا وہاں سے چلا گیا اور ساتھ کے نالہ میں اشنان کر قلعہ
کی طرف واپس آ رہا تھا۔ جب حضوری باغ کے شمالی دروازہ کے پھاٹک
میں پہنچا۔ سمادھ کے نزدیک اُسنے میاں اودھم سنگھ (گلاب سنگھ کے بڑے
بیٹے) کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ نونہال سنگھ اودھم سنگھ سے
دل لگی کی باتیں کر رہا تھا۔ جونہی وہ پھاٹک کے نیچے پہنچے۔ ایک اونچی آواز

ہوئی چند گز کہ اُوپر کی دیوار کا کُگرہ اگر پڑا اور دو نوجوانوں کو کُچل ڈالا۔ اُودھم سنگھ تو وہیں مر گیا اور نونہال سنگھ کو ایسا صدمہ پُہنچا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ دھیان سنگھ نونہال سنگھ کو پالکی میں ڈال کر قلعہ کے اندر لے گیا۔ لہنا سنگھ پیچھے آنے لگا۔ دھیان سنگھ نے اُسے ٹھیرا دیا۔ دوسرے سرداروں کو بھی روک دیا گیا۔ مہارانی چند کور دروازہ پر اپنا سر کھٹکھٹاتی رہی تاکہ اپنے بچے کو دیکھ سکے۔ کسی کو اندر نہ جانے دیا گیا صرف دھیان سنگھ اُس کے دو نوکر اور کچھ پہاڑی آدمی تھے۔ سرداروں کو بتلا دیا گیا کہ کوئی خطرہ نہیں۔ شاہزادہ اچھا ہو جائے گا۔ صرف اس کے دماغ پر چوٹ آئی تھی اور وہ بے ہوش ہے۔ دو گھنٹہ بعد رانی چند کور کو اطلاع دی گئی کہ شاہزادہ مر گیا اور اگر وہ حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہے۔ اسے یہ معاملہ خفیہ رکھنا چاہئے اُس نے رانی سے اس بات پر رضامندی لے لی تب اُسے چھوڑا۔ تین دن تک اُس کی موت کو چھپائے رکھا

**رانی چند کور**

اِتنے عرصہ میں دھیان سنگھ نے شیر سنگھ کو مکیریاں سے بلا بھیجا جسے وہ تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ شیر سنگھ کے آجانے پر نونہال سنگھ کی موت کی اطلاع دی گئی اور اُسے جلانے کا انتظام کیا گیا۔ بعض لوگ اس معاملہ کو ایک سازش سمجھتے ہیں جموں والے بھائی بالکل اس کے قابل تھے لیکن انہیں دیوار کے گرنے کا وقت کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟ دوسرے وہ کسی اور کو ساتھی مقرر کرتے ہو دھیان سنگھ اُودھم سنگھ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ ڈاکٹر ہانگ برگر کہتا ہے کہ خود اس کا اپنا بازو بھی زخمی ہو گیا جس کے لئے اسے پٹی کرنی پڑی۔ اگر سازش ہوتی تو شیر سنگھ کو باہر سے بلانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اغلب یہ ہے کہ کھڑک سنگھ اور چیت سنگھ کے مددگاروں نے سازش کی ہو۔

رانی چند کور خود تخت پر بیٹھنے کی خواہشمند تھی مگر وہ اور سندھیانوالے سردار

دھیان سنگھ کے دشمن تھے۔ اس لئے اُس نے شیر سنگھ کو تخت پر بٹھانے کا ارادہ
کیا اور سرداروں سے کہا کہ عورت کا راج اچھا نہیں ہوتا۔ رانی نے عطر سنگھ
سندھانوالیے کو ہردوار سے بلا بھیجا۔ سب سرداروں نے رانی کی مدد کی۔ اُسے
پنجاب کی مہارانی بنا دیا گیا۔ رانی نے مشہور کیا کہ نونہال سنگھ کی عورت حاملہ ہے
اگر اُس کے لڑکی ہوگی تو رانی ہیرا سنگھ کو متبنّٰے بنائیگی کیونکہ مہاراجہ اُسے بیٹے کی
طرح سمجھتے تھے۔ دھیان سنگھ ظاہرا طور پر راضی ہو گیا۔ شیر سنگھ مزاحمت پر آمادہ
تھا مگر دھیان سنگھ کے بہلانے پر وہ بٹالہ چلا گیا۔ دھیان سنگھ خود بیماری کے
بہانے سے جموں چلا گیا اور رانی چند کور مائی کا خطاب لے کر راج کرنے لگی۔ اُس
عطر سنگھ سندھانوالیہ کو وزیر مقرر کیا۔ چار سرداروں کی ایک کونسل قائم کی گئی
راجہ گلاب سنگھ نے بڑی نیتی کر کے رانی کی طرف لے لی۔ دھیان سنگھ نے سرکار
انگریزی کو خبر پہنچا دی کہ مہاراج کی رانی جنداں نے دلیپ سنگھ کو جنم دیا تھا جو کہ
اصلی وارث تھا۔ میانسنگھ کے ایجنٹ لاہور میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے سکھ
فوج اور سرداروں سے اقرار لیا کہ جب دھیان سنگھ اور شیر سنگھ لاہور آئیں گے
وہ ان کی مدد کریں گے۔ شیر سنگھ کوئی تین سو ساتھی لے کر شالامار میں آپہنچا۔ اُسے
حیرانی ہوئی کہ دھیان سنگھ ابھی جموں میں ہی تھا۔ شیر سنگھ کا صلاح کار سردار
جوالا سنگھ تھا۔ اس نے اُس کے دل میں ڈال دیا کہ دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ
ایک ہی ہیں اور دھیان سنگھ اس کے ساتھ تھا۔ شیر سنگھ نے جوالا سنگھ کو خالصہ
کے ساتھ بات چیت پر مقرر کیا۔ خالصہ شیر سنگھ کو بدھو کے آوا پر ملنے کیلئے
تیار ہو گیا جہاں اودی طبیلے نے ایک بارہ دری تعمیر کرائی تھی۔ ۱۴ جنوری ۱۸۴۱ء
کو یہاں پر خالصہ کے پنچ میانمیر سے چل کر شیر سنگھ سے ملے۔ انہوں نے اُسے
راجہ مشتہر کیا۔ توپیں چلا کر وہ لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ لاہور کے لوگ ہزاروں

اس کی طرف دوڑے گئے۔ رانی نے کونسل بلا کر راجہ گلاب سنگھ کو بچاؤ کے لئے
مقرر کیا۔ راجہ کی فوج شاہدرہ سے قلعہ میں لائی گئی۔ خوشحال سنگھ اور
سندھانوالے سردار اس کے ساتھ تھے۔ ساری فوج قلعہ میں جمع ہو
گئی۔ گلاب سنگھ نے چار ماہ کی تنخواہ ان کے درمیان بانٹی اور ان سے وفاداری
کی قسم لی۔

سوچیت سنگھ اور جنرل وینٹورا شیر سنگھ سے جا ملے۔ اس کی سپاہ ستر ہزار
تک پہنچی۔ گلاب سنگھ کے سپاہی زیادہ انعام کے لالچ میں شیر سنگھ کی طرف چلے
گئے۔ اور شیر سنگھ کی فوج رات کو دہلی، یکی اور ٹکسالی دروازوں سے شہر میں
داخل ہو گئی۔ صبح سویرے وہ شہر کا مالک تھا۔ گلاب سنگھ نے بادشاہی مسجد میں
بہت سی میگزین جمع کی تھی۔ شیر سنگھ کے سپاہیوں نے حضوری باغ میں فوت
شدہ مقبروں کے باغ پر اور میگزین پر قبضہ کر لیا۔ سپاہیوں نے دوکانوں کو لوٹنا
شروع کر دیا۔ چھتہ بازار کو آگ لگا دی۔ صبح سویرے سپاہیوں نے قلعہ پر دھاوا
بول دیا۔ ٹکیوں کی طرح قلعہ کی دیواروں کے نیچے جمع ہو گئے۔ ارد گرد توپیں
رکھ دی گئیں۔ ۲۳ توپیں تھیں۔ شیر سنگھ خود نگرانی کرتا تھا۔ محاصرین کی تعداد
مہاراجہ گلاب سنگھ کے ڈوگرے اور بارہ سو سکھ تھے۔ توپوں سے گولوں کی
ایسی مار چلائی گئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اکبر کے قلعہ کی دیواریں ہل جائیں گی۔
ڈوگرے ایسی بہادری سے مقابلہ کرتے تھے کہ باغ خالی ہو گیا۔ سب حملہ کرنے
والے ادھر ادھر بھاگ گئے۔

مشرقی دروازہ پر بھی ایسا ہی ہوا۔ مگر مرے خالصے ہوئے گھوڑے اور
بیل میدان میں چھوڑ لوگوں کے گھروں میں پناہ کے لئے جا گھسے۔ اب خالصہ
نے نہایت عجیب حرکت کی۔ کوئی بارہ سو عورتوں کو توپوں کے منہ کے ساتھ

باندھ دیا لیکن ڈوگروں نے ایسی بہادری دکھائی کہ بارہ سو عورتوں میں سے
صرف ۱۹ عورتوں کو گولی لگی۔ حالانکہ دو سو توپچی مارے گئے۔

تین دن رات متواتر گولہ باری کرنے پر دیواروں میں سوراخ ہوگئیں۔
شیر سنگھ نے چالیس موچی کرایہ پر کرکے اُن سے نشانہ لگوائے۔ انکو بیس روپیہ روزانہ
دیا گیا۔ کیونکہ وہ بڑے شکاری اور نشانہ باز تھے۔

پانچویں دن خبر آئی کہ دھیان سنگھ شاہدرہ آ پہنچا ہے۔ شیر سنگھ نے گولہ باری
بند کر دی اور گلاب سنگھ کے ساتھ عہد و پیمان شروع کئے اور پانچ سو سوار دھیان سنگھ
کو لاہور لانے کے لئے روانہ کئے۔ شہر کے پاس شیر سنگھ اُنکے لینے کیلئے
موجود تھا۔ سب لڑائی بند کر دی گئی۔ مُردوں کو جلانا شروع ہوا۔ ۶۸۷۴ آدمی
۶۱۰ گھوڑے ۲۲۰ بیل خالصہ کے مارے گئے۔ قلعہ کے اندر اموات کی تعداد ۱۲۰۱
تھی۔ شیر سنگھ کے چار پانچ لاکھ روپیہ انعام وغیرہ میں خرچ ہوئے۔ ڈوگروں کو کل
سو روپیہ انعام ملا۔ سکھوں نے شہر کے آدھے گھر لکڑی لینے کے لئے برباد کر
دیئے اور بڑے اپتا چار گئے۔ مُردوں کا ڈھیر جمع کر کے آگ لگا دی گئی۔ زخمیوں کو
اٹھا کر اس میں ڈال دیا گیا۔ جب وہ رحم کی درخواست کرتے تھے تو جواب ملتا تھا۔
"چڑھ جاؤ۔ بھائی چڑھ جاؤ۔ خوف کاہے کا، گُل دا ہے"۔ یہ اس لئے کہ اُن کا تھوڑا
بہت پیسہ مل جائے۔ راجہ گلاب سنگھ نے ہیرا سنگھ کو صلح کے لئے مقرر کیا۔ آخر چار شرطوں
پر صلح ہوئی۔ مہارانی چند کور قلعہ حوالہ کر دے اور راج کا دعویٰ چھوڑ دے۔
۲۔ اُسے نو لاکھ کی جاگیر جموں کے پاس دی جائے جسکا انتظام گلاب سنگھ کرے
۳۔ شیر سنگھ رانی سے چادر ڈال لینے کا ارادہ ترک کر دے۔ ۴۔ ان شرائط کو پورا
کرنے کی ضمانت دی جائے۔

اس کے بعد رات کو گلاب سنگھ نے قلعہ خالی کیا اور وہاں سے ۱۶ چھکڑے

مہاراجہ کے خزانہ سے ساتھ لیتا گیا اور شیر سنگھ کو سلام کر کے اپنے علاقہ کو چلا گیا۔

**شیر سنگھ**

۱۸ جنوری ۱۸۴۱ء کو شیر سنگھ مہاراجہ بنا۔ سندھیانوالہ کو چھوڑ کر سب نے اُسے سلام کیا۔ دھیان سنگھ کو وزیر بنایا گیا۔ سندھیانوالہ سرداروں کی جائداد ضبط کی گئی۔ اُن کی گرفتاری کا حکم دیا گیا۔ عطر سنگھ اور جیت سنگھ انگریزوں کے پاس بھاگ گئے۔ لہنا سنگھ قید ہو کر لاہور لایا گیا۔ خالصہ اب بے قابو ہو گیا۔ اُنہوں نے اپنے افسروں کو لُوٹنا اور مارنا شروع کر دیا جنھوں نے اُن کو انعام پورا نہ دیا تھا۔ جرنیل کورٹ بھاگ گیا۔ ایک انگریز افسر قتل کر دیا گیا۔ تنخواہ دینے والے افسر وغیرہ لُوٹ لیے گئے۔ کشمیر میں جرنیل مہاں سنگھ کو لُوٹ لیا گیا۔ پشاور سے اویٹابیلہ نے بھاگ کر جلال آباد جا پناہ لی۔ شیر سنگھ خود بڑا شرابی تھا۔ گدی پر بیٹھتے ہی اُس نے شراب شروع کر دی اور سب کچھ دھیان سنگھ کے حوالہ کر دیا۔ بادشاہی مسجد کے سامنے سنگ مرمر اس کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ زمین پر گلاب اور مُشک چھڑک دیئے جاتے تھے اور پھولوں کی سیج بنا کر بیٹھ جاتا تھا۔ گانیوالے راگ سُناتے تھے۔ راگی اور خوبصورت عورتیں ہر وقت اس کے پاس حاضر رہتی تھیں۔ دھیان سنگھ جوالا سنگھ کا حسد کرتا تھا۔ جوالا سنگھ دھیان سنگھ کے آجانے پر شیر سنگھ کے حکم کے خلاف ۱۲ گھنٹہ تک گولی چلاتا رہا۔ شیر سنگھ نے خود جا کر سپاہیوں کو سمجھایا تب اُنہوں نے بند کیا۔ دھیان سنگھ نے مہاراجہ کے دل میں اس کے برخلاف زہر بھر دی۔ وہ اپنے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ شالامار میں تھا۔ مہاراجہ نے حاضر ہونے کے لئے حکم دیا۔ وہ نہ آیا۔ مہاراجہ فوج لے کر اُدھر روانہ ہوا۔ اور وہ آکر اس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اُسے قید میں ڈال دیا گیا چالیس روز تک اذیت دے کر اُس کی جان لے لی گئی۔ شیر سنگھ نے رانی کے چادر ڈالنے کا ارادہ نہ چھوڑا۔ رانی بھی مان جاتی مگر گلاب سنگھ نے اُسے سمجھا دیا کہ وہ

صرف اُسے برباد کرنے کے لئے چادر ڈالتا تھا۔ رانی قلعہ سے پرائیویٹ مکان میں چلی گئی۔ مہاراجہ کو سمجھایا گیا کہ رانی اُسے مہاراج کا لڑکا نہ سمجھ کر حقارت کرتی تھی اس سے شیر سنگھ کو آگ لگ گئی اور اُس نے گولیوں کو رشوت دی کہ رانی کا خاتمہ کر دیں خود وزیر آباد چلا گیا۔ اِن گولیوں نے رانی کے سر پر اینٹیں مار کر رانی کا دماغ باہر نکال دیا۔ مہاراجہ کی غیر حاضری میں دھیان سنگھ نے گولیوں کے ناک کان اور ہاتھ کوتوالی میں لوگوں کے سامنے کاٹ لئے۔ انہیں راوی پار جلا وطن کر دیا گیا۔ مہاراجہ اور گلاب سنگھ کو اس سے خوشی ہوئی۔ افغانستان کی مہم کی کامیابی پر لارڈ ایلن بارو نے فیروز پور میں شاہزادہ پرتاب سنگھ سے ملاقات کی۔ فروری ۱۸۴۳ء میں دوست محمد لاہور آیا۔ اس کا عزت سے استقبال کیا گیا اور عہد نامہ دوستی کیا گیا۔ دربار میں دو بھائی تھے۔ ایک بھائی رام سنگھ ڈوگرہ پارٹی اور لال سنگھ کے حق میں تھا بھائی گوبند سنگھ اور مصر بیلی رام ان کے اور لال سنگھ کے سخت دشمن تھے۔ شیر سنگھ فیاض دل کا تھا۔ اپنے دشمنوں کو معاف کرنے پر تیار تھا۔ رام سنگھ کی سفارش پر اُس نے سندھیانوالہ سرداروں کو واپس بلا لیا۔ عطر سنگھ اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ دربار میں رہنے لگے۔

**سندھیانوالے سردار**

مہاراجہ ان پر اتنا خوش ہوا کہ وہ دن رات اس کے پاس رہنے لگے۔ یہ سب بات دھیان سنگھ کو ناگوار تھی۔ اُس نے گلاب سنگھ کو بلا کر مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دلیپ سنگھ کو آگے لائیں۔ چونکہ رانی جنداں دھیان سنگھ دلیپ سنگھ کی خاطر تواضع کرتا تھا شیر سنگھ اس سے جلتا تھا۔ سندھیانوالہ سردار دل سے دونوں کو نفرت کرتے تھے اور اس موقع سے خوش تھے وہ مہاراجہ سے دل لگی کرتے اور اسے خوش رکھتے تھے۔ اجیت سنگھ نے ہنسی میں کئی بار اُسے مار دینے کی دھمکی دی۔ اُنہوں نے ایک کہانی بنا کر راجہ کو بتایا کہ دھیان سنگھ اُس

کی جان لینا چاہتا تھا اور وہ اُن کو ۲۰ لاکھ کی جاگیر دینے پر تیار تھا اگر وہ ایسا کر سکیں۔ اُنہوں نے اُسے یقین دلایا کہ دھیان سنگھ دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ مہاراجہ سے قسم لی کہ وہ اِس بھید کو کسی پر ظاہر نہ کریگا۔ مہاراجہ نے جوش میں آکر کہا "یہ میری تلوار ہے۔ یہ میرا گلا ہے۔ لے لو۔ اور مجھے قتل کر ڈالو مگر یاد رکھو! اگر آج تم ایسا کرو گے تو وہ دن نزدیک ہے جب تمہارے گلے بھی کاٹے جائیں گے" اُنہوں نے حیرانی سے کہا "آپ کی زندگی۔ آپ ہمارے آقا ہیں۔ ہمارے سر کس لئے ہیں۔ پہلے یہ قربان ہوں گے پیچھے حضور کی طرف کوئی دیکھ سکے گا"۔

اُنہوں نے تجویز کر کے مہاراجہ سے فرمان پر دستخط کرا لئے کہ راجہ دھیان سنگھ کو قتل کر دیا جائے اور خود ایسا کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ سردار کچھ دنوں کے لئے اپنی جاگیر راجہ سانسی کو چلے جائیں۔ وہاں سے وہ فوج لے کر شاہ بلاول (حاضری) میں آئیں۔ مہاراجہ اور وزیر اِس کا ملاحظہ کریں۔ وہاں پر دھیان سنگھ کو بلایا جائے۔ اُسے اور اُس کے بیٹے کو گھیر لیا جائے۔ یہ سب کچھ قابو کر وہ دھیان سنگھ کے پاس گئے اور اُسے قتل کا وارنٹ دکھلایا دھیان سنگھ ایسا چالاک تھا کہ وہ یقین نہ کرتا تھا کہ مہاراجہ ایسا ناشکر گزار ہو سکتا تھا۔ اُس نے کہا "مہاراجہ سے مُہر لگا لاؤ"۔ وہ گئے اور فوراً مُہر لگا لائے۔ اب وزیر سے کہا۔ "دیکھو ایسا بدمعاش اور ناشکرا آدمی ہے۔ اُسے قتل کر دینا چاہیئے۔ وہ تمہارے جیسے آدمی کو قتل کرانا چاہتا ہے"۔ الغرض اُسے ایسا بہکایا کہ اِس سے راجہ کے قتل کا وارنٹ لے لیا۔ اِسی طرح سندھیانوالہ سرداروں نے اپنے دو دشمنوں کے قتل کا انتظام کر لیا جن میں سے ہر ایک اُن کو اپنا ساتھی سمجھتا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ بیمار ہو گیا۔ لشکر کے مقررہ دن پر شیر سنگھ شہر سے روانہ ہوا۔ دھیان سنگھ اور دینا ناتھ اِس کے ساتھ تھے۔ اِس کا ہمراہی بدھ سنگھ بھی تھا۔ شاہ بلاول کو گیا

سندھیا والے سردار آ گئے۔ پچاس سپاہی اُن کے ساتھ تھے۔ مہاراجہ محل میں بارہ دری کے سایہ میں بیٹھا تھا۔ کشتی کرنے والوں نے کشتیاں دکھائیں۔ مہاراجہ اپنے ہاتھ سے انکو انعام دیتا رہا۔ وہ اپنی کرسی پر آرام سے لیٹا تھا کہ اجیت سنگھ آیا اور ایک دو نالی بندوق ملاحظہ کے لئے پیش کی۔ یہ کہا کہ "میں نے چودہ سو روپیہ کو خرید کی ہے۔ اب میں اسے تین ہزار کو بیچنے پر تیار نہیں آپ ملاحظہ کیجیئے" مہاراجہ نے اپنا ہاتھ نکالا۔ اجیت سنگھ نے دو نو گھوڑے چلا دیئے گولیاں مہاراجہ کی چھاتی میں سے گزر گئیں۔ وہ اتنا بولا "ایہہ کی۔ دغا" اور مر گیا۔ اس کا سر فوراً کاٹ لیا۔ بدھ سنگھ پہنچا۔ اُس نے اجیت سنگھ کے دو ساتھیوں کو قتل کیا۔ اس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ دوسری لینے لگا جب اُس کا پاؤں پھسل گیا اُسے قتل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر ہانگ برگر پاس ہی تھا اور یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ ان کے سپاہیوں نے گولی چلائی اور نوکروں کو مار ڈالا۔ قریب پاس باغ میں جہاں کہ شاہزادہ پرتاب سنگھ پاٹھ کر کے برہمنوں کو دان دے رہا تھا۔ لہنا سنگھ ننگی تلوار لے کر آگے بڑھا۔ لڑکا بارہ سال عمر کا تھا۔ گھبرا گیا۔ کانپتے ہوئے اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ "چاچا! مجھے جیتا رہنے دو میں تمہارے گھوڑوں کی لید اُٹھایا کروں گا۔" اُس وقت "چاچا!" اُسی وقت اُس کا سر جسم سے کاٹ لیا۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ لوگوں نے ڈر کے مارے بازار بند کر دیا۔ دو سردار اپنے دو چار سپاہی لئے لاہور آئے۔ آدھے راہ پر اُن سے وزیر ملا جو اپنی پوجا پاٹھ کے بعد آہستہ آہستہ بلوال کو آ رہا تھا۔ اجیت سنگھ نے اُسے بتایا کہ کام ہو گیا۔ راجہ شک کرنے لگا۔ جس پر اُسے دو نو سر دکھائے گئے۔ دھیان سنگھ نے کہا "بچہ کو مارنا بڑا پاپ تھا"۔ اجیت سنگھ نے کہا "جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا"۔ اب مجبوراً دھیان سنگھ کو اجیت سنگھ کے ساتھ قلعہ کو آنا پڑا۔ وہ قلعہ میں داخل ہو گئے۔ جب اندر کے دروازہ پر آئے

تو وزیر کو جانے سے روک دیا گیا۔ اُسے اب شک پڑ گیا۔ اُس نے اپنے پیچھے دیکھا۔ اس کے ساتھی بہت تھوڑے تھے اور وہ بے بس تھا لیکن اُس نے ظاہر کا اعتبار نہ کیا۔ اُس نے اتنا پوچھا کہ "قلعہ پر کون لوگ ہیں"؟ سردار نے جواب دیا۔ دوست ہیں"۔ اجیت سنگھ نے پاس آکر پوچھا۔ "آپ کون راجہ بنانا چاہتے ہو؟"۔ دھیان سنگھ نے کہا۔ "دلیپ سنگھ کا سب سے زیادہ حق ہے"۔ اجیت سنگھ نے اس پر کہا۔ "اچھا۔ وہ راجہ ہو گیا اور تم وزیر۔ ہم کو اس کام سے کیا ملا"۔ بھائی گورمکھ سنگھ نے کہا۔ "اس کو بھی راستہ سے ہٹا دو"۔ اجیت سنگھ نے اشارہ کیا۔ پیچھے سے گولی چلائی گئی اور دھیان سنگھ پیچھے دیکھنے لگا تھا کہ گولی نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے ایک مسلمان اردلی نے کچھ مقابلہ کرنا چاہا۔ اُسے بھی مار دیا گیا۔ دونو کی لاش توپ کے کارخانہ میں ڈھیر پر پھینک دی گئی۔

سردار لہنا سنگھ آیا وہ اجیت سنگھ سے غصے ہونے لگا "تم نے اتنی جلدی کی ہے۔ اچھا یہ ہوتا کہ ہیرا سنگھ گلاب سنگھ۔ سوچیت سنگھ سب کو ایک جگہ کر فیصلہ کیا جاتا۔ اب اس کا بیٹا اور بھائی دونو ہیں اور اُن کا خالصہ فوج پر بڑا رُعب ہے"

**راجہ ہیرا سنگھ**

سندھیانوالہ سرداروں نے ہیرا سنگھ اور سوچیت سنگھ کو دھیان سنگھ کے نام پر قلعہ میں بُلا بھیجا۔ وہ دھوکے آوا پر تھے۔ وہ دھوکے میں نہ آ سکتے تھے۔ انہوں نے کہا "دھیان سنگھ کا لکھا ہوا حکم لاؤ"۔ اس پر سرداروں نے پانچ سو سپاہی روانہ کئے۔ وہ بھی اپنی فوج کے ساتھ تیار تھے۔ سرداروں کے سپاہی واپس چلے آئے۔ راجہ ہیرا سنگھ کو اپنے باپ کی موت کا پتہ نہ تھا۔ جب مصر لال سنگھ اس کے پاس گیا اور اُسے قلعہ میں بُلایا اور اپنے سپاہیوں کو کہہ رہا تھا کہ مہاراجہ کی موت کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ ایک گھنٹہ بعد ہیرا سنگھ کو اپنے باپ کی موت کی خبر لگی۔ اس کیلئے

یہ آسانی کر رہا تھا۔ وہ زور سے رویا اور زمین پر لوٹتا رہا۔ بھائی کیسری سنگھ نے
اُسے سمجھایا۔ "یہ کیا بچوں کی باتیں کرتے ہو۔ مرد بنو"۔ اس سے اس کا حوصلہ ہوا۔
اس نے ان قاتلوں کے خلاف سپاہیوں کو بھڑکایا جنھوں نے مہاراجہ۔ بیگناہ بچے
اور وزیر کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ ابوطبلہ کے مکان پر چڑھ گیا۔ سب
سرداروں کو معہ سپاہیوں کے بلا بھیجا۔ جو بدھو کے آوا کے نیچے جمع ہو گئے۔ اپنی
ڈھال تلوار کھول کر سپاہیوں کے سامنے تقریر کی۔ "تم جانتے ہو۔ دغا بازوں
نے مہاراجہ۔ بے گناہ بچے اور میرے بہادر باپ کو قتل کیا ہے۔ وہ تم سب سے
ایسی محبت کرتا تھا جیسے مجھ کو۔ مہاراجہ نہیں اور میرا باپ بھی نہیں رہا۔ میں تمہاری
وفاداری، حب وطنی اور دلیری سے اپیل کرتا ہوں۔ یا تو میرے ساتھ رہو یا مجھے اس
تلوار سے قتل کر ڈالو۔ دشمنوں کے ہاتھوں سے مرنا اور ان کے درمیان رہنا
بےعزتی ہے۔ دوستوں کے ہاتھ سے قتل ہونے میں بھی عزت ہے"۔ اُس نے یاد
دلایا کس طرح بچپن سے مہاراجہ اُسے محبت کرتے تھے۔ اب دغا باز اس کا
گلا کاٹنا چاہتے ہیں اور یہ کہ سندھیانوالہ سرداروں کا انگریزوں کے ساتھ میل ہے
اور وہ پنجاب ان کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں۔ کیا اگر پنجاب میں انگریزی راج ہو
جائے گا تو سکھوں کی سب بہادری اور بڑائی مٹی میں مل جائے گی۔ اُس نے
اقرار کیا کہ ہر پیادہ کی تنخواہ بارہ روپیہ اور سوار کی تیس روپیہ کر دی جائے گی۔

ہیرا سنگھ کی خوبصورتی، اس کی ماتمی صورت اور اس کی اپیل کا اثر ہوا۔
سب سے بڑھ کر انعام اور تنخواہ کی ترقی کی امید۔ خالصہ نے اس کی تجویز کو غور
سے سنا اور پسند کیا اور مرنے: مارنے پر تیار ہو گئے۔ قلعہ پر حملہ کا فیصلہ کیا گیا۔
اگرچہ ہیرا سنگھ نے تو اتنا ہی کہا کہ حکم ملنے پر تیار رہیں مگر خالصہ تو غصہ سے جلتا تھا۔
یہ سب حال سنتے ہی جو لوگ اپنا شام کا کھانا پکا رہے تھے انہوں نے کھانا

پھاٹا چھوڑ دیا اور ایک لمحہ میں چالیس ہزار سپاہی ہیرا سنگھ کے حکم پر کوچ کیلئے تیار ہو گئے
ادھر تو یہ ہو رہا تھا اُدھر سندھیانوالہ سرداروں نے اپنے آپ کو قلعہ میں بند کر لیا اور دلیپ سنگھ کو مہاراجہ مشہور کیا اور راجیت سنگھ کو وزیر۔ ساتھ ہی سرداروں کو اپنے پاس بُلاکر وفاداری کا اقرار کراتے تھے۔ اگر وہ ہمت کرتے اور خود سپاہیوں سے مخاطب ہوتے تو شاید اُن کی کامیابی ہوتی مگر وہ ڈر کے مارے باہر نہ نکلے اور فیل ہو گئے۔ راجہ ہیرا سنگھ فوج لئے شام سے ایک گھنٹہ بعد لاہور آیا۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ساری رات قلعہ پر گولہ باری ہوتی رہی۔ شہر میں واہگورو کی فتح کے نعرے گونجتے تھے کچھ سوراخیں ہو گئیں مگر کافی نہ تھیں۔ ہیرا سنگھ نے سرداروں کو بلاکر قسم کھائی کہ وہ کھانا نہ کھائیگا جبتک اس کے باپ کے قاتلوں کا سر اس کے پاؤں میں نہ ہوگا۔ اُدھر اپنی ماں کو باپ کے ساتھ جلنے سے روکا ہوا تھا جبتک بدلہ نہ ہولے۔ وہ ماں اور گولیاں (ستی ہونے والی) فوج کے سامنے کھڑی رکھی گئیں۔ توپیں ایسے زور سے لگے کہ دوسرے دن نو بجے دیوار میں چیر ہو گیا۔ پہلا چڑھنے والا آدمی سپین کا ایک کرنل مسٹر ہربن نامی تھا۔ فوراً چالیس ہزار سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ بھائی کیسری سنگھ (سوچیت سنگھ کا صلاح کار) سیڑھیوں کے ذریعہ اوپر چڑھا۔ محاصرین نے مقابلہ کیا مگر ایک گھنٹہ کے اندر سب کام ہو گیا۔ اجیت سنگھ دیوار سے اُتر کر بھاگا مگر ایک مسلمان سپاہی نے اُسے دیکھ لیا اُس نے سونے کا بازو بند اُس کی طرف پھینکا مگر وہ اس کا سر کاٹ کر ہیرا سنگھ کے پاس لے آیا۔ سارا قلعہ۔ توپخانہ۔ محل سب لوٹ لئے گئے۔ شہر بھی خالصہ کی لوٹ سے نہ بچ سکا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے لوٹ مار بند کی اور اجیت سنگھ کا سر لاکر اپنی ماں کے پاؤں پر رکھدیا۔ اس پر وہ بولی "اب مجھے شانتی ہو گئی ہے۔ چتا طیار کی جائے"۔ ہیرا سنگھ نے کہا "جب میں تمہارے باپ سے ملو گی تو اُسے بتاؤ گی

کہ تم ایک بہادر اور وفادار بیٹے ثابت ہوئے ہو"۔ چتا تیار ہو گئی۔ وہ بالکل شانت
غریبوں کو روپیہ اور جواہرات بانٹتی جاتی تھی۔ آخیر میں اُس نے خاوند کی کلغی ہیرا سنگھ
کے سر پر رکھی اور خوشی سے سیڑھی پر چڑھ گئی اور اونچی اور بلند ہوتی ہوئی آواز سے
حکم دیا کہ "آگ لگا دی جائے"۔ شعلے جل اُٹھے اور سوائے راکھ کے کچھ نہ رہا۔
اِس رانی کی ایک گولی دس سال کی تھی وہ رانی کے ساتھ جلنا چاہتی تھی تین بار
اُس نے اپنے آپ کو چتا پر ڈالا مگر روک لی گئی۔ رانی نے اُسے ہیرا سنگھ کے سپرد
کیا کہ اِس کا ہر طرح سے خیال رکھے مگر وہ کہنے لگی۔ "اگر مجھے رانی کے ساتھ جلنے کی
اجازت نہ ہو گی تو میں اِس لاش کی قسم کھاتی ہوں میں کسی اور طرح جان کا خاتمہ کر دونگی"
رانی نے اُس کا ارادہ دیکھ کر اُسے اجازت دیدی۔ وہ خوشی سے چتا پر چڑھ گئی
اور رانی مالک کے پاؤں میں بیٹھ گئی جس نے پتی کا سر گود میں رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔
لہنا سنگھ کا جسم مُردوں میں نہ ملا۔ اِس کے لئے قلعہ کے کونہ کونہ میں تلاش کی گئی۔
آخر ایک تہ خانہ میں ایک ساتھی کے ساتھ چھپا ہوا پایا گیا۔ لہنا سنگھ لنگڑا ہو گیا تھا۔
اِس کا ساتھی راہ سنگھ ننگی تلوار سے اِس کی حفاظت کر رہا تھا۔ سپاہی اِس پر ٹوٹ
پڑے۔ اُس نے مرنے سے پہلے تیرہ کو قتل کیا۔ لہنا سنگھ کا سر کاٹ کر ہیرا سنگھ
کے پاس لے گئے اور دس ہزار روپیہ انعام حاصل کیا۔ قلعہ لینے کے بعد ہیرا سنگھ
دلیپ سنگھ کے پاس گیا اور اُس کی قدم بوسی کی۔ حضوری باغ کی بارہ دری میں
بیٹھ کر سندھیانوالہ سرداروں کے سب رشتہ داروں کو پکڑوا بُلایا۔ اِن سب کو
قتل کروا دیا۔ اِن میں بھائی گورمکھ سنگھ اور مصر بیلی رام بھی تھے۔ اجیت سنگھ اور
لہنا سنگھ کے جسم بازاروں میں کھینچے گئے۔ اِن کی جاگیریں ضبط کی گئیں اور مکان
گرا دیئے گئے۔ عطر سنگھ مدد کو آ رہا تھا۔ سب حال سُن کر ستلج پار ہو گیا۔ چوتھی
ستمبر ۱۸۴۳ء میں حضوری باغ میں سب سرداروں کو بُلا کر مجلس کی گئی جس میں دلیپ سنگھ

مہاراجہ بنایا گیا اور راجہ ہیرا سنگھ وزیر۔ ہیرا سنگھ نے کہا "میں وزیر نہیں بنتا۔ میرے اور میرے خاندان کے یہاں بہت دشمن ہیں۔ میں یہ کام نہیں کر سکونگا"۔ سب خالصہ نے کہا "کوئی تمہارا دشمن نہیں اور جو تمہارا دشمن ہوگا۔ وہ راجہ کا دشمن سمجھا جائے گا اور اُسے سزا دی جائیگی"۔ اُسی وقت خالصہ نے اُن کو قتل کا حکم پاس کر دیا جو سندھیا نوالہ سے ملے تھے۔ اس پر ہیرا سنگھ وزیر بننے پر راضی ہوگیا۔ خالصہ سب کچھ ہوگیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گھوڑے دو دے نگئے۔ سب سامان اُن کے قبضہ میں چلا گیا۔ خزانہ سے تیس چالیس لاکھ روپیہ نکل گیا۔

**دلیپ سنگھ**

ہیرا سنگھ کو تعلیم دی گئی تھی۔ مہاراجہ کے پاس رہکر دربار کے معاملات میں اُس نے پوری تربیت پائی تھی۔ وہ موقعہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ اس کے سامنے بڑا بھاری مستقبل تھا۔ وہ ایک برہمن کے رعب میں آگیا۔ جلا پنڈت کو وہ دیوتا مان کر پوجتا تھا۔ جو اُسے پیشین گوئیوں اور خوابی کہانیوں سے دل بہلاتا تھا۔ اُس کا چچا سوچیت سنگھ اُس سے بڑا حسد رکھتا تھا۔ رانی جنداں سوچیت سنگھ کو اپنا وزیر بنانا چاہتی تھی۔ سوچیت سنگھ کی جلا پنڈت سے دشمنی ہوگئی۔ جنداں کا مددگار اُس کا بھائی جواہر سنگھ تھا۔ ہیرا سنگھ نے ۲½ روپیہ تنخواہ زیادہ کر سپاہیوں کو اپنے ساتھ کیا ہوا تھا۔

اُس نے راجہ گلاب سنگھ کو جموں سے لاہور بلایا۔ ۱۰ ار نومبر کو وہ آیا۔ اُسے کچھ پرواہ نہ تھی کہ ہیرا سنگھ ہو یا سوچیت سنگھ۔ جواہر سنگھ مہاراجہ کو ہاتھی پر چڑھا کر خالصہ کے سامنے لے گیا اور اپیل کی کہ وزیر کا سلوک مہاراجہ اور اُس کی ماں سے اچھا نہیں۔ اگر ایسا ہی رہے گا تو وہ ستلج پار چلے جائیں گے۔

مطلب یہ تھا یا سوچیت سنگھ وزیر بنے یا وہ خود۔ خالصہ اُلٹا اس تقریب سے شک کرنے لگا۔ ساری رات انہوں نے اُس پر گارد لگا دی۔ خالصہ کا کمانڈر میر و معارام تھا جو جلا کا نسر تھا۔ اس نے جواہر سنگھ کی بے عزتی کی اور اُس کے منہ پر مکہ مارا۔ رات کو پنچائت ہوتی رہی جس میں فیصلہ ہوا کہ جواہر سنگھ اور سوچیت سنگھ غدار ہیں۔ افواہ مشہور ہو گئی کہ جواہر سنگھ دلیپ سنگھ کو فیروز پور انگریزوں کے پاس لے جا رہا تھا۔ وزیر اُسے ہاتھی پر واپس لے آیا ہے اور ماں کے سپرد کر دیا ہے۔ ۱۰۱ توپیں چلائی گئیں۔ جواہر سنگھ کو بند کر دیا گیا۔ اُس وقت سوچیت سنگھ بھی شک سے دیکھا جانے لگا۔ راجہ سوچیت سنگھ کی پلٹنیں قلعہ سے نکال دی گئیں اور اُس کا قلعہ میں داخلہ بند کیا گیا۔ راجہ گلاب سنگھ واپس جموں چلا گیا۔ سوچیت سنگھ بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔ وہاں جا کر سوچیت سنگھ نے گلاب سنگھ کے چھوٹے بیٹے کو متبنےٰ بنا لیا۔

**پشورا سنگھ اور کشمیرا سنگھ**

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دو لڑکے اور تھے۔ پشورا سنگھ پشاور میں اور کشمیرا سنگھ سیالکوٹ میں۔ کئی لوگ اِن کا حق دلیپ سنگھ سے بہتر مانتے تھے۔ ہیرا سنگھ نے اِن کو پھنسانے کے لئے سندھیانوالہ سازشوں سے اِن کا تعلق ظاہر کیا۔ اِن کی طرف سے بنائی ہوئی چٹھیاں تیار کی گئیں۔ راجہ گلاب سنگھ کو حکم ملا۔ اِن کو بند کر کے اِن کی جائداد ضبط کرے۔ پچاس لاکھ جرمانہ کیا گیا جس میں سے صرف بیس ہزار وصول ہوا۔ یہی کافی سمجھ کر اِن کی جاگیر انکو دی گئی لیکن انہوں نے اس نوکر دیپور سنگھ کو مروا ڈالا جس نے اُن کے برخلاف معاملہ کھڑا کیا تھا۔ اس پر لاہور دربار نے گلاب سنگھ کو اُن کے برخلاف فوج کا حکم دیا۔ انہوں نے تھوڑی فوج سے گلاب سنگھ کو شکست دی۔ گلاب سنگھ نے لاہور سے امداد مانگی۔ خالصہ اِن

بھائیوں کے برخلاف لڑنے پر تیار نہ تھا۔ ڈوگرہ اور مسلمان فوج بھیجی گئی انہوں نے جاکر بھی کچھ نہ کیا۔ اس پر دھیان سنگھ کی فوج روانہ کی گئی سیالکوٹ کا محاصرہ کیا گیا اور گلاب سنگھ کے قبضہ میں آگیا۔ دونو شہزادے نکل کر ماجھا علاقہ میں پھرنے لگے۔ خالصہ اس وجہ سے وزیر کے ساتھ سخت ناراض ہوگیا۔ چار دن تک ہیرا سنگھ باہر بھی نہ نکلا۔ جواہر سنگھ کو رہا کردیا گیا۔ جلا کو موقوف اور شاہزادوں کی زندگی کی حفاظت ضروری قرار دی گئی۔ ہیرا سنگھ کی مشکل سے سوچیت سنگھ فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ ان سب مشکلات اور جھگڑوں کی وجہ سے پنجاب سے کچھ لگان وصول نہ ہوا تھا۔ خزانہ دن بدن خالی ہو رہا تھا۔ ہیرا سنگھ نے جلا کو مال کا حساب پڑتال کرنے کے لئے مقرر کیا۔ پنڈت نے دیکھا کہ بہت سے سردار ... معاف ... گلاب سنگھ وغیرہ نے کچھ نذرانہ کیا تھا ان سب سے مانگ جانے لگی جس سے وزیر اور جلا پنڈت بدنام ہونے لگے

**سوچیت سنگھ**

سوچیت سنگھ کے ایجنٹوں نے اُسے لاہور بلا بھیجا۔ ۲۶ مارچ سنہ ۱۸۴۳ء کو سوچیت سنگھ شاہدرہ آپہنچا لیکن اب خالصہ کی رائے بدل گئی۔ سوچیت سنگھ اس خیال سے راوی پار آگیا کہ کچھ فوج اس کے ساتھ مل جائیگی۔ اُسے واپس چلے جانے کو کہا گیا مگر وہ واپس جانے کا خیال نہ کرتا تھا۔ رات کو اُس کے ساتھی اُسے چھوڑ گئے۔ کل ۴۵ آدمی رہ گئے۔ میاں واد ا میں اس کا ڈیرہ تھا۔ لاہور میں ہیرا سنگھ نے خالصہ کو بلا کر تقریر کی۔ تلوار ہاتھ میں لے کر کہا "سوچیت سنگھ فرنگیوں کا دوست ہے۔ اگر تم مجھے مارنا چاہتے ہو۔ یہ تلوار لو۔ مار دو۔ گورو کے لئے مجھے شرم کی موت نہ مرنے دو وغیرہ"۔ سب خالصہ تیار ہوگیا۔ پندرہ بیس ہزار فوج سوچیت سنگھ کے مقابلہ پر گئی۔ مقابلہ کیا تھا اُسے بہتیرا کہا گیا کہ بھاگ جاوے مگر وہ راجپوتی دھرم پر مرنا چاہتا تھا۔ خالصہ

فوج سے کہنے لگا۔ تم نے مجھے بلایا ہے۔ اب مارنے پر تیار ہو گئے ہو۔ آؤ۔ میدان میں۔ ایک ایک کر کے تلوار لے سامنے آجاؤ۔ بڑی بہادری سے وہ اور اُس کے ساتھی لڑ کر مارے گئے۔ جیسے راجپوتوں کو مرنا چاہیئے۔ ان ساتھیوں میں ایک رائے کیسری سنگھ تھا۔ جس جیسا بہادر اُس وقت کوئی نہ تھا کئی بار وہ گرا۔ پھر اُٹھا اور لڑائی کی۔ اکیلے اُس نے بیس دشمنوں کو قتل کیا۔ وہ اُس وقت آخری لمحوں پر تھا۔ اُس نے ہیرا سنگھ سے جے دیا کیا اور پانی مانگا۔ وزیر نے کہا۔ پانی نہیں ملے گا۔ بہت تھا اور وہ پیاسا مر گیا۔ اپنے چچا کا جسم زمین پر پڑا دیکھ کر ہیرا سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کا اور سرداروں کے جسم لاکر عزت کے ساتھ جلائے گئے۔

**بیر سنگھ باوا**

ماجھا میں ایک شخص باوا بیر سنگھ رہتا تھا۔ اُس کے پاس پندرہ سو آدمی تھے۔ اُس نے کہا کہ پنجاب کی سلطنت گورو گوبند کی ہے دلیپ سنگھ بچہ ہے ہیرا سنگھ نالائق ثابت ہوا ہے۔ خالصہ کو اپنا کوئی آدمی مقرر کرنا چاہیئے۔ اُس نے سندھیانوالہ کے حق میں پرچار شروع کیا۔ اس غرض سے سب سرداروں کو چٹھیاں لکھی گئیں کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ بھی اس بغاوت میں شامل ہو گئے۔ لاہور سے فوج روانہ ہوئی۔ ایک یہ اقرار تھا کہ وہ باوا کو کوئی نقصان نہ پہنچائینگے۔ لڑائی میں پہلے گولے سے باوا ہی مارا گیا کشمیرا سنگھ بھی مارا گیا۔ جرنیل گلاب سنگھ بھی مارا گیا۔ باوے نے بہت دولت جمع کی تھی۔ باوجود اس کی پاکیزگی کے خالصہ نے اُس کی سب دولت لُوٹ لی۔ پشورا سنگھ مطیع ہو گیا اور لاہور دربار میں چلا آیا۔ اُس کی جاگیر اُسے دی گئی اور وہ گوجرانوالہ چلا گیا۔ اب ہیرا سنگھ کی طاقت چوٹی پر تھی لیکن اُس نے اور جلا نے بہت سے دشمن بنا لیے تھے۔

**جلا پنڈت**:۔ جلا رنجیت سنگھ کے بیٹوں کا اُستاد تھا۔ ہیرا سنگھ اس کے ہاتھ

میں کٹھ پتلی تھا۔ جلا کا غرور اتنا تھا کہ سب اس سے جلنے لگ گئے۔ وہ جواہر سنگھ کا
دشمن تھا۔ جواہر سنگھ نے امرتسر رہکر ڈوگروں کے برخلاف اکالیوں۔ بھائیوں اور گوروؤں
کے دلوں میں زہر بھر دیا۔ لال سنگھ جلا کا پگڑی بدل دوست تھا۔ ساتھ ہی رانی کا بڑا
مرضی دان تھا۔ رانی نے اس کے ساتھ ملکر جلا کے برخلاف سازش بنائی۔ مہینہ کے
پہلے دن رانی جنداں غریبوں کو کچھ بانٹ رہی تھی کہ جلا نے اس کی بے عزتی کی ایسے
سخت بولا۔ رانی نے خالصہ سے اپیل کی۔ جواہر سنگھ نے ہاتھی پر سوار ہو کچھ فوج
ساتھ لے ہیرا سنگھ سے کہا کہ جلا کو اس کے سپرد کیا جائے۔ ہیرا سنگھ نے انکار کیا۔
لیکن ہیرا سنگھ نے دیکھ لیا۔ اس کا اب لاہور رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اپنا مال جائداد لیکر
جموں کو بھاگ جانا مناسب ہوگا۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۴۴ء کو تین چار سو سواروں کے ساتھ ان کا ارادہ
اندھیرے میں چلے جانے کا تھا مگر چلتے دیر ہو گئی اور دن نکل آیا۔ جونہی وہ ٹکسالی دروازہ
سے نکلے۔ سکھ پلٹنوں سے بگل بجنے شروع ہو گئے۔ جواہر سنگھ کو وزیر بنا دیا گیا۔ وہ
راوی پار ہو گئے اور صرف ڈوگروں کو ساتھ لے آگے چلے۔ تارگڑھ جا کر گھوڑوں سے
اتر آرام کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے پیچھے سوار آتے دیکھے۔ سوار ہو کر تیزی سے چلتے
شاہدرہ مقبرہ میں پناہ کے لئے گئے مگر پٹھانوں نے وہاں سے نکال دیا۔ ہیرا سنگھ
نے تھیلیوں سے اشرفیاں ادھر ادھر پھینکدیں۔ سپاہی اشرفیوں میں لگ گئے۔
شام سنگھ اٹاری والا اور جرنیل میوا سنگھ مجیٹھیا کہنے لگے۔ سوئردن کو قتل کر دو۔ جانے
مت دو۔ سپاہی پہنچے پھر ہیرا سنگھ نے اشرفیاں پھینکیں۔ اس طرح دس بارہ کوس
نکل گئے۔ پنڈت جلا تھک کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اُسے کاٹ ڈالا گیا۔ ہیرا سنگھ
پانی پینے کے لئے ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ جواہر سنگھ آگیا اور حکم دیا کہ گاؤں کو
آگ لگا دو۔ ہیرا سنگھ نکل کر گھوڑے پر چڑھا۔ بھاگنے کی کوشش کی مگر کاٹ دیا گیا۔
اس کے چھ ساتھی تیز گھوڑوں کی وجہ سے نکل کر بھاگ گئے۔

**جواہر سنگھ**

جواہر سنگھ خالصہ سپاہیوں کے ساتھ دوپہر کو شہر میں داخل ہوا۔ راجہ ہیرا سنگھ اور جلا کے سر ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ سب لوگ نذرانہ لے کر آگے دوڑے۔ ہیرا سنگھ کا سر لوہاری دروازہ پر ایک دن تک لٹکایا گیا۔ اکالیوں نے جلا کا سر اٹھالیا اور دوکان دوکان پر کوڑیاں لے کر دکھاتے پھرتے اور کہتے تھے۔ "یہ بدمعاش ہے جس نے ہیرا سنگھ سے اپنے چچا کو ۵۰ آدمیوں کے ساتھ قتل کرالیا۔ اُن تھوڑے سے آدمیوں کے لئے بیس ہزار خالصہ کی ضرورت تھی" پھر اُسے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔ کئی ہفتے وہاں پڑا رہا تب جواہر سنگھ نے اُسے کتوں کے آگے ڈلوا دیا۔

پہلا کام جواہر سنگھ کا یہ تھا کہ توشہ خانہ کے سونے کے برتن پگھلا کر کنٹھے بنوا کر سپاہیوں کو دیئے گئے۔ خالصہ اب امیر ہو گیا اندھیر گردی خالصہ کے مدعا مطلب تھی۔ اب خالصہ نے جموں کی طرف توجہ پھیری۔ وہ ہیرا سنگھ اور سوچیت سنگھ کی جائداد کے علاوہ گلاب سنگھ سے تین کروڑ روپیہ مانگتے تھے۔ خالصہ فوج نے جموں پر چڑھائی کر دی۔ لڑائی میں سردار فتح سنگھ مان مارا گیا۔ گلاب سنگھ ڈر گیا اور خود خالصہ پنچائت کے سامنے آکر ہاتھ جوڑ دیئے۔ کہا کہ سب کچھ خالصہ کا ہے۔ ان میں تین لاکھ روپیہ بانٹ دیا۔ وہ اُسے لاہور لے آئے رانی سے ملا اور اُسے ایسا خوش کیا کہ وہ اُسے وزیر بنانے پر تیار ہو گئی۔ اُس نے واپس آنا چاہا۔ اُس پر چھ لاکھ اسی ہزار جرمانہ کیا گیا اور وہ واپس چلا آیا۔ ستمبر ۱۸۴۴ء دیوان ساون مل کو ایک بدمعاش نے قتل کر ڈالا۔ اس کا بیٹا مولراج اس کی جگہ گورنر بنا۔ پہلے تو اُس نے نذرانہ دینے سے انکار کیا جب فوج تیار ہوئی تو اُس نے ایک لاکھ اسی ہزار نذرانہ دیدیا۔ گلاب سنگھ سے بہت سی جاگیر بھی لی گئی تھی۔ اُس نے پشورا سنگھ کو جواہر سنگھ کے بر

آگسا یا ۔ پشورا سنگھ لاہور گیا۔ خالصہ جواہر سنگھ سے ناراض تھا۔ اُس نے کہا تھا
کہ وہ مہاراجہ کو لے کر انگریزوں کے پاس چلا جائیگا۔ خالصہ فوج پشورا سنگھ کو
چاہنے لگی۔ جواہر سنگھ نے اپنی بہن سے مشورہ کر کے خالصہ کو بہت اقرار کر کے
اپنی طرف لانا چاہا۔ خالصہ نے پشورا سنگھ کو کہا۔ "اپنی جاگیر پر جاؤ۔ مناسب
موقعہ دیکھو"۔ پشورا سنگھ اٹک جا پہنچا۔ پٹھانوں کی مدد سے قلعہ لے کر مہاراجہ ہو
گیا اور دوست محمد خان سے خط و کتابت شروع کر دی۔ خالصہ فوج اس
کے برخلاف بھیجی گئی مگر وہ خالصہ کو اتنا پیارا تھا کہ انہوں نے لڑنے سے
انکار کر دیا۔ سردار چتر سنگھ (اٹاری والا) نوشہرہ سے اور فتح خان ٹوانہ
ڈیرہ اسمٰعیلخاں سے اٹک بھیجے گئے۔ انہوں نے مقابلہ کی ہمت نہ دیکھ کر صلح
سے کام لیا۔ بہت نامہ و پیام کے بعد فیصلہ ہوا کہ پشورا سنگھ کو مہاراجہ کا لڑکا
مان لیا جائے وہ عزت سے قلعہ کو خالی کر دے۔ اور اُسے لاکھ کی اور جاگیر
دی جائے۔ جب وہ باہر چلا آیا تو اُسے بند کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا
اور گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ دونوں قاتل بجائے لاہور آنے کے اپنے علاقوں
کو واپس چلے گئے۔ یہ خبر لاہور پہنچی۔ جواہر سنگھ نے توپوں کی سلامی دی اور
رات کو روشنی کی۔ خالصہ کو اس سے آگ لگ گئی۔ بہت سی فوج لاہور سے
باہر چلی گئی۔ دوسرے دن کچھ دہلی دروازہ پر آ پہنچی۔ باقیوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا
اب جواہر سنگھ گھبرایا۔ اُس نے خالصہ سے ترقی کے بڑے اقرار کئے مگر کوئی
بات نہ سُنی گئی۔ اُس نے بہن سے صلاح کی۔ اُسے اور مہاراجہ کو ساتھ لے
ایک ہزار سوار کے ساتھ خالصہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فوج نے بگل بجانے
شروع کئے۔ ہاتھی کو زبردستی بٹھا دیا۔ دلیپ سنگھ کو اُس کی گود سے چھین لیا
جواہر سنگھ ہاتھ جوڑے جھک گیا کہ اُس کی بات سُن لیں۔ اُسے بائیں طرف سنگین لگی

جب وہ دوسری طرف ہؤا تو دوسری طرف سے گولی لگی اور اس کا کام تمام ہوگیا۔ اس کے صلاح کار رتن سنگھ اور بھائی جتو قتل کر دیئے گئے۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۴۴ء کو یہ واقعہ ہؤا تمام سونا اور نقدی جو رانی لائی تھی۔ لوٹ لیا گیا رانی ۔۔۔ میں رکھی گئی جہاں وہ رات بھر روتی اور چلاتی رہی۔ سویرے اسے بھائی کا جسم دکھایا گیا۔ وہ اس پر رونے لگ گئی۔ اپنے بال اکھاڑتی تھی۔ کپڑے پھاڑتی تھی مشکل سے اسے ہٹایا گیا۔ لاش کو شہر سے جا کر ستی دروازہ کے سامنے جلایا گیا مع دو رانیاں اور تین گولیاں ستی ہوئیں۔ راستہ میں جاتے ہوئے سپاہیوں نے ان سے سب کچھ چھین لیا۔ چتا پر چڑھتے وقت ناک اور کان کے زیور اتار لیئے۔ رانی جنداں ہر روز لوگوں کے سامنے روتی ہوئی اپنے بھائی کی سمادھ پر جاتی تھی آخر خالصہ نے اسے راضی کرنے کی کوشش کی اور جنہوں نے اس کے بھائی کو مارا تھا۔ رانی کے حوالہ کرنے پر تیار ہو گئے۔ رانی راضی ہو گئی۔

# انگریزی راجیہ پنجاب میں

**انگریزوں کی آمد و ترقی**

جس زمانے میں مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے ایک مستحکم گورنمنٹ کی بنیاد ڈالی۔ اسی زمانے میں مغرب کی طرف سے یورپی اقوام تجارت کی غرض سے ہندوستان کو آئیں۔ اسی زمانے میں ہندوستان میں مذہبی اصلاح کی تحریک نے جا بجا اپنا اثر پیدا کیا جس کا نتیجہ مہاراشٹر اور پنجاب میں دو بڑی ہندو سلطنتوں کی قائمی تھی۔ یورپین اقوام سے چار بڑی قومیں ۔ پرتگیز۔ فرانسیسی ڈچ اور انگریز تجارت کے لئے ہندوستان میں آئے۔ ان میں سے فرانسیسیوں اور انگریزوں نے ملکی فتوحات کرنی شروع کر دیں

اور دونوں میں آپس میں مقابلہ ہونے کے بعد انگریز جیت گئے اور اُن کی حکومت آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ ہندوستان کی بادشاہت کے لیئے انگریزوں کا سب سے زبردست مقابلہ مرہٹوں اور سکھوں سے ہوا۔ ہماری تاریخ کا تعلق سکھوں اور انگریزوں کے مقابلے سے ہے لیکن تاکہ ہم اِس مضمون کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں ہمیں انگریزوں کے عروج کا تھوڑا بہت اجمالی حال معلوم ہونا ضروری ہے۔

دنیا کی تاریخ میں پچھلی چار صدیاں وہ زمانہ ہے۔ جس کے دوران میں یورپ کے لوگوں کا باقی ساری دنیا پر غلبہ پایا جاتا ہے۔ اِس غلبے کی ابتداء اُن سمندری سفروں کی بدولت ہوئی جن میں یورپی اقوام نے امریکہ کے وسیع بر اعظم اور افریقہ اور ایشیا کیلیئے سمندری رستے دریافت کئے اِن سمندری تحقیقاتوں کی تہ میں تجارت کو فروغ دینے کا خیال کام کرتا تھا لیکن تجارت کے ساتھ ساتھ ملکی فتح کے خیال کی موجودگی بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل یہ ایک کہاوت بن گئی ہے کہ یورپ کے لوگ پہلے اپنے سیاحوں کو سیر اور شکار کے لیئے دنیا میں بھیجتے رہے ہیں۔ اِن سیاحوں کے بعد مذہب کے پرچار کرنے والے مشنریوں کی باری آئی مشنری اپنے ساتھ تجاروں کو لے گئے اور اِن کے بعد تلواریں لیئے ہوئے سپاہی پہنچے جنہوں نے ملک کو فتح کرنا شروع کیا۔ اگرچہ سمندری سفر تجارت کی غرض سے ہوئے لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی عناد کی وجہ سے اُن کو بڑی مدد ملی۔ اِن دریافتوں کے راستے پر چلنے والی سب سے پہلی قوم اہل ہسپانیہ اور اہل پرتگال تھی جو کہ کئی صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت کے نیچے رہی اور جب اِن کے آزادی کے جذبے نے انقلاب پیدا کیا تو اِن کے دلوں میں مسلمان مالکوں کے برخلاف نفرت کی آگ ایسی بھڑکی کہ انھوں نے اُن کا تعاقب کرکے اُن کی ہستی کو مٹانے کا ہی ارادہ کر لیا۔

قدیم زمانہ میں اہل رُوما نے دُنیا کے مختلف حصّوں میں اپنی کالونیاں
(بستیاں) آباد کیں۔ اس زمانے میں اہل ہسپانیہ اور پرتگال پہلی قوم تھیں جنھوں نے
اپنی بستیاں پُرانی اور نئی دُنیا میں قائم کیں۔ ہسپانیہ والوں کے ساتھ انگریزوں اور ڈچ
لوگوں کی سخت دشمنی تھی۔ ہالینڈ ڈچ لوگوں کا وطن ہسپانیہ کی سلطنت کا ایک صوبہ
تھا۔ ہسپانیہ نے اُن پر مذہبی تعدّی اور حد سے ظلم کر کے اُن کو اپنا دُشمن بنا لیا
انگلینڈ کے پروٹسٹنٹ ہو جانے کی وجہ سے ہسپانیہ نے انگلینڈ پر حملہ کر کے اُس
کی طاقت کو توڑنا چاہا تھا۔ اِن دونوں قوموں نے ہسپانیہ کی تجارت اور غلبہ کو کم
کرنے کے لیئے اپنی بستیاں پھیلانے کا خیال کیا۔ ہسپانیہ کی کئی بستیوں پر ڈچ
لوگوں نے قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے ہندوستان کی تجارت اپنے ہاتھ میں لینے
کی جدّ و جہد شروع کی اور ملکہ الزبتھ کے وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بُنیاد رکھی۔
تاکہ ہندوستان کے ساتھ تجارت کا رشتہ قائم کرے۔ اِس کمپنی نے ہندوستان
کے مغربی اور مشرقی ساحل پر سورت۔ مدراس۔ کلکتہ وغیرہ مقامات پر تجارتی کوٹھیاں
بنائیں۔ کوٹھیاں بنانے کی خاص غرض یہ تھی کہ اُن دنوں انگلینڈ سے چل کر ہندوستان
کو جہاز کے آنے میں آٹھ دس ماہ خرچ ہوتے تھے۔ جہاز کے لیئے ہندوستان سے
مال بھیجنے اور خریدنے میں جتنا وقت زیادہ لگتا اُتنا ہی کمپنی کو نقصان کا ڈر تھا۔
اِس لیئے اِن کوٹھی داروں کا یہ کام تھا کہ وہ جہاز کے لیئے مال خرید رکھتے تھے اور
جہاز کا لایا ہُوا مال بیچنے کے لیئے لے لیتے تھے۔ جب یہ کوٹھیاں زیادہ مالدار ہو
گئیں تو اُنھوں نے اپنے لیئے کچھ محافظ اور اچھے مکان بنوانے شروع کیئے۔
اِن محافظوں کی تعداد بڑھ جانے سے یہ ایک چھوٹی سی فوج بن گئی اور مکانوں
کو زیادہ محفوظ بنانے سے اِن کو آہستہ آہستہ قلعے بنا لیا گیا۔ قلعے موجود تھے۔
سپاہی ساتھ ہو گئے۔ روپیہ موجود تھا۔ یہ سب مل کر پولیٹکل طاقت بڑھانے کا ایک

ایسا ذریعہ تھا جو کہ موقعہ آنے پر استعمال میں لانا معقول بات نہیں۔ انگریزوں کے ساتھ ساتھ دوسرے مقامات میں فرانسیسیوں نے بھی اس طرح اپنی کوٹھیاں قائم کرلی تھیں

ہندوستان کی پولیٹکل طاقت اورنگ زیب کی حکومت کے پچھلے حصے میں بہت کمزور ہوگئی اورنگ زیب کا مرنا تھا کہ دہلی میں تخت نشینی کے جھگڑوں نے مغل حکومت کا رہا سہا رعب بھی اڑا دیا۔ جتنے صوبے پایہ تخت سے ذرا دور تھے خود مختار بن بیٹھے۔ ان کی خود مختاری کسی ملکی یا قومی فائدے کی غرض سے نہ تھی۔ اس کی بنیاد صرف اُن کی ذاتی خود غرضی تھی۔ اس ذاتی خود غرضی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً ہر ایک جگہ پر جہاں کسی شخص نے خود مختار حکومت قائم کی۔ اس کے مقابلے پر دوسرے حریف پیدا ہوتے گئے اور جہاں ایسا نہ ہوا۔ وہاں اس کے مرنے کے بعد اس کے لڑکوں اور رشتہ داروں میں جانشینی کے متعلق جھگڑے شروع ہوگئے۔ جہاں قومی اور ملکی اخلاق کا معیار صرف ذاتی خود غرضی ہو جاتا ہے وہاں ان جھگڑوں کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔ یہ جھگڑے پہلے پہل کرناٹک اور حیدر آباد میں شروع ہوئے۔ دونو جگہ جھگڑے کرنے والوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ان اجنبی تاجروں کی امداد حاصل کریں اس امداد کا مانگنا ان لوگوں کو اپنے ملکی معاملات میں دخل دلانا اور اپنی کمزوریوں کو جتلانا تھا۔ ایک جگہ امداد دے کر اُن کو خاص علاقہ حکومت کے لئے مل گیا۔ اب اُن کی اپنی یہ کوشش ہوگئی کہ ان دیسی حکمرانوں میں پارٹیاں اور جھگڑے پیدا کئے جائیں اور اس ذریعے سے اپنی پولیٹکل طاقت کو بڑھایا جائے۔ ہمیں اس وقت یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ اتنے ہزار میل سے ایک چھوٹی سی قوم اتنے بڑے ملک پر کیونکر راجیہ کر سکتی ہے لیکن جب ہم اپنے لوگوں کا اخلاقی حالت اور

خود غرضی کا ایک طرف اور ان غیر ملکی سوداگروں کی لیاقت اور دُور اندیشی کا دوسری طرف مقابلہ کرتے ہیں اور اُس کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح ان سوداگروں کی آنکھوں کے سامنے کئی معمولی آدمیوں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اُن کو کوئی پوچھنے والا بھی نہ تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے انہیں یہ کیونکر خیال نہ آتا کہ وہ بھی اس مُلک میں جہاں حکومت کے لئے جُوئے کے داؤ لگائے جا رہے تھے اپنا داؤ لگا دیں۔ چونکہ وہ زیادہ سمجھدار اور دُور بین تھے۔ اُن کے داؤ کا کامیاب ہونا یقینی امر تھا۔ یہ داؤ فرانسیسیوں اور انگریزوں دونوں کی طرف سے لگائے گئے۔ انگریزوں میں اپنے مُلک اور قوم کی ہمدردی فرانسیسیوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اُن کو اپنے مُلک سے فرانسیسیوں کی نسبت زیادہ امداد ملتی رہی۔ اسلئے انگریزوں نے فرانسیسیوں کو اس میدان میں پچھاڑ دیا اور دکن میں انگریزوں کی طاقت غالب مانی جانے لگی۔ جو کچھ دکن میں ہوا، چند سال بعد وہی بنگال میں ہوا۔ بنگال کے حکمرانوں میں تخت نشینی کے متعلق اُسی خود غرضی کی بنا پر تفرقہ تھا جس میں ہر ایک اپنے ذاتی فائدے کو مُلکی فائدے پر ترجیح دیتا تھا اور اُدھر انگریز کمپنی کے افسر وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں پہلا خیال اپنے مُلکی فوائد کو مدِ نظر رکھنا تھا اور اس کے ساتھ اپنے لئے فائدہ اُٹھانا دوسری بات تھی۔ جہاں کہیں شخصوں اور آرگنائزیشن کے درمیان باہمی مقابلہ ہوتا ہے۔ شخصوں کی میعاد زندگی تک ہوتی ہے۔ آرگنائزیشن زیادہ دیرپا اور لمبی زندگی والی ہوتی ہے۔ اس لئے مقابلے میں شخص ہار جاتے ہیں اور آرگنائزیشن ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ انگریزوں کی کمپنی آرگنائزیشن تھی۔ اُس کے مقابلے پر محمد علی ہو یا چندا صاحب، سراج الدولہ یا میر جعفر دیر تک زندہ نہ رہ سکتے تھے۔

**مرہٹوں کا عروج** جب بنگال انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو انہیں مرہٹہ طاقت

سے مقابلہ پڑا۔ مرہٹہ طاقت کا بانی شواجی ہوا۔ اس وقت کوئی ہندوستانی ایسا نہ
ہوگا جو کہ شواجی کی دیش بھگتی کے متعلق شک کر سکتا ہو۔ شواجی کی غرض بلاشبہ گورو گوبند
کی طرح دکن میں ہندو راج قائم کرنا تھا۔ اگر شواجی کا مدعا اپنی ذات تک یا اپنے
خاندان تک محدود ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ شواجی کے مرجانے کے بعد آزادی کی جو
جدوجہد مرہٹوں نے چالیس سال تک اورنگ زیب کے برخلاف جاری رکھی
کبھی جاری رہ سکتی۔ شواجی کی سلطنت کی عظمت اس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ مہاراشٹر
کے ہر ایک بچے اور سردار کے دل میں مرہٹہ حکومت سے اتنا پیار ہو گیا تھا کہ
وہ اُسے اپنی سمجھنے لگ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مرہٹہ سردار اور سپاہی کسی راجہ یا لیڈر
کے بغیر اتنے سال تک لگاتار شاہی فوج سے لڑتے رہے۔ اس چالیس سال کی جدوجہد میں
مرہٹہ لوگوں میں صبر۔ استقلال مصیبتوں کے برداشت کی طاقت اور دور اندیشی
وغیرہ اوصاف پیدا ہو گئے جن سے ان سب کو ایک حکمران جماعت بننے کے لائق بنا دیا
اس جدوجہد میں ہی ایک اور بڑا لیڈر بالاجی وشوا ناتھ پیدا ہوا جو کہ معمولی پٹواری
کی حیثیت سے ترقی کرتا ہوا اپنی لیاقت کی وجہ سے پیشوا بن گیا۔ بالاجی وشوا ناتھ
کے خاندان میں پیشوائی عہدہ موروثی ہو گیا اور تھوڑے عرصے میں پیشوا کا درجہ
مرہٹہ گورنمنٹ کے پردھان کا ہو گیا۔ بالاجی وشوا ناتھ نے ہی اُن تمام مرہٹہ
سرداروں کو جنھوں نے مختلف علاقے فتح کر کے اپنی اپنی ریاستیں بنائی تھیں
ایک کان فیڈریشن کے رشتے میں باندھے رکھا۔ شواجی کے خاندان کا کوئی ایک
طاقتور راجہ نہ رہنے سے مرہٹہ سردار سندھیا۔ ہلکر۔ گائکواڑ۔ بھونسلا وغیرہ اپنے
آپ کو اپنی ریاستوں میں خود مختار راجہ سمجھتے تھے۔ مرہٹہ مرکزی گورنمنٹ کا ان
پر صرف اخلاقی دباؤ تھا۔ پیشواؤں کی گورنمنٹ کی بڑی کمزوری ہی یہ تھی کہ اُن کے
ہاتھ میں اس اخلاقی دباؤ کے علاوہ اور کوئی طاقت نہ تھی جس سے وہ ان مرہٹہ

سرداروں کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔ یہی کمزوری آخرکار مرہٹہ گورنمنٹ کی تباہی کا باعث ہوئی۔

مرہٹہ سلطنت میں پیشواؤں کی پوزیشن کئی باتوں میں سکھ گوروؤں سے ملتی ہے۔ ان پیشواؤں میں پہلے چار پیشوا حقیقت میں بڑے انسان ہوئے ہیں۔ بالاجی وشوا ناتھ۔ شواجی کے بعد مرہٹہ سلطنت کا سچا ڈھنک ہوا۔ اس کے بیٹے باجی راؤ دوسرے پیشوا کے وقت میں مرہٹہ فوجیں دہلی میں جا پہنچیں اور مرہٹوں نے اپنے سامنے ہندوستان میں ہندو راجیہ کی قائمی اپنا آدرش بنا لیا۔ ہم یہ دیکھ گئے ہیں کہ دہلی سے چل کر مرہٹہ سردار رگھوبا لاہور پہنچا اور تھوڑے عرصے کے لئے اٹک تک مرہٹوں کا جھنڈا لہراتا رہا۔ ایک طرف مرہٹہ فوج دہلی اور پنجاب تک اپنی حکومت پھیلا رہی تھی۔ دوسری طرف انہیں بنگال کا بھی فکر لگا ہوا تھا۔ بنگال کے انگریزوں کے ہاتھ چلے جانے پر مرہٹہ فوجیں تیاری کر رہی تھیں کہ دہلی سے چل کر بنگال پر حملہ کریں۔ اچانک احمد شاہ ابدالی کے حملے نے اُن کی توجہ بنگال سے ہٹا دی۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی وہ مشہور لڑائی ہوئی جس میں مسلمان نواب احمد شاہ کی مدد میں لڑتے تھے اور راجپوت اور ہندو جاٹ مرہٹوں کی امداد میں۔ پانی پت ہندوستان کے لئے ہمیشہ مہلک ثابت ہوا ہے۔ اس لڑائی میں بھی نتیجہ ہندوؤں کے برخلاف ہی رہا۔ مرہٹوں کے بڑے بڑے سردار میدان میں مارے گئے اور ساری مرہٹہ فوج تباہ ہو گئی۔ اس شکست کا صدمہ تیسرے پیشوا بالاجی باجی راؤ کے لئے ایسا سخت ہوا کہ اُس نے اپنی جان دیدی۔ اُس کا بیٹا مادھو راؤ جو اُس کی جگہ جانشین تھا اتنا ذہین ہر دلعزیز اور لیاقت رکھتا تھا کہ اُس کے بیٹھتے ہی مرہٹوں میں نئی جان آ گئی اور تھوڑے ہی سالوں میں مرہٹے پھر دہلی پر جا قبضہ کیا۔ لیکن اس عرصہ میں انگریزوں کا رعب وداب بنگال

سے آگے بڑھنا شروع ہوگیا اور ایک لڑائی میں انھوں نے اودھ کے نواب
وزیر اور دہلی کے بادشاہ شاہ عالم کو شکست دے کر بادشاہ کو کورہ۔ الہ آباد وغیرہ
چار اضلاع دے کر اپنا پنشن خوار بنا لیا تھا۔ مرہٹوں نے دہلی پہنچ کر نجیب الدولہ
کو اپنے ہاتھ میں کر لیا اور اُس کی معرفت بادشاہ شاہ عالم کو انگریزوں کے
پنجے سے چھڑا کر دہلی آنے کی اجازت دی۔ شاہ عالم اس بات پر راضی ہو
گیا۔ بنگال کے انگریز مرہٹوں کی اس چال کو سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ
شاہ عالم کا مرہٹوں کے ہاتھ میں چلا جانا دہلی میں مرہٹہ سلطنت کو مضبوط
کر کے انگریزوں کی طاقت کو کم کرنا تھا۔ اُنہوں نے شاہ عالم کو بہلانے
اور اپنے پاس رکھنے کی ہر چند کوشش کی مگر جب شاہ عالم اُن کے ہاتھ سے
چلا گیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اب انہیں مرہٹہ طاقت سے مقابلہ کرنا پڑیگا
اتنے میں وارن ہیسٹنگز گورنر مقرر ہو کر کلکتہ آیا اور آتے ہی اُس نے مرہٹوں
کے برخلاف چالیں چلنی شروع کر دیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر ناگپور
کے بھونسلا راجہ کو پیشوا کے برخلاف کرنا اور اپنے ساتھ دوستی کے لئے
تیار کرنا تھا۔ شاید ان چالوں کے نتیجہ نکلنے میں دیر لگتی لیکن مادھو راؤ پیشوا
کی موت نے جو کہ اچانک اس وقت واقع ہوگئی۔ مرہٹہ گورنمنٹ میں ایسا
انقلاب پیدا کیا کہ اس سے مرہٹہ قوم کی ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ مرہٹہ
سلطنت کے لیے مادھو راؤ کی موت پانی پت کی شکست سے زیادہ مہلک
ثابت ہوئی۔ مادھو راؤ کا چھوٹا بھائی نارائن راؤ گدی پر بیٹھا۔ اُس کا چچا
راگھوبا (رگھوناتھ راؤ) خود گدی پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ اُس کی عورت آنندی
بائی نے نارائن راؤ کو قتل کرا دیا اور راگھوبا اُس کی جگہ پیشوا بن بیٹھا۔ مرہٹہ
گورنمنٹ کے سب وزیر جنکا لیڈر نانا فرنویس تھا راگھوبا کو قاتل سمجھ کر نفرت

کرتے تھے اور جونہی نارائن راؤ کی بیوی نے ایک بچے کو جنم دیا اُنہوں نے اُس بچے مادھو راؤ نارائن کو گدی پر بٹھا کر پیشوا تسلیم کر لیا۔ راگھوبا اس سے ناراض ہو کر بمبئی میں انگریزوں کے پاس چلا گیا اور اُن سے گدی حاصل کرنے کیلئے امداد طلب کی۔ مدراس اور بنگال میں اس نیتی پر چلکر انگریزوں نے اپنی تجارت کے ساتھ پولیٹیکل طاقت قائم کر لی تھی۔ بمبئی کے انگریز کسی ایسے موقعہ کی تلاش میں تھے۔ خُدا نے اُنہیں یہ موقعہ دیا۔ وہ اس سے فائدہ اُٹھانے سے کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ اُنہوں نے راگھوبا کی امداد میں فوج دیکر مرہٹہ گورنمنٹ کے خلاف پُونا روانہ کی لیکن بمبئی کے انگریزوں کے لئے بنگال اور مدراس کی طرح آسان شکار نہ تھا۔ قریباً بارہ سال تک انگریزوں کا مرہٹوں سے جنگ ہوتا رہا اس میں حیدر علی نظام دہلی کا بادشاہ سب نانا فرنویس کے ساتھ تھے۔ اگر اس وقت انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں بچ رہی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان سب کے مقابلے پر بنگال کا گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نہایت چالاک اور دانشمند تھا۔ جس نے اپنی محنت اور لیاقت سے انگریزی حکومت کو بچا لیا۔ دہلی میں مرہٹوں کی حکومت قائم ہو گئی اور یہ خیال تھا کہ مرہٹے ہندوستان میں ایک غالب طاقت کے طور پر رہینگے لیکن جہاں پر وارن ہیسٹنگز کے چلے جانے پر اُس کے قائم مقام اس سے بھی زیادہ لیاقت والے اور ہوشیار تھے۔ مرہٹوں کے لیڈروں نانا فرنویس۔ مہادا جی سندھیے اور تکاجی ہلکر وغیرہ کے مر جانے پر مرہٹہ ریاستوں کی حکومت ایسے ناتجربہ کار نوجوانوں کے ہاتھوں میں آگئی جنکو ایک دوسرے کے برخلاف حسد کے سوا اور کچھ کام ہی نہ تھا۔ پہلا جنگ ۱۷۸۲ء میں ختم ہوا تھا اسکے بعد لارڈ ویلزلی ہندوستان کا گورنر جنرل ہو کر آیا۔ اُس کا بھائی جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہوا کمانڈر انچیف تھا جبکہ اُنہوں نے پیشوا باجی راؤ ثانی۔ دولت راؤ سندھیے اور جسونت راؤ

ہلکر کے درمیان تفرقہ پیدا کر کے ایک ایک کے ساتھ جنگ کیا اور اُنہیں شکست دیکر ۱۸۰۳ء میں دہلی کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی جس سے یہ فیصلہ ہو گیا کہ ہندوستان کی اعلیٰ حکومت مرہٹوں کی بجائے انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی

**انگریز اور سکھ ایمپائر**

جب اِدھر ہندوستان کی حکومت کا فیصلہ انگریزوں کے حق میں ہو رہا تھا پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ سکھ مثلوں کو فتح کر کے سکھ ایمپائر کی بُنیاد ڈال رہا تھا۔ وہ انگریز جنہوں نے آہستہ آہستہ مدراس اور بنگال سے چلکر دہلی پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ سکھ ایمپائر کے عروج کو لاپرواہی سے دیکھ سکتے تھے۔ اُس وقت دو باتیں ممکن ہو سکتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اُس وقت تک انگریزوں کے دل میں پنجاب کو فتح کرنے کی خواہش ہی پیدا نہ ہوئی ہو۔ اُن کا ارادہ اپنی حکومت کو دہلی تک ہی محدود رکھنے کا ہو۔ دوسرا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ انگریز شمال مغربی حملہ آوروں اور اپنی حکومت کے درمیان میں ایک اور طاقت کا ہونا ضروری سمجھتے ہوں جو کہ حملہ آوروں کے حملے کو روک سکے اور اُن کے لئے حفاظت کا کام کر سکے۔ کچھ ہی وجہ ہو انگریز مہاراج رنجیت سنگھ کی طاقت کو بڑھتے ہوئے چُپ چاپ دیکھتے رہے۔ اُنہیں اگر فکر پیدا ہُوا تو ایک موقعہ وہ تھا جب اُن کو ایران اور افغانستان کی طرف سے ہندوستان پر نپولین کے حملے کا ڈر تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے اپنے قاصد ایران میں اور مہاراج رنجیت سنگھ کے دربار میں روانہ کئے تاکہ مہاراج کے اور اپنے درمیان حدود کا فیصلہ کر کے مہاراج کے ساتھ دوستی کا ایک مُستقل عہد نامہ کر لیں۔ اِس کے ساتھ ہی دوسرا موقعہ اِس وقت ہُوا جبکہ ستلج پار کی سکھ ریاستوں کو مہاراج رنجیت سنگھ سے ڈر پیدا ہُوا کہ کہیں باقی مثلوں کی طرح مہاراج اُن کو بھی اپنی سلطنت میں شامل نہ کر لے اِس لئے پٹیالہ۔ نابھہ اور جیند کی ریاستوں نے اپنے سرداروں کی ایک کونسل بنا

بلاکر فیصلہ کرنا چاہا کہ وہ رنجیت سنگھ کے ساتھ اتحاد پیدا کریں یا انگریزوں کیساتھ
اُس وقت اُن کے پاس رنجیت سنگھ کی طرف سے اور انگریزوں کی طرف سے
قاصد آئے ہوئے تھے۔ اس کونسل میں کہا جاتا ہے کہ ایک سردار نے اُٹھکر یہ کہا،
"رنجیت سنگھ سرہند سے اور انگریز تیپنق ہیں۔ ہمارے لئے انگریز اچھے ہیں کیونکہ
زیادہ دیر تک تو جیتے رہیں گے۔" انہوں نے انگریزوں کے ساتھ دوستی کا فیصلہ
کر لیا اور انگریزوں نے ان ریاستوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب کبھی مہاراج
رنجیت سنگھ کی فوج ان کے علاقے پر دست اندازی کرتی تھی، انگریز ہمیشہ
ان کی حفاظت کے لئے تیار رہتے تھے۔ جب انگریزوں نے سندھ پر اپنا
تسلط کرنے کا ارادہ کیا تو مہاراج رنجیت سنگھ کی خواہش خود سندھ کو اپنے
قبضے میں لانے کی تھی لیکن انگریزوں کو بضد دیکھ کر وہ اُن کے ساتھ لڑنے پر
تیار نہ ہوا۔ جب انگریزوں کو افغانستان پر حملہ کرنے کی ضرورت ہوئی تو مہاراج
نے اُن کی فوج کو گزرنے کی اجازت اور امداد دی۔
انگریزوں کو یہ یقین تھا کہ شخصی حکومت خاص شخصوں کی لیاقت اور بہادری
پر انحصار رکھنے کی وجہ سے بہت دیر پا نہیں ہو سکتی۔ وہ چپکے سے سکھ بھیا پڑ کے
انجام کا انتظار کرتے رہے۔ وہ انجام مہاراج کی موت کے بعد نزدیک دکھائی دینے
لگا اور جب خالصہ نے لاہور میں بے چینی اور گڑبڑ پیدا کر دی تو کون کہہ سکتا ہے
کہ انگریزوں کے دل میں پنجاب لینے کی زبردست خواہش پیدا نہ ہو گئی ہو۔ اگرچہ
ظاہر طور پر عہد نامہ بھی موجود تھا اور انگریز کہتے بھی رہے کہ وہ اپنی طرف سے تمام
شرائط پر قائم ہیں لیکن اُن کی حرکات سے یہ صاف پایا جاتا تھا کہ وہ خالصہ کے
ساتھ ٹکر کھانے کا موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔
مہاراج شیر سنگھ کے وقت میں جب خالصہ بہت جوش میں تھا تو انگریزوں نے

شیر سنگھ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ہم بارہ ہزار فوج لیکر تمہارے خالصہ کو سیدھا کر سکتے ہیں۔ اگر تم اس کے بدلے چالیس ہزار روپیہ اور ستلج کا جنوبی علاقہ ہمیں دیدو۔ شیر سنگھ اُسے کیسے منظور کر سکتا تھا۔ اگر وہ اس کا خیال بھی لاتا تو اُسے اپنی جان کے دینے کا ڈر تھا۔ اس وقت خالصہ میں یہ عام افواہ پھیلنی شروع ہوگئی تھی کہ انگریز پنجاب میں اپنا قابو جمانا چاہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ افغانستان میں انگریز ایجنٹ نے یہ ظاہر کیا کہ پنجاب کے ساتھ انگریزوں کا عہد نامہ ختم ہوچکا ہے اور وہ پشاور کو سکھوں سے چھین کر افغانستان کے حوالے کردیں گے۔ اگرچہ ۱۸۰۹ء کے عہد نامے میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ انگریز سکھ راجیہ کے نزدیک کوئی چھاؤنی نہیں بنائیں گے لیکن تھوڑی دیر پیچھے ہی انگریزوں نے لودھیانہ میں اپنی مستقل چھاؤنی بنالی۔ فیروزپور رنجیت سنگھ کے وقت میں رانی لچھمن کور کے ماتحت تھا۔ لچھمن کور کی موت ہو جانے پر انگریزوں نے اپنا تسلط اس پر جمانا چاہا اور یہ کہا کہ وہاں پر صرف ایک برس کے لئے بارہ ہزار فوج رکھی جائے گی لیکن افغانستان کے جنگ شروع ہو جانے پر انہوں نے یہاں بھی مستقل چھاؤنی بنالی۔ ۱۸۳۸ء میں پنجاب کی سرحد پر انگریزوں کی پچیس سو فوج اور چھ توپیں تھیں۔ لارڈ آکلینڈ کے عہد میں اُسے آٹھ ہزار کردیا گیا۔ لارڈ ایلن برا نے اُسے چودہ ہزار کردیا۔ لارڈ ہارڈنگ کے آنے پر یہ فوج تینتیس ہزار ہوگئی اور چھ توپوں کی جگہ اڑسٹھ توپیں ہوگئیں۔ اس فوج کے بڑھنے سے بھی یہ شک بڑھتا جاتا تھا کہ کہیں اس کی غرض پنجاب پر حملہ نہ ہو۔ ایسے ایسے کئی اور چھوٹے موٹے واقعات ہوئے مثلاً سندھ کی سرحد پر انگریزوں کی سکھ سرداروں سے چھیڑ چھاڑ اور انگریزوں کا ملتان کے گورنر مولراج کو سکھ دربار کے برخلاف اُکسانا۔ یہ سکھوں کو چڑھانے کے لئے کافی تھے لیکن انہی پر اکتفا نہ کرکے میجر براڈفٹ نے لودھیانہ کے پاس

کا کچھ سکھ علاقہ اس بہانے پر دبا لیا کہ انگریزی علاقے کے مجرم وہاں پر بھاگ جاتے
ہیں اور اُن کی سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ادھر سے یہ سب باتیں سنکر خالصہ کا خون
اُبل رہا تھا اور دوسری طرف لاہور دربار میں ایسے سرداروں کی کمی نہ تھی جو کہ خالصہ
کی طاقت سے ڈرتے تھے اور اُن کو تباہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ مہارانی
جنداں کی اپنی حالت نازک ہو رہی تھی۔ روپیہ کی آمد بند ہو چکی تھی۔ خزانہ خالی تھا
اور خالصہ کو قابو میں رکھنا اُس کے لئے ناممکن ہو گیا۔ اس لئے اُسے بھی خالصہ کے
بچنے کا ایک ہی علاج سوجھتا تھا کہ اُسے انگریزوں کے ساتھ جنگ میں لگا دے
اس لئے یہ جھوٹی افواہیں پھیلانی شروع کر دی گئیں کہ انگریزی فوج ستلج کے جنوبی
اور مشرق کی طرف بڑھ رہی ہے اور اُس طرف کے سکھ سرداروں کی جعلی چٹھیاں
بنا کر دکھلائی گئیں کہ انگریز افسر اُس علاقے کی سکھ رعیت کو تنگ کر رہے ہیں۔
ان افواہوں کا چرچا لاہور میں اس قدر ہو گیا کہ لاہور شہر میں انگریزوں کے آجانے کا
ڈر ہر وقت محسوس ہونے لگا۔ ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شالامار باغ
میں نومبر ۱۸۴۵ء میں خالصہ سرداروں اور پنچایتوں کا ایک اجلاس کیا گیا جس
میں دیوان دینا ناتھ نے ایک چٹھی پڑھ کر یہ سب حالات اُن کے سامنے رکھے
اور مہارانی جنداں وزیر لال سنگھ اور سپہ سالار تیج سنگھ کی تجویز اُن کے سامنے
رکھی کہ انگریزوں سے جنگ کرنا ضروری ہے۔ سب سرداروں اور پنچوں نے
اس تجویز کو منظور کر لیا۔ سب سردار اور سکھ لوگ مہاراج رنجیت سنگھ کی سمادھ
پر اکٹھے ہوئے۔ وہاں راجہ لال سنگھ اور سردار تیج سنگھ کو اس جنگ کے لئے
کلی اختیار ملے۔ سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ سب سرداروں اور پنچوں نے مہاراج
کی سمادھ پہ قسم اٹھائی کہ ہم سب مہاراج دلیپ سنگھ کے وفادار رہیں گے اور
راجہ لال سنگھ اور تیج سنگھ کی ہر حالت میں فرمانبرداری کریں گے اور مہاراج کے

ملک میں انگریزوں کا قدم آنے سے پہلے ہی اُن کے ساتھ جنگ کریں گے۔
۱۷ نومبر ۱۸۴۵ء کو مندرجہ ذیل چار وجوہات لکھکر انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا ا۔ انگریزوں نے پنجاب پر چڑھائی کرنے کی تجویز پکی ہے اور پہلے اُن کی فوج ستلج کی طرف بڑھی ہے ۲۔ فیروزپور کے انگریزی خزانے میں راجہ سوچیت سنگھ کا اٹھارہ لاکھ روپیہ جمع ہے اور لاہور دربار کے مانگنے پر انگریز افسروں نے اُسے دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ۳۔ مرحوم راجہ سوچیت سنگھ کی سب جائداد پر لاہور کا حق ہے۔ ۴۔ ستلج کے جنوب میں جو علاقے ہمارے ماتحت ہیں اُن میں انگریزی سرکار نے سکھ فوج کو آنے جانے سے منع کر دیا ہے۔ خالصہ کے دل میں مدت سے انگریزوں کے برخلاف نفرت کی آگ سُلگ رہی تھی۔ خالصہ نے یہ قدم اٹھا کر اس پر چنگاری ڈالنے کا کام کیا۔ اس سے جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

**انگریزوں سے جنگ**

جنگ کو شروع کرتے ہوئے خالصہ میں غیر معمولی جوش پایا جاتا تھا۔ خالصہ سپاہیوں نے عزت اور بے عزتی کی پرواہ نہ کرکے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام خود اپنے ہاتھوں سے کئے۔ اپنے ہاتھوں سے اُنہوں نے گاڑیوں پر رسد لادی۔ گھوڑوں کی جگہ آپ ہی توپوں کی گاڑیوں کو کھینچا۔ خالصہ نے خود ہی سڑکیں صاف کیں۔ آپ ہی جال کردیا پر کشتیوں سے پُل باندھے۔ وہ آپ ہی پابند تھے وہی کیمپ سیٹ تھے اور وہی لڑنے والے سپاہی تھے۔ ۱۹ ر تاریخ کو اُنہوں نے جنگ کا اعلان کیا۔ ۱۱ر دسمبر وہ ستلج پار ہو گئے اور ۱۶ر دسمبر کو اُنہوں نے اپنے آنے کی اطلاع انگریزوں کو دی۔ انگریزوں نے سکھوں کے اعلان کا جواب ایک اور اعلان میں دیا جس میں یہ کہا گیا کہ سکھ فوج نے بغیر کسی وجہ کے انگریزی علاقے پر حملہ کیا ہے۔ سرکار انگریزی کی عزت اس بات کی مقتضی ہے کہ اقرار توڑنے والوں کو اچھی طرح سے سزا دے

اُس وقت سے ستلج کے بائیں طرف کا جتنا علاقہ مہاراج دلیپ سنگھ کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ اُسے سرکار انگریزی کے ماتحت سمجھا جائے گا۔ اِس اعلان سے پہلے ہی انگریز آنے والے خطرے سے خبردار تھے اور جنگ کی پوری طیاری کر رکھی تھی۔ انبالہ سے ستلج تک تیس ہزار فوج آگے موجود تھی اور سکھوں کے پار اُترنے کی خبر سُنکر انبالہ، لودھیانہ اور فیروزپور کے انگریزوں نے اپنی اپنی فوجیں بھیجدی تھیں لیکن انگریزی فوج سکھوں کے مقابلے میں آئی نہ تھی اور وہ یہ سمجھے تھے کہ خالصہ صرف گھمنڈی ہے۔ لڑائی کا بہادر نہیں ہے۔ انگریزوں کی تھوڑی سی قواعدداں فوج اُن کو مار کر بھگا دے گی۔ ابھی اِن کے اندر ہی انگریزوں کو پتہ لگتا تھا کہ انگریزوں کا خیال بالکل ایک وہم سا تھا۔ خالصہ کی بہادری اور قربانی میں کوئی فرق نہ تھا اگر اُن کی قسمت میں کوئی پھیر تھا تو اُس کا سبب اُن کے سالاروں کی غداری تھی۔ یہ امر اگر اُس وقت کے خالصہ سے بالکل پوشیدہ ہو۔ آج دن کی طرح عیاں ہے کہ فوج کے دو نو افسروں لال سنگھ اور تیج سنگھ کا مدعا یہ لڑائی کر کے صرف خالصہ کو تباہ کرنا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ مہارانی جنداں اُن کی خواہش اور عمل میں بالکل شریک تھی۔ جس فوج کے اپنے مالک اُس کی تباہی پر تُلے ہوئے ہوں۔ اُن کو کسی طرح کی بہادری اور قربانی بچا نہیں سکتی فیروزپور میں سر لٹر کے ماتحت آٹھ ہزار انگریزی فوج موجود تھی۔ جب لال سنگھ اپنی سکھ فوج کو لئے ہوئے ستلج پار اُترا تو اُس نے فوراً انگریز ایجنٹ مسٹر نکلسن کو ایک خفیہ چٹھی لکھی۔ "آپ جانتے ہونگے کہ میں انگریزوں کا دوست ہوں۔ میں سکھ فوج کے ساتھ ستلج پار آگیا ہوں۔ اب آپ مجھے کہئیے کیا کرنا چاہئیے؟" اِس کا جواب نکلسن نے دیا۔ "اگر آپ انگریزوں کے دوست ہیں تو آپ فیروزپور پر حملہ مت کیجئے۔ جتنے دن دیری ہو سکے اُتنی دیری کرکے اپنی فوج کو گورنر جنرل کے مقابلے پر

سے جائے۔" لال سنگھ نے ایک فرمانبردار نوکر کی طرح اس ہدایت پر عمل کیا تھا اور فیروزپور پر حملہ کرنے کے لئے کہتا تھا۔ لال سنگھ اور تیج سنگھ دونوں نے ان کے کہنے کو یہ کہہ کر ٹال دیا۔ "گورنر جنرل کو قید کرنے پر آئے مار ڈالنے پر ہی خالصہ فوج کی شہرت تمام اطراف میں پھیل جائے گی۔ انگریزوں کے بڑے سپہ سالار کے بغیر کسی اور سے لڑنا ہم اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں۔" سیدھے سبھاؤ والا خالصہ اس دھوکے کے جال کو سمجھ نہ سکا۔ اگر تیج سنگھ اور لال سنگھ اپنی فوج اور اپنے راجیہ سے غداری کرنے پر طیار نہ ہوتے تو اس لڑائی کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوتا۔ ۱۸ دسمبر کا دن سکھوں کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے جبکہ فیروزپور سے بیس میل کے فاصلے پر مُدکی کے میدان میں انگریزی اور سکھ فوج کا آپس میں مقابلہ ہوا۔ دو ہزار سکھ سوار اور آٹھ نو ہزار پیادہ فوج کو بائیس توپوں کے ساتھ انگریزی فوج کے مقابلے پر کھڑا کر کے لال سنگھ خود میدان سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا دلی منشا یہ تھا کہ بغیر افسر کے سکھ فوج لڑ کر انگریزی فوج کے ہاتھ سے کٹ کر مر جائے گی۔ سکھ فوج نے بغیر اپنے افسر کے لڑائی میں ایسی بہادری دکھلائی کہ انگریزی فوج کے چھکے چھوٹ گئے۔ انگریز افسر تعجب میں تھے کہ کس طرح سکھ فوج کے بغیر کسی لیڈر کے ایسی جانبازی سے لڑ رہی ہیں کہ اُن کے سپاہیوں کو پیچھے بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑتی ہے۔ انگریز افسروں کو اپنے سپاہیوں کو آگے لے جانے میں بڑی مشکل پیش آتی تھی۔ یہانتک بیان کیا جاتا ہے کہ سکھوں کی بہادری کو دیکھ کر انگریزی فوج میں ایسی گڑبڑ مچ گئی کہ اُنہوں نے آپس میں ہی ایک دوسرے پر گولی چلانی شروع کر دی۔ اس گڑبڑ میں انگریز افسر نے سنگین کے ساتھ دھاوا کا حکم بول دیا۔ بغیر اپنے افسر کے سکھ فوج نے اس حملے کے مقابلے پر بے نظیر بہادری کا ثبوت دیا۔ میدان سے پیچھے ہٹتے ہوئے وہ ادھر اُدھر تتر بتر نہیں ہوئے

بلکہ برابر اڑھائی کوس تک پیچھے ہٹتے گئے اور لپے حملہ آور دشمن کا مقابلہ کرتے گئے اور رات آجانے پر لڑائی کو ختم کرنا پڑا۔ اس لڑائی میں انگریزی فوج کا بہت نقصان ہؤا اور جو گورے سپاہی یا افسر سکھوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے انہیں بڑی عزت کے ساتھ سکھوں نے انگریزی فوج میں پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک لفٹیننٹ وڈلف تھا۔ واپس جانے پر اُسے یہ ڈر معلوم ہؤا کہ شاید اُسے راستے میں مار دیا جائے۔ ایک سکھ سپاہی چھاؤنی سے پانچ کوس دُور تک اُسے پہنچا آیا۔ سکھوں کی اِس فراخ حوصلگی پر لارڈ ہارڈنگ بہت خوش ہؤا اور اُس نے وڈلف کو لڑائی میں حصہ لینے سے روک دیا۔ ایک بارکٹی گورے راستہ بھُول کر سکھ فوج میں آگئے۔ سکھوں نے ایک ایک روپیہ راہ خرچ دیکر روانہ کر دیا۔

۱۲ دسمبر کو لارڈ گف نے جو کہ انگریزی فوج کا کمانڈر انچیف تھا اپنی فوج مسٹر لٹلر کی فوج سے ملا دی۔ یہ دونو فوجیں پھیروشہر پر اکٹھی ہوئیں جو مقام فیروزپور اور مُدکی کے درمیان پانچ کوس کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ لارڈ ہارڈنگ نے جو کہ ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ اپنے درجے کی کچھ پرواہ نہ کرکے اپنے آپ کو لارڈ گف کے ماتحت کام کرنے کے لئے پیش کر دیا تاکہ ایسا کرکے اپنی فوج کے حوصلے کو بڑھاوے۔ انگریزی فوج میں اٹھارہ ہزار سپاہی اور ۶۵ توپیں تھیں جس سے اُنہوں نے پھیروشہر پر حملے کرنے کا ارادہ کیا۔ اِدھر سکھ بہادروں کے دل میں بھی ایک ہی خیال کام کرتا تھا۔ یا تو فتح حاصل کریں نہیں تو دیوی کے سامنے اپنے آپ کو قربان کر دیں۔ انگریزی حملوں اور توپوں نے اور سکھوں کی فوج کا کچھ بگاڑ نہ سکی۔ جب سکھوں کی توپوں کا نشانہ لگنے لگا تو اس سے ایک تو انگریزی رسد کی بھری ہوئی گاڑیاں چکنا چُور ہوگئیں اور بارُود کے ڈھیر میں آگ لگ جانے سے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ گھمسان دُپہر رات تک جاری رہا اور دونو فوجیں

اپنی جگہ پر ڈٹی رہیں لیکن رات پڑتے پڑتے انگریزوں کی فوج کا بایاں حصہ ٹوٹ گیا اور لٹلر کو اپنی فوج کے ساتھ بھاگنا پڑا۔ گلبرٹ کی فوج کو بھی اپنی جگہ چھوڑنی پڑی۔ لارڈ ہارڈنگ کے لئے یہ حالت ناقابلِ برداشت تھی۔ سانس سے اپنی گھڑی اور تمغے اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دے کر یہ ارادہ کیا کہ وہ لڑائی میں اپنی جان دیدیگا یا فتح حاصل کر کے انگریزی قوم کی عزت رکھیگا۔ سکھوں کی ایک توپ سر لحہ گولہ باری کرتی تباہی مچا رہی تھی۔ لارڈ ہارڈنگ جان کی پرواہ نہ کر کے کچھ ساتھیوں کے کردوڑا ہوا اُس توپ کے پاس پہنچا اور کیل سے اُس کا منہ بند کر دیا۔ ایک طرف تو انگریزی فوج کے افسر اپنی قوم کے لئے جان ہاتھ میں لئے ہوئے میدان میں آئے تھے اور دوسری طرف سکھوں کی فوج کے افسروں کی غداری کا کیا کہیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سکھ فوج کا ایک حصہ کھڑا تھا۔ اگر وہ اس موقعہ پر سکھ فوج کے ساتھ شامل ہو جاتا تو انگریزی فوج کا ایک سپاہی بھی بچنے نہ پاتا۔ لال سنگھ نے اُس کو لڑنے کی اجازت نہیں دی اور جب سکھ فوج نے اُن کو بلانے کے لئے بار بار کہا تو جواب دیا کہ اُس فوج پر انگریزی فوج کا حملہ ہونیوالا ہے۔

رات آنے پر لڑائی بند ہو گئی لیکن اُس رات کو انگریزوں کے دلوں میں کیا خیال گزر رہے تھے۔ اُس چٹھی سے ظاہر ہوتے ہیں جو کہ لارڈ ہارڈنگ نے انگلینڈ کے وزیر اعظم لارڈ پیل کو اُس رات کے متعلق لکھی۔ لارڈ ہارڈنگ لکھتا ہے "وہ رات میری زندگی میں ایک غیر معولی رات تھی۔ میں بغیر کھانے اور بغیر کپڑے کے اپنے آدمیوں کیساتھ لیٹا رہا۔ راتیں اُس وقت بہت سرد تھیں اور ایک آگ پھینکنے والا دشمن ہمارے سامنے تھا۔ ہمارے بہادر سپاہی رات بھر گولہ باری کے نیچے پڑے رہے۔ کبھی کبھی سکھوں کے نعرے کی آواز بھی آتی تھی یا مرتے ہوئے آدمیوں کی چیخ پکار سنائی دیتی تھی۔ اس حالت میں تھوڑے سے آدمیوں

کے ساتھ میں صبح تک گا ہے بگا ہے تھوڑا تھوڑا آرام کر کے وقت گذارتا تھا۔ کبھی میں ایک پلٹن کے پاس جاتا تھا اور کبھی دوسری کے تاکہ اُن کے حوصلے کو قائم رکھ سکوں۔ جو کوئی مجھ سے پوچھتا تھا میں یہی جواب دیتا تھا کہ ہمیں صبح ہوتے ہی دشمن پر ایسا حملہ کرنا چاہیئے کہ یا ہم دشمن کو پچھاڑ دیں یا میدان میں جان دیکر سرخروئی حاصل کریں۔ جب صبح ہوئی ہم نے ٹھیک انگریزی طریقے پر اپنا کام شروع کیا۔ صبح ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ انگریزی فوج نے لال سنگھ کی فوج کی بُری گت بنائی۔ پاس میں ہی تیج سنگھ فوج لئے ہوئے کھڑا تھا لیکن اُس نے اپنی فوج کو لڑنے کی اُس وقت تک اجازت نہ دی جبتک انگریزوں کا ایک نیا دل طیار ہو کر سکھوں پر ٹوٹ پڑا۔ تیج سنگھ کی فوج آتے ہی انگریزی فوج کے دل ایسے گھبرائے کہ اُن کا قدم میدان سے اکھڑ گیا۔ سکھوں کا مورخ کنگھم لکھتا ہے کہ اُس واقعہ نے جو کسی سچے آدمی کو لڑائی جاری رکھنے کے لئے حوصلہ دیتا غدار تیج سنگھ پر جو کہ سکھ فوج کا افسر تھا اُلٹا اثر پیدا کیا۔ اُس نے اچانک گولہ باری بند کرنے کا حکم دے دیا اور اپنے مگر مرے کا منہ موڑ کر نہایت تیزی سے بھاگ پڑا اور یہ ایسے وقت میں جبکہ فتح اُس کے ہاتھ میں تھی کیونکہ انگریزی فوج کا ایک حصہ میدان سے بھاگ رہا تھا۔ تیج سنگھ نہ صرف خود بھاگا بلکہ اُس نے اپنی فوج کو اپنے ساتھ چلے آنے کا حکم دیا۔ تیج سنگھ تو دل سے خالصہ فوج کو تباہ کرنے آیا تھا۔ انگریز افسر اس سے خبردار ہو گئے اور بھاگتی ہوئی فوج پر حملہ کر کے فتح حاصل کر لی۔ پھیرو شہر میں انگریزوں کو فتح ہوئی لیکن یہ فتح شکست سے بھی مہنگی پڑی۔ اُن کی فوج کا ساتواں حصہ میدان میں مارا گیا۔ انگریزوں نے اس کا بدلہ لینے کے لئے اور فوج بڑھانی شروع کی لیکن بارود سکہ کے نہ ہونے سے کچھ دنوں تک لڑائی ملتوی کرنی پڑی۔ اس حالت کو دیکھ کر سکھ فوج پھر ستلج پار

اُمڑ آئی۔ اِن دنوں کے اندر سکھوں کی ایک انگریزی برگیڈ سے جو دھرم کوٹ جا رہا تھا مڈھ بھیڑ ہوئی اور اس کے بعد دوسرا مقابلہ علیوال میں ہُوا۔ دونوں جگہ سکھوں نے بہادری میں کمی نہیں کی لیکن اُن کی قسمت اُن کے برخلاف تھی۔ علیوال کی لڑائی کے بعد سکھوں نے جموں کے راجہ گلاب سنگھ کو دربار کا بڑا وزیر مقرر کیا۔ اگرچہ خالصہ گلاب سنگھ سے نفرت کرتا تھا لیکن بہادری اور پولیٹیکل دُور اندیشی میں اُس کے برابر کوئی اور آدمی دکھائی نہ دیتا تھا۔ گلاب سنگھ کا وزیر ہونا سکھوں کے لیے ڈوبتے کے لیے تنکے کا سا سہارا معلوم ہُوا۔ جس وقت سکھ فوج ستلج پار ہوئی تو انگریزی فوج کی بڑی نازک حالت تھی۔ نہ تو اُن کے پاس لڑائی کا کافی سامان تھا نہ کافی رسد تھی۔ اگر اس وقت سکھ افسر صرف دہلی سے آتی ہوئی رسد کو لُوٹ لیتے تو اس جنگ کا انجام بالکل اور طرح ہوتا لیکن سکھ فوجی افسروں کے ارادے دُوسرے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گلاب سنگھ کے وزیر بنتے ہی لارڈ ہارڈنگ نے اُس سے خفیہ عہد نامہ کر لیا جس کا مدعا یہ تھا کہ انگریزوں کے پنجاب آنے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔

کئی چھوٹی لڑائیوں کے بعد انگریزوں اور سکھوں کے درمیان سبراؤں میں فیصلہ کن لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں بھی وہی کچھ ہُوا جو اس سے پہلے ہُوا تھا۔ سکھوں کے افسر اپنی پُرانی چال پر تُلے ہوئے تھے۔ انگریزوں کو دہلی سے خوراک اور سامان آ گیا۔ صرف سکھ فوج کو دلیری دینے کے لیے اس موقعہ ایک بوڑھا بہادر میدان میں نکلا۔ یہ سکھ رنجیت سنگھ کا بچپن کا ساتھی اور نونہال سنگھ کا سُسر سردار شام سنگھ اٹاری والا تھا۔ بُڑھاپے میں بھی اس کی خشک ہڈیوں میں اپنے دھرم اور ملک کا جوش ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اُس نے زور دار الفاظ میں سکھوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ! خالصہ کے بہادرو۔ دیش کی بھلائی کے لیے دُشمن کے ساتھ

میدان میں لڑ کر مرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ سورگ جاؤنگا اور اپنے دل کا خون بہا کر
گورو گوبند سنگھ کی آتما کو پرسن کرونگا اور خالصہ کے نام کو روشن کروں گا"۔ صرف
یہی کہکر وہ چپ نہ ہوا بلکہ گرنتھ صاحب پر ہاتھ رکھکر یہ قسم اٹھائی کہ میدان جنگ سے
وہ کبھی پیچھے نہ ہٹے گا۔ سفید کپڑے پہن سفید گھوڑے پر سوار ہو میدان میں کود پڑا
اور جاتے ہوئے یہ کہتا گیا۔ "آؤ! خالصہ کے پترو، غلامی کی نسبت موت کو قبول
کرنے پر تیار ہو جاؤ"! بس پھر کیا تھا۔ ست سری اکال کے نعرے لگا کر سکھ
انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اپنے سفید گھوڑے پر سوار شام سنگھ جگہ جگہ سکھوں
کو دلیری دیتا تھا اور جب دیکھا کہ اب بہت دیر تک کام نہ چلے گا۔ تو اپنی
تلوار گھماتے ہوئے انگریزی فوج کی پچاسویں پلٹن پر حملہ کرنے کے لئے گھوڑے
کو ایڑی لگائی۔ اس کے پچاس ساتھی بھی اس کے پیچھے گئے۔ سردار شام سنگھ کے
جسم میں سات گولیاں لگیں اور ان کی روح ان کے دائمی نام کو پیچھے چھوڑ کر
ان کے جسم سے پرواز کر گئی۔ اس شکست اور تباہی کی ذمہ واری بھی لال سنگھ
کے سر پر ہے۔ لال سنگھ نے پہلے سے ہی انگریزوں کو سب حال لکھ بھیجا تھا
اور یہ کہا کہ "اس جنگ کا سپہ سالار تیج سنگھ بنا ہے لیکن اس میں کچھ فرق نہ پڑیگا
تیج سنگھ اپنے اقرار میں پکا ہے وہ جہانتک ہو سکے گا انگریزوں کی بہتری میں کوشاں
رہیگا۔ میں نے گھوڑ سوار کی ذمہ واری لے کر اسے ادھر ادھر تتر بتر کر رکھا ہے
اس کے علاوہ سکھ چھاؤنی کا دایاں حصہ بڑا کمزور ہے اور ادھر کی دیوار بھی بڑی
کمزور بنائی گئی ہے"۔ صرف اتنی اطلاع دے کر ہی وہ خاموش نہیں رہا بلکہ اس
نے گول اندازوں کو بارود دینا بند کر دیا۔ یہانتک ہی نہیں بلکہ تیج سنگھ بڑی
فوج کو لے کر خود بھاگ گیا اور باقی فوج کو بھگا کر دوبارہ دشمن پر حملہ کرنے کا راستہ
روک دیا اور واپس جاتے ہوئے ستلج کے اوپر کا پل توڑوا دیا تاکہ سکھ فوج کا

کوئی سپاہی بچکر واپس نہ آسکے سکھوں کے واسطے لڑنا ہی ایک باقی رہ گیا تھا
لیکن وہ لڑیں کیسے ؟ لڑانے کے لئے حکم دینے والا افسر تو موجود ہی نہ تھا۔
گولے بارُود بغیر توپ کے بیکار پڑے تھے۔ اِن سب کے باوجود سکھ فوج مایوس
نہیں ہوئی۔ وہ تلواروں کا آسرا لے کر سردار شام سنگھ کا ساتھ دینے پر طیار ہو گئے
لیکن تلوار گولے اور بارُود کے سامنے کہاں ٹھہر سکتی تھی ؟ اسی دن آٹھ ہزار سکھ
بہادروں نے اپنے وطن کے لئے لڑکر اپنی جانیں دیں اور اپنا نام پیچھے چھوڑ گئے
اُنہوں نے دشمن کے اندر گھیرے جاکر بھی کبھی اپنی جان کے لئے پناہ نہیں مانگی۔
اِسی لڑائی کے ساتھ پنجاب کی آزادی کا باب ختم ہوا۔ اِس لڑائی میں انگریزوں
کی فوج کے دو ہزار تراسی سپاہی مارے گئے۔

**پنجاب کا نیا انتظام**

کچھ دن آرام کرنے کے بعد تھوڑی سی انگریزی فوج ستلج پار ہو گئی۔ اُس کے تین دن بعد ۲۰ فروری ۱۸۴۶ء کو لارڈ ہارڈنگ
قصور پہنچا اور وہاں پہنچکر اعلان کیا کہ انگریزوں کو پنجاب اپنے ساتھ ملانے کی کوئی خواہش
نہیں ہے لیکن چونکہ سکھوں نے عہدنامہ کو توڑا ہے۔ اُن کو اس کی سزا دینے
کے لئے پنجاب انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گا اور آئندہ امن قائم رکھنے اور
جنگ کا خرچ وصول کرنے کیلئے سکھ راجہ کو کچھ علاقہ سرکار انگریزی کو دینا پڑیگا۔
اگرچہ لاہور دربار کو عہدنامہ توڑنے کی پوری سزا ملنی چاہیئے لیکن پھر بھی لاٹ صاحب
دربار اور سرداروں کو اپنا انتظام سدھارنے کا موقعہ دینا چاہتے ہیں اور دربار
اور سرداروں کی امداد سے انگریزوں کے پرانے دوست مہاراج رنجیت سنگھ کے بیٹے
کے راج کو قائم رکھنے کی ان کی بڑی خواہش ہے لیکن اگر سکھ لوگوں کو کم فہمی سے
بدامنی کو روکنے کا نیا انتظام منظور نہ ہوا اور انہوں نے پھر انگریزوں کے ساتھ
لڑائی کی تیاری کی تو جس طریقے سے انگریزوں کو پنجاب کے انتظام میں بہتری

معلوم ہوگی۔ اُس طریقے سے لاٹ صاحب گورنمنٹ کا انتظام کریں گے"۔ یہ اعلان کیا تھا۔ پنجاب کے لوگوں کے لئے آسمان سے بجلی کا گرنا تھا۔ انہیں یہ ہرگز خیال نہ تھا کہ سبراؤں کی لڑائی کے بعد اتنی جلدی انگریز پنجاب میں گھس آئیں گے۔ اب وہ سردار بھی جنھوں نے اپنے ملک اور قوم کے ساتھ غداری کر کے انگریزوں کی مدد کی تھی۔ افسوس کے ساتھ ہاتھ ملنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ کسی طرح سے انگریزوں کا لاہور میں آنا روک دیں۔ ان سرداروں میں سب سے بڑے جموں کے راجہ گلاب سنگھ تھے۔ وہ خود قصور جا کر لارڈ ہارڈنگ کے پاس رونے لگے اور اُن سے آگے نہ بڑھنے کے لئے بہت منت سماجت کی۔ جب لاٹ صاحب نے اُن کی کوئی بات نہ سُنی تو اُن کو یہ سُوجھا کہ اگر وہ مہاراج دلیپ سنگھ کو لاٹ صاحب کے پاس لے جائیں تو شاید لاٹ صاحب کا دل پگھل جائے۔ یہ سوچ کر گلاب سنگھ اور کئی سردار مہاراج دلیپ سنگھ کو لاٹ صاحب کے پاس لے گئے۔ لاٹ صاحب نے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی اور ساتھ میں کہا "پنجاب کو انگریزی راجیہ کے ساتھ ملانے کی ہماری صلاح نہیں ہے۔ دلیپ سنگھ اپنے باپ کی جگہ پر قائم رہیں۔ لیکن بیاس اور ستلج کے درمیان کا علاقہ سرکار انگریزی کو دینا ہوگا اور اس کے علاوہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور جنگ کے خرچ کے دینا ہوگا اور یہ عہد نامہ لاہور پہنچکر ہی کیا جائیگا۔ اور کسی جگہ نہیں"۔ یہ سُنکر سب سرداروں کو اپنا سا مُنہ لے کر واپس آنا پڑا۔ لاہور پہنچکر انگریزوں نے اس طرح کا رنگ ڈھنگ دکھلایا کہ لوگ یہ صاف سمجھ گئے کہ انگریزوں نے بڑی کرپا کر کے پنجاب کو اپنے ساتھ نہیں ملایا۔ اور جب لاٹ صاحب نے مہاراج دلیپ سنگھ کو گدی پر بٹھایا تو یہ صاف نظر آتا تھا کہ دلیپ سنگھ پر انگریزوں نے بڑی کرپا کر کے پنجاب کا راجیہ پھر عطا کیا ہے۔

جب ہم اس جنگ میں حصہ لینے والی مختلف پارٹیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو

ہمیں ایک طرف انتہائی دُور اندیشی اور دوسری طرف خباثت درجے کی بیوقوفی کا مقابلہ دکھائی دیتا ہے۔ لارڈ ہارڈنگ نے اگر آتے ہی پنجاب کو اپنی حکومت میں شامل نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ مہاراجہ دلیپ سنگھ پر رحم کرنا چاہتا تھا۔ رحم ایک ایسا وصف ہے جس کی راج نیتی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ رحم کا دکھلانا پالیٹکس میں اپنی کمزوری کا اقبال کرنا ہے۔ لارڈ ہارڈنگ نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے پچھلے جنگ میں سکھ فوج کی طاقت کو اچھی طرح جانچ لیا تھا۔ خالصہ کی طاقت کو کچلے بغیر پنجاب کی حکومت کو سنبھالنا ایک بالکل ناممکن امر تھا۔ لارڈ ہارڈنگ جانتا تھا کہ اگرچہ خالصہ فوج ہار گئی ہے لیکن وہ مغلوب نہیں ہوئی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی خبر تھی کہ امرتسر کے پاس لگ بھگ بیس ہزار سکھ سپاہی جمع ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں پنجاب کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اپنے سر پر ایک پہاڑ اُٹھا لینا ہوتا۔ جن سرداروں کی مدد سے لارڈ ہارڈنگ نے خالصہ فوج کو ہرایا تھا۔ انہی سرداروں کو اپنا اوزار بنا کر خالصہ کی سپرٹ کو کچلنا چاہتا تھا۔ پیشتر اس کے کہ پنجاب کو قلمرو انگریزی میں شامل کیا جائے اتنی بڑی گہری دانشمندی کے مقابلے پر ہم سکھ سرداروں کو کیا پاتے ہیں؟ انہیں راج نیتی کے اصولوں سے مَس بھی نہیں ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ خالصہ فوج اُن کے قابو میں نہیں رہی۔ اگر وہ انگریزوں کے ساتھ جنگ کر کے خالصہ کی فوج کو کچل ڈالیں گے تو پنجاب میں سب اختیار اُن کے ہاتھ میں آ جائے گا۔ خالصہ کی سادگی اور بے سمجھی پر حیرانی ضرور ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے سرداروں کی غداری کے صریح ثبوت دیکھ کر بھی اُن پر شک نہ کیا اور اُن کی فرمانبرداری کرتے رہے۔ خالصہ کے قصور اور بے سمجھی کو ہم معاف کر سکتے ہیں لیکن اُن بے وفا سرداروں کی بے سمجھی کو کیا کہیں جو یہ سمجھ رہے تھے

کہ انگریز اُن کے کہنے پر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر خالصہ کی طاقت کو تباہ کر دیں گے اور اس کے بعد راجیہ کا سب انتظام وہ ان سرداروں کے ہاتھ میں سونپ دیں گے۔ انگریزوں کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی! لیکن بڑی بات اور تھی۔ یہ سردار اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ دُنیا میں راج ہمیشہ بازو کی طاقت سے ہوتا ہے۔ فوج بازو کی طرح ہے۔ جس کے پاس فوجی طاقت نہیں ہوتی اُس کے بازو کٹ جاتے ہیں اور وہ کنگلا ہو کر راجیہ کو کس طرح اپنے ہاتھ میں رکھ سکتا ہے! اس وقت پر بھی اگر سکھ سردار چاہتے تو خالصہ کو پھر اکٹھا کر کے انگریزوں کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن خالصہ کو تو وہ اپنا دُشمن سمجھتے تھے اور اس بات کو انگریزوں سے بڑھکر اور کوئی زیادہ نہ جانتا تھا۔

مارچ ۹ تک صُلح کی شرائط طے ہو گئیں۔ ان کے مطابق لاہور دربار کو بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل فوج رکھنے کی اجازت ملی۔ باقی سب خالصہ کو تنخواہ دے کر علیحدہ کر دیا گیا۔ لاہور دربار کو صرف تیس توپیں رکھکر باقی سب توپیں انگریزوں کے حوالے کرنی پڑیں۔ بیاس اور ستلج کے جنوبی علاقے کو سرکار انگریزی کو دینا پڑا اور جنگ کے خرچ کا ڈیڑھ کروڑ روپیہ ادا کرنے کے ناقابل ہونے پر ایک کروڑ کے بدلے کشمیر اور ہزارہ دے کر باقی پچاس لاکھ لاہور دربار نے کچھ دن بعد دینے کا وعدہ کیا۔ انگریزوں نے پنجاب کے اندرونی انتظام میں دخل نہ دینے کا اقرار کیا اگرچہ یہ بھی فیصلہ ہُوا کہ جب کبھی ضرورت پڑیگی گورنر جنرل موقعہ بموقعہ انتظام میں لاہور دربار کی مدد کریں گے۔ پچاس لاکھ روپے کے لئے سرداروں سے کہا گیا لیکن اُن سب نے اپنی ناقابلیت ظاہر کی۔ اٹاری کے سردار چتر سنگھ نے اپنے پاس سے ادا کر دیا۔

مہارانی جنداں کو خالصہ کی پہلی شورش کا حال اچھی طرح یاد تھا۔ اُس نے

لارڈ صاحب سے یہ درخواست کی کہ "مجھے اور میرے بیٹے کو سکھوں کے ہاتھ میں
رکھنے کی نسبت سرکاری راج کی حد میں رکھنا یا اپنے ساتھ گورنمنٹ ہوس میں
لے جانا ہمارے حق میں بہتر ہوگا" اس کے تھوڑی دیر پیچھے مہاراج دلیپ سنگھ
کے دستخطوں سے ایک چٹھی راجہ رام سنگھ۔ راجہ لال سنگھ۔ سردار تیج سنگھ۔ دیوان
دینا ناتھ اور فقیر عزیز الدین کی معرفت گورنر جنرل کے پاس پہنچائی گئی جس کی غرض
یہ تھی کہ ایسا انتظام کرنا لازمی ہے کہ پنجاب میں آگے کو پھر وہی پرانی گڑبڑ نہ پڑ جائے
اس کے لیے یہ اچھا ہوگا۔ اس کے لیے بہتر یہی ہوگا کہ کچھ عرصہ تک انگریزی فوج
لاہور دربار کی حفاظت کے لیے لاہور میں رہے۔ گورنر جنرل نے مہارانی اور
سرداروں کی اس تجویز کو خوشی سے منظور کر لیا اور اُس نے ایک دربار میں اکٹھا
کر کے کہا "میں لاہور سے ہر ایک برٹش سپاہی کو ہٹانے کے لیے طیار ہوں
لیکن سکھ دربار کی خاص درخواست کرنے پر میں یہاں برٹش فوج کو رکھنے کے
لیے راضی ہوا ہوں۔ گورنمنٹ کے اس نئے کام میں کامیابی یا ناکامیابی آپ
لوگوں کے ہاتھ میں ہے اگر آپ لوگوں نے کسی طرح سے انتظامی معاملات
میں غفلت کی تو برٹش گورنمنٹ سکھ دربار کی کسی طرح سے حفاظت نہیں کریگی
اور اگر سکھ دربار اچھی طرح سے کام چلائے گا اور محکم کی شرائط پر قائم رہیگا۔
تو اُس کی آزادی کی حفاظت کی جائے گی۔

چالیس برس سے جب مہاراج رنجیت سنگھ کے وقت
میں دو سرکاروں میں دوستی ہوئی تھی۔ انہوں نے راجیہ کے انتظامی طاقت
کا غیر معمولی ثبوت دیا۔ اس لئے سکھ قوم آزاد اور خوش رہی۔ اُن کا انتظام اور
راج نیتی آپ لوگوں کے لئے مثال کے طور پر ہونی چاہیئے۔" دوسرے دن
لارڈ صاحب اور انگریزی افسر محلوں میں گئے اور مہاراج دلیپ سنگھ سے بھینٹ

کی اُس وقت دیوان دینا ناتھ نے گورنر جنرل کی تعریف میں ایک لکھا ہُوا ایڈریس پڑھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ لاٹ صاحب نے پنجاب کی آزادی قائم رکھنے کے لئے جو کچھ کیا ہے۔ اُس کے لئے شکریہ ادا کرنے کے واسطے ہمارے پاس لفظ نہیں ہیں اور زبان سے شکریہ اظہار کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لاٹ صاحب نے بالک مہاراج کی درخواست پر لاہور کے لوگوں کی حفاظت کے لئے جو برٹش فوج رکھی ہے اُس کے لئے ہم مشکور ہیں۔

گورنمنٹ کا سارا انتظام لال سنگھ کو وزیر بنا کر اُس کے سپرد کیا گیا۔ تیج سنگھ کو سکھ فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ یہ بات راجہ گلاب سنگھ کو جو کہ وزیر کا کام کر رہے تھے بہت بُری لگی۔ جنگ کے وقت میں لاٹ صاحب نے گلاب سنگھ کی طاقت اور لیاقت کو اچھی طرح جان لیا تھا۔ اُسے اب گلاب سنگھ کو راضی رکھنے کا فکر ہُوا۔ اس لئے اُس نے گلاب سنگھ کو خوش کرنے کے لئے بہتر لاکھ روپیہ لے کر کشمیر کا علاقہ اُن کے ہاتھ بیچ دیا اور اُس کو خود مختار۔ راجہ تسلیم کر لیا۔ گلاب سنگھ لاہور دربار کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر بہت خوش ہوئے لال سنگھ بہت دیر تک وزیر نہ رہا۔ سکھ لوگ اُس سے پہلے سے ہی ناراض تھے۔ انگریزوں کا بھی ایسے بے وفا شخص پر اعتبار نہ جمتا تھا لیکن اُس کے ہٹائے جانے کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ اُسے کشمیر کا گلاب سنگھ کو دیا جانا بُرا معلوم ہُوا اور اُس نے امام الدین کے ساتھ ملکر کشمیر میں گلاب سنگھ کے برخلاف بغاوت برپا کر دی۔ یہ بغاوت فرو ہو گئی اور انگریز افسروں کے ایک کمیشن سے جو تحقیقات کے لئے مقرر ہُوا اس میں لال سنگھ کا ہاتھ پایا۔ لال سنگھ کو دو ہزار روپیہ ماہوار پنشن دیکر لاہور سے نکال دیا گیا جو کہ آگرہ میں کچھ سال رہنے کے بعد ڈیرہ دون میں جا مرا۔ لال سنگھ کے نکالے جانے پر لارڈ ہارڈنگ پنجاب

آیا اور بھیرووال کے مقام پر ۱۶ دسمبر ۱۸۴۶ء کو ایک نیا عہد نامہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ لاہور میں انگریزوں کی طرف سے ایک پریذیڈنٹ رکھا جائے گا جسے انتظام میں پورا اختیار حاصل ہوگا اور اُس کی مدد کے لیے سکھ سرداروں کی ایک کونسل ہوگی جس کے ممبر سردار تیج سنگھ۔ اٹاری کا سردار شیر سنگھ۔ دیوان دینا ناتھ۔ فقیر نورالدین۔ سردار رنجور سنگھ۔ بھائی ندھان سنگھ۔ سردار عطر سنگھ اور سردار شمشیر سنگھ وغیرہ کئی اصحاب مقرر ہوئے۔ اس کونسل کے ممبروں میں پریذیڈنٹ کی مرضی کے بغیر کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ لاٹ صاحب کو اختیار ہوگا کہ امن قائم رکھنے کے لیے جتنی فوج چاہے رکھے۔ مہاراج دلیپ سنگھ کی ماں کو اپنے پرائیویٹ خرچ کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ دیا جائے گا۔ ۱۸۵۴ء کے دسمبر میں جب دلیپ سنگھ سولہ برس کے ہو جائیں گے تو اُس وقت نیا عہد نامہ کیا جائیگا اس عہد نامہ کے مطابق گورنر جنرل سر ہنری لارنس کو پنجاب کا پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔

اگرچہ سر ہنری لارنس بہت دُور اندیش اور فراخدل تھا لیکن وہ پنجاب کی آتما کو شانت نہ کر سکا لیکن ۲ جولائی ۱۸۴۷ء کی لاٹ صاحب کی چٹھی میں پریذیڈنٹ کو پنجاب پر پُورا اختیار دیدیا گیا اُس چٹھی کا مطلب یہ تھا کہ بھیرووال کے عہد نامہ کے مطابق پریذیڈنٹ کو تمام معاملات میں اپنی مرضی سے کام کرنے کا پُورا اختیار ہے اگر پریذیڈنٹ دیسی ممبروں کی اتفاق رائے سے کام کرے تو اچھا پریذیڈنٹ چاہے تو اُن ممبروں میں سے کسی کو ہٹا کر دوسرے کو کر سکتا ہے فوج کے متعلق بھی پریذیڈنٹ کو اختیار ہے۔ جہاں چاہے سکھ فوج کو ہٹا کر انگریزی فوج رکھدے۔ راج نیتی کے داؤ پیچ ایسے تھے جنکے ذریعے پنجاب کے سردار کٹھ پتلی کے طور پر ایک پریذیڈنٹ کے ہاتھ میں ناچنے لگے۔ یوں تو وہ بیچارے

رانی جنداں کی چالیں سمجھتے ہی نہیں تھے اور جو کوئی سمجھتا تھا کچھ کر نہ سکتا تھا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۶ء کی چٹھی
نے ریذیڈنٹ کے اختیار کو اور بھی بڑھا دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ دلیپ سنگھ
کی نابالغی تک ہم لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پچھلے عہد نامہ کے مطابق پنجاب
پورا آزاد نہیں ہے۔ کوئی بھی سردار یا افسر نہ صلح یا جنگ کر سکتا ہے اور نہ سرکاری
زمین بیچنے یا بدلنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ایسا کوئی کام ہماری اجازت بغیر نہ ہوگا اور عقل
کی بات تو جانے دیجیئے۔ مہاراج خود اس وقت تک ہمارے اختیار میں ہیں۔
ان کو بھی اپنی مرضی سے کوئی ایسا کام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

ادھر تو لاٹ صاحب کی چٹھیوں سے سرداروں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں
ادھر ریذیڈنٹ کو مہارانی جنداں کے ہر ایک کام میں شک پڑنے لگا۔ اس
شک کی حالت اس چٹھی سے ظاہر ہوتی ہے جو سر ہنری لارنس نے مہارانی کو لکھی
" بھیرووال کے عہد نامے کے مطابق مہارانی کو راج کے انتظامی معاملات
میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ اپنی زندگی خوشی سے گذار سکتی ہے
جس کے لئے انہیں ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیا جاتا ہے لیکن افواہ ہے کہ مہارانی کبھی
پندرہ اور کبھی بیس سرداروں کو گھر میں دعوت دے کر ان سے صلاح مشورہ
کرتی ہے اور کئی کئی سرداروں سے خفیہ ملاقاتیں بھی کرتی ہیں۔ یہ بھی سنا جاتا
ہے کہ پچھلے ماہ سے مہارانی ہر روز محل میں پچاس برہمنوں کو کھانا کھلاتی ہیں
اور خود ان کے پاؤں دھوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہر منڈل میں بھی سو برہمنوں
کے بھیجنے کی خبر سنی جاتی ہے۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے کنبے کی عزت کی ذمہ داری
میرے سر پر ہے۔ اس لئے مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب کام مہارانی کی عزت
میں بڑھانے والے نہیں۔ آگے سے مہارانی اپنی سکھی سہیلی اور اپنی داسیوں
کے علاوہ کسی سے ملاقات نہ کیا کریں۔ اس میں ان کی موجودہ اور آئندہ بہتری ہے

اگر مہارانی کو غریب اور دھارمک اشخاص کو بھوجن کرانے کی خواہش ہو تو ہر ماہ کی پہلی تاریخ یا کسی اور دن یہ کام کیا کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مہارانی کو مہاراج رنجیت سنگھ کی مثال کے مطابق چلنا چاہیئے اور اگر مہارانی کو کسی سردار کو بلانے یا اُس کا سنمان کرنے کی ضرورت ہو تو مہارانی کو عورتوں کی طرح نرمی اور اخلاق سے اُس کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیئے اور کسی ماہ میں پانچ یا چھ سے زیادہ سرداروں سے ملاقات نہ کرنی چاہیئے اور ان سرداروں سے ملتے وقت مہارانی کو جودھ پور، جے پور اور نیپال کی رانیوں کی طرح پردے میں بیٹھکر بات کرنی چاہیئے۔ اگر مہارانی مہربانی کر کے کسی اجنبی کو محلوں میں نہیں آنے دینگی تو سرداروں اور دوسرے افسروں کی طرف سے انتظامی معاملات میں بہت کم بکھیڑے ہونگے" اس کے جواب میں مہارانی نے ۹ جون کو ایک چٹھی لکھی "میں نے آپ کی چٹھی کو شروع سے آخیر تک غور سے پڑھا ہے۔ آپ نے یہ لکھا ہے کہ مجھے انتظامی معاملات میں کچھ بھی دخل دینے کا اختیار نہیں ہے۔ میں نے برٹش اور سکھ سرداروں میں مدت کی دوستی ہونے سے اپنے مہاراج کی اور لوگوں کی حفاظت کے لئے لاہور میں انگریزی فوج کے رکھے جانے کی درخواست کی تھی لیکن اُس وقت کہیں یہ فیصلہ نہ ہوا تھا کہ میرا راجیہ کے انتظام کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رہے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہوئی تھی کہ تمام راجیہ کے کام میرے افسروں کی صلاح کے بغیر نہیں کئے جائینگے جبتک بچہ دلیپ سنگھ پنجاب کے راجہ بنتے ہیں۔ اتنے دنوں تک میں پنجاب کی رانی ہوں لیکن اگر اس پر بھی راجیہ کی بہتری کے لئے نئے عہدنامے کے مطابق کوئی اور انتظام کر دیا گیا ہے تو میں اس میں بھی رضامند ہوں۔ مجھے اپنے ڈیڑھ لاکھ سالانہ خرچ کے متعلق اتنا کہنا ہے کہ اب اس مضمون پر ذکر کرنا فضول ہے۔ وجہ یہ کہ انسان کی جیسی حالت ہوتی ہے اُسی کے مطابق اپنے دن

کاٹتا ہے، پھر اِس بات کے جاننے سے مطلب ہی کیا کہ اُس کی زندگی کس طرح
سے گزر رہی ہے؟ تو بھی مہاراج کے بالغ ہونے تک راجیہ کی بہتری کے لیے
یہ نیا انتظام کیا گیا ہے اس لئے میں اِس میں بھی راضی ہوں۔
سرداروں سے اکیلے ملنے اور صلاح کرنے کے متعلق اصلی بات یہ ہے
کہ میں نے صرف دو بار سرداروں کو بُلا کر صلاح مشورہ کیا۔ ایک بار امرتسر سے
لاہور آتے وقت میں نے اُن کو یہ رائے دی تھی کہ پرما اینچ سنگھ کا بڑا دشمن تھا)
کے لاہور کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ دوسری دفعہ مہاراج کے پرائیویٹ
خرچ کے متعلق کچھ صلاح کرنے کے لئے سرداروں کو بُلایا تھا۔ اِس کے علاوہ
میں کبھی کبھی سردار تیج سنگھ اور دیوان دینا ناتھ کو بُلا لیتی ہوں۔ آگے کو آپ کے کہنے
کے مطابق پانچ چھ سرداروں کو بھی بُلایا کرونگی۔ میرے پاس چار پانچ جمعدار نوکر
ہیں جنکو میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اُس وقت ملاقات کرتے وقت میں نے آپ سے
یہ بھی کہدیا تھا کہ سوائے اِن لوگوں کے مجھے اور کسی سے ملاقات کرنے کی ضرورت
نہیں ہے۔ آپ نے پچاس برہمنوں کو بھوجن کرانے اور اُن کے پیر دھونے
کے متعلق لکھا ہے۔ اِس بارے میں مجھے اِتنا ہی کہنا ہے کہ شاستروں کی ریتی
کے مطابق یہ معمولی بات ہے۔ اِس ماہ اور اِس سے پہلے ماہ میں میں نے یہ کام
کیا تھا لیکن جس دن سے آپ کی چٹھی ملی ہے اُس دن سے میں نے یہ بند کر دیا
ہے۔ آگے سے آپ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر ہی میں دان پُن کیا کرونگی۔
پرسنٹل کے برہمن بھوجن کے متعلق بھی یہی کہنا ہے کہ وہ جگہ بہت پوتر کہی جاتی
ہے اِس لئے وہاں برہمن بھیجا تھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ آپ پنجاب میں اچھا انتظام
کرتے ہیں۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے خاندان اور ہماری عزت کی حفاظت کے لئے
ذمہ دار ہیں۔ ہماری عزت سکھ سے لئے انگریزی سرکار جو کچھ کرے گی اُس کے لیے ہم

سرکار کے مشکور رہیں گے۔ آپ نے جے پور، جودھپور اور نیپال کی رانیوں کی مانند مجھے بھی پردے میں رہنے کے لئے کہا ہے۔ اِس بارے میں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ وہ رانیاں راج کے کام میں حصہ نہیں لیتی ہیں۔ اس لیئے اُن کا پردے میں رہنا آسان ہے کیونکہ اُن کے راجیہ میں وفادار، لائق اور معتبر افسر اپنے راجہ کی بھلائی کے لیئے جان و تن سے کوشش کرتے ہیں لیکن یہاں جس وفاداری سے ہمارے افسر کام کرتے ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ آپ یقین رکھیئے کہ کوئی اجنبی شخص ہمارے زنانخانے میں نہیں آتا ہے اور نہ کوئی ایسا آدمی آنے پاویگا۔ تاہم میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ کوئی ایسے معتبر سردار مقرر کر دیجیئے جو آپ کو میرے متعلق خبر دیتے رہیں لیکن دربار کا کوئی سردار اِس کام کے لیئے مقرر نہ کیا جائے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مہاراج رنجیت سنگھ انگریزوں کے ساتھ دوستی قائم کر گئے ہیں جس کا اعلیٰ نتیجہ میں اور بالک مہاراج دونوں بھوگ رہے ہیں۔ جب کبھی آپ ضروری سمجھیں مجھے نصیحت سے نہ چوکیں"۔

باوجود اِس کے ریذیڈنٹ کا مہارانی کے اُوپر شک بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ جب اُس کی ایک سہیلی مُلتان سے ایک سفید گنا لائی تو ریذیڈنٹ کو اِس میں بھی سازش کا ثبوت دکھائی دینے لگا اور جب پرمانے سردار تیج سنگھ کو قتل کرنے کا منصوبہ باندھا تو اُس میں بھی مہارانی کا ہاتھ سمجھا گیا۔ آخیر میں مہارانی پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ بالک مہاراج کو بہکاتی ہیں۔ اِس کا معاملہ اسطرح ہوا کہ ۷ اگست ۱۸۴۷ء کو دربار کر کے کچھ سرداروں کو خطاب دیئے گئے۔ اِن میں سے سردار تیج سنگھ کو راجہ کا خطاب دیا گیا۔ پُرانے رواج کے مطابق قاعدہ یہ تھا کہ جس کو راجہ کا خطاب دیا جائے اُسے مہاراج اپنے ہاتھ سے ٹیکا کرتے تھے لیکن تیج سنگھ اور مہارانی میں اَن بن تھی۔ اِس لیئے مہارانی نے اُس دن دلیپ سنگھ کو بہت دیر کے بعد دربار

میں بھیجا۔ سر ہنری لارنس نے بہت عزت کے ساتھ مہاراج سے تیج سنگھ کو ٹیکا کرنے کے لئے کہا لیکن مہاراج نے اپنے چھوٹے ہاتھ پیچھے کر کے ٹیکا کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس دن اِن خطابوں کی وجہ سے رات کو آتشبازی کا تماشہ تھا۔ مہارانی نے دلیپ سنگھ کو اُس میں بھی آنے نہ دیا۔ یہ باتیں ریذیڈنٹ کو بہت بُری لگیں۔ ریذیڈنٹ کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ اگر دلیپ سنگھ اپنی ماں کے پاس بہت دن تک رہیگا تو وہ انگریزوں کے برخلاف ہو جائیگا۔ اِس لئے اُسے مہارانی سے جتنی دُور رکھا جائے اُتنا ہی اچھا ہو۔ اِس لئے لارڈ ہارڈنگ نے ۱۶ اگست کو سر ہنری لارنس کو لکھ بھیجا کہ مہارانی کو لاہور سے نکالنے کے متعلق دربار سے کھلے طور پر رائے لی جائے۔ کونسل کے سب ممبروں نے لارڈ ہارڈنگ کو تائید کی اور لاہور سے سولہ کوس کے فاصلے پر شیخو پورہ میں چار ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر رانی جنداں کو نظر بند رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب رانی کو یہ خبر ملی تو اُس کے چہرے پر کسی قسم کا رنج یا ملال دکھائی نہیں دیا۔ اُس نے بڑے گمبھیر لفظوں میں کہا۔ جس میں نہیں بھلائی سمجھیں میں اُسے کرنے پر طیار ہوں۔ مہارانی کو اپنے سب زیور جواہرات لے جانے کی اجازت دی گئی۔ جب رانی نے ریذیڈنٹ کو ملنے کی درخواست کی تو ریذیڈنٹ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ جس دن رانی کو لیجانا تھا۔ اُس سے پہلی شام کو دلیپ سنگھ کو سیر کے بہانے شالامار باغ لے جایا گیا اور وہیں اُس کے رہنے اور کھانے کا بندوبست کر دیا گیا۔ ۱۹ اگست کو مہارانی شیخو پورہ میں پہنچا دی گئی۔ دوسرے دن گورنر جنرل کا اعلان نِکلا کہ لاہور دربار اور سرکار انگریزی کے درمیان دوستی ہے۔ بچہ دلیپ سنگھ کی تربیت کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔ اِس لئے گورنر جنرل کو یہ ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ اُسے اپنی ماتا سے الگ رکھا جاوے اِس لئے مہارانی لاہور سے ہٹا کر شیخو پورہ میں بھیج دی گئی۔

گئی ہیں۔

اس واقعہ کے تھوڑے دن پیچھے سر ہنری لارنس کی صحت بگڑ گئی اور وہ ڈاکٹروں کے صلاح مشورے سے ولایت چلا گیا اور اس کی جگہ سر فریڈرک کری پنجاب کا نیا ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ اس وقت لارڈ ہارڈنگ کا عہد بھی پورا ہو گیا اور اس کی جگہ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل مقرر ہوا۔

## ملتان کی بغاوت

ملتان لاہور دربار کے نیچے ایک صوبہ تھا۔ اس کا گورنر پہلے دیوان ساون مل تھا اور اب اس کا بیٹا دیوان مولراج تھا۔ مولراج نے کئی سال تک خالصہ کو خراج نہ دے کر اپنے آپ کو خود مختار بنا لیا تھا۔ اس لئے ۱۸۴۵ء میں خالصہ نے اس پر چڑھائی کر دی جس پر مولراج نے لاہور دربار کو اٹھارہ لاکھ روپیہ دینا منظور کر لیا لیکن جلدی ہی سکھوں اور انگریزوں کی جنگ ہو گئی۔ اس لئے ملتان کا معاملہ ویسے کا ویسا رہا۔ جنگ ختم ہونے پر وزیر لال سنگھ نے کچھ فوج مولراج کے برخلاف بھیجی لیکن جھنگ کے نزدیک مولراج کی فوج نے دربار کی فوج کو شکست دی۔ سر ہنری لارنس نے دونو کے بیچ میں پڑ کر جھگڑا مٹا دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ مولراج ایک تو جھنگ کو چھوڑ دے اور بقایا سب خراج اور دیوانی درجہ حاصل کرنے کا نذرانہ لاہور دربار کو دے اس کمی پورا کرنے کے لئے مالگذاری اور چنگی کو بڑھا دیا جائے۔ اس کے مطابق مولراج کو پندرہ لاکھ سینتالیس ہزار اکسو تراسی روپیہ سالانہ کی جگہ سولہ لاکھ اڑسٹھ ہزار دینا پڑتا تھا۔ اس وقت تو مولراج بہت راضی ہو گئے لیکن پیچھے انہیں اتنا روپیہ دینا مشکل ہو گیا۔ اس لئے ۱۸۴۷ء میں لاہور آکر انہوں نے اپنے عہدے سے استعفا دیدیا جس کی انہوں نے دو وجہ بتائیں۔ ایک تو مالگذاری زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے وصول کرنے میں دقت ہوتی ہے اور دوسرا ان کے

دیوانی اور فوجداری مقدمات کی لاہور دربار کے پاس اپیل ہونے کی وجہ سے مُلتان
میں اُن کی عزت کم ہو گئی ہے۔ استعفے کے ساتھ اُنہوں نے ایک یہ درخواست
کی کہ گذارہ کے لئے اُنہیں ایک جاگیر دی جائے اور دوسرا اِس استعفے کو دربار
سے پوشیدہ رکھا جائے۔ جب دیوان مُولراج لاہور گئے۔ اُس وقت سر ہنری
لارنس ولائت چلا گیا تھا اور اُس کی جگہ اُس کا بھائی جان لارنس عارضی طور پر کام
کرتا تھا۔ جان لارنس نے مُولراج کو بہتیرا سمجھایا کہ وہ اپنا استعفے واپس لے لے
لیکن مُولراج نے اِسے منظور نہ کیا۔ اُن کے مُلتان واپس جانے پر جان لارنس
نے پھر اُن کو لکھا لیکن اِس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ فریڈرک کری کے لاہور آ جانے پر
اُس نے بھی مُول راج کو ایسی ہی چٹھی لکھی لیکن مُولراج اپنے استعفے پر بضد رہے
اِس پر نئے ریذیڈنٹ نے کہا کہ استعفے منظور ہونے پر مولراج کو کوئی جاگیر وغیرہ
نہ دی جائے گی۔ اُسے پچھلے دس برس کا حساب دینا ہوگا۔ جس کے جواب میں
مُولراج نے لکھا "میں کسی نہ کسی طرح اپنے باپ کے وقت کے کاغذ پتر اکٹھا
کر دوں گا لیکن اِن سب کاغذوں کو تو کیڑا کھا گیا ہے۔ اُن سے کچھ مطلب پورا نہ
ہوگا۔" اِس پر ریذیڈنٹ نے سردار کاہن سنگھ کو صوبہ دار مقرر کر کے مُلتان کو روانہ
کیا اور اُس کے ساتھ بارنس اگنیو اور لفٹیننٹ اینڈرسن کے ماتحت کچھ فوج اور
چھ توپیں روانہ کیں۔ مُول راج نے بڑی عزت سے سلوک کیا۔ اگرچہ دوسرے دن
مُول راج اور انگریزی افسروں کے درمیان حساب کتاب کے متعلق کچھ اختلاف ہو
گیا تھا لیکن آخیر میں سب ٹھیک ہو گیا۔ تیسرے دن صبح مُولراج نے کاہن سنگھ
اور انگریز افسروں کو قلعے کے سب مقامات دکھلا کر چابیاں اُن کے حوالے کر دیں
اُسی وقت گورکھوں کی دو پلٹنیں قلعے میں تعینات کر دی گئیں اور قلعے میں جتنے پہلے
ملازم تھے، سب کو اُن کی ملازمت پر بحال رکھا گیا جس سے وہ سب راضی ہو گئے

اس کے بعد کاہن سنگھ اور دو انگریز افسر اپنے ڈیرے پر جانے کے لئے قلعے سے باہر نکلے۔ دیوان مولراج بھی اُن کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ قلعے کے دروازے سے باہر نکلتے ہی ایگنیو کو برچھا اور تلوار سے گھائل کر دیا گیا تھوڑی دور جا کر اینڈرسن پر بھی ایسا ہی وار کیا گیا۔ حملہ کرنے والے سپاہی تو کہیں بھاگ گئے۔ زخمی انگریزوں کو سردار کاہن سنگھ اور مول راج کے سالے رنگا رام نے اُن کے ڈیرے پر پہنچا دیا مولراج پہلے اس بغاوت میں شامل نہیں تھا لیکن لوگوں نے رنگا رام سے چڑھ کر اُسے زخمی کر دیا۔ مولراج کو اس سے باغیوں کے ساتھ شامل ہونے کے علاوہ کوئی علاج نہ سوجھا۔ اُس کے شامل ہوتے ہی ملتان کے چاروں طرف بغاوت کی آگ پھیل گئی۔ دوسرے سویرے ہی انگریزی فوج پر گولے برسنے شروع ہو گئے باغیوں نے سردار کاہن سنگھ اور اُس کے بیٹے کو قید کر لیا۔ شام ہوتے ہوتے نیس آدمیوں کو چھوڑ کر باقی سب سکھ فوج باغیوں سے جا ملی۔ ایگنیو اور اینڈرسن نے زخموں کے باوجود ایک چٹھی بنوں میں میجر ایڈورڈ کو لکھی چٹھی پاتے ہی وہ توپیں بارہ سو پیادہ اور تین سو پچاس سوار لے کر ملتان کی طرف چل پڑا لیکن ایگنیو اور اینڈرسن کو دوسرے باغیوں نے مار ڈالا۔ ایڈورڈز نے روانہ ہوتے وقت لاہور کے ریذیڈنٹ کو سب حال سے اطلاع دیدی۔ دریائے سندھ پہنچ کر اُس نے پھر ریذیڈنٹ کو امداد کے لئے لکھا لیکن ریذیڈنٹ نے اُن کی چٹھیوں پر کوئی دھیان نہ دیا۔

لاہور میں اس بغاوت کی خبر ملنے پر کونسل اکٹھی ہوئی۔ سب سرداروں نے ریذیڈنٹ سے کہا کہ اس وقت سکھ فوج کا ملتان بھیجنا ہرگز مناسب نہ ہوگا۔ بلکہ اُس کی بجائے جتنی جلدی ہو سکے انگریزی فوج روانہ کرنی چاہیئے لیکن ریذیڈنٹ نے سرداروں کے بار بار کہنے پر کوئی دھیان نہ دیا۔ جب اُنھوں نے دیکھا

کہ ریذیڈنٹ کچھ کرنے پر طیار نہیں ہے۔ وہ اپنی اپنی فوج سے کر ملتان روانہ ہوئے۔ ریذیڈنٹ ہی کیا۔ لارڈ ڈلہوزی اور لارڈ گف بھی اس وقت ملتان کو فوج بھیجنے پر طیار نہ تھے۔ لارڈ گف نے کہا کہ "اس وقت ایک برگیڈ بھیجنا بھی ٹھیک نہ ہوگا" ملتان کی بغاوت برسات میں شروع ہوئی تھی اور لارڈ ڈلہوزی نے کہا کہ "اگرچہ یہ درست ہے کہ انگریزی فوج کے بھیجے بغیر یہ بغاوت فرو نہ ہوگی اور سارے پنجاب میں بھی اس کے پھیل جانے کا ڈر ہے لیکن ہم پنجاب کی حفاظت کے لیئے اپنی فوج نہیں بھیج سکتے ہیں۔ موسم برسات کی وجہ سے ہماری فوج کی صحت بگڑ جائیگی"

لارڈ ڈلہوزی کی اس لاپرواہی پر کئی رائیں لگائی گئی ہیں۔ اگر یہ دلیری موقعہ کو غلط سمجھکر سادہ دلی سے کی گئی ہو تو یہ قصور ضرور ہے۔ یہ قصور قابل معافی ہے لیکن لارڈ ڈلہوزی جیسے آدمی سے ایسی غلطی ہونا ممکن نہیں ہوسکتا اسلیئے اس رائے کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی نے ارادۃً یہ دلیری کی تاکہ پنجاب میں سلسلہ بدانتظامی پھیل جائے اور اُسے پنجاب کو اپنے ساتھ ملا لینے کا موقعہ حاصل ہو لیکن اس کے باوجود میجر ایڈورڈز اکیلا ہی اِدھر اُدھر جہاں سے اُسے مدد مل سکی اس بغاوت کے فرو کرنے میں لگا رہا۔ ۱۸۴۸ء ۲ مئی کو اس نے منگروٹہ کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ پہلے پہل ڈیرہ غازی خاں سے کورٹ لینڈ مدد کے لئے آپہنچا لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے چھوڑکر واپس چلا گیا۔ ایڈورڈز نے اپنی ذمہ داری پر نواب بہاول پور سے امداد کی درخواست کی۔ نواب نے بارہ ہزار فوج مدد میں بھیجی۔ نواب کی اس حالت کو دیکھکر اور بھی بہت سے زمیندار انگریزوں کی مدد پر طیار ہوگئے۔ کیسری کے گھاٹ پر دیوان مولراج اور ایڈورڈز کی فوج میں لڑائی ہوئی جس میں رنگارام کے حملے سے انگریزی فوج کے پیر اکھڑتے

گئے۔ اُس وقت کورٹ لینڈ کی دو پلٹنیں اور چھ توپیں مدد کو آپہنچیں۔ مولراج کو میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اِس سے سندھ اور چناب کا علاقہ اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اِس وقت لاہور دربار سے چار ہزار فوج آجانے پر ایڈورڈز کے پاس اٹھارہ ہزار سپاہی ہو گئے۔ مُلتان سے آٹھ میل کے فاصلے پر دیوان مولراج نے ایڈورڈز پر حملہ کیا۔ پھر انگریزی فوج کے پیر اُکھڑ گئے لیکن بدقسمتی سے مولراج کے ہاتھی پر ایک گولہ آگرا جس سے مولراج کو ہاتھی سے اُترنا پڑا۔ اُس کی فوج نے اُسے مرا ہوا سمجھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ لڑائی پہلی جولائی کو ہوئی۔ اِس میں مولراج کو بھاگ کر مُلتان کے قلعے میں پناہ لینی پڑی۔ اگر ایڈورڈز سیدھا مولراج کا پیچھا کرتا تو ممکن تھا کہ اُسے پوری فتح نصیب ہو جاتی لیکن جب مولراج قلعے میں داخل ہو گیا۔ مُلتان کے قلعے کا لینا آسان کام نہ تھا۔ ایڈورڈز ریذیڈنٹ کو لکھتا رہا لیکن وہاں سے کچھ زیادہ مدد نہ آئی۔ سکھ لوگ پہلے ہی انگریزی گورنمنٹ سے ناراض ہو رہے تھے۔ جب مُلتان کی بغاوت کی خبر پنجاب میں پھیلنے لگی تو سب جگہ خالصہ جاگ اُٹھا۔ اُنہیں خیال ہُوا کہ اگر انگریز اتنی سی بغاوت کو دبا نہیں سکتے تو اُن کی طاقت کا گھمنڈ محض دکھاوا ہی ہے اِسلئے سکھوں کے جھُنڈ کے جھُنڈ مولراج کے جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہونے لگے

**مہارانی جنداں کی جلاوطنی**

مُلتان کی اِس بغاوت کا اثر بیچاری مہارانی پر آپڑا۔ مہارانی جنداں شیخوپورے میں قید تھی۔ ہنری لارنس کے چلے جانے کے بعد اُس کے دُکھ اور بھی بڑھنے شروع ہوئے۔ نئے ریذیڈنٹ کو ایک بار یہ پتہ لگا کہ راجہ لال سنگھ کا اردلی صاحب سنگھ خفیہ طور پر مہارانی سے ملا ہے۔ ریذیڈنٹ نے مہارانی کو کہلا بھیجا کہ اِس قسم کی ملاقاتوں سے آگے کو خبردار رہے۔ ساتھ ہی صاحب سنگھ کو حکم دیا کہ اگر وہ قلعے کے

نزدیک دیکھا گیا تو اُسے سخت سزا دی جاوے گی۔ اِس کے کچھ دن بعد مہارانی نے قلعے کے محافظوں کو ساٹھ ساٹھ روپے کی ایک ایک کنٹھی انعام کے طور پر دی۔ ریذیڈنٹ کو اِس بات کا پتہ لگ گیا وہ بہت ناراض ہوا اور سب کو وہ کنٹھی لوٹا دینے کا حکم دیا اور اُن کو ہٹا کر دوسرے آدمی رکھے گئے۔ اُسے یہ بھی خبر ملی کہ مہارانی نے ایک آدمی مہاراج گلاب سنگھ کے پاس اور دوسرا مہاراج دلیپ سنگھ کے پاس بھیجا ہے۔ ان آدمیوں کا کچھ پتہ نہ لگا لیکن اِس سے مہارانی کی قید اور سخت کر دی گئی اور یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے نوکروں کے بغیر اور کسی سے بات چیت نہ کیا کرے اور رانی کوئی چٹھی بھیجنی ہو تو قلعے کے محافظ کو بغیر دکھلائے نہ بھیجا کرے۔ مہارانی نے تنگ آکر اپنے ایک وکیل سردار جیون سنگھ کو فروری ۱۸۴۸ء میں لارڈ ڈلہوزی کے پاس کلکتے روانہ کیا۔ جیون سنگھ نے لاٹ صاحب سے کہا کہ میں مہارانی کی طرف سے وکیل ہو کر آیا ہوں۔ مہارانی کے ساتھ بہت بے انصافی سے سلوک کیا جا رہا ہے۔ جس سے مہارانی کو بہت سخت تکلیف ہے۔ اُس کے ساتھ معمولی قیدی کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اور یہ تکلیف بغیر کسی قصور کے دی جا رہی ہے۔ مہارانی کی یہ عرض ہے کہ اُس کے قصور کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے اور جب تک اُس کا قصور نہ ثابت ہو جائے اُس کے ساتھ رانیوں کا سا سلوک کیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی نے صاف جواب دیا کہ سرکار تم کو مہارانی کا وکیل نہیں مانتی ہے۔ مہارانی کو جو کچھ کہنا ہو وہ ریذیڈنٹ کی معرفت کہلائے۔ جیون سنگھ نے دوبارہ ملاقات کی اور رانی کی تکلیفات کو زور سے بیان کیا۔ یہاں تک کہہ دیا کہ اُس کی ساری تکلیف اُس کے اپنے سرداروں کی وجہ سے ہے۔ اِس لئے اُس کی درخواست ہے کہ اُس کا چارج کسی انگریز افسر کو دیدیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی نے کبھی بات کی

طرف دھیان نہ دیا اور کہا کہ "مہارانی نے اپنے آپ کو رنجیت سنگھ کی بیوہ اور موجودہ مہاراج کی ماں کہکر درخواست کی ہے اس لئے وہ مجھ سے کسی قسم کی امید نہ کرے۔" اس کے دو تین ماہ بعد مئی میں ریذیڈنٹ کو پتہ لگا کہ ملتان کی بغاوت کی نہ میں ایک سازش پائی جاتی ہے۔ اس سازش کے متعلق مہارانی کے وکیل گنگارام اور ایک سکھ کو پھانسی دی گئی اور دو اور کو جلاوطن کیا گیا۔ اس سے ریذیڈنٹ کو یہ بھی شبہ ہوا کہ مہارانی کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ یہانتک بھی خیال ظاہر کیا گیا کہ کھلی عدالت میں مہارانی کے قصور پر غور کیا جائے لیکن اس کو مناسب نہ سمجھکر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مہارانی کو پنجاب سے باہر کسی جگہ رکھا جائے۔ اس پر کونسل کے تین ممبروں کے دستخط کرائے گئے جن میں سے ایک راجہ تیج سنگھ تھا اور سردار شیر سنگھ کی غیر حاضری میں اس کے بھائی گلاب سنگھ کے بھی دستخط کرائے گئے۔ اور اس فیصلے میں یہ بھی لکھا گیا کہ اگر کاشی .. مہارانی کے کسی اور سازش میں شامل ہونے کی خبر لگی تو اسے چنار میں بند کر کے قید کو بہت سخت کر دیا جائے گا۔ ۱۴ جون کو ریذیڈنٹ نے مہارانی کو ایک چٹھی لکھی جس میں یہ کہا کہ "میں کپتان لمسڈن اور لفٹیننٹ ہڈسن کے ساتھ کچھ سردار بھیجتا ہوں۔ یہ لوگ شیخوپورہ سے باہر جانے کے متعلق آپ سے جو کچھ کہیں آپ اس پر عمل کرنے میں دیری نہ کریں۔ یہ لوگ آپ کو عزت سے لے جائیں گے۔ آپ کو کسی قسم کی جسمانی تکلیف دینے کا خیال نہیں ہے۔" اس چٹھی پر مہاراج دلیپ سنگھ کی مہر لگا دی گئی تھی۔ مہارانی نے اسے لیکر صرف ایک ہی سوال کیا۔ "مجھے کہاں لے چلوگے؟" کپتان نے کہا میں یہ بات مہارانی کو نہیں بتا سکتا۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ مہارانی کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ ہوگا اور کسی قسم کی بےعزتی نہ اٹھانی ہوگی۔" مہارانی نے پھر وہی سوال کیا لیکن اسے اس کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ مہارانی لاہور جانے کے

خیال سے شیخو پورہ سے روانہ ہوئی تھی لیکن جب لاہور سے آگے جانے پر
اُس نے کپتان کو پھر بلایا اور کہا "میں تم سے اب بھی پوچھتی ہوں کہ کیا مجھے
پنجاب سے ہٹا انگریزی علاقے میں لے جا رہے ہو؟ میں تم سے یہ درخواست
کرتی ہوں کہ میری طرف سے ریذیڈنٹ کو کہنا کہ انہوں نے مجھے انگریزی راجیہ
میں رکھا ہے۔ اس کے لئے میں اُن کی بہت مشکور ہوں۔ انگریزی راجیہ میں مجھے
سکھ ملیگا۔" بنارس میں میجر میکریگر مہارانی کے محافظ مقرر ہوئے۔ بنارس پہنچنے پر
مہارانی سے سب زیورات جو کہ پچاس لاکھ روپے کے تھے اور دو لاکھ نقد روپے
لیے گئے اور بجائے چار ہزار ماہواری خرچ کے ایک ہزار مقرر کر دیا۔ صرف
اتنا ہی نہیں بلکہ دو عورتوں کو مقرر کر کے مہارانی اور اُس کی سب داسیوں کے ایک
ایک کپڑے کی تلاشی لی گئی۔ اس تلاشی میں مہارانی کے بکس سے کچھ چٹھیاں ملیں۔
ان چٹھیوں کو پڑھکر میجر میکریگر نے گورنر جنرل کو لکھا کہ مہارانی کی چٹھیوں میں کہیں
بغاوت کی بو نہیں پائی جاتی ہے۔ خرچ کی کمی سے مہارانی کو اتنی تنگی ہوئی کہ اُس نے
پھر اپنے وکیل جیون سنگھ کو کلکتے بھیجا۔ اس نے کلکتے جا کر ایک انگریز نیوٹارچ کو
مہارانی کی طرف سے وکیل مقرر کیا۔ نیوٹارچ نے مہارانی سے ملنے کی درخواست کی
اور اس کے منظور ہونے پر آٹھ دن وہاں رہا اور کئی بار مہارانی سے ملاقات کر کے ہر ایک
مضمون کی خوب جانچ پڑتال کی۔ اُس نے مہارانی کے خرچ کے متعلق میکریگر سے
خط و کتابت کی۔ گورنر جنرل نے آخر میں یہ جواب دیا کہ "جو رقم مہارانی کو مل رہی ہے
اُس سے اس کا گذارہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔" نیوٹارچ نے مہارانی کو کلکتہ سپریم کورٹ
میں اپیل کرنے کے لئے لکھا۔ سپریم کورٹ نے بھی لاٹ صاحب کے فیصلے کی تائید
کی۔ مہارانی کی اب یہ خواہش ہوئی کہ نیوٹارچ کو انگلینڈ بھیجا جائے لیکن اس کے لئے
نیوٹارچ پچاس ہزار فیس مانگتا تھا۔ مہارانی کے پاس اب کیا تھا کہ جس سے وہ

پچاس ہزار فیس ادا کرتی۔ سب طرف سے نا اُمید کر کے وہ چُپ ہو گئی۔

**اٹاری کے سردار**

مہارانی کے اس دیش نکالے کی خبر جوں جوں پھیلتی گئی۔ سکھوں کے دلوں میں ایک قسم کا دھواں سُلگنے لگا۔ ایک تو یُوں بھی سکھ لوگ مہارانی کو ماتا کے برابر سمجھتے تھے اور اُس کے بے قصور جلاوطن کئے جانے پر اُن کے دلوں میں بے چینی ہونی لازمی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خوف بھی پیدا ہونے لگا کہ مہارانی کو نکال دینے کا کہیں یہ نتیجہ نہ ہو کہ پنجاب راج اُس کے بیٹے سے بھی چھین لیا جائے۔ اس آگ کے سُلگانے کا مصالحہ ملتان میں پایا جاتا تھا۔ دیوان مُولراج کی بغاوت ہر وقت سکھوں کے دلوں میں ایک ولولہ سا پیدا کرتی تھی۔ ریذیڈنٹ نے اپنی رپورٹ میں لاٹ صاحب کو لکھا کہ سردار شیر سنگھ کے ڈیرے سے یہ خبر آئی ہے کہ خالصہ فوج مہارانی کے دیش نکالے کی سزا کی خبر سُنکر بہت بے چین ہو رہی ہے۔ سپاہی لوگ کہتے ہیں کہ مہارانی خالصہ کی ماتا ہے۔ جب وہی دیش سے نکالی گئی اور بچہ مہاراج ہمارے ہاتھ میں نہیں تو اب کس کی حفاظت کریں۔ ہمیں اب کسی دوسرے کے لئے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم لوگ اب مُولراج کی مخالفت چھوڑ اپنے سرداروں کو قید کر اُس کے ساتھ ملجائیں گے"۔ اس کے علاوہ کئی انگریز افسروں کی شہادت موجود ہے کہ مہارانی کی سزا پر لوگوں میں بہت سی بے چینی پیدا ہوئی مگر لارڈ ڈلہوزی نے لوگوں کی چیخ و پکار کی طرف دھیان تک نہ دیا۔ یہ شور و غل عام لوگوں میں موجود تھا لیکن بڑے سردار اس نے باوجود سرکار انگریزی کے ساتھ تھے۔ ان بڑے سرداروں میں سب سے اُونچا درجہ اٹاری کے بڑے سردار چتر سنگھ کا تھا جو کہ ہزارہ کے جاگیردار تھے۔ ان کے بڑے بیٹے سردار شیر سنگھ سکھ فوج کے سپہ سالار تھے۔ انکے دوسرے بیٹے بھی لاہور دربار کی کونسل کے

ممبر تھے۔

سردار چتر سنگھ کی لڑکی کی سگائی مہاراج دلیپ سنگھ کے ساتھ ہوئی تھی۔ بوڑھے سردار چتر سنگھ کے دل میں اب دو خواہشیں تھیں۔ ایک تو لڑکی کا بیاہ ہو جائے اور دوسرے ایک سال وہ تیرتھ یاترا میں گذارے۔ اُنہوں نے ریذیڈنٹ کو چٹھی لکھی کہ اُن کو اپنی لڑکی کا مہاراج کے ساتھ بیاہ کرنے کی اجازت دیجائے۔ اور اُس کیلئے کوئی جیوتشی مقرر کیا جائے جو کہ اچھی لگن اور مہورت نکالے اور اگر سرکار بیاہ کی اجازت نہ دے تو اُن کو دو سال کے لئے اپنے عہدے سے سبکدوش کیا جائے تاکہ وہ تیرتھ یاترا کر سکیں۔ سردار شیر سنگھ نے بھی ریذیڈنٹ سے اس معاملے پر بات چیت کی کہ جس طرح اُن کے باپ کا بیاہ کرنے کا ارادہ ہے۔ اُس کے لئے کم از کم ایک برس تیاری میں لگیگا۔ اس لئے انہیں دس دن کے اندر جواب مِلنا چاہیئے۔ اِس بیاہ سے ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے دلوں میں جو شک پنجاب لینے کے متعلق پیدا ہو گیا ہے وہ بھی دور ہو جائیگا۔ اِس کا جواب ریذیڈنٹ نے ٹال مٹول میں دیدیا کہ مہاراج کا بیاہ ریذیڈنٹ کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا اور ریذیڈنٹ اس مضمون پر کونسل سے خفیہ مشورہ لینگے۔ اِس جواب سے سردار چتر سنگھ اور شیر سنگھ ناراض ہو گئے۔

اِس ناراضگی کے ساتھ ایک واقعہ ہُوا جس نے جلتی ہوئی آگ پر تیل ڈالنے کا کام کیا۔ ہزارہ کی مسلمان آبادی دل سے سکھ حکومت سے سخت نفرت کرتی تھی۔ سردار چتر سنگھ کو صلاح مشورہ دینے کے لئے ریذیڈنٹ نے ایک انگریز افسر کپتان ایبٹ کو مقرر کیا ہُوا تھا۔ کپتان ایبٹ عجیب قسم کے سوبھاؤ کا آدمی تھا۔ اُس کی طبیعت میں اتنا شک پایا جاتا تھا کہ وہ ہر ایک کام کو شبہے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اتفاق یہ ہُوا کہ ایک سردار جھنڈا سنگھ کے ماتحت کچھ سپاہی

بغاوت کی صلاح کرتے تھے۔ ان سپاہیوں کو سزا دی گئی لیکن کپتان یہ چاہتا تھا
کہ سردار جھنڈا سنگھ کو بھی سازشی ٹھیرا کر سزا دی جائے۔ اس معاملے کی کپتان ایبٹ
اور سردار چتر سنگھ دونوں نے ریذیڈنٹ کو رپورٹ کی۔ ریذیڈنٹ نے یہ فیصلہ
کیا کہ سردار جھنڈا سنگھ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس پر کسی قسم کا شک کرنا بالکل فضول
ہے اور اس کے ساتھ ہی بوڑھے سردار چتر سنگھ کے خاندان کی وفاداری کی
بہت تعریف کی۔ اتنے میں ہی سردار چتر سنگھ کی فوج کے سپاہی بغاوت کی پیش بندی
دکھلانے لگے۔ اگرچہ اس کے افسر اس رپورٹ کو دبانے میں لگے تھے کپتان
ایبٹ کے دماغ میں یہ بات سما گئی کہ سردار چتر سنگھ دل سے ان کی امداد کر رہا
ہے اور جلدی ہی لاہور پر حملہ کر کے پنجاب سے انکو نکالنا چاہتا ہے۔ اس شک
کے اثر میں آکر کپتان ایبٹ وہاں سے چھتیس میل کے فاصلے پر مقام سرولن میں چلے
گئے۔ سردار چتر سنگھ اس کی اس حرکت سے حیران رہ گیا اور اپنا وکیل کپتان کے
پاس بھیجا۔ کپتان ایبٹ نے اسے رُوکھا سا جواب دیا۔ "میں تمہارے مالک کا
اعتبار نہیں کرتا ہوں"۔ اس پر چتر سنگھ بالکل شانت رہا اور کپتان کو یہ کہلا بھیجا کہ
اگر ان کو وہیں رہنا ہے تو وہ سردار کو یا انکے بیٹے کو اپنے پاس رہنے کی اجازت
دے۔ کپتان ایبٹ نے اس کے بجائے مسلمان لوگوں کو لالچ دیکر سردار
کے برخلاف اُبھارنا شروع کیا۔ ۶ اگست ۱۸۴۸ء کو مسلمانوں کے دل کے
دل سردار چتر سنگھ کے مکان کے گرد جمع ہو گئے ہزارہ کی فوج چھاؤنی میں تھی۔ سردار
چتر سنگھ نے شہر کے سپاہیوں کو اکٹھا کر کے توپ لیکر ان کو ہٹا دینے کا حکم دیا۔ اس
توپخانے میں کنورا نام کا ایک شخص امریکہ کا تھا۔ جب اُسے ساتھ جانے کو کہا گیا
تو اُس نے جواب دیا کہ میں کپتان ایبٹ کے حکم کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اُسے سمجھا
بجھا کر اگر تم توپخانہ لیکر نہ پہنچو گے تو دشمن ہری پور پر قبضہ کر لیں گے اور ہماری حکومت

تباہ ہو جائے گی۔ کنورا نے نہ صرف حکم ہی نہیں مانا بلکہ توپ لے کر برج میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ جو کوئی میرے سامنے آئیگا اسی کو گولے سے اڑا دونگا یہاں تک ہی نہیں اُس نے ایک سکھ حوالدار کو اسی برج پر گولہ چلانے کا حکم دیا۔ اُس حوالدار کے انکار کرنے پر کنورا غصے میں آگیا اور اُس بیچارے کو تلوار سے کاٹ ڈالا اور پستول نکال کر دو سپاہیوں کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر سکھ سپاہیوں نے کنورا کو کاٹ ڈالا

اِس پر کپتان ایبٹ نے ریذیڈنٹ کو رپورٹ کی کہ سردار چتر سنگھ نے کنورا کو قتل کروا دیا ہے۔ ریذیڈنٹ نے سردار سے کیفیت طلب کی اور فیصلہ کیا اس سارے معاملے میں کپتان ایبٹ کا قصور ہے اور اپنی چٹھی میں اُس کی ہر ایک بات کی تردید کی اور اُس سے جواب طلب کیا کہ وہ کس طرح سے کنورا کے قتل کا الزام سردار چتر سنگھ پر لگاتا ہے۔ کیونکہ سردار چتر سنگھ نے جو کچھ کیا ہے اپنی حفاظت اور حکومت کے بچاؤ کے لئے کیا ہے۔ باوجود اس کے کپتان ایبٹ نے سردار کو لکھ بھیجا کہ اگر سردار چتر سنگھ کنورا کے قاتل کو میرے سپرد کر دیں تو اُن کی جاگیر اور فوج بچ رہیگی۔ اُن کا یہ کام قانون کے مطابق جانچا جائیگا اور میں اسی وقت ہزارے کے ضلع میں امن کرا دونگا۔“ سردار چتر سنگھ ایبٹ کی اس بات کو کیسے مان سکتے تھے انہوں نے کنورا کے قاتل کو انعام دینا مناسب سمجھا تھا۔ اگر سردار چتر سنگھ اس کو دے دیتا تو اُس کی ساری فوج اس سے بگڑ جاتی۔ سردار چتر سنگھ ایبٹ سے ملنا چاہتے تھے لیکن اُس نے ملاقات کرنی بھی گوارا نہ کی۔ کپتان نے اب سردار پر ایک اور الزام لگایا کہ سردار چتر سنگھ نے جموں کے راجا گلاب سنگھ اور اُس کے بیٹے شیر سنگھ کو لاہور پر حملہ کرنے کے لئے چٹھیاں لکھی ہیں۔ ریذیڈنٹ نے کپتان نکلسن کو اس بات کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا جس نے یہ لکھا کہ ان چٹھیوں میں صرف مسلمانوں کی بغاوت دبانے کے لئے پلٹنیں بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی لیکن نہ معلوم

کہا۔ جب مجاہدہ وزکیتا فوں کی یہ رائے ہوگئی کہ نکلسن سے بھی سردار چتر سنگھ کو لکھ کہ جہاں آپ بغیر دیری کے اپنے آپ کو حوالہ کریں اور کنورا کے قاتل کو میرے پاس لے آئیں جب آپ کی عزت اور زندگی کی ذمہ داری میں لے سکتا ہوں لیکن اپنی نظامت اور جاگیر کی کوئی امید نہ رکھیے" اور ایک چٹھی ریذیڈنٹ کو لکھی کہ چتر سنگھ کو نظامت اور جاگیر سے علیحدہ کر دینا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ریذیڈنٹ نے جو اب تک چتر سنگھ کو بےقصور سمجھتے تھے نکلسن کی تجویز کی تائید کر دی ریذیڈنٹ خوب جانتے تھے کہ نکلسن اس معاملے میں کنورا کے قتل کی وجہ نہ جان کر غلطی کر رہا ہے۔ ۲۹ اگست کو ریذیڈنٹ نے ایبٹ کو لکھا تھا کہ کنورا کی سزا کو تم ہرگز قتل نہیں کہہ سکتے۔ تمہارا ایسا کہنا انصاف کے بالکل برخلاف ہے لیکن یہ سب جانتے ہوئے ریذیڈنٹ نے اُس کی جاگیر اور نظامت کی ضبطی کی اجازت دیدی۔ سردار چتر سنگھ کے لئے اب کوئی چارہ نہ تھا لاچار اُس نے تلوار کا آسرا لیا اور اُس کے ساتھ اپنے بیٹے سردار شیر سنگھ کو بھی اس بات کی اطلاع دیدی۔

جس وقت سردار چتر سنگھ کے ساتھ یہ حال ہو رہا تھا اُس کا بیٹا سردار شیر سنگھ میجر ایڈورڈز کے ساتھ ملتان کی بغاوت فرو کرنے میں مشغول تھا۔ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ اگرچہ سکھ سرداروں نے ریذیڈنٹ سے یہ کہدیا تھا کہ ملتان کی بغاوت دبانے کے لئے سکھ فوج پر پورا اعتبار نہیں کیا جا سکتا تاہم سب کے سب سردار انگریزوں کی پوری طرح امداد کر رہے تھے۔ جون ۱۸۴۸ء میں گورو مہاراج سنگھ نے پانچ ہزار کے قریب لشکر جمع کر کے ہوشیارپور کے علاقے میں غدر مچا دیا۔ [illegible] ایک ہزار سپاہی لیکر وہاں پہنچے اور اسے دبا دیا۔ کچھ پہاڑی راجوں نے بھی غدر کا جھنڈا اٹھایا لیکن سکھ سردار اُن کے برخلاف جانے پر تیار ہو گئے۔ میجر ایڈورڈز نے ۱۴ جولائی کو شیر سنگھ کے متعلق لکھا کہ اگرچہ اُس کے ماتحت فوج نے کچھ

قابل اعتبار نہیں ہیں لیکن راجہ شیر سنگھ کا بر گشتہ ہے اور سب لوگ اُس کی حکومت کو مانتے ہیں۔ ان کی فوج کے دو ایک آدمیوں نے کچھ شور مچایا تھا لیکن سردار شیر سنگھ نے ان کو سخت سزا دیکر دوسرے کے دلوں میں ڈر پیدا کر دیا۔" شیر سنگھ کے پہنچنے تک ایڈورڈز چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اس عرصہ میں دیوان مولراج قلعے کو مضبوط کرتا گیا اور نئی فوج بھرتی کر لیا۔ باوجود مضبوطی کے شیر سنگھ کے آنے پر اُسے ڈر پیدا ہو گیا لہٰذا اُس نے اپنا ایک قاصد سردار شیر سنگھ اور دوسرے سرداروں کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ اُس کی مدد کریں لیکن سردار شیر سنگھ نے اُس کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے واپس بھیج دیا۔ مولراج نے ادھر سے مایوس ہو کر لاہور کی سکھ فوج کو بہکانے کی کوشش کی اور فوج کا ایک حصہ اُس کے ساتھ جا کر مل بھی گیا۔

۲۰ جولائی کو مولراج نے قلعے سے انگریزی فوج پر گولے برسانے شروع کیے۔ سردار شیر سنگھ نے قلعے کے اوپر حملہ کر کے گولہ باری کو روک دیا۔ مولراج نے پھر ایک بار اپنی کچھ فوج بھیج کر سردار شیر سنگھ کی فوج کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن شیر سنگھ نے اُس کی تدبیر کو کارگر نہ ہونے دیا۔ دیوان مولراج نے تنگ آ کر شیر سنگھ کو قتل کرنے کیلئے سجان سنگھ نامی ایک سپاہی کو روانہ کر دیا لیکن سجان سنگھ و اُس کے ساتھی پکڑے گئے اور سجان سنگھ گولے سے اڑا دیا گیا لیکن ان باتوں سے سردار شیر سنگھ کی فوج میں بے چینی سی پھیل گئی اور سردار شیر سنگھ کو فوج سنبھالنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ ان سب باتوں کے باوجود انگریز افسروں کے دلوں میں شیر سنگھ کے برخلاف شکوک پیدا ہو رہے تھے۔ ۱۸ اگست کو سردار شیر سنگھ نے میجر ایڈورڈز سے اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی کا ذکر کیا لیکن جب کبھی مولراج کی طرف سے حملہ ہوتا تھا شیر سنگھ برابر انگریزی فوج کی حفاظت میں موجود رہتا تھا۔ میجر ایڈورڈز اپنی چٹھی میں اُس کے کام کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ سکھ لوگ شیر سنگھ

سے بہت بگڑے ہوئے تھے وہ اُسے سکھوں کا گھاتک اور مسلمانوں کا پیدا کیا
ہوا کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اُس کا نام بجائے شیر سنگھ کے شیخ سنگھ رکھا ہوا تھا۔"
ستمبر کے مہینے میں لاٹ صاحب نے میجر ایڈورڈز کی امداد میں ملتان فوج بھیجی
اس کے ساتھ اُس کے سپہ سالار ہویس اور نیپئر صاحب انجینئر تھے ہویس کے ماتحت
آٹھ ہزار پیدل ڈیڑھ ہزار سوار اور چالیس توپیں تھیں۔ اُن کی امداد میں میجر ایڈورڈز کے
نیچے قریباً دس ہزار پیدل تین ہزار سوار اڑتالیس چھوٹی بڑی توپیں تھیں۔ اس کے علاوہ
نواب بہاولپور کے پانچ ہزار پیدل اور دو ہزار سوار اور کچھ توپیں اور راجہ شیر سنگھ کی تین
ہزار تین سو سوار اور ایک ہزار کے قریب پیدل فوج اور بارہ توپیں تھیں۔ مولراج کے
پاس دس ہزار فوج اور اکسٹھ توپیں تھیں۔ ۹ ستمبر کی رات کو کچھ انگریزی اور دیسی فوج نے
قلعے پر حملہ کیا لیکن انہیں کچھ کامیابی نہ ہوئی اور اُن کے دو تین سو سپاہی مارے گئے
لیکن دھرم سالہ کی لڑائی میں مولراج کے پانچ سو سپاہی مارے گئے۔ اس کامیابی کے
بعد انگریزی فوج قلعے سے سولہ سو ہاتھ کے فاصلے پر پہنچ گئی۔ اس وقت سردار شیر سنگھ
کو اپنے باپ کی طرف سے خبر ملی کہ اُس کی جاگیر ضبط کر لینے کا حکم ہو گیا ہے۔ وہ اپنے
باپ کی اس بے عزتی کو سہار نہ سکا۔ اُس کا دل غصے سے جلنے لگا اور اُس نے اسی
تدارک جس سے وہ ملتان بغاوت فرو کرنے میں لگا تھا، انگریزوں کے برخلاف چلانے پر
تیار ہو گیا۔ ۱۴ ستمبر کی رات کو اُس نے اپنے بھائی گلاب سنگھ کو ایک خفیہ چٹھی لکھی جس
کا مطلب یہ تھا کہ سنگھ صاحب (پتا جی) لکھتے ہیں: "وہ کپتان ایبٹ کا حکم مانتے
رہے لیکن اُس نے ہزارہ کے مسلمانوں سے مل کر پتا جی کو سخت تکلیف دی اور اُس نے
سکھ فوج کو تباہ کرنے کے لیے اپنی طرف سے بہت کوشش کی۔ پچھلے ہفتے سے میجر ایڈورڈز
کا خیال بھی بدلا ہوا ہے۔ اس لیے میں نے سنگھ صاحب سے ملنے کا پورا ارادہ کر لیا
اگر تم کو سنگھ صاحب کا حکم اور میری رائے کا کچھ لحاظ ہے تو اس چٹھی کے پاتے ہی فوراً

نگر صاحب کے پاس پہنچ جاتا نہیں تو جلدی ہی جموں یا کسی اور جگہ چلے جانا۔ ہیں میں لمحہ بھر بھی دیری نہ کرنا اگر تمہیں میری رائے منظور نہ ہو تو جو تمہاری مرضی ہو کرو۔ لیکن اس بات کو یاد رکھو کہ باپ کا حکم ماننا اولاد کا سب سے بڑا فرض ہے۔ یہ زندگی دو دن کی ہے اگر جیتے رہے تو پھر ملیں گے نہیں تو جو ایشور کو منظور ہے وہ ہوگا۔ اس چٹھی کے لکھنے کے بعد شیر سنگھ نے ایک اعلان مشتہر کیا۔ پنجاب کے لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مہاراج رنجیت سنگھ کی رانی کے ساتھ فرنگیوں نے کس قسم کا [illegible] کیا ہے۔ اُن کی جو بے عزتی ہوئی یا اس کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ جو نامناسب برتاؤ کیا گیا اس کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پنجابیوں کی ماتا کے برابر مہارانی جنداں کو دیش نکالا دیا۔ پھر ایک تو انہوں نے عہد نامہ توڑا ہے اور دوسرا مہاراج رنجیت سنگھ کی اولاد کے اور ہم سب سکھوں کے ساتھ ایسا ظلم [illegible] کیا کہ ہم دھرم سے محروم ہو گئے ہیں۔ تیسرا راجیہ کی سب پرانی بزرگی بھی دور ہو رہی ہے۔ بس اب دیکھتے کیا ہو؟ آؤ سب اپنی عزت اور جان و مال کی حفاظت کے لئے ایک ہو جاؤ۔"

۱۴ ستمبر کی صبح کو ہی شیر سنگھ انگریزی فوج سے علیحدہ ہو کر ملتان قلعے کی طرف گیا۔ اس سے پہلے دن اُس نے مولراج کو لکھ بھیجا تھا کہ میں کل آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مولراج کو شیر سنگھ کی باتوں کا یقین نہ آیا۔ اُس کو یہ خیال ہوا کہ شیر سنگھ اُسے کسی دھوکے میں پھنساتا ہے۔ اس لئے اُس نے سردار شیر سنگھ کے لئے قلعے کے باہری حصے میں توپوں کے سامنے خیمے کھڑے کر دئے۔ اس کے علاوہ شیر سنگھ سے ایک دھرمسالہ میں لیجا کر گرنتھ صاحب پر ہاتھ رکھوا کر قسم لی کہ میرے ساتھ کسی قسم کا دغا نہیں کیا جائے گا۔ شیر سنگھ کے ایسا کرنے پر بھی مولراج کے دل سے شک دور نہیں ہوا۔ وہ اپنی فوج لیکر قلعے کے اندر

داخل ہو گئے۔ جب شیر سنگھ نے دیکھا کہ مولراج کا شک دور نہیں ہوتا تو آگے اُسے کوئی راستہ نظر نہ آیا اور اُس نے ملتان چھوڑ کر اپنے باپ کو ملنے کا ارادہ کر لیا۔

دیوان مولراج کی یہی بڑی غلطی تھی۔ اُس کا شیر سنگھ پر شک کرنا نامناسب نہ تھا لیکن اِس شک پر بالکل اڑے رہنا ایسی بھول تھی جو کہ مولراج کے لئے اور سکھ سرداروں کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ اگر مولراج شیر سنگھ پر بھروسہ کر لیتا تو پنجاب کی تاریخ کا ورق بالکل پلٹ جاتا۔ شیر سنگھ کے الگ ہو جانے پر انگریزی فوج میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ دو دن تک اُنہوں نے سب کام بند رکھا لیکن جب لاہور کی باقی سب فوج انگریزوں کے ماتحت برابر مستعد رہی تو انہیں کچھ ہوش تو آئی لیکن ستمبر کا باقی کا نصف اُنہوں نے سوچ بچار میں ہی گذار دیا۔ مولراج کی طاقت دن بدن بڑھتی گئی۔ اِسی عرصہ میں مولراج نے کابل کے امیر دوست محمد خاں کو لکھا اِس پر امیر دوست محمد نے اپنے بیٹے کو فوج دے کر ملتان روانہ کیا۔ اِس طرح اکتوبر کا سارا ماہ گذر گیا۔ ۴ نومبر کو جرنیل ہویس نے مولراج کی بڑھتی ہوئی فوج کے برخلاف توپیں گاڑیں اور قلعے پر گولہ باری شروع کر دی لیکن جب مولراج کی فوج بڑھتی چلی آئی تو جرنیل نے سنگینوں سے حملے کا حکم دیا جس سے ملتانی فوج مقابلے میں نہ ٹھہر کر پیچھے ہٹنے لگی۔ دسمبر کے ماہ میں بمبئی سے اور انگریزی فوج آگئی جس سے اُن کے اور بھی حوصلے بڑھ گئے۔ اور ۲۷ دسمبر کو انگریزی فوج نے حملہ کر کے ملتان کا بہت سا باہری حصہ لے لیا اور مولراج کو اندر کے قلعے میں بند ہونا پڑا۔ اِس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ ۳۰ دسمبر کو ایک گولہ قلعے کے بارود خانے میں جا گرا جہاں پر پانچ ہزار من کے قریب بارود پڑی تھی بارود میں آگ لگ جانے سے دھوئیں کے ایسے بادل چھا گئے کہ رات کا سا اندھیرا ہو گیا۔ اِس موقعہ پر سردار کاہن سنگھ اور اُس کا بیٹا دونوں مر گئے۔ ۲ جنوری کو بنگال

فوج نے دہلی دروازے سے حملہ کیا لیکن اُس میں کامیاب نہ ہو کر پنجابی فوج
کو (اُس) جو کہ خونی برج پر حملہ کر رہی تھی۔ مدد دے۔ بلکہ اُس برج پر فتح حاصل کر لی۔ مولراج
یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور صرف تین ہزار سپاہی لے کر قلعے کے اندر چلا گیا اور دروازہ بند
کر لیا۔ اُس کی باقی کی فوج شہر چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ۲ جنوری کو انگریزی فوج شہر
میں داخل ہوئی اور قلعے کو چاروں طرف سے گھیرا ڈال دیا۔ مولراج نے
جرنیل کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ وہ مطیع ہونے پر طیار ہے لیکن جرنیل نے یہہ
جواب دیا کہ جبتک تم خود حاضر نہ ہو تمہاری کوئی بات نہیں سُنی جائیگی۔ ۱۲ جنوری کو
مولراج نے اپنی قسمت آزمائی کرنے کیلئے انگریزی فوج پر حملہ کیا لیکن کامیابی نہ
ہوئی۔ ۱۶ جنوری تک قلعے میں جانے کے لئے دو راستے ہو گئے۔ مولراج
نے پھر اپنا آدمی بھیجا لیکن اُسے وہی جواب ملا۔ ۲۱ کو جرنیل ہیوس نے قلعے پر
قبضہ کرنے کے لئے فوج کو حکم دیا۔ اس سے مولراج کو سوائے اپنے آپ کو
حوالے کرنے کے کوئی علاج نظر نہ آیا۔ اُس نے کہلا بھیجا کہ میں حاضر ہونے پر طیار ہوں
اگر میری جان اور میرے کنبے کی عزت کی حفاظت کی جائے۔ جرنیل ہیوس نے
جواب دیا کہ آپ کی جان کے متعلق میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہاں آپ کے
بال بچوں کی حفاظت کا اقرار کر سکتا ہوں۔ دوسرے دن قلعے پر حملہ ہونے
لگا۔ ۹ بجے مولراج نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ دیوان کو لاہور لایا گیا اور
یہیں انگریزوں نے عدالت میں مقدمہ کر کے پہلے اُسے پھانسی کی سزا سنائی
پیچھے تبدیل کر کے کالا پانی کر دیا گیا۔ لاہور سے کالا پانی جاتے ہوئے راستے
میں دیوان کی موت ہو گئی اور وہ آنے والی بے عزتی سے بچ گیا۔

**انگریزوں اور سکھوں کی دوسری جنگ**

کچھ عرصہ سے سکھوں کے دلوں میں آگ سُلگ
رہی تھی۔ انکو اپنا کوئی لیڈر نہ دکھائی دیتا تھا

پشاور وغیرہ اور مقامات پر سکھ فوج اکٹھے کا ارادہ کیا لیکن اُن کو دبا دیا گیا۔
شیر سنگھ کے اعلان نکلنے پر اُن لوگوں کو سکھوں کا سب سے بڑا سردار
لیڈر کے طور پر مل گیا۔ ۱۰ نومبر کو ریذیڈنٹ نے ایک اعلان نکالا جس
میں اُن سب لوگوں کی جان ومال کی حفاظت کا اقرار دیا جو انگریزوں کے
برخلاف ہتھیار نہ اُٹھائیں گے۔ ساتھ ہی سرداروں سے درخواست کی کہ
وہ جنگ میں انگریزی فوج کو رسد وغیرہ سامان سے مدد کریں اور ہتھیار اُٹھانے
والوں کو دھمکی دی گئی۔ لیکن اِس اعلان سے پہلے ہی لارڈ گف پچیس ہزار
اور ایک سو ایک توپ لیکر فیروزپور آ گئے اور نومبر ۱۳ کو لاہور پہنچ گئے تھے۔ آتے
ہی وہ شیر سنگھ کے برخلاف میدان لینے کیلئے طیار ہو گئے۔ ۲۲ نومبر کو کیمبل اور
کوٹ بن صاحب کو رام نگر جانے کا حکم دیا۔ اُن کو معلوم ہوا تھا کہ شیر سنگھ کے
پاس رام نگر کے قریب بہت سی سکھ فوج اکٹھی ہو گئی تھی۔ رام نگر پہنچنے پر اُنہوں نے
سکھ فوج کا کوئی پتہ نہ پایا اور جب بہت دیر کے بعد سکھ فوج نظر آئی تو اُن پر گولے
چلانے کا حکم دیا گیا۔ اُن کو یہ دیکھکر بڑا تعجب ہوا کہ کوئی گولہ بھی سکھ فوج پر نہیں
پڑا۔ انگریزی فوج اور آگے بڑھی لیکن آگے سے گولوں کی ایسی بوچھاڑ پڑی کہ
انگریزی فوج دو توپیں اور رسد کے چھکڑے وہیں چھوڑ کر بھاگ آئی۔ لارڈ گف
اس سے اتنے گھبرائے کہ اُنہوں نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ انگریزی فوج
کو پیچھے ہٹتے دیکھکر سکھوں نے اُنکا تعاقب کیا اور جنگ کے لئے للکارا۔
ایک انگریز ولیم ہیولاک جو کہ نپولین کے ساتھ جنگ میں بہادری دکھا چکا تھا یہ
للکار برداشت نہ کر سکا اور لارڈ گف سے لڑائی کرنے کی اجازت مانگی گھوڑے
پر سوار ہوا اپنے ساتھ سواروں کے دو ٹروپ لیکر سکھ فوج پر جا پڑا۔ اُس نے
خود سکھوں کی لائن توڑ دی اور اپنے ساتھیوں کو پیچھے آنے کے لئے کہتا گیا

سکھوں نے ایسی گولی چلائی کہ بیڑا ک وہیں کھیت رہا اور بہت سے انگریز
سوار مارے گئے۔ اس لڑائی میں بہت سے انگریزوں کو گرفتار کیا گیا۔ سردار
شیر سنگھ نے اُنکے ساتھ بڑی عزّت سے سلوک کیا اور اُن کے آرام اور خوراک کے
لیئے انتظام کیا گیا۔

رام نگر میں یہ ہزیمت اُٹھا کر لارڈ گف نے تین کوس کے فاصلے پر اپنی چھاؤنی
ڈالی اور بڑی بڑی توپیں منگوائیں۔ ۲ دسمبر کو شیر سنگھ پر دو مختلف جانب سے
حملے کی تدبیر کی۔ شیر سنگھ کے سامنے تو خود رہنے کے لئے ٹھیرے اور نپولین کی
جنگ میں بہادری دکھلائے ہوئے سر جوزف تھیکول کو چناب کی بائیں طرف
سے شیر سنگھ پر حملہ کرنے کے لیئے مقرر کیا۔ تھیک ول اُس دن چناب پار ہو کر
وزیرآباد پہنچے اور رات چپ چاپ رہکر دوسری صبح اُن کا حملے کا ارادہ تھا۔
سردار شیر سنگھ کو اس چال کی خبر لگ گئی۔ اس نے کچھ فوج لارڈ گف کے
لئے رام نگر میں چھوڑ دی اور خود فوج لے کر تھیک ول کے برخلاف روانہ
ہو گیا۔ یہ خبر سنتے ہی اُس نے لارڈ گف کو اس سے اطلاع دی۔ لارڈ گف نے
جواب میں کہلا بھیجا کہ میں بریگیڈیر گوڈوی کو تمہاری مدد کے لیئے بھیجتا ہوں
تھیک ول صاحب تو گوڈوی کی انتظار کر رہے تھے کہ شیر سنگھ نے حملہ کیا
اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جدہر سے گوڈوی کے آنے کی اُمید تھی۔ سردار
شیر سنگھ نے سہدولاپور کے پاس تھیک ول کو جا گھیرا۔ تھیک ول نے اپنی
ساری فوج کو گنّے کے ایک کھیت کے پیچھے کر لیا اور لڑائی کے لئے تیار
ہو گئے۔ دن کے دو بجے سے لڑائی شروع ہوئی۔ دو گھنٹے تک ایک دوسرے
پر حملے ہوتے رہے جس میں زیادہ تر انگریزی فوج کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ اتنے
میں شام ہو گئی اور تھیکول صاحب نے امداد کی راہ دیکھتے دیکھتے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا

شیر سنگھ نے بھی ملتان کا قصہ سنا سب کہا اور فتح کی خوشی میں چناب کے جنوبی پل سے
پار ہو گئے۔ لارڈ گف کو اس لڑائی سے ایسا صدمہ پہنچا کہ اُسے چالیس دن تک پھر
حملہ کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ ۱۰ جنوری کو لنگوڑی پہنچکر وہاں بہت سی فوج اکٹھا
کرنے کا انتظام کیا۔ یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر رسول نام ایک گاؤں میں
سردار شیر سنگھ نے اپنی چھاؤنی بنائی۔ اِس کے سامنے ایک جنگل سا تھا۔ اور
انگریزوں کو اس تیاری کو کچھ پتہ نہ لگ سکتا تھا۔

۱۲ جنوری کو انگریزی فوج دشمن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ کئی کوس
چلنے کے بعد چلیانوالہ کے میدان میں آپہنچی۔ دوسرے دن حملے کا ارادہ تھا۔
لیکن شیر سنگھ نے یہ خبر پاکر آہستہ سے اپنی فوج لے کر دھاوا بول دیا۔ لارڈ گف
شیر سنگھ کی اِس چالاکی پر حیران ہوگیا اور سکھوں پر گولہ باری کا حکم دیا۔ دو گھنٹے
تک گولہ باری کرنے کے بعد ساڑھے تین بجے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم ہُوا۔
کیمبل صاحب کی فوج سب سے آگے تھی۔ اِس فوج کے ایک حصے کا افسر
پینی کوک تھا۔ اِن دو نو حصوں نے سکھ فوج پر حملہ کیا۔ اُنہوں نے جاکر سکھوں
کی توپوں کے اندر کیلیں گاڑ دیں۔ سکھ سپاہی تلواریں لیکر اُن پر جا پڑے اور سب
کا کام تمام کر دیا۔ اُن میں کیمبل صاحب خود بھی موجود تھے۔ ایک سکھ نے تلوار سے اُنکو
زخمی کر دیا لیکن ایک گورے سپاہی نے اپنی تلوار اٹھاکر اپنے جرنیل کو بچا لیا۔
سکھوں نے توپوں سے کیلیں اُکھاڑ دیں اور گولے برسانے شروع کئے۔ آخیر
میں کیمبل صاحب جیت ہی گئے اور سکھوں کی چار توپیں اُن کے ہاتھ لگیں۔

کیمبل تو جیت گئے لیکن اُن کے ساتھی افسر پینی کوک کی بڑی گت بنی۔
پینی کوک نے بڑی فوج کے ساتھ سکھوں پر حملہ کیا لیکن سکھوں نے تلوار اور
گولی سے ایسا جواب دیا کہ انگریزی فوج اِن کے مقابلے پر ٹھیر نہ سکی۔ پینی کوک معہ

پانچ سو ساتھیوں کے مارے گئے اور اُن کی فوج کے جھنڈے سکھوں کے ہاتھ آ گئے۔

ایک اور مقام پر گلبرٹ صاحب نے سکھوں پر حملہ کیا اور اس میں سکھوں کی چار توپیں اُن کے ہاتھ لگیں۔ گلبرٹ نے بجائے سکھوں کا پیچھا کرنے کے اپنے زخمیوں کو اُٹھانا مناسب سمجھا۔ جب وہ اس کام میں لگے تھے، سکھوں نے پیچھے سے آ کر گلبرٹ کی فوج پر حملہ کر کے اُس کی خوب گت بنائی اور اگر کپتان ڈین اِن کی مدد کو نہ پہنچتے تو معلوم نہیں، اُن کا کیا انجام ہوتا۔ اب سکھ گھبرائے اور لڑائی سے بھاگنے لگے اور ان کی تین توپیں انگریزوں کے ہاتھ لگیں۔ اُدھر سکھ سپاہیوں نے گوڈوی کی فوج کو میدان سے بھگا دیا۔ اس لڑائی میں انگریزوں کے انیس افسر اور چھ سو سپاہی مارے گئے۔ جہاں ایک طرف پیدل فوج کی لڑائی ہو رہی تھی، اُدھر سواروں کی بھی لڑائی کم گرم نہ تھی۔ کیمبل نے خود اپنے ایک افسر سردار عطر سنگھ کے اوپر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سکھوں نے بھی اس بہادری سے تلوار چلائی کہ بہت سے انگریز بہادر اُن کی تلوار کا شکار ہو گئے۔ یونٹ صاحب بھی ایک تلوار کے زخم سے موت کے مُنہ میں چل دیئے۔ سکھوں کی بہادری اس قسم کی تھی کہ مسٹر تھیک ول نے اپنی کتاب میں یہاں تک لکھا کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ رہے گا۔" انگریزوں کی ہمت اس سے نہیں ہری۔ کرنل پوپ کی چار سوار رجمنٹوں نے سکھوں پر بڑی تیزی سے حملہ کیا۔ ایک رجمنٹ بھالوں سے حملہ کرتی تھی۔ سکھوں نے اپنی ڈھالوں سے اِن بھالوں کو ہٹکا کر دیا اور تلواروں کے حملے سے انگریزی سواروں کو زمین پر سُلانے لگے۔ مسٹر تھیک ول نے سکھوں کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک سپاہی انگریزی فوج کے تین سواروں کو کاٹتا تھا۔ سکھوں کی اس بہادری سے

گرینڈوں کے چھکّے چھوٹ گئے۔ میدان میں اُن کے سپاہیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ کرنل پوپ بھی وہاں ہی مارے گئے۔ اس سے انگریزی فوج بھاگنے لگی۔ سکھوں نے تعاقب کر کے جو کوئی آدمی ملا اُسے ہی تلوار سے پار کیا۔ انگریزی فوج کو اپنی توپوں کی بھی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ بیجر کر سلی توپیں لیکر بھاگے لیکن سکھوں نے اُس کا راستہ میں ہی کام تمام کر دیا اور سب توپیں چھین لیں۔ کتنے ہی انگریز سپاہی جان بچانے کے لئے جنگل کو بھاگ گئے۔ سکھ سپاہی بڑے زور سے آگے بڑھے آرہے تھے کہ لارڈ گف کو بھی اپنا ڈیرہ چھوڑ کر بھاگ جانے کا مشورہ دیا گیا۔ لارڈ گف نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے بڑھتی ہوئی فوج پر توپوں کا وار کرنا شروع کیا۔

سکھوں کیلئے سچ مچ یہ دن بڑی خوشی اور فخر کا تھا جب اُنہوں نے اُن سواروں کی فوج کو مار بھگایا۔ جس فوج نے نپولین کے ساتھ جنگ میں فتح حاصل کی تھی اور جو جھنڈے اُنہوں نے وہاں سے حاصل کئے تھے۔ آج سکھوں کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔ تاہم لارڈ گف نے ہمّت نہ ہاری اور پھر ایک بار سکھوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ برائنڈ اور وائٹ کو سکھوں کے دائیں حصّے پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ کچھ دیر کے لئے سردار عطر سنگھ کی توپیں چلنی بند ہو گئی تھیں برائنڈ نے یہ سوچا کہ اُن کی توپیں چلنے سے ہی عطر سنگھ کی توپیں بند ہو گئی ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر نہیں گذری کہ عطر سنگھ کی توپوں سے وہ تیز گولہ باری ہوئی کہ انگریزی فوج اُس کو برداشت نہ کر سکی۔ اُن کے سپاہی مارے گئے۔ اور اُن کی توپیں چلنی بند ہو گئیں۔ اُن کی رسد کی بھری ہوئی گاڑیاں سب چکنا چور ہو گئیں۔ شام ہونے لگی بہادروں کے خون سے ترہوئی زمین پر اندھیرا چھا گیا اور اُس دن کی لڑائی ختم ہو گئی رات کے وقت انگریز افسر صلاح مشورہ کرتے رہے کہ آیا اُن کو

رات کو حملہ کرنا چاہیئے یا کہ نہیں بعضوں کی رائے تھی کہ لارڈ گف کو میدان سے
پیچھے ہٹ جانا چاہیئے اس پر کیمبل صاحب بڑے ناراض ہوئے۔ لارڈ گف
بھی یہ کہنے لگے "کیا میں اپنے مرے ہوئے سپاہیوں کو چھوڑ دوں اور چلا
جاؤں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا"۔ لیکن رات آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی تھی۔ پیاس اور
بھوک فوج کو بہت ستا رہی تھی۔ آخر لارڈ گف نے میدان کو چھوڑ دینا ہی مناسب
سمجھا۔ جاتے ہوئے انگریزی فوج اپنی چھ بڑی اور بارہ چھوٹی توپیں میدان میں
چھوڑ گئے۔ اُن کی رسد اور جھنڈے بھی وہیں رہ گئے۔ جاتے ہوئے انہیں یہ
بھی بڑا ڈر رہا کہ کہیں پیچھے سے سکھ حملہ نہ کریں حقیقت میں یہ بات سمجھ میں بھی نہیں
آتی کہ شیر سنگھ کیونکر اس حملے سے باز رہا۔ صرف وہاں سے اپنے مُردے سپاہیوں
کو جلایا اور توپیں اور سامان رسد اُٹھا کر لے گئے۔ اس اڑھائی گھنٹے کی لڑائی میں
نواسی افسر اور دو ہزار تین سو سپاہی مارے گئے۔ چلیاں والے کی لڑائی نہ صرف
سکھوں کی بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک بڑی بہادری کا دن ہے۔ جو فخر
راجپوتانے کے راجپوت ہلدی گھاٹ کی لڑائی میں لے سکتے ہیں۔ اُس سے
بھی بڑھکر فخر پنجاب کے لوگوں کو چلیانوالہ کے میدان میں ہونا چاہیئے۔ جب
تک سکھ قوم اور اُس کی تاریخ زندہ رہے گی چلیانوالے کا میدان اُس کا ایک
نہائیت مبارک مقام بنا رہیگا۔ اس فتح حاصل کرنے میں شیر سنگھ نے توپوں کی آواز
سے آسمان کو گونجا دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ لارڈ گف نے اور لارڈ ڈلہوزی نے
ہر ایک توپخانے میں ایک سو ایک توپ چلانیکا حکم دیا تا کہ چلیانوالہ کے
میدان میں اُن کی فتح سمجھی جائے۔ ایڈون نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر سکھ لوگ
انگریزوں پر ایک اور فتح حاصل کر لیتے تو پنجاب کا ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے
بھی انگریزوں کو ہاتھ دھونے پڑ جاتے اور دوسرے کئی انگریزوں نے تسلیم کیا

چیلیانوالہ کی لڑائی انگریزوں کے لئے ہندوستان کی تمام لڑائیوں سے زیادہ
خطرناک تھی۔ انگلینڈ میں اس کا ایسا نتیجہ ہوا کہ لارڈ گف کو ہٹا دینے کے سوائے
اور کوئی علاج نظر نہ آتا تھا۔ مشہور ڈیوک آف ویلنگٹن نے نیپیر صاحب کو سپہ سالار
مقرر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو مجھے خود ہندوستان جانا
پڑیگا"۔ لیکن گف کی خوش قسمتی تھی کہ کسی اور سپہ سالار کے پہنچنے سے پہلے ہی
گجرات کی لڑائی ہوئی اور جنگ کی فتح کا سہرا لارڈ گف کے سر ہی رہا۔

چیلیانوالہ کے بعد انگریز چیلیانوالہ میں اور سکھ رسول میں پچیس دن تک
پڑے رہے۔ دونوں طرف سے فوجیں بڑھا کر لڑائی کی تیاری کی جاتی
تھی۔ لڑائی کے دو دن بعد سردار چتر سنگھ بھی اپنے بیٹے کے پاس پہنچ گئے اور
وہ پشاور اور قلعہ اٹک سے میجر لارنس، لفٹیننٹ ہربرٹ وغیرہ کئی انگریزوں کو
قید کر کے اپنے ساتھ لے آئے۔ سکھ سردار انگریز قیدیوں کے ساتھ بڑا اچھا
سلوک کرتے تھے اور انہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ ملنے کی اجازت دے
دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ سکھوں کے حق میں دو طرح سے برا ہوا۔ ایک تو
ان انگریزوں نے سکھوں کی باتیں سنکر یہ خبر دیدی کہ سکھ لوگ انگریزوں کی
بڑی توپوں کے چلنے سے ڈرتے ہیں۔ اس سے لارڈ گف نے بڑی توپیں منگوانے
کا انتظام کیا۔ دوسرا سردار شیر سنگھ نے ان کی معرفت لارڈ گف کو صلح کا
پیغام بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر چال سے یہ کہدیا کہ انہوں نے سپہ سالار
سے صلح کے اوپر بات چیت کی ہے۔ صرف اتنی بات ہی سنکر سردار شیر سنگھ
صلح کے بھروسہ پر زیادہ تیاری سے بے پرواہ ہو گئے۔ انگریزوں کو بڑا فائدہ
یہ ہوا کہ اس عرصہ میں انگریزی فوج ملتان کو فتح کر کے چیلیانوالہ کی انگریزی فوج
کے ساتھ آملی جس سے انگریزی فوج کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

۱۰ فروری ۱۸۴۹ء کو انگریزوں کو یہ خبر ملی کہ سکھ فوج رسول سے چل دی ہے۔ پہلے تو لارڈ گف سکھوں کا رسول چھوڑ دینا اُن کی بھول سمجھے لیکن جلدی ہی اُسے پتہ لگا کہ شیر سنگھ تیس ہزار فوج اور ساٹھ توپیں لاہور لیجا رہا ہے۔ یہ سننا لارڈ گف کی گھبراہٹ کا ٹھکانا نہ رہا اور اُس نے جھٹ پٹ اُس کا راستہ روکنے کا خیال کیا۔ شیر سنگھ کو لاچار گجرات میں انگریزوں کے ساتھ مورچہ لگانا پڑا۔ ۲۱ فروری آ گئی۔ اُس دن سویرے ہی انگریزی فوج نے اپنی سو توپیں کھڑی کریں اور خود لارڈ گف توپخانے کے پاس کھڑے ہو کر اُس کے چلانے کا انتظام دیکھنے لگے۔ ٹھیک ول صاحب کو دوسرے توپخانے کا چارج دیا۔ سکھ فوج بھی اپنی چھوٹی توپیں لے کر توپوں کا مقابلہ توپوں سے کرنے لگی اور انگریزوں کی توپوں کے گرجنے سے نڈر ہو کر بڑی بہادری سے مقابلہ کرنے لگے۔ دو گھنٹے تک گولوں چلنے سے آسمان دھواں دھار ہو گیا۔ آخیر میں سکھوں کی چھوٹی توپیں چلنا چھوڑ ہونے لگیں اور اُن کی رسد کی گاڑیاں ڈھلنے لگیں۔ یہ دیکھ کر سکھوں نے تلواریں ہاتھوں میں پکڑ لیں اور گولوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمن کی فوج چیر کر لارڈ گف تک جا پہنچے۔ لیکن گولے کی بوچھاڑ سے ان بہادروں کی جانیں چلی گئیں لیکن سکھ فوج نے اپنی دلیری برابر قائم رکھی اور تلواروں سے حملے کو جاری رکھا اتنے میں ایک اور چھوٹا سا واقعہ ہوا جس نے سکھ فوج کی قسمت کو بدل دیا اس لڑائی میں امیر دوست محمد خاں پندرہ سو پٹھان لے کر سکھوں کی امداد کو آئے تھے۔ یہ پٹھان سوار سکھوں کی دائیں ہاتھ کھڑے تھے۔ ٹھیک ول کے سواروں نے ان پر ایسا حملہ کیا کہ وہ اپنے جھنڈے چھوڑ کر میدان سے بھاگ گئے۔ پنجاب کے لوگوں کا عام خیال ہے کہ اس وقت پٹھانوں کی یہ حرکت لالچ کی وجہ سے وقوع میں آئی تھی۔ دائیں پہلو کی فوج اکھڑ جانے سے انگریزی فوج کو سکھ فوج

پیچھے سے اندر گھس جانے کا موقعہ مل گیا۔ اس موقعہ پر سکھوں نے بے نظیر بہادری کا ثبوت دیا۔ گھسنے والے انگریزی سپاہیوں کے پاس سنگین تھے۔ سکھ سپاہی ایک ہاتھ سے اُن کے سنگین پکڑتے تھے اور دوسرے سے تلوار کا وار کرتے تھے۔ سکھوں کی اس بہادری کو بھی گولوں کی آگ نے خاک میں ملا دیا۔ توپوں کی آگ کے سامنے تلوار کب تک ٹھہر سکتی تھی۔ آخر میں سکھ فوج کے پیر اُکھڑنے لگے۔ لیکن سکھوں نے بھی جان بچانے کی کوشش نہیں کی۔ خوشی سے بڑھ کر موت کو قبول کرتے تھے انگریزی فوج نے مغلوب ہوئے دشمن پر ذرا بھی رحم نہیں کیا۔ جہاں پر کوئی سکھ ملا۔ خواہ اُس کے پاس ہتھیار تھے یا نہیں۔ اُسے تلوار یا گولی کا شکار بنایا۔ شیر سنگھ کو گجرات میں شکست ہوئی اور وہ شکست بھی ایسی کہ اس کا سارا سامان توپیں انگریزوں کے ہاتھ آئیں۔ جنرل گلبرٹ نے بھاگتے ہوئے سکھوں کا تعاقب کیا اور انہیں سوائے اپنے آپ کو حوالے کرنے اور کوئی چارہ نہ دکھائی پڑا۔ ۱۴ مارچ کو گلبرٹ نے سکھوں کو راولپنڈی میں آگھیرا۔ سکھوں کے پاس اس وقت نہ کوئی لڑائی کا سامان تھا نہ کوئی کھانے کا۔ گلبرٹ اور میر فتح امام الدین نے ایک طرف سے اور ایلورٹ نے دوسری طرف سے اُنہیں گھیر لیا۔ سردار شیر سنگھ نے ہتھیار رکھتے ہوئے گلبرٹ سے دلیری سے یہ کہا: "انگریزوں کے بیشمار ظلموں کی وجہ سے ہم نے یہ کیا۔ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے ہم سے جو کچھ ہو سکا ہم نے کیا۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے سب بہادر میدان میں ہمیشہ کے لئے سوئے پڑے ہیں۔ ہماری توپیں اور ہمارے ہتھیار ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں۔ اس لئے اس وقت ہم اپنے آپ کو حوالے کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے کیا اُس کے لئے ہمیں کچھ بھی افسوس نہیں ہے اور جو کچھ ہم نے اب کیا ہے طاقت ملنے پر کل بھی وہی کریں گے۔" سکھ سپاہیوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جب سب نے اپنے ہتھیاروں کو گلبرٹ کے سامنے پیش کیا۔

سب نے روتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔ آج مہاراج رنجیت سنگھ کی موت
ہو گئی ہے کیونکہ سردار شیر سنگھ اور چتر سنگھ نظر بند کر کے کلکتہ بھیج دیئے گئے۔

اس لڑائی کے وقت لاہور میں بالکل امن چین رہا۔ کونسل میں آٹھ سکھ سردار تھے
جن میں سے صرف ایک سردار شیر سنگھ اور رنجور سنگھ انگریزوں کے برخلاف تھے۔ باقی
سب سردار انگریزوں کے ساتھ رہے۔ انہوں نے فوج کو سامان رسد وغیرہ پہنچانے
میں پوری مدد کی۔ ریذیڈنٹ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ پنجاب کے عام لوگوں نے
جن میں عام سکھ بھی شامل تھے اس بغاوت میں حصہ نہیں لیا۔ جموں مہاراج اور ستلج کے
اس پار کی ریاستوں نے روپیہ اور آدمیوں سے انگریزوں کی امداد کی۔ اکیلے پٹیالہ سے
ہی سرکار کو پچیس لاکھ ملا۔ اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اس دوسرے خالصہ
کے جنگ میں مہاراج دلیپ سنگھ کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ پنجاب کا سارا اختیار ریذیڈنٹ
کے ہاتھ میں تھا اور مہاراج کی حفاظت اور حکومت کی سب ذمہ داری ریذیڈنٹ کے
سر پر تھی۔ مہاراج دلیپ سنگھ کو شاید یہ پتہ بھی نہ ہو کہ پنجاب سے باہر کیا ہو رہا ہے
اور وہ حیران ہو گیا جبکہ اس کے کھیلنے والے ساتھی گلاب سنگھ کو پکڑ لیا گیا اور اس کے
محلوں کو آکر اس کے سپاہیوں نے گھیر لیا۔ ان سب باتوں کے باوجود لارڈ ڈلہوزی
نے فیصلہ کر لیا تھا اور ولایت سے گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری مسٹر ایلیٹ کو لاہور
روانہ کیا تاکہ وہ پنجاب کونسل میں سب شرائط وغیرہ طے کر کے پنجاب کو انگریزی حکومت
میں شامل کرے۔ (یہاں پر کہہ دینا ضروری ہے کہ سر ہنری لارنس اس کو غیر منصفانہ
سمجھ کر اس کے برخلاف تھے۔ انہیں گورنر جنرل کے اس فیصلہ سے بہت صدمہ ہوا۔
لیکن لارڈ ڈلہوزی یہ کبھی برداشت ہی نہ کر سکتا تھا کہ اس کی مرضی کے سامنے کسی قسم
کی کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ مسٹر ایلیٹ لاہور آئے۔ سب سے پہلے انہوں نے
راجہ تیج سنگھ اور راجہ دینا ناتھ کو بلا کر پنجاب کو انگریزی حکومت میں شامل کرنے کے

متعلق مشورہ کیا اور جو نیا عہد نامہ مسٹر ایلیٹ نے بنایا کیا تھا۔ اپنی جاگیر ضبطی کے خوف سے انہوں نے اُس پر دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد فقیر نور الدین اور بھائی دھیان سنگھ سے بھی دستخط کرائے گئے۔ دو اور ممبروں سے بھی دستخط کرا کے دوسرے دن ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو کونسل بلائی گئی۔ اُس دن مہاراج دلیپ سنگھ اپنے باپ کے سنگھاسن پر آخری دفعہ بیٹھے۔ دربار میں سب کے منہ پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ جو سردار قیمتی کپڑے پہن کر دربار میں آیا کرتے تھے وہ معمولی میلے کپڑے پہنے ہوئے وہاں موجود ہوئے۔ مقررہ وقت پر مسٹر ایلیٹ سر ہنری لارنس اور دوسرے انگریز افسر دربار میں پہنچے۔ مہاراج دلیپ سنگھ اور دوسرے سرداروں نے اُن کا دروازے پر استقبال کیا۔ پاس ہی دائیں طرف انگریزی فوج ہتھیار باندھے کھڑی تھی۔ دیکھنے والوں کی بہت بھیڑ بھاڑ تھی۔ دلیپ سنگھ بھی اُس وقت بہت سنجیدہ ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ آخری دربار کس غرض سے کیا جا رہا ہے۔ سب لوگوں کے بیٹھ جانے پر مسٹر ایلیٹ نے ایک تقریر کی۔ اس کے بعد ایک مولوی نے فارسی زبان میں ایک اعلان پڑھا جس میں بتایا گیا کہ پنجاب کو سرکاری بنا دیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ ہندوستانی میں کیا گیا۔ اس کے پیچھے کچھ منٹوں تک سناٹا سا چھا گیا۔ کسی کو بولنے کی جرأت تک نہ ہوئی۔ راجہ دینا ناتھ نے روتے ہوئے اٹھ کر اس تجویز کی مخالفت کی اور نہایت نرم الفاظ میں کہا کہ "اس موقعہ پر سرکار کو فراخدلی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ انگریز وہ قوم ہے جنہوں نے نپولین کے ساتھ لڑائیاں کر کے فرانس کو اپنے اصلی بادشاہ کو سونپ دیا تھا۔ پنجاب مہاراج دلیپ سنگھ کو کیوں نہ دیا جائے۔ اس پر مسٹر ایلیٹ نے راجہ دینا ناتھ کو دھمکی دی کہا۔ چپ رہو نہیں تو کالے پانی بھیجے جاؤ گے۔ اب فراخدلی اور رحم کا وقت گیا۔ میں انگلشیہ کی طرف سے عہد نامہ پر دستخط کرانے آیا ہوں جو کل کونسل میں طے ہو چکا ہے۔ سب

لوگ چپ ہو گئے۔ کسی نے کچھ کہنے کی جرأت نہ کی۔ سرداروں نے وہ کاغذ مہاراج کے سامنے رکھدیا۔ مہاراج نے اپنے ملازم میاں کہاں کے کہنے پر چپ چاپ دستخط کر دیئے۔ دربار ختم ہوا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے قلعے پر انگریزی جھنڈا لہرانے لگا۔ لاہور کے لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ اب سے وہ سرکار انگریزی کی رعیت ہو گئے ہیں اور انہیں انگریزی قانون پر چلنا پڑے گا۔

اس کاغذ میں مندرجہ ذیل باتیں طے کی گئیں

(۱) مہاراج دلیپ سنگھ اور ان کے وارث پنجاب کے راج کے متعلق سب حقوق۔ دعویٰ اور استحقاق چھوڑتے ہیں۔

۲۔ لاہور دربار کی جتنی جائداد ہے۔ اس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اختیار ہوگا۔

۳۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے جو کوہ نور ہیرا شاہ شجاع سے لیا تھا وہ مہاراج کو انگلینڈ کی نذر کرنا ہوگا۔

۴۔ مہاراج دلیپ سنگھ ان کے کنبے اور نوکروں کے خرچ کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ اور کم سے کم چار لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرے گی۔

۵۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ عزت سے سلوک کیا جائیگا۔ ان کا درجہ مہاراج دلیپ سنگھ بہادر رہے گا اور اگر وہ برٹش سرکار کے ماتحت رہے تو زندگی تک انہیں اوپر لکھی ہوئی رقم یا کچھ حصہ جیسا مناسب ہوگا۔ برابر ملتا رہے گا۔ ان کے رہنے کے لئے گورنر جنرل جو مقام پسند کریں گے ان کو آئندہ وہاں رہنا پڑے گا۔

# نیا زمانہ

**آزادی کا خاتمہ**

پنجاب کے ساتھ مل لینے سے انگریزی راج کی حدود ایک دم ہی پشاور کے پرے ممرودتک جا پہنچی۔ ایسا وہم ہوتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اتنی بڑی سلطنت قائم کر کے انگریزی راج کے پھیلاؤ کا راستہ صاف کر دیا۔ جو کام انگریزوں کو کرنے ہوئے شاید بڑا عرصہ لگتا سکھ ہی فوج کے ساتھ لڑائی کر کے انہوں نے دو چار ماہ کے اندر پورا کر لیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کو چھوڑ کر باقی سارا ہندوستان سرکار انگریزی کے تحت میں آچکا تھا۔ جو دیسی ریاستیں راجپوتانہ میں یا مہاراشٹر میں یا شمالی ہند میں موجود تھیں انہوں نے سرکار انگریزی کے ساتھ سب سی ڈی ایری رشتہ جوڑ لیا تھا۔ سب سی ڈی ایری طریقے کا رواج لارڈ ویلزلی نے آکر شروع کیا جس کی غرض یہ تھی کہ ہندوستان میں جو کوئی دیسی حکومت قائم رہنا چاہے اسے اپنی حفاظت سرکار انگریزی کے سپرد کر کے اُن سے دوستی کا رشتہ پیدا کر لینا چاہیئے۔ آزاد ریاست کے لیے زندگی کی پہلی شرط یہ ہے کہ اُس کے پاس فوجی طاقت ہو جو کہ اُس کی اندرونی یا بیرونی خطروں سے حفاظت کر سکے۔ یہ فوجی طاقت ریاست کے لئے بازوؤں کی مانند ہوتی ہے۔ لارڈ ویلزلی نے اِن ریاستوں کے سامنے دوستی کا معیار یہ ٹھہرایا کہ وہ اپنے بازوؤں پر بھروسہ چھوڑ دیں اور اپنی حفاظت کے لئے اپنے خرچ پر انگریز افسروں کے ماتحت اپنے ہاں فوج رکھیں۔ پنجاب آزاد تھا۔ پنجاب کا سرکار انگریزی کے ساتھ الحاق ہو جانے سے ہندوستان میں آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں ایک نئے زمانے کا آغاز ہوا۔ اُس

زمانے میں انگریزی تہذیب کا اثر بلا کسی روک ٹوک کے اس ملک میں پھیلنے لگا۔ اس زمانے میں انگریزی راج کی برکتیں ہم پر نازل ہونی شروع ہوئیں۔ سارے ملک میں ایک انگریزی حکومت ہو جانے سے اور تمام ملک کے اندر ایک سے مغربی سامان مہیا ہو جانے سے ملک کو فائدہ ضرور ہوا ہے۔ لیکن ان فائدوں اور برکتوں کی بنا غلامی کی وہ مشترکہ زنجیریں ہیں جنھوں نے سارے ملک کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک جکڑ رکھا ہے۔ اس مشترکہ غلامی میں آکر ہندوستان کے مختلف صوبوں کے لوگوں نے ایک دوسرے سے ملنا۔ ایکدوسرے کے مصائب کے اندر ہمدردی کرنا اور اپنے دلوں سے پرانے تعصبات کو دور کرنا سیکھا ہے جس کی وجہ سے ہمارے ہاں ایک مشترکہ قومیت کی قائم ہو جانے کے کچھ دھندلے سے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی غلامی کے بوجھ کی وجہ سے اپنی قومی ابتری اور گراوٹ کو دیکھکر سمجھدار لوگوں کے دلوں میں آزادی کی قدر پیدا ہونی شروع ہوئی ہے۔ اگر یہ غلامی اور اس کو قائم رکھنے کے سارے سامان ریلیں تاریں سلسلۂ تعلیم وغیرہ اس ملک میں نہ بنائے جاتے تو ہمارے اندر نہ ایک قومیت کا جذبہ ہوتا نہ ایکدوسرے کے لئے بُردباری کا مادہ ہوتا اور نہ آزادی یا سوراجیہ کی خواہش ہوتی۔ غلامی سے بڑھکر دُنیا میں اور کوئی بُرائی نہیں ہے۔ غلام انسان انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے۔ غلامی کا دکھ موت سے بڑا مانا جاتا ہے لیکن یہ بھی دُنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ جسم کے اندر سے زہر کو خارج کرنے کے لئے دوسری زہر کو دیا جاتا ہے۔ اپنے گہرے قومی گناہوں کو دُور کرنے کے لئے سخت سے سخت کفارہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح اس ملک میں قومیت بُردباری اور آزادی کے جذبے پیدا ہونے کے لئے بڑی بھاری اور سخت غلامی کی ضرورت تھی۔ جو کچھ ہوا سب ہمارے بھلے کے لئے ہوا لیکن ہمارا بھلا تب ہو گا

جب ہم اپنا بھلا کرنے کے لیے کوشش کریں گے۔

۱۸۵۷ء

ہماری جو نسلیں انگریزی راجیہ کے سایے میں پیدا ہوئی ہیں وہ تو بچپن سے اپنے حالات کے ساتھ ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ انہیں کبھی خیال بھی نہیں آسکتا کہ اُن کے اوپر ایک دوسری قوم کا راجیہ ہے۔ دُنیا کی تاریخ میں یہ قاعدہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی قوم دوسرے کے ساتھ جنگ کر کے فتح کر لیتی ہے تو فتح کو حاصل کرتے ہی اُس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کرے جن سے مفتوح لوگوں کے دلوں میں سے اُن کے برخلاف نفرت کا خیال دُور ہو جائے۔ انگریزی قوم مدت سے دوسرے لوگوں کو اپنی اطاعت میں لانے کے تجربے کر چکی تھی۔ انگریز مدبروں کو قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ انہوں نے جن لوگوں کے جسموں کو تلوار کے ذریعے اپنے قابو میں کر لیا ہے کوئی ایسے طریقے نکالنے چاہئیں جن سے وہ اُن کے دلوں اور دماغوں کو اپنے قابو میں کر سکیں۔ دل اور دماغ کا قابو میں لانا ہی سلطنت کو مستحکم بنانا کہلاتا ہے۔ پہلے پہل انگریز ایک اتنے بڑے ملک اور انسانوں کی اتنی بڑی آبادی کو اپنے قبضے میں آیا ہوا دیکھ کر گھبرا سا گئے۔ اور پھر وہ اپنی ذمہ داری کی سنجیدگی پر غور کرنے لگے کہ کن ذریعوں سے وہ اتنا بڑا بوجھ اُٹھا سکنے کے قابل ہوں گے۔ یہ خیال تو فاتح انگریزوں کے دلوں میں گزرتے ہوں گے لیکن جو لوگ شکستیں کھا کر اپنے راج کو کھو کر دوسروں کی طرف آنکھیں لگائے دیکھ رہے تھے۔ وقت گزرنے پر وہ اپنی بدقسمتی پر غور کرنے لگے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ اپنے اُن فاتحوں کے جن کے ساتھ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے دشمنی کے طور پر جنگ کیا۔ جاری کئے ہوئے فیصلوں کو محبت کی نظروں سے وہ دیکھ سکتے تھے۔ جو شخص اس وقت ہندوستان کی حکومت کا مالک تھا اور جس نے اپنے زبردست ارادے کی طاقت سے پنجاب کو سر کیا۔

انگریزی کے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اپنے دماغ میں اتنا گھمنڈ رکھتا تھا کہ اُسے اِس
ملک کے کسی چھوٹے یا بڑے کی رائے کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔ پنجاب کی تاریخ کا
۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات سے یا اس کے اسباب اور نتائج سے براہِ راست
کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پنجاب ملک کا ایک حصہ ہو جانے سے یہ ضروری معلوم ہوتا
ہے کہ ہم اُس ہلچل پر ایک سرسری نظر ڈالیں جس نے ۱۸۵۷ء میں ایک بڑے
بھاری بھونچال کی طرح ملک کو ایک سرے سے دوسرے تک ہلا دیا۔ ۱۸۵۷ء کی ہلچل اس
ملک کی اپنی آزادی قائم رکھنے کیلئے چراغ کی آخری کوشش کی مانند تھی جو کہ اپنے
بجھنے کے وقت لمبی روشنی دیتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے بجھ جاتا ہے۔

لارڈ ڈلہوزی نے نہ صرف پنجاب کو ملایا بلکہ وہ سب دیسی ریاستوں کی حکومت
کو مٹا کر ہندوستان کی زمین کو ہموار بنا دینا چاہتا تھا۔ اُس نے دیسی ریاستوں کے
قدرتی حقوق کو عجیب لاپرواہی سے پاؤں تلے روندنا شروع کر دیا۔ ناگپور کی رانیوں
کو متبنّٰی کرنے سے روک دیا اور اُن کی جائداد ضبط کر لی۔ ناگپور کے حکمران کی تباہی
کی کوئی حد نہ رہی جب اُن کی رانیوں کے زیورات عام طور پر نیلام کیے گئے۔
آخری پیشوا باجی راؤ دوئم کے متبنّٰی نانا صاحب کی پنشن جو کہ پیشوا کو ملتی تھی بند کر دی
گئی۔ جھانسی کی رانی کے متبنّٰی کو نامنظور کر دیا گیا۔ لکھنؤ کے نواب واجد علی شاہ کو
گدی سے ہٹا دیا گیا۔ قریباً یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ دہلی کے بوڑھے بادشاہ کے
مر جانے پر اُس کے بیٹوں سے شاہی خطاب ہٹا لیا جائے۔ جہاں پر اِدھر
ہندوستان کا گورنر جنرل اپنا لوہے کا رول چلا رہا تھا۔ اُدھر ہندوستانی فوج
میں ہندو اور مسلمان سپاہیوں میں بے چینی کے آثار دکھائی دے رہے تھے
کیونکہ مذہب میں دخل دیا جا رہا ہے اور کوشش تھی کہ ساری ہندوستانی سپاہ کو
ہم مذہب سا بنا دیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی تو چلا گیا لیکن دیسی راجوں اور ہندوستانی

سپاہ کے دلوں میں بے چینی کا بیج بو گیا جس نے اُس کے جانشین لارڈ کیننگ کے وقت میں ایک خوفناک غدر کی صورت اختیار کرلی۔

دیسی رئیس یہ امر سمجھنے لگ گئے کہ انگریزوں کی حکومت ہندوستانیوں کی امداد سے حاصل ہے اور اس امداد میں سب سے بڑا حصہ ہندوستانی سپاہ کا تھا۔ وہ یہ خیال اور کوشش کرنے لگے اگر کسی طرح سے ہندوستانی سپاہ سرکار انگریزی کے خلاف ہو جائے تو انگریزوں کی حکومت بڑی آسانی سے اُکھاڑی جا سکتی تھی۔ اُنہوں نے اپنے خفیہ آدمیوں کے ذریعے سپاہیوں کے لیڈروں پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا لیکن کارتوسوں میں گائے اور سُؤر کی چربی کے استعمال کے معاملے نے پھوس کے ڈھیر پر چنگاری کا کام کیا۔ کلکتے کے پاس بارکپور کی پلٹنوں کے کچھ سپاہیوں نے اسی بنا پر دنگہ شروع کیا جس میں انگریز افسر بھی قتل کئے گئے۔ اُن دو پلٹنوں کے موقوف کر دینے سے ہندوستانی سپاہ کے دل ہل گئے۔ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں سپاہیوں نے کارتوسوں کو چھونے سے انکار کر دیا اور اُنہیں گرفتار کر کے جیل میں دیدیا گیا۔ اُن کے ساتھیوں نے گرجے پر حملہ کر کے آگ لگا دی۔ افسر قتل کئے اور ساری پلٹنیں پیدل چلکر دہلی پہنچیں اور دہلی کے بادشاہ کے ساتھ وفاداری کی قسم لیکر اُسے ملک کا بادشاہ مشہور کیا۔ جس جس شہر میں پلٹنوں کو یہ خبر پہنچی۔ وہ اپنے افسروں کو قتل کر کے سیدھے دہلی کو کوچ کرنے لگیں۔ یوں تو ہندوستان میں کوئی بڑا شہر نہ تھا جہاں پر اس آگ کے شعلے نہ بھڑک اُٹھے ہوں لیکن دہلی لکھنؤ اور کانپور اس غدر کے مرکزی شہر تھے۔

ممکن تھا کہ یہ آگ پنجاب میں بھی پھیل جاتی اور اگر ایسا ہو جاتا تو اس مُلک میں انگریزی راج کے بچ رہنے کی کوئی صورت نہ دکھائی دیتی تھی۔ پنجاب تھوڑی

دیر ہوئی ختم کیا گیا تھا۔ ابھی خالصہ فوج کے سپاہی موجود تھے جو سرکار انگریزی کے مقابلے پر لڑتے رہے تھے۔ پنجاب میں اس آگ کے آنے کو روک دینا انگریزی سلطنت کی بڑی بھاری خدمت تھی جو کہ لاہور کے جوڈیشل کمشنر منٹگمری نے ادا کی۔ چیف کمشنر لارنس راولپنڈی گیا ہوا تھا جب غدر کی خبر افسروں کو لگ گئی۔ منٹگمری نے بڑے بڑے افسروں کی ایک میٹنگ کی اور اس میں یہ فیصلہ کیا کہ کمانڈنگ افسر مسٹر کاربٹ میانمیر ساری فوج سے ہتھیار لے لے۔ ۱۲ مئی کو میانمیر میں چار دیسی رجمنٹیں تھیں جن میں تین ہزار پانسو آدمی تھے اور کل تین سو گورے سپاہی تھے۔ منٹگمری خود میانمیر چلا گیا اور ۱۲ مئی کو پریڈ کی گئی۔ خاص طریقے سے ساری دیسی فوجوں کو انگریزی سپاہیوں کے سامنے لا کر حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ہتھیار زمین پر رکھدیں۔ انگریز سپاہیوں کی بندوقیں بھری ہوئی تھیں۔ دیسی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے جس سے پنجاب کا خطرہ دُور ہو گیا۔ ان پلٹنوں نے اُسی صبح میگزین پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس واقعہ کے چھ گھنٹے بعد فیروز پور کی پلٹن اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے توپخانہ لینے کی کوشش کی لیکن انگریز فوج کی موجودگی کی وجہ سے وہ توپیں لینے میں کامیاب نہ ہو سکے اور ادھر اُدھر بہت سا نقصان کر کے وہ بھاگ گئے۔ اُن میں سے کچھ پٹیلے پکڑے گئے اور باقی دہلی پہنچ گئے۔ ملتان اور پشاور کے افسر بڑے سمجھدار ثابت ہوئے۔ پشاور بالکل محفوظ رہا اور ملتان میں پلٹنوں سے اُسی طریقہ سے ہتھیار لے لیے گئے۔ ملتان میں ایک پلٹن نے بغاوت کی اور وہ سرحد کے پار کے علاقہ میں بھاگ گئی۔ پٹھانوں نے ان سپاہیوں کو پکڑوا دیا گیا اور وہ سب گولی سے مار دیئے گئے۔ نوشہرہ میں ایک پلٹن نے بغاوت شروع کی مگر وہ تو نگار بادی گئی۔

پنجاب نہ صرف اس ہلچل سے بالکل محفوظ ہو گیا بلکہ اس آگ کے پھیلنے کو
روک دینے سے سرکار کا پورا مددگار بن گیا۔ لاہور میں نئی رجمنٹوں کی بھرتی شروع
ہو گئی جن میں سکھ اور سرحد کے مسلمان دوڑ دوڑ کر بھرتی ہونے لگے۔ سکھوں
کو اُن ہندوستانی سپاہیوں کے برخلاف لڑنے کا جذبہ پیدا کیا گیا جنہوں نے
تھوڑی دیر پہلے اُن کے بھائیوں کو شکست دی تھی۔ چار ماہ کے تھوڑے عرصے
میں اٹھارہ نئی رجمنٹیں طیار ہو گئیں۔ رجمنٹ کے بعد رجمنٹ دہلی روانہ کی گئی۔
پٹیالہ، نابھہ اور جیند نے (جنکا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) سات ہزار آدمی دیئے
مہاراج کشمیر نے دو ہزار سپاہی ایک سو دے سوار اور ایک سو چالیس توپچی
روانہ کئے۔ سب کی آنکھیں دہلی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ بادشاہ کے شہنشاہ مشہور
کئے جانے پر پنڈتوں اور ملاؤں نے لوگوں سے اپیل کی کہ غیروں کے خلاف
پوری طرح سے لڑنے اور اُن کے ملک سے نکالنے کے لئے طیار ہو جائیں۔
بادشاہ نے بخت خاں کو سپہ سالار مقرر کیا۔ تین ماہ کے قریب انگریزوں کی
فوجیں دہلی کے باہر پڑی رہیں۔ اس عرصے میں دہلی شہر کے اندر بدانتظامی اور
ابتری پھیلنے لگی۔ بادشاہ بوڑھا تھا اور اُس کے اندر جنگ کرنے کی ہمت نہ
رہی تھی۔ ہر روز اعلان کیا جاتا تھا کہ کل بادشاہ سلامت دشمن پر حملہ کریں گے
لیکن دوسرے دن دوپہر تک بیگموں کے پاس ہی پڑے رہتے تھے۔ فوج
کو باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی تھی۔ سپاہیوں نے افسروں کا حکم ماننے سے انکار کرنا
شروع کر دیا اور شہر میں لوٹ مار بھی شروع کر دی۔ جس بادشاہ کا مشتہر کیا جانا
غدر کے پھیلنے کا باعث بنا۔ وہی غدر کی ناکامیابی کا باعث ثابت ہوا۔ سب
دیسی ریاستیں پرانے بادشاہ کے تخت پر آجانے سے نئے حاکموں کے برخلاف
حامی ہو گئیں لیکن اگر پرانے بادشاہوں میں آزادی لینے کی قابلیت ہوتی تو وہ

اس آزادی کو کھو بیٹھے۔ ۲۰ ستمبر کو دہلی فتح ہو گئی۔ باغی شہزادے گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ ان کے مُردہ جسم چبوترے پر پھینک دیئے گئے اور اسی مقام پر جہاں اورنگ زیب نے گورو تیغ بہادر کو قتل کرایا تھا۔ بادشاہ پر مقدمہ چلا کر اسے رنگون میں جلاوطن کر دیا گیا۔ دہلی کے فتح ہونے سے غدر کی ناکامیابی کی بنیاد پڑ گئی۔ لکھنؤ۔ کانپور۔ الہ آباد وغیرہ میں لڑائی جاری رہی لیکن دہلی کے لئے جانے سے انگریزوں کے حوصلے آسمان پر چڑھا دیئے اور ہندوستانی سپاہی سمجھ گئے کہ انکا اب لڑنا ہاری ہوئی لڑائی کے لئے کوشش کرنا تھا۔ دہلی میں انگریزی فوج کے تین سو آٹھ سو سینتیس آدمی مارے گئے لیکن اُن کا سب سے بڑا نقصان نکلسن کی موت تھی۔ اسے حملہ کرتے ہوئے ۱۴ تاریخ کو کاری زخم لگا جس سے ۲۳ کو وہ مر گیا۔ اُس کی موت کی خبر سُنکر جان لارنس رو پڑا اور کہنے لگا "ہم نے بہت سے اپنے سپاہی کھوئے ہیں لیکن نکلسن سے کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ وہ مر گیا ہے اُس کی شہرت زندہ رہے گی" چیف کمشنر نے پنجاب کے سپاہیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اگلے اتوار سنٹ پال میں دعا مانگی گئی۔ انگریزی سرکار کے لئے یہ ایک نہایت نازک موقعہ آیا تھا۔ پنجاب اُس وقت انگریزی سلطنت کا سہارا ثابت ہوا۔ اس خدمت کے عوض میں دہلی اور حصار کا علاقہ پنجاب میں شامل کر کے سر جان لارنس کو پنجاب کا پہلا لفٹینٹ بنا دیا گیا۔

**نامدھاری تحریک**

غدر کی آگ کو بجھتے ہوئے دو سال لگ گئے۔ اس کے بعد کے زمانے میں ہندوستان پر ایسا سناٹا سا چھا گیا جو کہ موت کی علامت ہوتا ہے جس ہندوستانی سپاہ نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا وہ صوبجات متحدہ اور اودھ کی بھرتی کی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے اس حصے کو غدر کرنے کے بدلے میں سزا بھگتنی پڑی۔ غدر کے فرو کرنے میں شہروں اور دیہات

کے لوگوں پر جو سختیاں کی گئیں اُن کا بیان ہمارے مضمون سے تعلق نہیں رکھتا
اِن سپاہیوں میں سے جو لوگ بھاگ کر پناہ کے لیئے پنجاب میں آئے اُن کو جگہ جگہ
پکڑ کر توپوں کے سامنے اُڑا دیا گیا۔ غدر کے ختم ہو جانے پر ہندوستان کی حکومت
میں ایک بڑی بھاری تبدیلی یہ ہوئی کہ ملک کی بادشاہت کو کمپنی کے ہاتھ سے نکال
کر انگلینڈ کی ملکہ اور اُس کی پارلیمنٹ کے سپرد کر دیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے کئی ارب
روپیہ کے عوض میں ہندوستان کو ملکہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ اِس قیمت کے روپیہ کو ہندوستان
کے سر پر ہمیشہ کے لیئے قرضہ کی شکل دیدی گئی۔ اِس کے بعد ہندوستان کا گورنر
جنرل انگلستان کی ملکہ کا وائسرائے یعنی قائم مقام کہلانے لگا۔ ملکہ نے ہندوستان
کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لیکر ایک بڑا اعلان نکالا جس میں مشتہر کیا گیا کہ آئندہ کو
کسی دیسی راجہ یا نواب کو گدی سے محروم نہ کیا جائیگا۔ اور ملک میں مکمل مذہبی
آزادی ہوگی۔ سرکار کسی کے مذہب میں دخل نہ دے گی اور ملکہ ہندوستان کی
رعایا کو اپنی رعایا کے برابر سمجھے گی۔ اِس اعلان سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے
کہ انگلینڈ کی گورنمنٹ کو یہ یقین ہو گیا کہ غدر کے دو ہی بڑے باعث تھے۔ ایک
دیسی ریاستوں کے حقوق کو پامال کرنا اور دوسرے لوگوں کے مذہب میں دست
اندازی کرنا۔ یہ دونو حقوق آئندہ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے۔ جن لوگوں نے
غدر میں سرکار کی امداد کی تھی اُن کو او دھ اور متعدد علاقہ میں جاگیریں دے کر تعلقدار
بنا دیا گیا۔ اُن کو اپنی رعایا سے اپنا لگان وصول کرنے کا اختیار مل گیا۔ کسانوں
میں غریبی اور محتاجی کی کوئی حد نہ رہی۔

پنجاب میں غدر کی وجہ سے کسی قسم کی سختی نہ کی گئی۔ اِس لیئے پنجاب میں
تھوڑی بہت تنگی باقی دکھائی دیتی تھی۔ غالباً یہ اسی زندگی کی وجہ سے تھا کہ پنجاب
میں سکھوں کے اندر ایک خاص مذہبی تحریک آہستہ آہستہ پھیلنے لگی جو نظاہرا

طور پر تو اِتنی مذہبی تھی کہ اِسے پیوریٹن تحریک کہا جا سکتا ہے لیکن اِس کی بُنیاد میں اِقتصادی خیال کام کرتا تھا۔ اِس تحریک کا بانی لُودھیانہ کے ضلع کا رہنے والا بابا رام سنگھ تھا بابا رام سنگھ ایک وقت میں مہاراج رنجیت سنگھ کی خالصہ فوج میں رہ چکا تھا۔ خالصہ طاقت گر جانے کے بعد بابا رام سنگھ اپنے پُرانے کام یعنی ترکھانی میں لگ گیا۔ اٹک کے قلعہ میں بھی کام کرتا رہا۔ اُنہی دنوں میں حضرو میں پوٹھوہار کا رہنے والا ایک سادھو بالک رام رہتا تھا۔ بابا رام سنگھ سادھو بالک رام سے سنگت کرنے لگا۔ اور سادھو کے خیالات کا اثر بابا رام سنگھ پر یہ ہُوا کہ اُس نے ایک سوسائٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اُس کے اصُولوں کا پرچار زیادہ تر سکھ لوگوں میں کرنا شروع کیا۔ اُس کی تعلیم دو بڑے حصّوں میں بانٹی جا سکتی ہے۔ اِس کا ایک حصّہ تو سکھوں کو ذاتی پاکیزگی سکھلاتا تھا۔ اِس میں مرد اور عورتیں ممبر ہو سکتی تھیں۔ اور برابر کا درجہ رکھتی تھیں۔ ہر ایک ممبر کیلئے سویرے اُٹھ کر کیشوں سمیت اشنان کرنا ضروری تھا۔ ماس کھانے کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔ ہر ایک ممبر کو جھُوٹ بولنے سے پرہیز کرنا ہوتا تھا اور اپنی جائداد پر دوسرے ممبروں کا حق سمجھنا بھی ضروری تھا۔ اگر کوئی ممبر دوسرے کسی ممبر کے گھر چلا جائے تو اُسے رفعتاً سکھلا دینا بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد کسی قسم کا جھُوٹا چھوڑنا بُرا سمجھا جاتا تھا اور زندگی کو لباس اور خوراک میں پُورے طور پر سادہ کرنا ہر ایک ممبر کا فرض تھا۔ یہ سب باتیں یوں تو ایسی معمولی ہیں کہ ہر ایک آدمی کے لئے اِن پر چلنا اچھا سمجھا جانا چاہیئے لیکن اِس سوسائٹی میں شامل ہونے والے اِن باتوں کا اپنی زندگی میں خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ تعلیم کا دوسرا پہلو وہ تھا جسے ہم پبلک زندگی سے تعلق رکھنے والا کہہ سکتے ہیں۔ اِس کی تہ میں یہ خیال تھا کہ خالصہ راج کی جگہ قائم کی گئی۔ نئی حکومت سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے۔ پنجاب کو مختلف ضلعوں میں بانٹ کر ہر ایک ضلع کے لئے سُبھا کا افسر مقرر کر دیئے گئے تھے جن

سوسائٹی کے ممبروں کے لیئے جو اپنے آپ کو نام دھاری کہتے تھے۔ لازمی تھا کہ
وہ اپنے اپنے ضلع کے افسر کے حکم کی پوری پوری تابعداری کریں۔ اپنا کوئی جھگڑا
یا مقدمہ بجائے انگریزی عدالت کے اُس افسر کے پاس لے جائیں۔ سرکاری ڈاک
کے ذریعے اپنی چٹھیاں کبھی نہ روانہ کریں اور اُن کی اپنی چٹھیاں ایک دوسرے کے
پاس پہنچانے کے لیئے ہر ایک آدمی کا جسے کہا جائے بطور ہرکارہ کے ڈاک کو آگے
پہنچانا فرض ہوتا تھا اور یہ کہا جاتا ہے کہ اِن کی چٹھیاں سرکاری ڈاک کی نسبت
کم وقت میں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ سوسائٹی کے ممبر کبھی ریل پر نہ چڑھتے تھے اور نہ
کبھی غیر ملکی کپڑے یا اشیاء کا استعمال کرتے تھے اور نہ اپنے بچوں کو سرکار کے
بنائے ہوئے سکولوں میں بھیجتے تھے۔

جب ہندوستان میں غدر کا شور برپا تھا۔ اُس وقت بابا رام سنگھ نے پنجاب
میں اِس سوسائٹی کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ تھوڑے ہی وقت میں اِس کے ممبروں
کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ دس بارہ سال کے عرصے میں پنجاب میں دو لاکھ کے
قریب نام دھاری ہو گئے۔ اُن سکھوں کو جنہوں نے پنجاب میں خالصہ راج
دیکھا تھا۔ بابا رام سنگھ کے خیالات زور سے اپیل کرتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا
ہے کہ بابا رام سنگھ کی بات چیت میں کوئی غیر معمولی طاقت یا جادو کام کرتا تھا۔ عام
خیال تھا کہ کوئی آدمی جس کے کان میں بابا کا منتر پڑتا ہے بابا کا چیلا بن جاتا ہے
ایک دفعہ کچھ بدمعاش امتحان کے طور پر بابا کے پاس گئے اور اُن کے دل پر ایسا
اثر ہوا کہ وہ بھی چیلے بن گئے۔ جب اُس کے چیلوں کی تعداد بڑھ گئی تو وہ لوگ
بابا کو اپنا گورو تسلیم کرنے لگ گئے۔ اِس سے نام دھاریوں کا مروجہ سکھ پنتھ سے
اختلاف ہو گیا اور وہ پنتھ کی ایک نئی شاخ سمجھے جانے لگے۔ نام دھاریوں میں مذہبی
جوش کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اِس مذہبی جوش کے ساتھ ساتھ اُن کے دل میں انگریزوں

اور مسلمانوں کے برخلاف زوردار جذبہ پایا جاتا تھا۔ انگریزوں کو وہ اُن کی آنکھوں کے رنگ کی وجہ سے حقارت کے طور پر بلے کہتے تھے اور اپنے اندھے جوش میں جب کبھی کچھ اکٹھے ہو جاتے تھے تو زور سے انہیں لگاتے تھے۔ بلے کر نکال دینا سے ان لمبی اور اونچی چیخوں کی وجہ سے اُن کا عام نام کوکا پڑ گیا۔

اُنکے دل میں خالصہ کی محبت اور آزادی کی خواہش موجود تھی۔ اُن کے اندر مذہبی جوش تھا۔ اُن کی زندگی میں تیاگ اور پاکیزگی بھی پائی جاتی تھی لیکن نام دھاری لوگ یہ نہ سمجھتے تھے کہ انگریزی سرکار اُن کی تحریک کے سب پھیلاؤ کو اچھی طرح سے نگرانی کر رہی ہے۔ سرکار کے ہر ایک ضلعے میں کوکوں کے لیڈروں اور اُن کے کام کرنے والوں کی فہرست برابر رکھی جاتی تھی اور اُن کے پرچار اور دوسرے کام کی باقاعدہ رپورٹ ہوا کرتی تھی۔ نام دھاری اپنے کام کو دیکھتے تھے۔ وہ اپنے مخالف کی چال سے بالکل بے خبر تھے۔ گورنمنٹ صبر سے کچھ سال انتظار کرتی ہوئی اپنے موقعہ کو دیکھ رہی تھی۔

سنہ ۱۸۷۱ء میں یہ موقعہ آ گیا۔ کچھ جوشیلے نام دھاریوں کو اس بات سے بڑا غصہ تھا کہ امرتسر کے تیرتھ مقام پر گئو ہتیا کیوں کی جاتی ہے۔ اِس لئے اُنہوں نے ایک رات جا کر امرتسر کے سب بوچڑوں کو قتل کر دیا۔ شہر میں واویلا سا مچ گیا اور وہاں کے کمشنر نے ہندو رئیسوں کو شبہ میں گرفتار کر لیا کہ یہ واقعہ اُن کی سازش سے کیا گیا ہے۔ جن شخصوں نے یہ قتل کیا تھا اُنہوں نے بابا رام سنگھ کو اِس معاملے کی خبر دی۔ بابا رام سنگھ نے اُن سے کہا کہ چونکہ قصور اُنہوں نے کیا ہے اور اُس کے بدلے میں دوسرے بے گناہ پکڑے گئے ہیں۔ اُن کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو پیش کر کے اپنے کئے ہوئے کا اقبال کر لیں۔ پس وہ گئے اور اُنہوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر مقدمہ چلا کر اُن کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ بابا

رام سنگھ لدھیانہ کے پاس بھینی صاحب ایک گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ اس مقام میں اُن کی گدی تھی اور یہاں پر ہر سال یا دوسرے موقعوں پر نام دھاری لوگوں کا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ انکے ساتھیوں کو پھانسی کی سزا مل جانے سے نام دھاریوں میں سرکار کے برخلاف شورش سی پیدا ہو گئی اور جب وہ جلسے کے موقعہ پر اکٹھے ہوئے تو یہ شور سُنائی دینے لگا کہ اُن کی موت کا انگریزوں سے بدلہ لینا چاہیئے۔ بابا رام سنگھ سمجھتا تھا کہ اُس کی سوسائٹی میں سرکار کے مقابلے کیلئے کوئی طاقت نہیں ہے لیکن اس کے چیلوں میں ایسے جوشیلے آدمیوں کا زور بڑھ گیا جو کہ اس موقعہ پر اُس کی بات بھی سُننے پر طیار نہ تھے۔ سگلے اجلاس میں اس بات کا چرچا شروع ہو جانے پر دو دل سے ہو گئے اور آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کے متعلق گرنتھ میں سے حکم لیا جائے۔ گرنتھ کا ورق نکالا گیا اور جوشیلے دل نے شور کرنا شروع کر دیا کہ ہتھیار اُٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔ بابا رام سنگھ سمجھاتا رہا کہ ابھی صبر کرنا چاہیئے تمہارے اندر طاقت نہیں ہے لیکن کسی نے اُس کی بات نہ سُنی اور کثرت رائے کے فیصلے کے مطابق سب جگہ حکم نامے بھیجدیئے گئے کہ سب ممبر طیار ہو کر لڑنے کے لئے آ جائیں۔

سرکار کو اس سب معاملے کی باقاعدہ رپورٹ ملتی جاتی تھی۔ جُونہی اُسے اس فیصلے کی اطلاع ہوئی سب ضلعوں میں حکم پہنچ گیا کہ جو جو نام دھاریوں کے لیڈر ہوں اُنہیں فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ اُس کے ساتھ ہی بابا رام سنگھ اور اُس کا بھائی ظالم سنگھ گرفتار کر لیا گیا۔ پٹیالہ اور جالندھر کی فوجوں کو کوچ کے لئے حکم پہنچ گیا۔ نام دھاری جلسے میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ سرکار انگریزی کے ساتھ جنگ کا اعلان کرنے سے پہلے اکٹھے ہو کر انہیں لدھیانہ کے ضلع میں ایک زمیندار کے مکان پر حملہ کر کے کچھ ہتھیار لے لینے چاہئیں اور وہاں سے اکٹھے ہو کر مالیر کوٹلہ پر

حملہ کرکے ہتھیار خانے اور خزانہ پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ مالیر کوٹلہ کا نواب اُس وقت
بچہ تھا اور یہ خیال کیا گیا تھا کہ مالیر کوٹلہ پر قبضہ کرنے میں کچھ بہت مخالفت کا سامنا
نہ کرنا پڑیگا۔ جگہ جگہ پر نام دھاریوں کے لیڈر پکڑے جانے سے اُن کے چیلوں
میں گھبراہٹ سی پیدا ہوگئی اور جو تجاویز پاس کی گئی تھیں اُن میں سے کسی پر بھی عمل
نہ ہو سکا۔ جن جن ضلعوں سے نام دھاری لوگ لڑائی کے لئے روانہ ہوئے تھے
اپنے لیڈروں کو ساتھ نہ پاکر وہ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ باوجود
اِس کے چند سو آدمی مالیر کوٹلہ جا پہنچے۔ وہاں پر سرکار انگریزی کی فوج اور پٹیالہ کی
امداد موجود تھی۔ وہ سب پکڑے گئے اور اُن میں سے ساٹھ نام دھاریوں کو بغیر
کسی مقدمہ چلانے کے توپوں کے سامنے رکھکر اُڑا دیا گیا۔ اُن میں سے ہر ایک
خوشی سے دوڑتا ہوا توپ کے سامنے جاتا تھا اور ایک انگریز نے اُن کی بہادری
اور قربانی کو دیکھکر کہا کہ "اُس نے اُس دن کئی مسیح قربان ہوتے ہوئے دیکھے ہیں"۔
بابا رام سنگھ اور ظالم سنگھ کو برہما جلاوطن کر دیا گیا اور اُن کے کچھ ساتھی کالے پانی بھیج
دیئے گئے۔ نام دھاریوں کے خلاف بہت سخت قانون بنا دیئے گئے۔ کسی جگہ
پانچ نام دھاریوں کا اکٹھا ہونا قانوناً بند کر دیا گیا اور بھینی صاحب کے گوردوارہ
پر پولیس کی باقاعدہ چوکی مقرر کر دی گئی۔ اگرچہ اُس کے بعد نام دھاریوں کی سوسائٹی
چلتی رہی۔ اُن کے ممبروں میں مذہبی شردھا اور جوش پایا جاتا ہے لیکن سرکار کی
ایک چوٹ نے اُس سوسائٹی کو بالکل بیکار بنا دیا۔

آریہ سماج

پنجاب میں سرکار انگریزی کا اچھی طرح سے تسلط جم گیا۔
بڑے بڑے شہروں میں انگریزی سکول قائم ہو گئے۔ لاہور
کے اندر ایک بڑا کالج بن گیا۔ بنگال کے بابوؤں اور وکیلوں نے پنجاب میں آکر
لوگوں کو راستہ بتایا کہ انگریزی راج کے اندر عزت اور روپیہ کمانے کا بڑا ذریعہ

انگریزی تعلیم کو حاصل کرنا ہے۔ ہندو، مسلمان اور سکھ اپنے بیٹوں کو اِن سکولوں
میں بھیجنے لگے اور آہستہ آہستہ اُن کے دلوں میں یہ خیال کام کرنے لگا کہ وہ
سماج کے اندر نئے طریقوں کو اختیار کر کے اپنا اور اپنے کنبے کے لیئے رسوخ
پیدا کرنے کا انتظام کریں۔ بنگال، مدراس اور بمبئی کے علاقوں میں انگریزی تعلیم
اور تہذیب کا سکہ پورے طور پر جم چکا تھا جس کا قدرتی اثر یہ تھا کہ نئی تعلیم یافتہ
جماعت جو کہ اب سوسائٹی کے اندر دماغ کی جگہ لے رہی تھی اپنے پرانے خیالات اور
رواج سے متنفر ہو رہی تھی۔ اور چونکہ اِس تعلیم کے پھیلانے میں عیسائی مشنری لوگوں نے
بہت زیادہ حصہ لیا۔ اِس جماعت کا ایک حصہ اپنے اُستادوں کے زیر اثر
ہو کر اپنے دھرم یا مذہب کو خیرباد کہنے پر طیار ہو رہا تھا۔

بنگال کے سمجھدار اشخاص کے دل میں یہ ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یہ انگریزی تعلیم
اُن کے مذہب اور قومیت کو بالکل ہڑپ نہ کر جائے۔ انہیں ان کے بچاؤ کے
لیئے کوئی تدارک کرنا چاہیئے۔ بنگال کے مشہور لیڈر راجا رام موہن رائے نے
برہمو سماج کی بنیاد ڈالی۔ راجا رام موہن رائے کی آنکھیں انگریزی تہذیب سے اتنی
چوندھیا گئی تھیں یا اُسے اپنی پرانی تہذیب کو اچھا بتلانے کی جرأت ہی نہ تھی۔ اُس
نے ہندوؤں کو صرف اتنا ہی کہہ کر عیسائی ہونے سے بچایا کہ مذہبی سچائی سب
مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ ہندو دھرم میں بھی یہ ویسی ہی موجود ہے جیسی عیسائی
مذہب میں۔ اِس لیئے ہمیں سب مذاہب میں سے اُس سچائی کو لینا چاہیئے اور
کسی خاص مذہب کے لیئے تعصب نہ رکھنا چاہیئے۔ برہمو سماج نے بنگال کے
تعلیم یافتہ لوگوں کو عیسائی ہونے سے بہت حد تک بچا لیا۔ اگرچہ برہمو سماج کا
دوسرا مشہور ریفارمر بابو کیشب چندر سین انگریزی تہذیب اور عیسائی مذہب کے
اثر میں راجا رام موہن رائے کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ بمبئی کی تعلیم یافتہ جماعت میں

بھی اس قسم کے خیالات پھیلنے لگے۔ وہاں کے پراتھنا سماج ایک طرح سے برہمو سماج کی ہی شاخ تھی۔ مدراس میں آرتھوڈکسی کا زور زیادہ تھا۔ اگرچہ عیسائی مذہب نسبتاً مدراس میں زیادہ پھیلا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ وہاں کے آرتھوڈاکس خیالات نے وہاں کے اسفلے جماعت کے لوگوں کو عیسائی مذہب سے محفوظ رکھا۔ بعض بنگالی اصحاب کے پنجاب میں آجانے سے ایک آدھ جگہ پر برہمو سماج قائم ہوگئی۔ لیکن پنجاب کے لوگوں کے دلوں پر اس کی تعلیم کا کچھ گہرا اثر نہ تھا۔ پنجاب کے ہندوؤں کے دلوں میں ایک قسم کی مذہبی بےچینی ضرور پائی جاتی تھی جبکہ سوامی دیانند سنہ ۱۸۷۷ء میں لاہور میں تشریف لے آئے۔ سوامی دیانند نے اپنے دیش اور دھرم کی دُردشا کو دیکھ کر گھر بار کا تیاگ کر دیا تھا اور اس کے بعد زندگی کا بہت سا حصہ وید اور شاستر کے مطالعہ میں تپ اور یوگ کے سادھنوں پر عمل کرنے میں صرف کیا۔ آخیر میں اُنہوں نے متھرا میں ایک اندھے مہا ودوان سوامی ورجانند سرسوتی کو اپنا گورو دھارن کیا۔ ودیا ختم کرنے کے بعد گورو سے وداع ہونے کے وقت گورو نے کہا "دیسی ریاستوں کا ادھار کرنا اور ویدک دھرم کا پرچار کرنا۔" سوامی دیانند نے دیش کے بڑے آدمیوں کو جن میں پنڈت، برہمو، مسلمان اور عیسائی شامل تھے۔ دہلی میں اکٹھا کر کے اپنی طرف سے یہ کوشش کی کہ اس ملک کے مختلف مذاہب اور مختلف خیالات کے درمیان اگر کسی طرح سے یگانگت کی کوئی صورت نکل آئے تو اس کے ذریعے ملک کی بھلائی کا کام کریں۔ لیکن اُن کو دہلی کی اس کانفرنس سے تجربہ ہوا کہ یگانگت کا ابھی وقت نہ آیا تھا۔ اس لئے اس عرصے میں انہیں ہندو جاتی کے بچانے کا کوئی اوپائے کرنا چاہیئے۔ ہندو دھرم میں بے انتہا خرابیاں آگئی تھیں جو کہ اس قوم کو اندر سے کھوکھلا کر رہی تھیں اور جن کی وجہ سے

باہر کے دشمن اس کو آسانی سے اپنا شکار بنا رہے تھے۔ سوامی دیانند نے
اِن خرابیوں کو دور کرنے کا فیصلہ کیا اور اِس کے لئے کاشی میں پنڈتوں سے
مگر سوامی شنکر اچاریہ کی طرح شاستر ارتھ وغیرہ کئے کہ کسی طرح سے وہ اُن
بیرونی علامات کو جنکو وہ دھرم بنائے بیٹھے تھے چھوڑ کر اصلی دھرم کی طرف
رجوع ہوں۔ پنڈتوں کی حالت عجیب سی تھی۔ وہ اپنی خود غرضی اور سُستی میں
اِس قدر مُبتلا ہو گئے کہ اُن کے دلوں سے اپنی جاتی اور دھرم کے لئے ہمدردی
کا خیال تک گم تھا اور جو خطرے کہ اُن کے دھرم اور قوم کے سامنے تھے اُن
کی طرف اُنہوں نے آنکھیں بند کر کے یہ سمجھا ہوا تھا کہ کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔
اگر ہندو کم ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔ اگر کروڑوں مسلمان ہو گئے تو کیا ہوا؟ اب
اگر لاکھوں اور کروڑوں تک عیسائی ہو جائیں گے تو کیا ہو جائیگا؟ ہماری تو
اپنی آرام سے گذرتی ہے اور ہمیں دوسروں کی کیا پڑی ہے۔ یہ سب سے
بڑی زہر تھی جو کہ اِس جاتی کو کھا رہی تھی۔ اگر ہندوؤں کے محافظ برہمنوں میں
مسلمانوں کے ملاؤں اور عیسائیوں کے پادریوں کی طرح اپنے دھرم کی حفاظت کا
خیال ہوتا تو ہندوؤں کے لئے یہ نوبت نہ آتی اور نہ شاید سوامی دیانند کے
کام کی کوئی ضرورت ہوتی۔ سارے سوئی ہوئی جاتی میں ایک شخص ایسا
پیدا ہوا جسے اپنے پُرانے دھرم کے بچانے کی فکر تھی اور جس نے اپنی زندگی
کو اس دھرم اور قوم کی حفاظت کے لئے خرچ کرنے کا ارادہ کیا۔ جس کے لئے
رشیوں نے اپنے دماغ اور گیان خرچ کیں۔ جس کے لئے رام اور کرشن نے
جنم لیا۔ جس کے لئے سوامی شنکر اچاریہ اور کمارل بھٹ جیسے براہمنوں نے
اپنے پران دیئے۔ جس کی رکھشا کے لئے اگنی کل راجپوت پیدا کئے گئے
اور جس کی حفاظت کے لئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا۔ راجپوتانہ کے راجپوتوں نے

کھن کے مرہٹوں نے اور پنجاب کے گوروؤں نے اتنی قربانیاں کی تھیں۔ لیکن سوامی دیانند کو فکر تھا۔ دوسرے سب لوگ اُس پر ہنستے تھے اور حسد کے مارے مخالفت کرنے پر طیار تھے۔ جو قوم گر جاتی ہے اُس میں یہ مرض لگ جاتی ہے اُس کے آدمی خود قوم کے لئے کام کرنے پر طیار نہیں ہوتے لیکن اگر کوئی مرد میدان میں نکلتا ہے تو وہ حسد سے بِتنے جلتے ہیں کہ اُس کو بھی کچھ نہیں کرنے دیتے۔ اُن میں کرنے کا مادہ نہیں ہوتا لیکن مخالفت کا مادہ کہیں نہ کہیں سے نکل آتا ہے۔ کام کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کام کرنے والے کی مخالفت کرنا آسان ہے۔ اور گری ہوئی جاتی کے لوگوں کو اس میں لطف بھی آتا ہے۔

سوامی دیانند نے دیکھا کہ اُس کی اپنی جاتی کے پنڈت جن پر اُسے کچھ بھروسہ ہو سکتا تھا اُس کے مخالف تھے۔ دو نو بیگانوں اور اپنوں سے مایوس ہو کر سوامی دیانند نے ایک آزادانہ تحریک چلانے کی تجویز کی اور ۱۸۷۵ء میں بمبئی میں آریہ سماج قائم کر کے اُس کے قواعد اور ضوابط مرتب کئے۔ اگلے سال سوامی دیانند لاہور میں آئے اور اُن میں کچھ بھلے پُرشوں سے صلاح مشورہ کر کے قواعد میں تبدیلی کر کے لاہور میں آریہ سماج قائم کیا۔ سوامی دیانند نے تو پنجاب میں چند ماہ ہی گذارے۔ اُنہوں نے اپنا باقی کا بہت سا وقت راجپوتانہ میں خرچ کیا۔ جہاں پر اُن کی خواہش تھی کہ راجپوت ریاستیں اُن کے مشن کو اپنے ہاتھ میں لیکر پُرانے ہندو راجاؤں کی طرح اُس کی تکمیل کے لئے کوشش کریں لیکن پنجاب کی سرزمین میں ایک خاصیت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے سوامی دیانند کے اور رشی کو اپنا اور رشی بنا لیا اور آریہ سماج کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد پنجاب کی پبلک زندگی میں آریہ سماج کا بڑا حصہ ہے۔ پنجاب کے سب سے بڑے شہروں اور قصبوں میں آریہ سماجیں قائم

ہو گئیں۔ اِن آریہ سماجوں نے جگہ جگہ لڑکوں کے لئے سکول اور لڑکیوں کیلئے پاٹھ شالائیں قائم کرلیں اور اپدیشک رکھکر پرچار کا کام کیا۔ جہاں کہیں ملک میں قحط، بھونچال یا دوسری تکلیف ہوئی۔ آریہ سماج کی آرگنیزیشن نے اُس میں سب سے بڑھ کر امداد دی۔ آریہ سماج کا سب سے بڑا کام اپنے بچوں کی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لینے کا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں سوامی دیانند کی موت پر آریہ سماجوں نے اس کی طرف ایک بڑا قدم اُٹھایا۔ اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سوامی دیانند کی یادگار میں ایک بڑی تعلیمی درسگاہ یعنی کالج بنایا جائے۔ لاہور میں پہلے ایک سکول قائم کیا گیا جسے پنجاب یونیورسٹی کے طریقے کے مطابق چوتھے سال میں کالج بنا دیا گیا۔ پنجاب کی ہندو آبادی میں جو طبقہ پڑھا لکھا تھا وہ آریہ سماج میں آکر جمع ہو گیا۔ آریہ سماج کے کام کا اثر پنجاب کی دوسری جماعتوں پر بھی بہت کافی ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی اس بیداری کو دیکھکر جگہ جگہ اپنی انجمنیں قائم کرنی شروع کر دیں۔ سکھوں نے جگہ جگہ سنگھ سبھائیں بنا کر اپنے خاص مذہبی خیالات پر زور دیکر اپنے آپ کو دوسرے ہندوؤں سے علیحدہ تمیز کرنا شروع کیا۔ ہندوؤں میں جو لوگ آریہ سماج کے کھنڈن سے ناراض ہوئے اور جن لوگوں کی عزت یا روزی پر آریہ سماج کے پرچار کا بُرا اثر پڑتا تھا اُنہوں نے آریہ سماج کی مخالفت میں سناتن دھرم سبھائیں بنانی شروع کیں۔

جہاں پر آریہ سماج نے پنجاب کی پبلک زندگی میں ایسی ہلچل پیدا کر دی۔ وہاں پر قوم کی بدقسمتی دیکھئے۔ آریہ سماج کے اندر ابھی یہ بن ہی چکی تھی۔ تفرقہ شروع ہو گیا۔ تعلیم کا مسئلہ بذاتہ ایک بڑا گہرا اور مشکل سوال تھا۔ عام لوگوں کی تو صرف اس بات پر ہی تسلی ہو جاتی ہے کہ تعلیم اچھی چیز ہے اور تعلیم کا پھیلانا نیک کام ہے لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا تعلیم ہر ایک چیز کی طرح اچھی یا

ور بُری نہیں ہو سکتی ۔ غلط تعلیم سے اُتنے ہی بگاڑ کا ڈر ہے جتنا کہ دُرست
علیم سے سُدھار کی اُمید ہو سکتی ہے ۔ ممکن ہے اُس وقت یہ خیال کسی سمجھدار
ر یہ سماجی کے دل میں پیدا نہ ہوا ہو لیکن بعد میں یہ سوال بڑے زور سے ہمارے
سامنے آنے لگا کہ آیا سرکار انگریزی کا سلسلۂ تعلیم جس کے مطابق آریہ سماج نے
الج اور سکول بنا کر اپنی ساری طاقت کو اُن کے چلانے میں لگا دیا ۔ سرکار کی
سی اپنی غرض کے لئے قائم کیا گیا تھا یا ہماری بہتری کے لئے ۔ کالج کی بُنیاد
رکھتے وقت ایسے ایک آدمی ضرور موجود تھے جنھوں نے آریہ سماجیوں کو
رائے دی کہ گورنمنٹ کے یہ کالج صرف رسّوں کے طور پہ بنائے ہیں جن سے
مُلک کو باندھنا ہے ۔ آریہ سماج کو ایک اور رسّہ بنانے کی کیا ضرورت ہے ؟
آریہ سماج میں آگے بڑھ کر کام کرنے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جنھوں نے
سرکاری تعلیم میں نشوونما پائی تھی ۔ ان کو یہ موٹی سی سچائی ایک دل لگی سی معلوم
ہوئی اور اُنھوں نے اسے ہنسی میں ٹال دیا ۔ لیکن آریہ سماج میں اس نقطۂ
خیال کو چھوڑ کر جو کہ پولیٹکل کہا جا سکتا ہے ۔ مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمی بھی
موجود تھے جنھیں کالج بنانے کے بعد فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم اپنی اس درسگاہ
کو بالکل یونیورسٹی کے ماتحت کر کے آریہ سماج کے مشن کو دھوکا دے رہے
ہیں ۔ وہ یہ کہنے لگے کہ آریہ سماج کا کام انگریزی تعلیم نہیں ہے بلکہ ویدوں اور
شاستروں کا اور سنسکرت کا پرچار کرنا ہے لیکن یہ اختلاف اتنا نہ تھا کہ اس
پر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ۔ اتفاق سے جو لوگ سرکاری تعلیم کے زیادہ حق
میں تھے ۔ اُن میں ماس کھانا ذرا بے پرواہی سے دیکھا جاتا تھا ۔ اس لئے
اُن کے اندر یہ ایک ایسا نقطہ مل گیا جو کہ پبلک کی نظروں میں بڑی کمزوری
سمجھی جا سکتی تھی ۔ اس لئے ماس کھانے کے سوال کو آگے رکھ کر جگہ جگہ چرچا

کیا جانے لگا۔ یہانتک مقابلہ بڑھ گیا کہ ماس کا کھانا اچھا سمجھنے والوں کو آریہ سماج سے نکال دینے کی نوبت آپہنچی جس پر ۱۸۹۲ء میں آریہ سماج کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد آریہ سماج کا بہت سا کام اور انرجی ہماجے پرچار کے ایک دوسرے کے برخلاف خرچ ہونے لگی۔ ماس کی مخالف پارٹی نے تھوڑا عرصہ بعد پرانے طریقہ تعلیم کے مطابق ہردوار میں گورو کل کا ایک بڑا انسٹیٹیوشن بنایا۔ یہ دونو پارٹیاں پنجاب میں کام کرنے لگیں اور اپنی طاقت کے مطابق کام کرتی چلی آتی ہیں۔

**انڈین نیشنل کانگریس**

صوبجات متحدہ میں کچھ دیش بھگتوں میں ہندوؤں میں قومیت کا جذبہ قائم رکھنے کے لئے گئو رکھشنی سبھا بنائی۔ سوامی دیانند کی بھی اس تحریک کے ساتھ ہمدردی تھی لیکن گورنمنٹ پولیٹیکل نقطۂ نگاہ سے دیکھتی ہوئی اس تحریک کو پسند نہ کرتی تھی۔ گئو رکھشا کے متعلق کئی مقامات میں بلوے ہوئے جنہیں گورنمنٹ نے بڑی سختی سے دبایا۔ اس کے ساتھ ہی گورنمنٹ کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کو اپنے جذبات اور شکایات کو ظاہر کرنے کے لئے ایک بے ضرر سا ایجیٹیشن کا طریقہ بتائے اس مطلب کے لئے گورنمنٹ کی ایماء سے لارڈ ڈفرن کے وقت میں مسٹر ہیوم نے جو کہ غدر کے وقت میں اٹاوہ کے کلکٹر رہ چکے تھے اور جنہیں کانگریس کے بانی کہا جاتا ہے۔ بنگال، بمبئی وغیرہ کے چند مشہور اصحاب کو بلا کر کانگریس کی بنیاد رکھی۔ کانگریس کا کام صرف اتنا تھا کہ ہر سال بڑے دن کی چھٹیوں میں ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں اکٹھے ہو کر لوگوں کی شکایات کو گورنمنٹ کے سامنے ریزولیوشنوں کی شکل میں پیش کریں اور لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے کچھ اصحاب کی انگریزی میں بڑی بڑی تقاریر بھی ہو جائیں۔ تین چار سال

تک گورنمنٹ نے کانگریس کی حوصلہ افزائی کی لیکن اس کے بعد اپنا رُخ بدل لیا اور کانگریس میں بھی کچھ کچھ آزاد خیالی کا اظہار ہونے لگا جس وقت آریہ سماج کے دو ٹکڑے ہو گئے اُس سے دوسرے سال ۱۸۹۳ء میں کانگریس کا پہلا اجلاس لاہور میں ہوا۔ کانگریس کے لئے پنجاب میں اُس وقت بہت جوش تھا اور سب جگہ کے لوگ بڑے جوش و خروش سے لاہور میں اکٹھے ہوئے آریہ سماج کے لیڈروں کو کانگریس پر کچھ اعتبار نہ تھا۔ حُب الوطنی کے لحاظ سے یہ کہا جاتا تھا کہ کانگریس محض ایک گورنمنٹ کا ڈھونگ ہے تاکہ تعلیم یافتہ جماعت کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو روک دیا جائے۔ اسی موقعہ پر ایک صاحب نے اس شخص کی مثال سے کہ اس بات کو ظاہر کیا جس نے ایک بھوت کو اپنے بس میں کر لیا تھا لیکن بھوت نے اُس سے اقرار لیا کہ اُسے مشغول رکھنے کے لئے اُسے ہر وقت کچھ نہ کچھ کام بتاتا رہے۔ اُس شخص نے یکے بعد دیگرے اپنی سب خواہشیں اُس بھوت سے پوری کرا لیں۔ اب بھوت نے کہا۔ تیرے پاس کچھ کام نہیں۔ میں تمہیں کھانا چاہتا ہوں۔ وہ آدمی آگے آگے دوڑنے لگا۔ بھوت اُس کا پیچھا کر رہا تھا ایک سمجھدار آدمی راستے میں اُسے ملا۔ اُس نے اُس کو بتایا کہ ایک بڑا لمبا ڈنڈا گاڑ دو اور اُس بھوت کو اوپر چڑھنے اور نیچے اُترنے کیلئے کہدو۔ اُس کی رائے میں کانگریس صرف ایک ڈنڈا تھا جو کہ تعلیم یافتہ جماعت کے بھوت کو اوپر نیچے چڑھنے کے لئے مہیا کیا گیا تھا۔ آریہ سماجی یہ سمجھتے تھے کہ دونوں ملکی اور مذہبی لحاظ سے وہی درست راستے پر ہیں لور کئی سالوں تک یہ بات ٹھیک نظر آتی رہی لیکن مذہبی سوسائٹی اور پولیٹکل سوسائٹی میں بڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ مذہبی سوسائٹی خاص مذہبی سدھانتوں کو اپنا سمجھتی ہے اور اُن کو کبھی چھوڑنے پر طیار نہیں ہوتی۔ پولیٹکل سوسائٹی کا کوئی خاص سدھانت نہیں ہوتا۔ اُس کا طریقہ

کام ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اچھے آدمی آنے سے کام اچھا ہونے لگ جاتا ہے
بُرے آدمیوں کے آنے سے کام ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی
سوسائٹی میں ایک اور بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ خطرہ کے آنے کے وقت اُن کے
لیڈروں کے سامنے اپنے بچاؤ کا راستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دباؤ پڑنے پر
وہ جھٹ ڈر کر اپنے مذہبی اصولوں کی پناہ لے لیتے ہیں۔ اور انصاف اور دلیری
سے مقابلہ کرنے کے راستے سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ جتنے مذاہب خواہ
اسلام عیسائی یا سکھ وغیرہ ہوئے ہیں۔ اُن پر ایک نہ ایک وقت امتحان کا
آیا ہے جب اُنہیں پولیٹیکل طاقت رکھنے والوں نے اپنے لئے خطرناک سمجھ کر
دبانا چاہا۔ اگر وہ دب جاتے تو اُن کی ترقی اور پھیلاؤ کا دروازہ وہیں بند ہو جاتا۔
آریہ سماج کے لئے بھی یہ لازمی امر تھا کہ ایک نہ ایک وقت ایسا آئے جب ہندوستان
کی گورنمنٹ انگریزی قوم کے ہاتھ میں تھی اور یہ قوم اچھی طرح سمجھتی ہے کہ جو سوسائٹی
آج بالکل مذہبی ہے۔ ترقی کر کے کل پولیٹیکل شکل اختیار کر سکتی ہے۔ آریہ سماج کو
بھی یہ اصول سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ اگر وہ امتحان کے وقت خوف کے نیچے دب
جائیں گے تو اُس کے اندر اُس زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا جو زندگی کہ دوسروں کی
کشش کر کے اُس کی ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

**سودیشی اور سوراجیہ**

ملک کی تاریخ میں ۱۹۰۵ء کا سال زیادہ مشہور رہے گا۔
اُس وقت ہندوستان پر لارڈ کرزن کی حکومت تھی
جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں جیسا چاہتا تھا ویسا کرتا تھا۔ اس زمانے میں روس
اور جاپان کا مشہور جنگ ہوا جس میں جاپان نے روس جیسی بڑی قوم کو شکست
دے کر اپنی چھوٹی سی قوم کا دنیا میں نام پیدا کر دیا۔ جاپان کی فتح کا اثر ہندوستان
کے لوگوں پر ضرور ہوا۔ اس سے پہلے ہندوستانیوں کے دل پر یورپین قوموں

کی بزرگی کا ایک جادو تھا جو کہ اس جنگ نے توڑ دیا۔ ہندوستانی یہ سمجھتے تھے
کہ یورپ کی قومیں حکمرانی کے لئے بنی ہیں اور ایشیا کی قومیں اُن کے ماتحت
رہنے کے لئے۔ جاپان نے اس کا اُلٹ ثابت کر کے دکھلا دیا۔ لوگوں کے دلوں
میں ایک قسم کی خودداری کا مادہ پیدا ہو رہا تھا جبکہ لارڈ کرزن نے بنگال کے
دو ٹکڑے کر کے سب بنگالیوں کو اپنے برخلاف کر لیا۔ اس وقت سے بنگال
میں بائیکاٹ کے ہتھیار کا استعمال شروع ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ سودیشی اور
سوراجیہ کی لہر پھیلنے لگی۔ انڈین نیشنل کانگریس بھی اس لہر کے اثر میں آگئی۔ اس لہر کا
اثر پنجاب پر بھی ہوا۔ کانگریس میں پرانے نرم دل کے مقابلے پر ایک تیز قوم
پرستوں کی پارٹی پیدا ہو گئی اور پنجاب میں بھی اس پارٹی نے لوگوں کو اپنی طرف
کشش کرنا شروع کیا۔ پنجاب کی ایجی ٹیشن اب تعلیم یافتہ جماعت سے نکل کر لائل پور
اور لاہور کے جاٹوں میں کام کرنے لگی۔ اتنے میں ۱۹۰۷ء آگیا جبکہ انگریز افسروں
کے دل میں ایک قسم کا خوف سا پیدا ہونے لگا۔ اس خیال سے کہ اس سال میں
غدر کے بعد آدھی صدی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ پنجاب میں ایجی ٹیشن کا جب بہت
زور بڑھ گیا تو پنجاب گورنمنٹ نے ۱۱ مئی کا دن آنے سے پہلے لالہ لاجپت رائے
اور سردار اجیت سنگھ کو جلا وطن کرنا ضروری خیال کیا۔ لالہ لاجپت رائے
آریہ سماج کے ایک بڑے لیڈر رہ چکے تھے۔ اُن کی جلاوطنی آریہ سماجیوں
کے لئے پہلا امتحان تھا۔ اس سے اُن کے دوست زیادہ گھبرا گئے اور انہوں نے
کمزوری کا پبلک کے سامنے بڑا ثبوت دیا۔ ۱۹۰۷ء سورت کی کانگریس میں
قوم پرست اور پرانے فریق کی لڑائی ہو گئی۔ اس کے بعد قوم پرست فریق جس کے
سردار تلک مہاراج تھے کانگریس سے نکل گئے اور کانگریس پرانے طریقے
پر چلی گئی۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں بنگال میں بم کی پارٹی کا آغاز ہوا اور ہر صوبہ کی گورنمنٹ
کو زیادہ تشویش ہونے لگی۔ لوکمانیہ تلک کو چھ سال کے لئے جلاوطن کیا صرف
اس لئے کہ انہوں نے اپنے اخبار میں یہ لکھا تھا کہ بم جاری ہونے کی بہت سی
ذمہ واری گورنمنٹ کے سر پر ہے۔ پنجاب میں بھی قانون سخت کر دیا گیا اور
گورنمنٹ کا ہاتھ ہر قسم کی ایجی ٹیشن دبانے میں رہا۔ اس طرح سہتے رہتے چار پانچ
سال گزر گئے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں مصنف کے بر خلاف بھی ایک مقدمہ بنایا گیا۔
اس مقدمہ کے فیصلے سے پہلے ہی آریہ سماج نے اُسے کالج کی خدمات سے
علیحدہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ نے آریہ سماج کے لیڈران سے یہ کہا۔
یا تم ہمارے ساتھ ہو گے نہیں تو مخالف سمجھے جاؤ گے اور انہوں نے اپنی
پالیسی گورنمنٹ کے ماتحت کر دی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں یورپ کا بڑا جنگ شروع
ہو گیا۔ امریکہ میں بہت سے سکھ اور دوسرے پنجابی مزدوری کا کام کرتے تھے
ایک آزاد ملک کے اندر رہکر امریکہ کی گوری آبادی کے ساتھ برابری کے درجے
پر کام کرکے ان پنجابیوں کے دلوں میں ملکی محبت اور انسانی برابری کا جذبہ
پیدا ہو گیا۔ جنگ کے شروع ہونے پر انہوں نے اخباروں میں پڑھا کہ انگلینڈ
ہندوستان کی فوجوں کو اپنی حفاظت کے لئے فرانس کے میدان میں لانے کی
کوشش کر رہا ہے۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں پنجابی جن میں زیادہ تعداد
سکھوں کی تھی کینیڈا اور امریکہ کے مغربی کنارے سے چل پڑے تاکہ اپنے
ملک میں آکر فوجوں کو اور لوگوں کو سرکار کی امداد کرنے سے روک دیں۔ جبتک
کہ اُن کو ملکی آزادی حاصل نہ ہو۔ پنجاب میں اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر آچکا تھا۔
آتے ہی اُس نے مہلی سازش کا مقدمہ شروع کیا جس میں صرف ایک وعدہ
معاف کے بیانوں پر کئی نوجوانوں کو پھانسی کی سزا ملی۔ ابھی مقدمہ چل رہا

تھا کہ جنگ شروع ہو گیا۔ جنگ شروع ہوتے ہی امریکہ کے پنجابی پنجاب میں آکر شور و شر برپا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اوڈوائر نے اپنی پالیسی فیصلہ کر لی تھی اُس نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ وہ امریکہ کے پستول اور بنگال کے بم کا اپنی پوری طاقت سے مقابلہ کریگا۔ امریکہ کے آنے والے پنجابی جہاز پر سے گرفتار کر کے جیلوں میں بھیج دیئے گئے اور جو کوئی چپ چپ کر نکل آئے اُن کے گھروں پر پولیس آگے سے موجود تھی۔ گھروں سے بھاگ کر کے اُنہوں نے اُدھر اُدھر پھرنا اور سرکار کے برخلاف واہی تباہی تدبیریں سوچنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کے گروہ کے گروہ گرفتار کر کے لاہور کے جیل میں بھیجے بعد دیگرے گیارہ سازش کے مقدمے کیئے گئے جن میں پھانسی اور کالا پانی کی سزا ایک معمولی بات بن گئی۔ جب تک جنگ رہا یہ مقدمے جاری رہے اور پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر کا مدعا یہ تھا کہ پنجاب کے لوگوں کو ان سخت سزاؤں کے ذریعے سے خوفزدہ کر دیا جائے تاکہ جنگ کی امداد کے لیئے جو طریقے پنجاب میں اختیار کیئے جا رہے تھے اُن میں کسی قسم کی مزاحمت پیدا نہ ہو۔ اگرچہ جنگ کے وقت سے پہلے ہی لالہ ہر دیال امریکہ سے چلا گیا تھا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ان پنجابیوں کے اندر اس جوش کی روح پھونکنے والا وہی اکیلا شخص تھا۔ اُس کی تحریر اور تقریر کا ان لوگوں پر گہرا اثر ہوا۔ اسکی کئی حیرت انگیز مثالیں موجود ہیں۔ ان میں ایک شخص بارہ چودہ سال امریکہ میں رہکر ہر روز دس پندرہ روپے کماتا تھا اور شراب میں خرچ کر دیتا تھا لیکن اُس کے اثر میں آکر وہ ملک کے لیئے جان پر کھیلنے کے لیئے طیار ہو گیا۔ ایسے ہی ایک اور شخص جس نے اپنے جسم پر نہایت ہی تھوڑا خرچ کر کے ہزاروں ڈالروں کی جائداد پیدا کی ستر برس کی عمر میں اُس کے اندر یہ تبدیلی ہوئی کہ یہ سب کچھ اپنی ملکی تحریک کے حوالے کر دیا اور خود مرنے کیلئے چل پڑا۔ جن لوگوں نے غلطی سے یا جوانی کے

جوش میں آکر اُس کام کے لئے جسے وہ اپنی مُلکی بہتری کا کام سمجھتے تھے خوشی سے جانیں دیں۔ اُن سب کے حالات ایسے تازہ ہیں کہ وہ اتنی جلدی تاریخ کا مضمون نہیں بن سکتے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر وڈ مارز انگلینڈ کا بڑا لیڈر اور ہیرو ہے تو یہ لوگ سچے دیش بھگت تھے۔

جنگ شروع ہؤا اور ختم ہو گیا۔ جنگ کے شروع میں دوران میں اور آخیر تک انگلینڈ کو جرمنی سے بڑا بھاری خطرہ تھا اور اگر انگلینڈ کو شروع میں ہندوستانی فوجوں کی مدد اس طرح نہ پہنچتی جیسی کہ آخیر میں امریکہ کی فوجوں کی ملی تو یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ انگلینڈ کی اس وقت کیا حالت ہوتی۔ جنگ کے دنوں میں انگلینڈ کے لوگ ہندوستانی فوجوں کی امداد کی سچے دل سے قدر کرتے تھے۔ اور انگلینڈ میں خواہ اس کی وجہ سے خواہ کسی دوسری وجہ سے یہ خیال زور پکڑتا گیا کہ ہندوستان اور انگلینڈ دونو کی بہتری اسی میں ہے کہ ہندوستان کو ایک خود حکومت کرنے والا ملک بنا دیا جائے۔ اس جنگ کے دوران میں انگلینڈ کے مُدبر جرمنی کے برخلاف لڑتے ہوئے بار بار یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انگلینڈ کمزور اور چھوٹی قوموں کو جرمنی کے ظلم سے بچانے کے لئے لڑ رہا ہے انگلینڈ کے لئے یہ جنگ دُنیا میں آزادی قائم رکھنے کی غرض سے ہے۔ جنگ کے خاتمہ کے نزدیک انگلینڈ گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ جلدی ہی ہندوستان کی گورنمنٹ میں اصلاح کر کے سوراجی حکومت کا آغاز کر دیا جائے گا۔ خاتمہ پر ریفارم ایکٹ آیا اور موجودہ کونسلوں کی سکیم طیار کر کے پارلیمنٹ میں پاس کر دی گئی اور اُن کے اجرا کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا۔

**ستیہ گرہ اور عدم تعاون**

انگلینڈ ایک ہاتھ سے جو کچھ دینا چاہتا تھا اُس کو دوسرے ہاتھ سے لے لینے کا خیال کیا۔ اصلاح کی سکیم کے ساتھ ساتھ رولٹ ایکٹ ایک نیا قانون پولیٹکل مجرموں کے برخلاف بنایا گیا۔

جس کی غرض نہ صرف مجرموں کو سزا دینا تھی بلکہ ہندوستان کے لوگوں میں آزادی
کی اسپرٹ اور خواہش کو کچل ڈالنا تھا۔ تلک کی رہنمائی کیلئے اس وقت کانگریس میں ایک
اور شخصیت کام کرنے لگ گئی تھی۔ سنہ ۱۹۰۷ء سے سنہ ۱۹۱۵ء تک کانگریس نرم
دل کے ہاتھ ایک مُردہ آرگنیزیشن سی رہی۔ نہ یہ کچھ کام کرتی تھی اور نہ لوگوں پر
اُس کا کچھ اثر تھا۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں لوکمانیہ تلک جلاوطنی سے رہا ہو کر آگئے اور
نرم دل کے لیڈر مسٹر گوکھلے اس جہان سے چل دیئے۔ سنہ ۱۹۱۵ء کی کانگریس لکھنؤ
میں ہوئی۔ اُس میں جس جوش سے لوکمانیہ تلک کا استقبال کیا گیا۔ اُس سے
یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مُلک کی ہوا بدل گئی ہے اور کانگریس نئے ہاتھوں میں آ
رہی ہے۔ ہر سال کانگریس کا رعب و داب بڑھتا گیا اور یہ لوگوں کی خواہش کو
ظاہر کرنے والی سوسائٹی بنتی گئی۔ مہاتما گاندھی افریقہ میں ہندوستانیوں کی خدمات
میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گذارنے کے بعد مُلک کو واپس آئے اور اپنی
تحریک ستیہ گرہ کی سابرمتی آشرم (احمد آباد) میں بنیاد رکھی۔ اس تحریک کی شہرت
رولٹ ایکٹ کے جاری ہونے پر بڑھنے لگی۔ مُلک رولٹ ایکٹ کو منظور
کرنے پر طیار نہ تھا۔ اس کے برخلاف جگہ جگہ جلسے کئے گئے۔ مہاتما گاندھی پنجاب
کو آ رہے تھے کہ اُن کو راستے میں روک کر گرفتار کیا گیا۔ دہلی۔ امرتسر وغیرہ شہروں
میں اس کے برخلاف بڑا زوردار پروٹسٹ کیا گیا۔ گورنمنٹ پبلک رائے
کے اس اظہار کو دبا دینا چاہتی تھی۔ اس کشمکش میں لوگوں کی طرف سے کہیں کہیں
زیادتی ہوئی جس کا نتیجہ امرتسر کا مشہور واقعہ جلیانوالا باغ کا قتل اور پنجاب کا مارشل لا
ہوا۔ پنجاب کا گورنر اوڈوائر اپنی میعاد سے کچھ زیادہ پنجاب میں اس لئے رہ گیا
کہ اس شورش کا خاتمہ کر کے یہاں سے جائے اور مارشل لا اس کی آخری کوشش
تھی۔ مارشل لا کے دوران میں جو مقدمات لاہور۔ امرتسر۔ گوجرانوالہ۔ وزیر آباد

حافظ آباد، قصور وغیرہ مقامات میں کئے گئے اور جو سزائیں بڑے بڑے شریف لوگوں کو یونہی بلا قصور دی گئیں۔ پبلک کے لیے ابھی بہت تازہ واقعات تھیں کانگریس کی طرف سے پنجاب پر تشدد اور ان سب واقعات کی تحقیقات کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ مہاتما گاندھی اس کمیٹی میں تھے۔ اس کمیٹی کا یہ خیال تھا کہ گورنمنٹ جلیانوالہ کے اتیاچار پر ضرور اظہار افسوس کریگی لیکن جب گورنمنٹ نے اس کی طرف دھیان تک نہ دیا تب مہاتما گاندھی کو گورنمنٹ کے ساتھ مکمل عدم تعاون کا خیال ہوا۔

اس عرصے میں مسلمانوں کو گورنمنٹ کے خلاف ایک خاص مذہبی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ پچھلے جنگ میں ترکی جرمنی کے ساتھ تھا اور سب شرائط طے ہو جانے کے بعد ترکوں کا مقابلہ بیچ میں ہی پڑا رہا۔ وارسیلز کے عہد نامے میں جو شرائط ترکوں کے لیے طے کی گئیں ان پر ترک راضی نہ تھے۔ ترکی کا معاملہ لمبا ہوتا گیا اور یونان اور ترکی میں پھر لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں انگلینڈ یونان کا اندرونی طور پر مددگار تھا۔ ہندوستان کے مسلمان عام طور پر یہ خواہش رکھتے تھے کہ قسطنطنیہ میں ترکی سلطان یعنی خلیفہ کی حکومت ویسی ہی قائم رکھی جائے سلطان ساری دنیا کے مسلمانوں کا مذہبی ہیڈ یعنی پیغمبر کا جانشین سمجھا جاتا تھا اور ہندوستان کے مسلمان اس کے ساتھ وفادار رہنا اپنا فرض سمجھتے تھے انگلینڈ مسلمانوں کی اس خواہش کی طرف توجہ دینے کے لیے طیار نہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے خلافت کی حفاظت کے لئے کانگریس کے ساتھ ساتھ خلافت آرگنیزیشن قائم کرلی۔ کلکتہ کی سپیشل کانگریس میں ان دونوں جماعتوں کی طرف سے گورنمنٹ کے سامنے یہ پیش کیا گیا کہ جب تک سرکار پنجاب کے ظلم کی تلافی نہ کریگی اور جب تک خلافت کا مسئلہ مناسب طور پر حل نہ ہوگا ہندوستان کے ہندو

اور مسلمان گورنمنٹ کے ساتھ عدم تعاون کرتے رہیں گے۔ مہاتما گاندھی نے ملک سے اپیل کی کہ کم از کم ایک سال کے لیے سب لوگ کانگریس کے عدم تعاون پروگرام پر عمل کا نتیجہ سوراجیہ کا مل جانا ایک ضروری امر ہے۔ یہ سال گورنمنٹ کے لیے بہت نازک تھا اور یہ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کو کچھ سوجھتا نہ تھا کہ اس عدم تشدد والے عدم تعاون کی لہر کو کس طرح روکے ہزاروں آدمی بڑی خوشی سے سرکاری قانون کو توڑ کر جیلوں میں جانے کے لیے تیار ہو گئے اور اُن کے دلوں سے قانون کا اور پولیس کا خوف بالکل اُٹھ گیا جب گرفتار کرکے عدالت میں لایا جاتا تھا تو وہ عدالت کی کارروائی میں کوئی حصہ نہ لیتے تھے اور عدالت کے اختیار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ گورنمنٹ کو ڈر یہ تھا کہ اگر یہ لہر دن بدن بڑھتی ہی جائے گی تو اس کا ایک ایسا طوفان بن جائیگا کہ گورنمنٹ کہیں بہ نہ جائے لیکن انگریزوں نے اپنی ایمپائر کے بنانے اور قائم رکھنے میں ایسے کئی نازک موقعوں کا تجربہ کیا ہوا ہے۔ انگریزی قوم میں ایک بڑا وصف صبر اور استقلال کا پایا جاتا ہے۔ جب کبھی اُن کے سر پر کوئی مصیبت ہو یا اُن کے سامنے کوئی مشکل ہو تو وہ حوصلہ قائم رکھتے ہیں اور صبر سے وقت کے گذر جانے کا انتظار کرتے ہیں۔ یورُوپ کے عظیم جنگ میں اُن کی کامیابی کا اصل راز یہی ہے کہ اُنہوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور میدان میں ڈٹے رہے ہندوستان کی مشکل کچھ اتنی بڑی مشکل نہ تھی۔ مہاتما گاندھی نے لوگوں کو ایک سال تک قربانی کرنے کے لئے کہا تھا۔ ایک سال گذر گیا۔ ایک سال کے اُوپر دوسرا سال گذرنے لگا۔ ہندوستانیوں کی کمر میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اتنی دیر تک میدان میں کھڑے رہ سکتے۔ خود کام کرنے والے اور اُن کے لیڈر گھبرا گئے۔ یہ گھبراہٹ اس بات کی علامت تھی کہ اُن کے حوصلے کا خاتمہ ہو گیا۔ دُنیا میں جدوجہد کا اصول

ایک ہی طریقہ پر چلتا ہے۔ کامیابی اُسے ہوتی ہے جو زیادہ دیر تک میدان میں کھڑا رہ سکتا ہے۔

**خلافت گوردوارہ سُدھار اور ہندو سنگٹھن**

مہاتما گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک کو سب سے بڑھکر عملی صُورت دینے والی تحریک سکھوں کی گوردوارہ سُدھار کی تحریک تھی جس اصُول کا مہاتما گاندھی نے سوراجیہ حاصل کرنے کے لئے کھُلا اعلان کیا۔ اُسے سکھوں کی گوردوارہ پربندھک کمیٹی نے آئندہ کے لئے اپنا طریقِ عمل بنا لیا۔ پنجاب کے سکھوں کو اپنی تحریک کی یاد ابھی نہیں بھُولی۔ اُن کی روایات اُن کے دلوں میں ہر وقت نئی زندگی ڈالتی رہتی ہیں۔ سکھ لوگ اپنی طاقت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی ترقی کی کُنجی اِس امر میں دیکھی کہ گوردواروں کی حالت کو درُست کرکے سکھوں میں ایک تازہ مذہبی رُوح پھُونکی جائے جن مہنتوں کے ہاتھ میں گوردواروں کا اِنتظام تھا وہ ایک سرمایہ دار جماعت بن گئی تھی اور ہزاروں کی جائداد کو وہ اپنی ملکیت بنا بیٹھے تھے سرکاری افسروں کے ساتھ اُن کے تعلقات قائم ہو چکے تھے اور گورنمنٹ بھی قُدرتی طور پر ان لوگوں کی اِمداد کرنا اور حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ ننکانہ صاحب کی جائداد کے انتظام کا جھگڑا پہلا واقعہ ہے جس نے سکھ لوگوں میں اکالی تحریک کی بُنیاد ڈال دی جب پربندھک کمیٹی مہنت کے ساتھ صُلح کے طریقوں کو آزما چکی تو پربندھک کمیٹی کی طرف سے بھائی لچھمن سنگھ اور اُس کے ساتھی اِس بات کے لئے مقرر ہوئے کہ ننکانہ صاحب جاکر وہاں کے گوردوارہ پر چُپ چاپ اپنا قبضہ کرلیں۔ مہنت نرائن داس اِس خطرہ کو سمجھ گیا اور اُس نے پہلے سے ہی اُن کے مقابلے کے لئے ہتھیار اور آدمی اکٹھے کرلئے تھے۔ جب وہ سویرے پاٹھ سُننے کے لیے اندر داخل ہوئے تو گوردوارہ کے دروازے جسے قلعہ بنا لیا گیا تھا بند کر دیئے

گئے اور چھپے ہوئے آدمیوں نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ سکھوں کی اس شہادت نے
پنجاب میں ایک قسم کا تہلکہ مچا دیا۔ پربندھک کمیٹی نے جگہ جگہ اکالیوں کی ایک
فوج کو بھرتی کرنے کا حکم دیدیا۔ کمیٹی یہ سمجھ گئی کہ گوردوارہ سدھار میں اُسے مہنتوں اور
گورنمنٹ دونوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے طیار رہنا چاہیئے۔ پربندھک
کمیٹی نے ستیہ گرہ کے طریقے کو اپنا طرزِ عمل بنا کر مختلف مقامات میں اپنی اکالی فوج
کو حکم دیدیا کہ وہ گوردواروں کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لیتے جائیں۔

پنجاب کی سکھ آبادی تو اپنے اس کام میں لگ گئی۔ مسلمانوں نے ۱۹۲۰ء
سے کانگریس کا ساتھ دینا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کا مدعا چونکہ یورپ
میں خلافت اور ترکوں کے رعب داب کو قائم رکھنے کے لئے ہندوستانی سرکار
پر دباؤ ڈالنا تھا، انہوں نے خلافت کانفرنس اور اُس کے ماتحت جگہ جگہ خلافت
کمیٹیاں قائم کر لی تھیں۔ مہاتما گاندھی نے خلافت کی قائمی کو سوراجیہ کے ساتھ اس
ملک کے لئے ایک دوسرا بڑا آدرش رکھدیا۔ اس کا جہاں پر یہ اچھا اثر ہوا کہ
مسلمان ہندوؤں کے ساتھ کانگریس میں شریک ہوئے۔ وہاں پر خلافت کمیٹیوں
کے ماتحت ایک قسم کی علیحدہ تنظیم ہوتی گئی اور نئی مذہبی زندگی بھی آتی گئی۔ اس امر
سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی جوش اور ہندو
مسلم اتحاد نے ہندوستانی سرکار پر اپنا اثر ڈالا۔ اگر یہ شور ملک میں نہ ہوتا تو گورنمنٹ
کے لئے ہندوستان سے باہر دوسرے اسلامی ممالک پر اپنا ہاتھ پھیلا لینا
آسان بات تھی اور گورنمنٹ اس کوشش میں بھی تھی کہ میسوپوٹامیہ میں مستقل حکومت
قائم کر کے وہاں سے ایران اور افغانستان پر بھی اپنا مکمل رعب قائم کر لیں۔
ہندوستان کی اس ایجیٹیشن نے اُن کے ارادوں میں بلاشبہ ایک روکاوٹ
پیدا کر دی۔ میسوپوٹیمیا میں انگریزی حکومت موجود ضرور ہے لیکن ابھی تک

گورنمنٹ کا خرچ وہاں کی آمدنی سے کئی گنا بڑھ گیا ہے اور ممکن ہے کہ اگر یہی
حالت رہی تو گورنمنٹ اُس زمین کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دے۔ اس ایجی ٹیشن
کی بدولت ہی افغانستان نہ صرف سرکار کے رُعب داب میں نہیں آیا بلکہ
اُس نے اپنی پوزیشن کو بالکل خود مختار اور آگے سے بڑھکر کہیں مضبوط بنا لیا
ہے۔ ایران بھی سرکار کے رُعب سے نکل گیا۔ مصر نے بھی جدوجہد کر کے
ایک خاص حد تک اپنی خود مختاری قائم کر لی۔ اِن سب کے علاوہ مصطفےٰ
کمال پاشا نے جنگ میں اپنی بہادری اور لیاقت سے قسطنطنیہ اور خلافت
کو بچا لیا۔ اگرچہ اُسی مصطفےٰ کمال پاشا کی بدولت سُلطان کو تخت سے معزول
کر کے خلافت کا خاتمہ بھی کر دیا گیا۔ خلافت کا سوال ایک طرح سے حل ہو
گیا۔ ہندوستان کے مسلمان فوراً ہی یہ بھول گئے کہ مہاتما گاندھی نے یا مہاتما
گاندھی کی بدولت ہندوؤں نے اِسلام کے لئے کیا کچھ کیا اور خواہ مالابار کی
بغاوت میں موپلوں نے سینکڑوں ہندوؤں کو بے گناہ قتل کیا یا زبردستی
مُسلمان بنایا۔ خواہ مُلتان کے فساد نے ہندو مندروں کو گرایا اور عورتوں پر
اپنا ہاتھ چلایا۔ ہندوستان کے عام مسلمانوں کی ہمدردی اپنے مُسلمان بھائیوں
کی طرف ہی رہی اور کسی لیڈر کو بھی اتنی جُرأت نہ ہوئی کہ وہ صاف طور پر ان
فسادی مسلمانوں کو سرزنش کرے۔ اِن واقعات نے ہندوؤں کی آنکھیں
کھول دیں۔ اگر یہ واقعات یہیں ختم ہو جاتے تو شاید یہ معاملہ زیادہ طُول نہ کھینچتا
لیکن مسلمانوں نے تو جگہ جگہ پر دلیر ہو کر ہندوؤں کو کمزور سمجھکر اُن پر حملے کرنے
شروع کر دیئے جس اِتحاد کو ہندو سچ سمجھ رہے تھے وہ تو محض ایک خواب نکلا
گورنمنٹ کی ان فسادوں سے چاندی بن گئی۔ انگریز تو شروع سے ہی یہ کہتے تھے
ہندو مسلمانوں کا مُستقل طور پر میل ہونا مشکل ہے اور اِس لئے مُلک کا انتظام

کرنے کے لئے سب طاقت انگریزوں کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے۔ فسادی مسلمانوں نے اس امر کو ثابت کر دیا۔

ہندو جو کہ اس ملک کی اصل آبادی ہے اور ایک طرح سے اس ملک کی محبت ہندوؤں کے دلوں میں ہی موجزن ہو سکتی ہے یہ حالات دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ انہوں نے کانگریس کے کہنے پر بے انتہا قربانیاں کیں تاکہ اس میں ان کی جاتی اور دیش کا بھلا ہو لیکن نہ سوراجیہ ملا اور سوراجیہ کے لئے اتحاد بھی بالکل کھوکھلا نکلا۔ اب ہندوؤں کے لئے کیا راستہ تھا؟ کیا وہ ہاتھ جوڑ کر اتحاد کے لئے درخواست کرتے رہیں اور مسلمان لیڈروں سے اپیلیں کریں کہ ان کی اپنے ہم مذہبوں کی زبردستی سے حفاظت کریں۔ کیا وہ سوراجیہ کے لئے اپنی ہستی کو مٹا دینے پر طیار ہو جائیں۔ مسلمانوں کی پالیسی تو صاف تھی۔ جہاں پر کچھ آدمی مہاتما گاندھی کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ وہاں پر ان کے دوسرے بھائی سرکار کے ساتھ بلکہ سرکار سے اس شرط پر حقوق لے رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کانگریس کے برخلاف گورنمنٹ کا ساتھ دلائیں گے۔ سوا اس پر ایک تیسرا گروہ ہر جائز اور ناجائز ذریعے سے اپنی تعداد بڑھانے میں مصروف ہو گیا تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے برابر کر کے اس ملک کو بجائے ہندوستان کے اسلامستان بنا لیں۔ ہندوؤں کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ یہ سب قسم کے مسلمان گروہ اسلام کے فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے دل سے ایک دوسرے کے حامی اور مددگار تھے۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوؤں کا راستہ صرف ایک ہی تھا کہ وہ اپنے آپکو سنگٹھت کریں۔ اپنی قوم کو مٹنے سے بچانا ہندوؤں کے لئے پہلا فرض ہو گیا۔ سوراجیہ حاصل کرنا اور سوراجیہ کے لئے کام کرنا بلا شبہ ایک پوتر کام ہے لیکن سوراجیہ